سکندر اعظم



ہیرلڈ لیم

غلام رسول مہر

مکتبۂ جدید

سکندر اعظم

سکندرِ اعظم

ہیرلڈ لیم

ترجمہ :- مولانا غلام رسول مہرؔ

مکتبۂ جدید، لاہور

This is an authorized Urdu translation of
ALEXANDER OF MACEDON
by Harold Lamb

Published by Doubleday & Company, Inc.
New York.

SECOND URDU EDITION

PRINTED IN PAKISTAN

طبع دوم : اپریل ۱۹۶۸ء
تعداد : ایک ہزار
طابع : رشید احمد چودھری
مطبع : اشرف پریس ، لاہور
ناشر : مکتبۂ جدید ، لاہور

بہ اشتراک

مؤسسۂ مطبوعات فرینکلن لاہور ــ نیو یارک

ترتیب

دیباچہ

ہیرلڈ لیم، جن کی کتاب کا اردو ترجمہ خوانندگانِ کرام کی خدمت میں پیش کیا جا رہا ہے، دورِ حاضر کے مشہور اہلِ قلم میں شمار ہوتے ہیں اور اُن کی متعدد تصانیف علمی حلقوں میں خاص شہرت پا چکی ہیں۔ پیشِ نظر کتاب بھی اپنی بعض خصوصیتوں کے لحاظ سے ممتاز حیثیت کی مالک ہے، مثلاً:

۱۔ سکندر کے متعلق جتنی تفصیلات و جزئیات اس میں آ گئی ہیں وہ شاید ہی کسی دوسری کتاب میں یکجا مل سکیں۔

۲۔ سکندر کے بارے میں اب تک عام تصور یہی رہا کہ وہ عہدِ قدیم کا سب سے بڑا فاتح اور سب سے بڑا سپہ سالار تھا۔ مصنف نے اس کی جو نئی خصوصیتیں واضح کی ہیں، ان میں سے دو خاص طور پر قابلِ ذکر ہیں: اوّل یہ کہ اس نے علم و اکتشاف کی نہایت گراں قدر خدمات انجام دیں۔ دوم یہ کہ عوام کی داخلی آزادی کو بحال رکھتے ہوئے ایک عالمگیر وفاق کا خواب دیکھا اور زندگی کی مختصر سی مہلت اس خواب کی تعبیر کے لیے وقف کر دی۔ آپ کتاب پڑھ چکیں گے تو یقین ہے کہ سکندر کی فاتحیت اور یگانہ سپہ گری کے مقابلے میں مذکورہ بالا دو خصوصیتیں زیادہ فائق و برتر نظر آئیں گی۔ اس وجہ سے اس کی عظمت کا درجہ زیادہ بلند و برتر ہو جاتا ہے۔

۳۔ کتاب کی بڑی خصوصیت یہ ہے کہ مصنف نے جو کچھ بیان کیا ہے، اسے روایت کے بجائے مشاہدے کا درجہ دینے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہیں رکھا۔ سکندر کی وفات پر کچھ کم دو ہزار تین سو سال گزر چکے ہیں۔ مصنف خوانندۂ کتاب کو اس طویل مدت کے دھندلکے میں سے گزار کر اس عہد میں لے جاتا ہے جس میں سکندر سرگرمِ عمل تھا۔ اور ہر واقعے کا مشاہدہ اسی حالت میں کراتا ہے جس طرح وہ پیش آیا ہوگا۔

ان وجوہ سے کتاب نے جو اہمیت حاصل کر لی ہے وہ کسی مزید تشریح کی محتاج نہیں۔

مصنف کا ایک مخصوص طریقہ یہ ہے کہ وہ اوائل کتاب ہی میں بعض ایسے مباحث شروع کر دیتا ہے، جو نظر بظاہر اصل موضوع سے سراسر بے تعلق معلوم ہوتے ہیں لیکن کتاب کے اختتام تک پہنچتے پہنچتے پڑھنے والے کو خود بخود اندازہ ہو جائے گا کہ وہ مباحث حقیقتاً بے تعلق نہ تھے۔ اگرچہ مصنف نے ان کے سلسلے میں جو پیمانہ اختیار کیا۔ اس کے بارے میں اختلاف رائے کی کتنی ہی گنجائش ہو۔

مصنف نے کتاب میں یونانی افسانوں کی تلمیحات بر افراط استعمال کیں۔ ظاہر ہے کہ ان تلمیحات کے متعلق ضروری تصریحات کے بغیر عام اُردو خواہ اصحاب مطالب کتاب سے پوری طرح محظوظ نہ ہو سکتے تھے میں نے اس امر کا خاص خیال رکھا کہ ساتھ ساتھ تلمیحات کی مختصر سی کیفیت بیان کرتا جاؤں تاکہ کوئی حصہ غیر واضح نہ رہے۔ نیز بعض تاریخی تلمیحات کے متعلق اجمالاً حواشی تحریر کر دیے ہیں اور جو اسماء غیر معروف تھے۔ انھیں انگریزی میں بھی لکھ دیا تاکہ تلفظ میں غلطی کا امکان زائل ہو جائے

غرض کتاب کی ضخامت میں اضافہ کیے بغیر ترجمے کو مفید و دلچسپ بنانے کی پوری کوشش کی گئی ہے۔ ترجمے میں حتی الامکان مصنف کے اسلوب و بیان کی پابندی کی گئی ہے، لیکن جہاں انگریزی اسلوب بجنسہٖ اپنی اصل صورت میں اردو کا لباس اختیار نہ کر سکتا تھا، وہاں فقروں کو توڑا بھی گیا ہے۔ تاہم میرا خیال ہے کہ پوری کتاب میں ایسے مواقع بہت کم آئے ہوں گے۔ بنابریں اگر اسے لفظی ترجمہ قرار دینے کی جسارت کروں تو غالباً یہ گزارش بے جا نہ ہو گی ؛

غلام رسول مہر

پہلا حِصّہ

پہلا باب

سُورج کے رتھ کی گزرگاہ

ہم پہلے پہل اس کا ذکر سنتے ہیں تو وہ تنہا تھا، مطلب یہ نہیں کہ اِسے تنہا چھوڑ دیا گیا تھا۔ آدمی تو ہر وقت اس کے پاس رہتے تھے۔ مطلب یہ ہے کہ جن کاموں کے سرانجام کو اس کی آرزوؤں میں مرکز کی حیثیت حاصل تھی اور جن افکار میں وہ ڈوبا رہتا تھا۔ ان میں کوئی اس کا شریک و رفیق نہ تھا۔

اس کی نظروں میں سب سے زیادہ قدر و قیمت "ایلیڈ"[1] یا "داستان ٹرائے" کے ایک نسخے کو حاصل تھی۔ وہ رات کے وقت اسے بالالتزام پڑھتا رہتا۔ یہاں تک کہ کتاب کے مختلف حصے حفظ ہو گئے۔ مطالعے کے بعد رات کے باقی اوقات میں کتاب اس کی چوبی بالین کے نیچے رہتی۔ ایکی لیز[2] اس کے دل و دماغ پر اس طرح چھایا ہوا تھا کہ ایک اتالیق نے اسے ایکی لیز ہی کے نام سے پکارنا شروع کر دیا تھا۔ تمام دوسرے اوقات کی طرح سونے کا وقت بھی مقرر تھا۔ اور اس سے پیشتر شمع اس کے پاس سے اٹھالی جاتی۔ ساتھ ہی وہ عالمِ خیال میں اپنے محبوب کتابی مشاہیر کی صحبت اختیار کر لیتا۔ ان کے ساتھ سمندر عبور کرتا اور سرزمینِ مشرق کے اجنبی ساحل پر لنگر انداز ہوتا۔ چرمی کاغذ پر لکھی ہوئی یہ کتاب ایک ایسی نعمت تھی جسے وہ صرف اپنے لیے مخصوص رکھنے کا خواہاں نہ تھا۔ اس میں نہ اسے اپنے

---

[1] (ILIAD) یونان کے شاعر ہومر کی شہرہ آفاق نظم جس میں ایشیائے کوچک کے قدیم شہر ٹرائے کی تسخیر و تباہی کا افسانہ بڑے ہی پُرتاثیر انداز میں سنایا گیا ہے۔

[2] (ACHILLES) یونانِ قدیم کا معروف ہیرو، جو بہادری و مردانگی کا پیکر سمجھا جاتا تھا۔ ٹرائے کو اُسی نے فتح کیا تھا لیکن خود اس جنگ میں مارا گیا۔

عزیز لیونی دس[1] کو شریک کرنے کی ضرورت تھی۔ نہ رفیقوں اور اتالیقوں کو اور تھیبیز[2] کے آزمودہ کار ماہر حربیات کو۔ یہی لوگ تھے جو اس کی رفاقت اور تعلیم و تربیت کے لیے مقرر تھے۔

جو اتالیق اسے یونانی زبان کی تعلیم دیتے تھے یا خطابت و منطق کی مشق کراتے تھے، انہیں اس کی ماں نے منتخب کیا تھا۔ ان میں سے لیونی دس کو تقدم حاصل تھا۔ وہ تمام اتالیقوں کا افسر تھا۔ اس کے ساتھ ماں کی طرف سے عزیزداری بھی تھی اور وہ بڑا سخت گیر اور متشدد آدمی تھا۔

مختلف اتالیقوں نے دن بھر کے اوقات باہم تقسیم کر رکھے تھے۔ ان کے مطابق تعلیم و تربیت کے فرائض انجام پاتے۔ صبح کی روشنی نمودار ہونے سے پیشتر اسے اٹھا دیا جاتا۔ پہلے مقررہ میدان میں ایک پیادہ غلام کے ساتھ دوڑنا پڑتا۔ پھر ناشتا نصیب ہوتا۔ دوڑ کے مقام پر پہنچتا تو اتالیق پکار کر کہتا: "طلوعِ آفتاب سے پہلے دوڑ لگالی جائے تو ناشتا مزا دے جاتا ہے ہلکا ناشتا کیا جائے تو کھانا اچھا کھایا جاتا ہے۔"

دوڑ ایک ہزار قدم کی تھی اور قبرستان پر پہنچ کر ختم ہوتی تھی۔ اس میں گھٹنے جھکے رہتے، دوڑتا تو ایسا معلوم ہوتا جیسے پہاڑی لوگ چھلانگیں لگاتے ہیں۔ موڑ پر پہنچتا تو سامنے زیارت گاہ کے سنگِ مرمر پر یہ الفاظ جلی حروف میں کندہ نظر آتے: "میں اب لافانی دیوتا بن چکا ہوں۔ اب میرے لیے فنا نہیں۔"

یہ مینار ایک نشان تھا جہاں سے واپسی پر شہر پہنچنے کے لیے چڑھائی میں دوڑنا پڑتا۔ لڑکا بڑے شوق سے دوڑ پوری کرتا۔ اگر سورج کی کوئی کرن ٹیلے کی پیشانی پر نمودار ہو جاتی تو اس کا مطلب یہ ہوتا کہ سورج کا رتھ دور افتادہ سمندر کے اصطبل سے نکل کر حرکت میں آچکا ہے اور اس نے آسمان کا مقررہ سفر شروع کر دیا ہے۔ جب بادل پہاڑوں پر چھا جاتے تو لڑکے کو ایسا معلوم ہوتا

---

[1] LEONIDAS

[2] (THEBES) یونان کا ایک قدیم شہر جو ایتھنز کا حریف بنا رہا۔ ۳۷۱ ق م میں سپارٹا کو شکست دے کر اس شہر نے پورے یونان میں ممتاز ترین درجہ حاصل کر لیا تھا۔ سکندر کا باپ فیلقوس بھی وہاں کچھ مدت تک بطور یرغمال رہا تھا اور وہیں اس نے جنگی فنون میں کمال حاصل کیا تھا۔ مشہور حکمران اپی می نانڈیس EPIMANENDES کی وفات تھیبز کی عظمت ماند پڑ گئی اور آہستہ آہستہ یہ مٹ گیا۔ سکندر نے اسے بالکل برباد کر ڈالا۔

کہ جو گھوڑے سورج کا رتھ کھینچ لیے جاتے ہیں۔ اُن کے سر بادلوں کے اوپر اُچھلتے ہیں۔ دوڑ شاہی محل کے درختوں کی سب سے بیرونی قطار کے پاس ختم ہوتی۔ یہ مقام قریب آتا تو لڑکا لمبے ڈگ بھرتا ہوا غلام کو پیچھے چھوڑ جاتا۔ اسے قطعاً گوارا نہ تھا کہ کوئی اس سے آگے نکل جائے اور غلام آگے نکلنے کی جسارت بھی نہ کر سکتا تھا۔

محل میں پہنچتا تو سیدھا قربان گاہ کی آگ کے پاس چلا جاتا، اور اُٹھتی ہوئی خوشبوؤں کے دھوئیں سے اپنے ہاتھ پاک کرتا۔ اُس وقت اُسے ایسا محسوس ہوتا کہ ابھی تک دوڑنے والے سورج کا خیر مقدم کر رہا ہے۔ سورج مشرق میں اُن بلندیوں پر اٹرا چلا جاتا تھا۔ جہاں دیوتا رہتے تھے۔ دیوتاؤں کے آس پاس نہ اندھیرے کو بار مل سکتا تھا اور نہ نیند کو۔

وہ ڈبے میں سے خوشبو اٹھاتا اور مٹھیاں بھر بھر کر بے پروایانہ آگ پر ڈالتا جاتا تاکہ دھواں بلند ہو اور آگ کی حرارت سے اُس کا سرد جسم گرم ہو جائے۔ ساتھ ساتھ آہستہ آہستہ کہتا جاتا، "مقدس باپ کی تقدیس ہو۔ اس کے بیٹے کی تقدیس ہو جو سینگوں والے سانپ سے پیدا ہوا ۔۔۔ دعا ہے وہ ہمارے نگران رہیں اور ہماری حفاظت کریں۔"

یہ الفاظ تاریکی میں زبان پر آتے تو محض خالی بول سمجھے جاتے۔ بڑھتی ہوئی روشنی نے ان میں خاص معنویت پیدا کر دی تھی۔ اس لیے کہ وہ محسن اور مربی مخاطب تھے اور وہ عظیم الشان روحیں مخاطب تھیں جو بہت دور تھیں۔ متحمل و بردبار اور نگران و ہوشیار۔

دیوتاؤں کی ضیا بخش رفاقت کے بارے اس کے تصوّرات کی یہ صورت تھی۔ دیوتا کون تھے؟ زیوس[1] اور تیز پرواز افروڈائٹ[2] جس سے ایکلیز نے نصیحتوں کی روشنی پائی تھی۔ وہ دہکتی ہوئی قربان گاہ میں خوشبو کے انبار لگاتا تو لیونی ڈس اس کا بازو چھو کر روکھے پھیکے انداز میں کہتا: "ایسا ہوا لوبان رہنے نہیں جسے مٹھیاں بھر بھر کر ڈالتے جا رہے ہو۔"

---

[1] ZEUS وہ دیوتا جسے رومی جوپیٹر کہتے تھے اور اسے تمام دیوتاؤں کا دیوتا مانتے تھے یونانیوں میں اس کا نام زیوس تھا۔ یہ نام مشتری ستارے کے نام پر رکھا گیا تھا۔

[2] APHRODITE جس کا نام رومیوں نے وینس رکھا یعنی زہرہ جسے محبت کی دیوی مانا جاتا تھا۔

ایسے موقعوں پر لڑکے کو محسوس ہوتا کہ اس کا دم گھٹ رہا ہے سانس رکتا ہوا معلوم ہوتا دماغ پر تناؤ کی کیفیت طاری ہو جاتی اور زبان نہ کھول سکتا۔ بلاشبہ لوبان اور خوشبوئیں عرب‌ستان سے آتی تھیں جو بہت دور تھا۔ لیکن وہ سوچتا کہ مجھے قربان گاہ میں قربانی کی غرض سے بھیجا گیا ہے۔ یہ کیونکر ممکن ہے کہ قیمتی خوشبوؤں کی ایک چٹکی لے کر چڑھا دے کی محض رسم پوری کر دوں اور سمجھ لوں کہ یہ خوشبو مناسب وقت تک باقی رہے گی۔ اس کے دل میں احساس پیدا ہوتا تھا کہ یا تو خوشبو کا پورا ذخیرہ چڑھاوے میں صرف کر دے یا سرے سے چڑھاوے کا خیال ہی دل میں نہ لائے لیکن وہ اِس احساس کو اپنے لیونی دس پر ظاہر نہ کر سکتا تھا۔

ماں کے رشتہ داروں سے بات چیت آسان نہ تھی۔ وہ بتا دیتے کہ فلاں کام کرو اور فلاں نہ کرو اور لڑکے کے لیے پابندی لازم تھی۔ وہ سمجھتا تھا کہ باپ نے گھڑ دوڑ کے لیے جو گھوڑے پال رکھے ہیں انھیں کیوں نئے راستے پر دوڑانے کی اجازت نہیں دیتا۔ باپ کہتا ہے کہ مقدونیہ کے باشندے پہاڑی ہیں اور انھیں پہاڑوں پر چڑھنے میں مہارت حاصل کرنی چاہیے۔ لیونی دس اسے باریک پیسی ہوئی یا دودھ میں ابلی ہوئی جواری نہ کھانے دیتا اور کہتا کہ ریچھ کی انتڑیاں یا جنگلی سور کی ہڈیوں کا گودا کھاؤ۔ اِس غذا سے تم میں بہت طاقت پیدا ہو گی جس کی تھیں ضرورت ہے۔

صبح کے وقت قربانی کی رسم ادا ہو چکتی تو لیونی دس لڑکے کے کمرے میں جا کر جگہ جگہ دیکھ بھال کرتی کہیں اس کی ماں نے چوری چھپے شہد کی مکھیاں یا دودھ کا پیالہ تو نہیں رکھ دیا اور وہ اکثر اِس قسم کی حرکتیں کرتی رہتی تھی۔ ماں کے تمام عزیز اور رشتہ دار لڑکے کی تربیت کے سلسلے میں جن امور کو اپنا فرض سمجھتے انہیں پورا کرنے میں بڑے ہی سخت تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ لڑکا زیادہ سے زیادہ جفاکش اور سخت کوش بن جائے اِس لیے کہ بادشاہی کے تخت پر بیٹھنے کے بعد اُسے ادائے فرض کے سلسلے میں بڑی حوصلہ مندی کی ضرورت تھی۔

لڑکے کو یقین نہ تھا کہ وہ لوگ دیوتاؤں پر ایمان رکھتے ہیں۔ وہ کہا کرتے تھے کہ ابتدا میں زمین ایک مسطح اور ہموار پیالے کی طرح آسمان کے نیچے ٹکی ہوئی تھی اور اس پر انتہائی اندھیرا چھایا ہوا تھا۔ اِس پر زندگی کا کوئی نشان نہ تھا۔ پھر نور نمودار ہوا، روشنی پھیلی۔ اس سے

پیشتر صرف وقت کارفرما تھا۔

اور روشنی مشرق میں مقدس باپ زیوس کے پاس تھی۔ مشرق ہی کی بلندی سے سورج کا رتھ اپنے محور پر چلتا ہوا ضیا کرتا تھا۔ یہیں سے پہلے پہل پرومی تھیوس[1] نے آگ چرائی اور اُسے سزا کے طور پر زنجیروں میں جکڑ کر ان پہاڑوں پر بٹھا دیا گیا جو مشرقی سمت میں حدِّ فاصل کا کام دے رہے تھے۔ باقی رہی مغربی سمت تو لڑکے کو صرف اتنا معلوم تھا کہ ادھر سمندر پر شفق کے سائے کے سوا کچھ نہیں۔ سورج کا رتھ جب ادھر پہنچتا تو سمندر کا پانی اس کی آگ بجھا دیتا ہے۔ وہیں موت کے بعد انسانوں کی روحیں چلی جاتیں۔ وہ سایوں کی غلام بن جاتیں اور نور سے محروم ہو جاتیں۔

ایک روز اُس نے سنا کہ لیونی ڈس یونانی زبان کے اتالیق لسی میکس[2] سے کہ رہا تھا: سکندر کتاب کا کیڑا ہے۔ وہ قربان گاہ میں خدمت گزاری کا خواہاں معلوم ہوتا ہے اور حقائق سے دور بھاگتا ہے۔ ظاہر ہے کہ وہ اپنے باپ کی طرح مردِ میدان نہیں بن سکتا۔

سکندر کتابوں سے اِس لیے چمٹا رہتا تھا کہ وہ جب ان کے مطالعے میں غرق ہو جاتا تو کوئی اسے یہ بتانے کے لیے سر پر موجود نہ ہوتا کہ اب تمھیں یہ کرنا یا یہ پہننا چاہیے۔ اس کے رفیق ہر وقت ساتھ رہتے۔ وہ ہنستے، خوشیاں مناتے۔ اپنے راز سناتے —— اور بے تابی کے بادبان سے اُڑتے ہوئے دور سمندروں میں جزیروں کے اندر پہنچ جاتے۔

ایک روز سکندر نے اچانک لیونی ڈس سے سوال کیا: "کیا ابّا جان کے کچھ دوست بھی ہیں؟" لیونی ڈس پر حیرت طاری ہو گئی۔ وہ بولا: "تمھارے ابّا جان بادشاہ ہیں" —— پھر رُک گیا۔ اُسے احساس تھا کہ لڑکے کے سوال کا مطلب کیا ہے۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ کیا فیلقوس شاہِ مقدونیہ کو ناؤنوش کی محفلوں میں شریک ہونے والے ساتھیوں کے علاوہ کچھ ایسے رفیق بھی ملے ہیں جو اس کے خیالات و افکار میں حصہ دار ہوں اور کمزوریوں کے باوجود اس سے محبت

---

[1] یونانی افسانوں کے مطابق PROMETHEUS آسمانوں پر چڑھ گیا اور سورج سے آگ چرا کر لے آیا تاکہ انسانوں کو زندگی کی حرارت سے بہرہ مند کرے۔ زیوس نے اسے سزا کے طور پر پکڑ کر قفقاز کی ایک چٹان سے باندھ دیا۔ گدھ روزانہ اس کا کلیجہ کھا جاتے اور دوسرے دن پھر کلیجہ اصل حالت پر آجاتا۔

[2] LYSIMACHUS

کرتے ہوں[1]۔ لیونی دس نے سوال پر غور کیا۔ پھر انتہائی دیانت داری مگر احتیاط سے جواب دیا: "اس کے دوستوں میں پارمینیو ہے۔ اینٹی پیٹر[2] ہے۔ ہاں ایتھنز کا دیماڈس[3] بھی تو ہے۔" غرض اُس نے دو جرنیلوں اور ایک مدبر کا نام لے دیا۔

لڑکا فوراً بول اُٹھا: "میرے کون کون دوست ہیں؟ تین کے نام لو۔"

اس سوال کے جواب میں لیونی دس بے توقف بولا: "بطلیموس[4]، نیارکس[5]، ہارپالوس[6] میں ایسے ایک درجن آدمی گنا سکتا ہوں۔"

سکندر سوچ میں پڑ گیا۔ ایک درجن؟ اتنے ہی اُس کے ساتھی تھے جنھیں اس کی ماں نے چُن کر مختلف اتالیقوں کے اسباق میں شامل کر دیا تھا۔ اُن کی عمریں بارہ سے چودہ سال تک تھیں۔ بطلیموس سکندر سے ایک سال بڑا تھا۔ وہ تعلیم میں بھی ہوشیار تھا۔ اور لطیفہ بازی میں بھی۔ اس کی ماں آرسی نوئی[7] یونان کی ایک بازاری عورت تھی۔ جو اپنے بال مشرقی انداز میں رنگا کرتی تھی۔ اگرچہ آرسی نوئی نے کبھی اقرار نہ کیا، لیکن بطلیموس کو یقین تھا کہ وہ خود فیلقوس کا بیٹا ہے۔ یہی وجہ تھی کہ دل میں اپنے آپ کو سکندر سے بڑا نہیں تو اس کے برابر ضرور سمجھتا تھا لیکن لوس کا درجہ سکندر سے نیچا رکھا گیا تھا۔ اس لیے کہ اُس کی ماں کو فیلقوس کی بیوی تسلیم نہ کیا گیا تھا۔

نیارکس پہاڑوں سے بہت دور جزیرہ کریٹ میں پیدا ہوا تھا۔ وہ جہازوں پر سوار ہو کر

---

[1] LEONIDAS [3] DEMADUS

[2] ANTIPATER

[4] PTOLEMY عربی میں اس نے بطلیموس کی شکل اختیار کی جس طرح فلپ عربی میں فیلقوس بن گیا۔ یہاں بطلیموس کے بجائے ٹالمی ہی لکھنا شاید مناسب ہوتا لیکن چونکہ اس شخص نے آگے چل کر مصر میں ایک مستقل حکومت کی بنیاد رکھی اور اس کا خاندان ہمارے ہاں بطلیموس مشہور ہو گیا۔ اس لیے میں نے عربی نام استعمال کیا۔

[5] NEARCHUS [6] HARPALUS

[7] ARSINOE

جزیرہ جزیرہ پھرتا رہا۔ اگرچہ اس بارے میں باتیں کرنے کا عادی نہ تھا۔ سچی بات یہ ہے کہ نیارکس بہت کم بات کرتا تھا۔ بے شک وہ مجولیوں کے ساتھ پھرتا۔ لیکن اس کا بادامی چہرہ بالکل بے کیف تھا اور جو کچھ وہ کرنا چاہتے چپ چاپ اس سے اتفاق کر لیتا۔ سکندر نیارکس کو بہت اچھا سمجھتا تھا اس لیے کہ وہ کبھی کسی بات پر جھگڑا نہ کرتا اور دونوں کے درمیان سکوت و خاموشی کی خلیج حائل تھی ہارپالوس کے ساتھ سکندر کو کسی بھی نوع کا اشتراک نہ تھا۔ وہ دہقان کا بیٹا تھا اور مطالعے سے ہمیشہ تنگ رہتا۔ ہارپالوس کو سکندر کی ماں نے اس وجہ سے رفاقت کے لیے چنا تھا کہ اس کے بیٹے کو ہر نمونے کے لوگوں سے شناسائی حاصل ہو جائے۔

سکندر نے ذرا خفگی کے لہجے میں لیونی دس سے کہا: "میں نے تین دوستوں کے نام پوچھے تھے نہ کہ رفیقوں کے۔" لیونی دس نے اسے تعجب کی نگاہوں سے دیکھتے ہوئے جواب دیا: "آدمی کو اپنے دوست خود بنانا چاہئیں۔" پھر ذرا دیر کے لیے رکا اور بولا: "تمہیں اس وقت تک یہ حقیقت معلوم ہونی چاہیے تھی۔"

تنہائی کے بعد خوف کا درجہ تھا۔ اس کے بارے میں سکندر بات چیت نہ کرتا تھا۔ جب خوف کا تصور پیدا ہوتا تو اسے تھیبز کے آزمودہ کار سپاہی کا خیال آ جاتا جس کے چہرے پر زخم کا ایک نشان آنکھ سے نیچے تک چلا گیا تھا اور اس نشان نے اس کے چہرے کو چکی ہوئی ہی سے مشابہ بنا دیا تھا۔ فیلقوس نے اپنے لڑکپن کا زمانہ بطور یرغمال تھیبز ہی میں گزارا تھا۔ اس زمانے میں اُس نے صف بند سپاہیوں کی قواعد سیکھی تھی اور وہیں سے وہ اس آزمودہ کار سپاہی کو ساتھ لایا تھا۔ سکندر کو خوب یاد تھا کہ فیلقوس اسے لایا تھا تو بیٹے سے کیا کہا تھا: "اگر تم کبھی جنگ کرو تو جن لوگوں کو جنگ میں کمال حاصل ہے۔ اُن سے طریقے ضرور سیکھ لینا۔"

فیلقوس کی جو آنکھ سلامت تھی، مذکورہ بالا الفاظ کہتے ہوئے اُس سے ایسے انداز میں اشارہ کیا تھا کہ واضح نہ ہو سکا خطاب خاموش آزمودہ کار سپاہی سے تھا یا خاموش بیٹے سے۔ سپاہی زیادہ جسیم اور تنومند نہ تھا لیکن اس کے گھٹتے ہوئے پٹھے بٹی ہوئی زنجیروں کی صورت اختیار کر گئے تھے۔ وہ بارہ فٹ لمبا نیزہ اپنے زخم خوردہ ہاتھ میں پکڑ کر بے تکلف سر کے اردگرد گھماتا اور تیس قدم پر پھینک دیتا۔ لیکن وہ سکندر کو نیزہ پھینکنے کی نہیں بلکہ تلوار چلانے

کی مشق کراتا۔ مشق کی تلواریں بہت ہلکی ہوتیں۔ ان کے لوہے کو صیقل کے ذریعے سے چمکا دیا جاتا۔ جب یہ تلواریں دھات کی کسی چیز سے ٹکراتیں تو ان میں سے چھن کی آواز پیدا ہوتی۔ مشق کے بعد روزانہ سپاہی تلواروں کو خوب صاف کر لیتا اور وہ کہتا رہتا۔ اگر تم تلوار کو ہمیشہ عصا یا شکاری چاقو کی طرح ہاتھ میں رکھو گے تو اس کے عادی ہو جاؤ گے۔ ضرورت کے وقت بے تکلف استعمال بھی کر سکو گے اور نتیجے سے بے پروا ہو کر اس سے ضرب بھی لگا سکو گے۔

سکندر کو بوڑھے سپاہی کے ان الفاظ پر اکثر غصہ آتا۔ وہ سمجھتا کہ زبان سے ایسی گفتگو کی حیثیت وہی ہے، جیسے ہو کا کاشتکار فلسفے پر خطبے دینے لگے۔ اُسے بارہا خیال آتا کہ شاید سپاہی سمجھتا ہے میں تلوار کے استعمال سے ڈر رہا ہوں، خصوصاً اس وقت جب بطلیموس سے سابقہ مقابلہ پڑتا ہے۔ وہ جب بھاری چوبی ڈھال اپنے بائیں ہاتھ میں تھام کر کھڑا ہوتا تو اس کی ہتھیلیاں پسینے سے نم آلود ہو جاتیں اور پیٹ پر جیسی کی سردی چھا جاتی۔ حالانکہ وہ جب شکار کے لیے نکلتا یا نیزہ نشان پر پھینکتا تو اس کے دل میں رغبت و شوق کی حرارت موجزن رہتی۔

بطلیموس یقیناً سکندر کے مقابلے میں جسم کا ہلکا پھلکا اور زیادہ ہوشیار تھا۔ دوڑ، کسرت اور سواری نے سکندر کے بدن میں صلابت پیدا کر دی تھی اور اس میں پھرتی نہ رہی تھی۔ وہ سیدھا کھڑا ہوتا تو سر ایک طرف ذرا سا جھکا رہتا۔ اُس کی نیلگوں آنکھیں حریف پر جمی ہوتیں اور الجھے ہوئے سنہری بال پیچھے کی طرف باندھ دیے جاتے تاکہ آنکھوں کے سامنے نہ آ جائیں۔ اس کی جلد ماں کی جلد کی طرح نازک تھی اور چہرے پر سرخی کی لہریں دوڑ رہی تھیں لیکن جسم سورج کی تمازت کے باعث بادامی رنگ کا ہو گیا تھا۔ ماں کی طرح وہ خوبصورت بھی تھا۔

لیکن بطلیموس بڑی چالاکی اور احتیاط سے لڑتا۔ چوبی ڈھال پر کامیاب ضربیں لگانے میں بہ سہولت سکندر پر سبقت لے جاتا۔ صاف ظاہر ہوتا کہ تیغ زنی میں اس کا درجہ یقیناً اونچا ہے۔ جب سپاہی موقع پر نگرانی کے لیے موجود نہ ہوتا تو سکندر کو ضرر پہنچانے میں بھی تامل نہ کرتا۔ مثلاً کبھی تلوار کی نوک ران پر یا سر کی ایک سمت میں اس طرح لگا دیتا کہ خون نکل آتا اور نگران کار کو مشق روکنی پڑتی۔ اس وقت بطلیموس ایسے انداز میں مسکرا پڑتا گویا وہ اس نمائشی جنگ سے بیزار ہے۔

ایک مرتبہ سکندر اور بطلیموس مشق کر رہے تھے اور نگران کار نے انھیں روکنے کی ضرورت

محسوس نہ کی۔ سکندر کو ایسا محسوس ہوا کہ اس کا جسم بے طاقت سا ہو رہا ہے یہاں تک کہ وہ اپنے بوجھ کو ایک پاؤں سے دوسرے پاؤں کی طرف منتقل کرنے سے بھی عاجز ہو گیا۔ اس کی آنکھوں میں خون اتر آیا جس کی وجہ سے نصف بینائی زائل ہوتی ہوئی معلوم ہوئی۔ اس نے یہ کیفیت ختم کر دینے کی کوشش کی۔ کچھ مدت تک اُسے بطلیموس کی شکل سرخ رنگ کی نظر آتی رہی۔ پھر یکایک وہ کیفیت زائل ہو گئی۔ تلوار اس کے جسم میں ہلکی محسوس ہونے لگی۔ وہ اسے تیزی سے حرکت دینے لگا۔ اور اُس نے پھرتی سے آگے یا پیچھے ہونا شروع کر دیا۔ اب بطلیموس کی ناکامی کا دور شروع ہوا۔ اُس کی ڈھال ٹوٹ گئی اور تلوار کی حرکت سے بے چارگی ٹپکنے لگی۔

اس کے برعکس سکندر پہ وہی گرمجوشی طاری ہو گئی جو شکار میں اس وقت پیدا ہوئی تھی۔ جب اس کا گھوڑا ہرن کے پاس پہنچ جاتا تھا۔ اس اثنا میں نگران کی زبان سے صدا بلند ہوئی "رک جاؤ" اور اس کا نیزہ دونوں تلواروں کے درمیان حائل ہو گیا۔ بطلیموس کے خاصے زخم لگ چکے تھے۔ وہ سسکیاں بھر رہا تھا اور اُس کی ٹانگیں لڑکھڑا رہی تھیں۔ نگران کار نے سکندر کا دایاں بازو تھام لیا اور آہستہ آہستہ اُسے ساتھ لے کر اکھاڑے سے نکل گیا۔ جب اس کا جوش سرد پڑ گیا تو نگران نے کہا: "اگر تم اس شعلہ مزاجی پر قابو پانا سیکھو گے تو لمبی عمر نہ پاؤ گے۔"

فیلقوس کے پاس نگران نے یہ رپورٹ پیش کی کہ اس پر غیر معمولی تیزی ہے اور وہ دوسروں کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہے لیکن اُسے پسینہ بہت آتا ہے گویا اس کی حالت وہی ہے جو دوڑ کے گھوڑوں کی ہوتی ہے جب انھیں رتھ میں جوتنے کے لیے ساز سے آراستہ کیا جاتا ہے تو بے قابو ہو جاتے ہیں۔ مجھے اندیشہ ہے کہ جنگی اسلحہ جس طرح استعمال کرنا چاہیے اس طرح استعمال کرنا اسے شاید کبھی نہ آئے۔

فیلقوس یہ سنتے ہی بولا: "یہ اوصاف اُسے ماں سے ورثے میں ملے ہیں۔"

موسمِ بہار میں سیل آجاتے تھے تو سکندر کو دریا میں سے تیر کر گزرنے کے وقت بھی اسی قسم کا خوف لاحق ہو جاتا تھا۔ بار کس کو سیل کا خیال بھی نہ ہوتا تھا۔ وہ بے تکلف پانی میں گھس جاتا اور حسنِ تدبیر سے یوں باہر نکل جاتا جیسے کوئی گندم کی فصل میں سے گزر جاتا ہے۔ تیز لہریں اُسے کہیں سے کہیں لے جاتیں لیکن وہ پار پہنچ جاتا۔ سکندر دریا میں گھستا تو پانی سے

کشاکش شروع ہو جاتی۔ جدوجہد میں اُس کا سانس پھُول جاتا تو ناچار اسے لوٹنا پڑتا۔ اسے ایسا معلوم ہوتا کہ نیارکس میں کوئی خاص صلاحیت یا قوت ہے جس سے میں محروم ہوں۔ مگر نیارکس نے اپنی اس مخصوص صلاحیت پر کبھی فخر نہ کیا۔ وہ ہمیشہ کہتا: "دریائی چوہا اس سے بھی بہتر طریق پر پار پہنچ سکتا ہے"۔

ایک مرتبہ لطلیموس نے طعن آمیز انداز میں سکندر سے کہا: "دوڑ میں تمھیں حیرت انگیز کمال حاصل ہے۔ اگر میراتھان[1] کی دوڑ میں اس لیے شریک نہیں ہو سکتے کہ نوعمر ہو تو کیوں نہ اگلے سال پیتھو[2] کے کھیلوں میں شریک ہو جاؤ"۔

سکندر کے دل میں ہزاروں تماشائیوں کا نقشہ تازہ ہو گیا۔ جو کھیلیں دیکھنے کے لیے جمع ہوتے تھے اور چنے ہوئے دوڑنے والے ایک دوسرے سے بازی لے جانے کے لیے انتہائی جدوجہد کیا کرتے تھے۔ اس نے انکار میں سر ہلا دیا۔

لطلیموس نے ایک کچوکا لگانے کی غرض سے کہا: "کیا تمھیں یہ غم کھائے جا رہا ہے کہ اوّل نمبر پر نہ آ سکو گے؟ ہاں بھائی شہزادے کے لیے ناکامی بُری چیز ہے۔ کیوں ٹھیک ہے نا؟" سکندر نے جواب دیا: "میں دوڑ میں شریک ہونے کے لیے تیار ہوں بشرطیکہ مقابلہ شہزادوں سے ہو"۔ لطلیموس مسکرا کر رہ گیا اور آگے کچھ نہ کہہ سکا۔

محل کے نوکر چاکر کہتے تھے کہ پانی سکندر کے لیے ہمیشہ خطرناک رہے گا۔ جو رُخ سمندر کا

---

[1] میراتھان MARATHON پہاڑوں کے بیچ میں ایک میدان جو ایتھنز سے بائیس میل کے فاصلے پر ہے ۴۹۰ ق م میں ایک ایرانی فوج نے یونان پر حملہ کیا تھا اور اسی میدان میں ٹھہری تھی۔ یونانیوں نے اسے شکست فاش دی۔ ایک شخص اس میدان سے دوڑ کر ایتھنز پہنچا تاکہ فتح کی خوشخبری پہنچائے۔ اس کی یادگار میں یہ دوڑ رکھی گئی۔ جس میں اول نمبر حاصل کرنے والے کو بڑے اعزازات دیے جاتے۔ یہ دوڑ چھبیس میل اور تین سو پچاس گز تھی۔

[2] پیتھو PYTHO کوہ پرناسس کے ڈھلان پر ایک مقام تھا جہاں ہر چوتھے سال کھیل ہوتے تھے بعد میں اس مقام کا نام ڈلفی رکھا گیا اور وہاں ایک مندر بن گیا جس کے دیوتاؤں سے مشورہ لینے کی بڑی شہرت ہوتی۔ جب کسی کو کوئی کام کرنا ہوتا تو ڈلفی کے مندر میں پہنچا جاتا اور پوچھتا۔ وہاں کے پجاری ایک خاص انداز میں جواب دیتے اور اس جواب سے ہر شخص اپنے مطلب کی بات پا لیتا۔

کی گہرائی میں رہتی ہے۔ وہ شہزادے کی دشمن ہے اور کوئی قربانی اس دشمنی کو زائل کرنے میں کارگر نہیں ہو سکتی۔ بنارکس کی تربیت بھی سمندر کی آغوش میں ہوئی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ روحوں کو مانو یا نہ مانو لیکن پہاڑ سیلِ سمندر کے مقابلے میں زیادہ خطرناک ہوتے ہیں۔

معلوم نہ ہو سکا کہ سکندر کو اپنے باپ کے شہر پیلا[1] سے کیوں نفرت تھی۔ اس شہر کے ارد گرد کوئی فصیل نہ تھی۔ اس لیے کہ فیلقوس نے اعلان کر دیا تھا۔ پیلا کو کسی فصیل کی ضرورت نہیں۔ یہ چھوٹا سا شہر تھا۔ تمام مکان سنگِ خارا کے تھے۔ اور ان کی وضع قطع سپاہیوں کی بارکوں جیسی تھی۔ شہر کے اندر باغات بھی نہ تھے۔ وسیع بازاروں کی جگہ اس میں چکر کھاتی تنگ گلیاں تھیں، جن میں جا بجا زینے بنے ہوئے تھے تاکہ لوگ اوپر نیچے جا سکیں۔ حقیقت یہ ہے کہ شہر پہاڑ کے دامن میں بنایا گیا تھا اور اس میں قدم قدم پر نشیب و فراز تھے۔ سکندر کے دل میں شاید اس وجہ سے نفرت پیدا ہو گئی کہ اسے پیلا سے باہر جانے کی اجازت نہ تھی اور وہ اس شہر کو اپنے لیے قید خانہ سمجھتا تھا۔ پھر اس میں نئی نئی عمارتیں بنانے کا سلسلہ برابر جاری تھا۔ یہ حالت دیکھ کر دل میں اثر پڑتا کہ شہر زلزلے سے تباہ ہو چکا ہے اور اسے از سرِ نو تعمیر کیا جا رہا ہے۔ تمام نئے مکانوں کے سامنے سائبان بنا دیے گئے تھے جنھیں یونانی انداز میں خوش وضع ستون سہارا دیے کھڑے تھے۔ بایں ہمہ پیلا بدوضع شہر تھا اور جنوبی یونان کے مشہور شہروں کے مقابلے میں بالکل بستی سا معلوم ہوتا تھا۔

فیلقوس پہلے ایک پہاڑی مقام میں رہتا تھا جس کا نام ائی گائی[2] تھا۔ پھر اس نے ایک خوبصورت جھیل کے کنارے پیلا تعمیر کرایا اور کنبے کو یہاں لے آیا۔ جھیل کے علاوہ پیلا سے سمندر کا کنارا بھی نزدیک تھا۔ فیلقوس کہا کرتا تھا کہ اگر ہمارے پاس جہاز نہیں تو نہ سہی۔ کم سے کم ہم اپنے شہر کو منتقل کر کے شاہراہ سے قریب تو لا سکتے ہیں۔ زندگی بھر میں یہی ایک موقع ہے جس پر فیلقوس کی بیوی تعرض معترز رہی۔

پیلا میں سب سے زیادہ خوبصورت مقام گھڑ دوڑ کا میدان تھا جو فیلقوس نے جھیل کے پاس گھوڑوں کی دوڑ کے لیے خاص اہتمام سے بنوایا تھا۔ سکندر کی ماں نے پہلی مرتبہ یہ میدان

---

[1] PELLA یہ خلیج تھسلی سے ذرا اوپر واقع تھا

[2] AEGAE یہ شہر پیلا کے شمال میں تھا

دیکھا تو پکار اُٹھی، ہمارے پاس بڑے اچھے اصطبل ہیں۔) سکندر کی ماں اکثر ڈلفی کے مندر اور کارنتھ[1] کی منڈیوں میں جاتی رہتی۔ اس وجہ سے بھی پیلا سکندر کی نظروں میں خاص وقعت نہ پا سکا۔ اس کی ماں اکثر کہتی کہ پیلا کو فیلقوس نے اپنے نقشے کے مطابق بنوایا ہے۔ اُس نے ارادہ کر رکھا ہے کہ اپنی وفات پر بیٹے کے لیے تعمیر کی کوئی گنجائش نہ چھوڑے گا اور اسے نقشے بنانے کا اتنا ہی سلیقہ ہے جتنا کہ گھوڑوں کے گلہ بان کو ہو سکتا ہے۔

شاید سکندر کو اس وجہ سے بھی پیلا پسند نہ تھا کہ اس میں دبی ہوئی مزاحمت محسوس ہوتی تھی۔ فیلقوس اگرچہ اکثر اپنی فوجوں کے ساتھ پیلا سے باہر رہتا تاہم وہاں اس کا حکم چلتا۔ اسے پسند نہ تھا کہ پیلا میں کوئی بھی کام اس سے مشورہ لیے بغیر انجام پائے۔

اگرچہ یہ شہر ایک تنگ اونچی وادی میں واقع تھا لیکن بڑی شاہراہ سے قریب تھا۔ قبرستان کے پاس جو ٹیلا تھا، اُس پر کھڑے ہو کر دیکھنے سے سمندر کی سیاہی مائل جھلک صاف نظر آتی تھی اور ساحلِ بحر کے ساتھ ساتھ ایک سفید خط بھی دکھائی دیتا تھا۔ یہ شاہراہِ اعظم تھی، جو ایران کے بادشاہ زرکسیز[2] نے ایک صدی پیشتر بنوائی تھی۔ جب وہ ایشیا سے چل کر یونان کو فتح کرنے آیا تھا۔

فیلقوس کو اس شاہراہ سے کوئی سروکار نہ تھا۔ تمام مشرق کی جانب یہی بہترین شاہراہ تھی۔

اسی شاہراہ سے ایک مرتبہ مشرق کے آدمیوں کا ایک جلوس آیا۔ وہ لوگ آہستہ آہستہ گرد و غبار سے اٹی ہوئی سڑک کے ذریعے سے پیلا پہنچا اور خود ان کی اڑائی ہوئی گرد نے ارد گرد پردہ سا تان رکھا تھا۔ بایں ہمہ چمکیلے ارغوانی جبے اور زرتار لباس پردۂ غبار میں بھی دمک رہے تھے۔ سکندر نے شان و شکوہ کا ایسا منظر پہلے کبھی نہ دیکھا تھا۔ نیارکس نے سورج کی تب و تاب سے بچنے کے لیے آنکھوں پر ہاتھ کا سایہ کرتے ہوئے کہا "یہ ایشیا سے آئے ہیں اور جنھوں نے مرصع مکٹ پہن رکھے ہیں، وہ مجوسیوں کے موبد ہیں۔" بطلیموس بولا: "واہ! انھوں نے خوب زرق برق اور بھڑکیلے لباس پہنے ہوئے ہیں۔"

سکندر کی نظر گھوڑوں پر جمی ہوئی تھی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ انھیں دیکھ کر مسحور ہو گیا تھا۔

---

[1] CORINTH

[2] XERXES وہ ایرانی بادشاہ جس نے یونان پر حملہ کیا اور شکست کھا کر لوٹا۔

بعض گھوڑے قد و قامت میں اتنے بلند تھے کہ اس کی نظر سے ویسے گھوڑے کبھی نہ گزرے تھے چلنے میں ان کی پشتیں اس طرح ہلتی تھیں گویا وہ پہاڑ کو اپنے اوپر سے ہٹا کر نیچے پھینک رہے تھے بعض بڑے سبک رفتار تھے اور چھوٹے چھوٹے خوبصورت سر مسلسل اوپر اٹھے رہتے تھے۔ سکندر نے ایسے گھوڑے پہلے کبھی نہ دیکھے تھے۔ یونان میں سب سے اچھے گھوڑے تھسلی کے تھے لیکن سکندر کے نزدیک ایرانیوں کے گھوڑوں کو تھسلی کے بہترین گھوڑوں پر بھی سبقت حاصل تھی۔

اسے بہت جلد معلوم ہو گیا کہ یہ اجنبی شاہنشاہِ ایشیا کے سفیر ہیں۔ یونان کے لوگ ایشیائیوں کو ایرانی کہتے تھے محل میں داخلے کے لیے جو زینے بنے ہوئے تھے، سکندر وہیں جم کر کھڑا ہو گیا۔ وہ گھوڑوں کو دیکھ رہا تھا۔ چاہتا تھا کہ ان مشرقیوں کے ساز و سامان کا بغور معائنہ کرے لیکن اسے یہ ڈر بھی تھا کہ کہیں ان کی توجہ خود اس کی طرف منعطف نہ ہو جائے۔

بطلیموس بولا: فیلقوس معمول کے مطابق اپنے تمام رفیقوں کے ہمراہ باہر گیا ہوا ہے۔ اب یہاں کپتان سے اونچے درجے کا کوئی شخص نہیں جو مہمانوں کی پیشوائی کا اعزاز حاصل کر سکے۔

اس اثنا میں سفیر گھوڑوں سے اتر چکے تھے اور سائے میں کھڑے اپنا سامان پہنچنے کا انتظار کر رہے تھے۔ ساتھ ساتھ پیلا کی بے قاعدہ اور غیر مربوط گلیوں کے نظارے سے بھی لطف اندوز ہو رہے تھے۔ یکایک ایک کنیز تیزی سے سکندر کے پاس آئی۔ اس کا سانس پھولا ہوا تھا، بولی:

"آپ کی والدہ ماجدہ علیا حضرت اولمپیاس نے سلام کہا ہے اور فرماتی ہیں کہ آپ ان سفیروں کا استقبال کریں اور ان کے قیام کے لیے مناسب مقام کا بندوبست فرما دیں۔"

سکندر یہ پیغام سنتے ہی ہجوم میں سے کتراتا ہوا آگے بڑھا۔ اس کا حلق خشک تھا کچھ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ استقبال کے لیے کون سے لفظ استعمال کرے۔ ماں برابر اپنی مرضی کے مطابق اس سے کام لیتی تھی فیلقوس تو محض اس امر پر قناعت کر لیتا کہ بچے کو تمسخر آمیز انداز میں دیکھتا رہے گویا وہ مشکوک نسل کا بچھیرا تھا لیکن ماں فیلقوس سے زیادہ جبر و تحکم استعمال کرتی تھی۔

سکندر نے معمولی لباس پہن رکھا تھا۔ ایک پرانی اونی قمیص اور سواری کی ڈھیلی ڈھالی پتلون۔ سفیروں نے اسے آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ جب اس نے شراب منگوائی تو سفیروں نے بسے پڑا پانی پینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں سادہ پانی پلوا دیجیے۔

موبدوں نے سفید ریشم کے کپڑے پہن رکھے تھے۔ ان کے رنگ پیلے، چہرے پتلے اور ہلکے اور ان سے سرگرمی کے آثار نمایاں تھے۔ جب انھوں نے زریں اشیاء اور ریشمی پارچات، جن میں موتی ٹنکے ہوئے تھے، دکھانے شروع کیے تو آہستہ آہستہ مگر تیزی سے باتیں کر رہے تھے۔ یہ چیزیں یقیناً تحائف کے طور پر لائی گئی ہوں گی۔ سکندر نے دیکھا کہ بطلیموس قہقہہ مار کر ہنس رہا ہے۔ خود سکندر کو اس ایرانی گھوڑے نے مسحور کر رکھا تھا جس کی پشت پر چمڑے اور نمدے کا ایک مربع ٹکڑا بندھا ہوا تھا اور اس میں سے دونوں جانب تسمے لٹک رہے تھے ان تسموں کے سرے پر کنڈلی والا پھندا سا بنا ہوا تھا[1]۔ سفیروں کی جماعت میں سے جو شخص یونانی زبان جانتا تھا۔ وہ بولا کہ یہ پاؤں رکھنے کے لیے ہیں۔

سکندر فوراً گھوڑے کے پیچھے جا کھڑا ہوا۔ گھوڑا پیچھے ہٹا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سکندر کی حرکت نے اُسے چونکا دیا تھا۔ اُس نے اچک کر گھوڑے کی باگ تھام لی اور اُس کی لمبی محرابی گردن کو دیکھ دیکھ کر خوش ہوتا رہا۔ پھر جب اس نے رکاب میں پاؤں رکھا تو گھوڑا رام ہو گیا۔ سفیروں کا ایک ملازم بے باک اور شوخ لڑکے کو گھوڑے سے اتارنے کے لیے آگے بڑھا لیکن ہجوم میں سے ایک ترجمان نے آگے بڑھ کر نرم لہجے میں مہمانوں کو بتایا "یہ شاہ مقدونیہ کا اکلوتا فرزند ہے۔ باقی یا تو گدھے ہیں یا ناجائز اولاد ہیں۔

اب سفیر پانی پی رہے تھے۔ ساتھ ساتھ سکندر کو بڑے غور سے دیکھ رہے تھے اور گھوڑوں کے متعلق اس کے سوال کا جواب بھی دیتے جاتے تھے۔ بڑے گھوڑے کو قابو میں لے آنے کے بعد وہ خوف و دہشت سے آزاد ہو چکا تھا۔

مہمانوں نے بتایا کہ اس نسل کے گھوڑوں پر ہم غروب و طلوع کے درمیان پانسو اسٹیڈیم[2] فاصلہ

---

[1] اِس سے یہ نتیجہ نکلتا ہے کہ جس طرح ایرانی زین اور رکاب اس زمانے میں استعمال کرتے تھے یونانی اس سے بالکل ناآشنا تھے۔

[2] اسٹیڈیم لمبائی کا ایک یونانی پیمانہ تھا جو دو سو دو گز کا ہوتا تھا یعنی فرلانگ سے اٹھارہ گز کم۔ اس حساب سے پانسو سٹیڈیم کا فاصلہ چھپن اور ستاون میل کے درمیان ہوا۔ ساٹھ ہزار قدم ایک لاکھ گز بنتے ہیں (بحساب پانچ فٹ فی قدم) گزوں کے میل بنائے جائیں تو چھپن ستاون ہی بنیں گے۔

طے کر لیتے ہیں ---- کوئی ساٹھ ہزار قدم ---- غروب سے طلوع تک۔ اِس لیے کہا کہ ان کے وطن میں دھوپ تیز ہوتی تھی اور وہ عمومًا رات کی تاریکی میں سفر کرنے کے عادی تھے یہ بھی بتایا کہ ایشیائی کی سڑکیں پیلا کی گلیوں سے بہت وسیع ہیں اور راستوں پر جگہ جگہ ایسے مرکز بنے ہوئے ہیں جہاں گھوڑوں کی قطاریں موجود رہتی ہیں تاکہ سواریاں بدلتی رہیں اور سفر کا سلسلہ ٹوٹنے نہ پائے۔

یہ بیان سکندر کے حیرت و استعجاب کے لیے مہمیز کا کام دے گیا۔ اب وہ سوال پر سوال کرنے لگا، مثلاً یہ کہ آپ لوگ کتنا فاصلہ طے کر کے آئے ہیں۔ سمندر سے کیوں کر پار ہوئے؟ آپ کے بادشاہ کا نام اور لقب کیا ہے؟ آخری سوال کے جواب میں ایک موبد بولا: ہمارے بادشاہ کا نام نامی ارتخششت[1] ہے۔ وہ شاہنشاہ بزرگ ہے۔ روئے زمین کے تمام ممالک پر اُسے فرمانفرمائی حاصل ہے۔

یہ جواب سنتے ہی سکندر نے پوچھا، بھلا وہ کون کون سے ملک ہیں، جن پر آپ کا بادشاہ فرمانفرما ہے؟ وہ طلوعِ آفتاب کے مقام کی طرف کتنی دور تک پھیلے ہوئے ہیں؟

سفیروں میں سے کوئی بھی اِس سوال کا جواب نہ دے سکا کیسی نے بھی شاہنشاہ ایران کی سلطنت کے طول و عرض میں چکر نہ لگایا تھا۔ وہ صرف اتنا جانتے تھے کہ اِس سلطنت میں تیئس قومیں آباد ہیں۔ ایک شخص نے سن رکھا تھا کہ اگر کوئی سوار ڈاک کی سڑکوں پر مغرب سے مشرق کی طرف سفر شروع کرتے برابر چلتا جائے اور کہیں نہ ٹھہرے تو ایک سو دن سلطنت کی انتہائی مشرقی سرحد پر پہنچ جائے گا۔

سکندر نے پوچھا: مقدونیہ ہی سے سفر میں آپ کے کتنے دن صرف ہوئے؟ جواب ملا: "صرف تین دن۔"

سکندر سفیروں کے خیر مقدم کو بالکل فراموش کر چکا تھا اور اُسے قطعاً یاد نہ رہا تھا کہ مہمانوں کو جلد سے جلد قیامگاہ تک پہنچا دینا چاہیے۔ وہ سوال پر سوال کرتا جا رہا تھا۔ اور سفیر مجبوری

[1] ارتخششت کو یونانی ARTAXERXES یعنی آرتازرکسیز کہتے تھے۔ عربی زبان میں یہ نام اردشیر بن گیا۔ یہ اردشیر کیانی تھا۔ ساسانی خاندان میں بھی اردشیر ہوا جسے اردشیر بابکان کہتے ہیں۔

کی حالت میں داخل کے زینوں پر بیٹھے تھے۔ یکایک پورے مجمع پر اس طرح سکوت طاری ہو گیا، جس طرح بادل سورج کو ڈھانپ لیتا ہے۔ اس لیے کہ ملکہ اولمپیاس اوپر محل کے برآمدے میں نمودار ہو گئی۔ اس کا رشتہ دار لیونی دس ساتھ تھا۔ پیچھے محافظ سپاہ کے چند افراد کھڑے تھے۔ سب کی نظریں اس پر جم گئیں۔ کوئی کاہنہ کسی مذہبی مرکز کے پردے کے سامنے نمودار ہو کر اس سے زیادہ توجہ کا مرجع نہ بن سکتی تھی۔ یقیناً وہ کاہنہ شہزادی معلوم ہوتی تھی۔ جیسے کہ وہ تھی۔ اس کے بل کھائے ہوئے سیاہ بالوں میں مہندی کے سفید پھول آویزاں تھے۔ اس نے چاندی کا کمربند باندھ رکھا تھا جس کی وضع قطع سانپ کی سی تھی۔ آواز اس درجہ شیریں، خوش آہنگ اور سریلی تھی، جیسے سنہری گھنٹی بج رہی ہو۔ وہ بولی: "بزرگ شاہنشاہ ایشیا کے سفیروں کو سلام پہنچے۔ مقدونیہ کی ملکہ اولمپیاس اپنے محل میں ان کا خیر مقدم کرتی ہے۔"

سفیروں میں سے کسی کی زبان سے نہ فوراً کوئی لفظ نکلا اور نہ ان کے قدموں کو جنبش ہوئی۔ وہ حیرت کے پیکر بنے کھڑے رہے۔ اولمپیاس کا سن اس وقت تیس سال سے زیادہ نہ ہو گا۔ شمالی پہاڑی علاقے کی کوئی خاتون اس سے زیادہ جاذبِ توجہ نہ ہو سکتی تھی اور ہر پس منظر کے سامنے اپنے حسن و جمال کی نمائش کے سلیقے میں اُسے کمال حاصل تھا۔ سنگِ خارا کی دیواروں کو سفیدی مائل سیاہ رنگ کی یکسانی اور شاہ بلوط کے دروازوں کی ناہمواری نے اولمپیاس کے چہرے کی رنگت میں جلا پیدا کر دی تھی اور نگاہیں اس پر ٹک نہ سکتی تھیں۔ سفیروں نے ادب سے تحائف کی کشتیاں اٹھائیں اور آہستہ آہستہ زینے پر چڑھنے لگے۔

اولمپیاس نے مسکراتے ہوئے کہا: "واہ! کیا نفیس تحفے ہیں! میں فیلقوس کے لیے انھیں قبول کرتی ہوں۔"

سکندر سوچ رہا تھا کہ ماں میری خوفناک غلطی پر ناراض ہو گئی ہے۔ بطلیموس کے دل میں خیال گزرا کہ ملکہ کو سٹیج کے مرکزی مقام کو سلیقے کے ساتھ آراستہ کر دینے میں بڑی دسترس حاصل ہے۔ پھر وہ سکندر سے مخاطب ہوا: "تم نے ہر چیز کے متعلق سوال کر لیے، ایشیا کی لڑکیوں کے بارے میں کچھ نہ پوچھا۔"

سکندر نے بے خیالی سے جواب دیا: "مشرق میں عورتیں مردوں سے الگ تھلگ اور

پس پردہ ہوتی ہیں۔ مرد ان کے بارے میں کبھی بات چیت نہیں کرتے۔ ہیروڈوٹس نے یہی بیان کیا ہے۔" بطلیموس نے قہقہہ لگایا اور بولا: "اسکندر! اگر تم لڑکیوں کے متعلق تمام معلومات کتابوں سے حاصل کر لینے پر مطمئن ہو تو معلوم نہیں یہ لوگ اولمپیاس کے بارے میں کیا سمجھ رہے ہوں گے!"

اولمپیاس کے متعلق ایرانیوں کے تاثرات معلوم کرنا آسان نہ تھا۔ انھوں نے اپنے تاثرات چھپا رکھے تھے اور صرف رسمی الفاظ زبان پر لا رہے تھے۔ ساتھ ساتھ انھوں نے اپنی نظریں مقدونیہ کی حسین و جمیل ملکہ سے ہٹا لی تھیں۔ گویا اُسے دیکھنا باعث مضرت ہوگا۔ بطلیموس نے اس کا اندازہ کر لیا۔ اور اس کے دل میں ایک امید پیدا ہوئی۔ اس کی ماں آرسی نوئی ایک یونانی طوائف کی حیثیت میں اعلیٰ تعلیم سے بہرہ ور تھی اور اس نے اپنے بیٹے کو بتا دیا تھا کہ اولمپیاس بڑی تحکم پسند عورت ہے۔ وہ سب کو اپنے احکام کے روبرو جھکا دینے پر تلی بیٹھی ہے۔ لیکن یہ اہم کام عقلمندی اور دور اندیشی سے پورا کرنے کی اس میں کوئی صلاحیت نہیں۔ آرسی نوئی نے بہ صیغہ راز یہ بات بھی بتا دی تھی کہ سیاہ ابرو اولمپیاس دل میں اب تک وہی ہے جو شادی سے پہلے تھی اور اس میں کوئی تبدیلی نہیں ہوئی۔ وہ اب بھی دی اونی سوس[1] دیوتا کے مندر کی لاابالی رسموں پر حسن اعتقاد سے اس طرح کاربند ہے جس طرح پہلے کاربند تھی۔ وہ نشو و ارتقا پاکر بیوی کے درجے پر نہ پہنچ سکی اور وہ اپنی ضبط ناآشنا طبیعت کی غلامی سے کبھی آزاد نہ ہو سکے گی۔ اگرچہ وہ پیدائشی شہزادی ہے لیکن عقل و خرد سے اسے کوئی واسطہ نہیں۔ بہ حالت یتیمی اس نے اپیرس[2] کے جنگلوں میں پرورش پائی اور مخفی دیوتاؤں کی عبادت کے سلسلے میں بدمستیوں کی ہیجان انگیزی نے اُسے اپنے اندر جذب کر لیا۔

عقیل و فہیم آرسی نوئی نے اپنے بیٹے کو خبردار کر دیا تھا کہ دیکھنا کسی ذاتی معاملے میں اولمپیاس کو کبھی ناراض نہ کر دینا۔ یہ فعل اتنا ہی خطرناک ہوگا جتنا کہ اس کے پالے ہوئے

---

[1] DIONYSUS یہ ایک یونانی دیوتا تھا جس کا نام رومیوں نے باکوس (BACCHUS) رکھا۔ اسے بدمستیوں اور رنگ رلیوں کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔

[2] EPIRUS جغرافیہ قدیم میں یہ علاقہ یونانِ خاص کے شمال مغرب میں واقع تھا۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ یہ شمالی یونان اور جنوبی البانیا پر مشتمل تھا۔ اب یونان کا شمالی و جنوبی حصہ ہے۔

سانپوں پر پاؤں رکھ دینا خطرناک ہو سکتا ہے۔

ایرانی سفیر جتنے تحائف فیلقوس کے لیے لائے تھے، اولمپیاس نے وہ سب کے سب اپنے ہاتھ سے وصول کیے۔ شام کے وقت سکندر کو بلایا اور جیسا کہ اُسے اندیشہ تھا، انتہائی غصّے اور خفگی کے عالم میں اس پر زبان کے تازیانے برسائے۔ اس نے بیٹے سے کہا: "واقعی گونگا بچھڑا ۔۔۔ کتابوں کا کیڑا، ہر لحظہ تحریرات کے پلندے اٹھائے ہوئے گرد آلود پلندوں کو کریدنے والا۔ ارہی ڈایوس[1] تجھ سے بدرجہا موزوں تر انداز میں سفیروں کا خیر مقدم کر سکتا تھا۔"

اُس نے اپنے گھنے بالوں سے مہندی کے پھول نکال لیے تھے اور بڑے زور سے کنگھی کر رہی تھی۔ پاس کنیزیں ہر خدمت انجام دینے کے لیے تیار کھڑی تھیں۔ لیکن ان پر اولمپیاس کی کوئی توجہ نہ تھی۔ اُس کے منہ سے جو لفظ نکل رہے تھے معلوم ہوتا تھا ان پر تو کے کانٹے لگے ہوئے ہیں۔ ارہی ڈایوس فیلقوس کی ایک داشتہ کے بطن سے تھا، یعنی سکندر کا ناجائز علاتی بھائی۔ اس کی حالت یہ تھی کہ ہر وقت کھانے پینے کی چیزیں چرانے میں لگا رہتا اور کچھ نہ کچھ کھاتا جاتا۔ جب بولنے کی کوشش کرتا تو ہکلاتا اور منہ سے رال بہتی۔۔۔ لیونی دس جانتا تھا اور سکندر بھی ناواقف نہ تھا کہ ارہی ڈایوس تھسلی کی ایک رقاصہ کے بطن سے تھا اور اولمپیاس کو اس کی شکل دیکھنا بھی گوارا نہ تھی۔ نیز بچپن میں اسے اتنا زہر پلا دیا گیا تھا کہ اگرچہ موت واقع نہ ہوئی تاہم اس کی عقل کا خانہ خالی رہ گیا۔

سکندر چپ چاپ یہ شعلہ گفتاری سنتا رہا۔ اور کچھ نہ بولا۔ اُسے خیال تھا کہ ماں کا غصّہ جلد ختم ہو جائے گا لیکن اولمپیاس کنگھی کو بالوں سے بزور کھینچتی ہوئی بولتی جا رہی تھی۔ اس نے کہا: تیرا دل ہر وقت ایکیلیز بننے کے سپنوں سے معمور رہتا ہے حالانکہ تجھ میں بچھڑے جتنا بھی جذبہ برتری نہیں۔

سکندر اس پر بھی خاموش رہا۔ اولمپیاس نے پھر کہا: "بے شک اتالیق تجھے ایکیلیز کہتے ہیں۔ اگرچہ ان کا مدعا صرف یہ ہوتا ہے کہ میں خوش ہو جاؤں۔ تیرا چہرہ مہرہ اچھا خاصا ہے۔ بدن شاندار ہے لیکن یہ بات میری سمجھ میں نہ آئی کہ تجھے گھوڑے کی پیٹھ پر گدے سے کیوں

---

[1] ARRHIDAEUS

اتنی دلچسپی پیدا ہوئی ؟ یہاں تک کہ سفیروں سے اسی کے بارے میں بات چیت کرتا رہا ؛ کیا تو نے ایسی چیز پہلے کبھی نہ دیکھی تھی۔

سکندر اپنے طرزِ عمل کی توضیح کے لیے بڑی گرمجوشی سے بولا : یقیناً نہیں دیکھی تھی۔ اور ایرانی اسے زین کہتے ہیں ؛ ان کا بیان ہے کہ زین گھوڑے پر کسی ہوئی ہو تو آدمی بڑے اطمینان سے سواری کرسکتا ہے۔

اولمپیاس : "ہاں گھوڑا ، بے شک گھوڑا ۔ یہ تیرے اندر سے مقدونیہ کے کسان کی روح بول رہی ہے۔ بلاشبہ تو فیلقوس کی زندہ اور سانس لیتی ہوئی تصویر ہے ، وہ امینتس[1] کا بیٹا ہے جو گھوڑے پال تھا ۔ ہاں بیٹا اس پر تعجب کی کون سی وجہ ہے ؟" پھر وہ ایک غلام سے مخاطب ہوئی : "یونانی طعن سے کہتے ہیں کہ اہلِ مقدونیہ کے آباو اجداد قنطورس[2] تھے ، بالائی حصہ آدمیوں کا سا اور زیریں حصہ گھوڑوں کا سا ۔ اب تک یہ حالت ہے کہ گھوڑے سے الگ رہ کر کسی مقدونوی کا تصور ہی نہیں کیا جاسکتا ۔" سکندر ہنستے ہوئے بولا : "شاید یہی وجہ ہے کہ ہمارے رسالے کا مقابلہ کوئی یونانی نہیں کرسکتا ۔"

اس پر اولمپیاس خوش ہوگئی ۔ اس کی دلی خواہش یہ تھی کہ بیٹے میں بھی فیلقوس کی طرح قیادت اور سالاری کا جوہر نمایاں ہوجائے ۔ لیکن سکندر کو رسالے سے نہیں صرف گھوڑوں سے دلچسپی تھی ۔ یہ ایک خاص مقدونوی خصلت تھی ، تمام مقدونوی دراصل کسان تھے ۔ وہ لمبے لمبے نیزوں والے پیادہ دستے بھی جنھیں فیلقوس نے نئے اصول پر تربیت دی تھی ۔ اس امر پر مصر رہتے تھے کہ موسم بہار کی کاشت کاری اور موسمِ خزاں کی فصل برداری کے موقع پر انھیں گھر جانے کے لیے رخصت دی جائے ۔

اولمپیاس نے سکندر کی بات کا تو کوئی جواب نہ دیا لیکن وہ اپنے افکار کی رَو میں بہتی ہوئی بولی : "فیلقوس کو یہ کاروبار بہت پسند ہے ۔ وہ چاہتا ہے یہاں فوجی امرا کی حکومت قائم کردے ــــ قوم کو فوج بنا دینے کا خواہاں ہے ۔ اس کی آرزو ہے کہ فوج ایسی ہو جیسے

---

[1] AMYNTAS فیلقوس کا باپ

[2] CENTAUR ایک فرضی مخلوق جو نصف آدمی اور نصف گھوڑا ہوتی ہے۔

متحرک قوم قرار دیا جا سکے۔ اور کھیتی باڑی بھی کرے اور لڑائیاں بھی۔ حالانکہ یونانیوں نے بہت پہلے دریافت کر لیا تھا کہ ایک سپاہی موزوں شہری نہیں بن سکتا اور نہ صحیح شہری سپہ گری اختیار کر سکتا ہے۔

اولمپیاس بعض اوقات بڑی تیز نگاہی سے حقیقت پر پہنچ جاتی تھی۔ وہ ایک باکمال اداکار تھی۔ دوسروں کے تصنع کو بھانپ لینا اس کے لیے مشکل نہ تھا۔ خود اس کے دل میں اوہام و التباسات بہت کم تھے۔ اس کے اجداد مدت مدید تک عام لوگوں پر حکمرانی کرتے رہے تھے۔ وہ بیماریوں کے علاج اور فال و شگون کی توضیح کے لیے ایپی رس کی شہزادی کے پاس آتے تھے وہ اگرچہ یتیم ہو چکی تھی تاہم دوشیزگی میں بھی اپنے عوام کی شہزادی اور کاہنہ تھی۔ اب اس کی تمام رقابتیں اور تمام جذبات اپنے بیٹے سکندر پر مرتکز تھے۔ دل میں صرف ایک آرزو تھی اور وہ یہ کہ سکندر کو حکمرانی کا پیکر بنا دے لہٰذا اسے سکندر میں فیلقوس کے عادات و خصائل کا جو نشان بھی نظر آتا تھا، اسے ختم کر دینے کے لیے سرگرم سعی و عمل ہو جاتی تھی۔

بیٹے کے دل پر باپ کے ہم قوموں یعنی مقدونیوں کی کمتری کا نقش بٹھانے کی طرف اسے خاص توجہ تھی۔ وہ کہا کرتی تھی کہ یہ لوگ بہت طویل عرصے تک پہاڑوں میں زندگی بسر کرتے رہے اور اب تک برابر پرانی قبائلی زندگی کے طور طریقوں پر کاربند ہیں۔ ان میں حقیقی امیری کا کوئی جوہر پیدا نہیں ہوا۔ فیلقوس کے خاص رفیق، جو ہر وقت اس کے ساتھ رہتے ہیں اور انھیں سے وہ مشورے لیتا ہے۔ کیا ہیں؟ زیادہ سے زیادہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ وہ بہت بڑے گھوڑے پال ہیں۔ ان کے گانے دیکھو، سب میں گلہ بانوں کی دھنیں پاؤ گے۔ ان کے ناچ پر نظر ڈالو، تم نے دیہاتی چرواہوں کو دیکھا ہو گا کہ جب فصل کھلیانوں میں لگا چکتے ہیں تو خوشی کے عالم میں ناچتے ہیں۔ ان کا ناچ کیا ہوتا ہے؟ زور زور سے زمین پر پاؤں مارنا، گھومنا اور چکر لگانا، بس ویسے ہی ناچ اہل مقدونیہ کے ہوتے ہیں۔ قدم قدم پر فال اور شگون کا خوف، قحط کا ڈر، جانوروں میں وبا پھیلنے کا اندیشہ، کیا ان میں سے کوئی بڑا خطیب یا فلسفی یا جرنیل بھی پیدا ہوا ہے؟ کیا ان میں سے کوئی ایسا بادشاہ بھی اٹھا ہے جس نے ایتھنز کے کسی دوسرے درجے کے آدمی جتنی شہرت حاصل کی ہو؟

سکندر جانتا تھا کہ اس کے ہم قوموں نے عظیم الشان کارناموں میں کبھی کوئی قابلِ فخر حصہ نہ لیا۔ مقدونیہ میں جنگلوں کے مالک ہمیشہ لکڑیاں کاٹ کاٹ کر ندی نالوں کے ذریعے سے سمندر کی طرف بہا دیتے اور اہلِ ایتھنز ان سے جنگی جہاز بنا لیتے۔ مقدونیہ کے گھوڑی پال تمام یونانی شہروں کے لیے سواری کے جانور مہیا کرتے۔ ان کے کھیتوں میں جو اور انگور پیدا ہوتے۔ بھیڑ بکریاں بھی پالتے۔ جن کا گوشت کھایا جاتا۔ لیکن یہ تمام جنسیں دارا اور زرکسیز جیسے عظیم الشان بادشاہوں کی حملہ آور فوجوں کے لیے جبراً خرید لی جاتیں۔ اگر ان حالات میں اعلیٰ تعلیم یافتہ یونانی مقدونیوں کو جاہل اور دیہاتی کہتے تو انھیں حق بجانب نہ سمجھنے کی کوئی وجہ نہ تھی۔

فیلقوس کے زمانے تک اہلِ مقدونیہ کی لڑائیاں کیا تھیں؟ وہ صرف سواحلِ ڈینیوب کے جنگلی باشندوں کے چھاپوں یا ویسے ہی وحشی سواروں کی یورشوں کو روکنے تک محدود رہیں۔ جب تک فیلقوس کو کوہ پنگایوس[۵] کے اردگرد سونے اور چاندی کی کانیں نہ ملیں مقدونوی بادشاہ اپنے سکے تک جاری نہ کر سکے۔ وہ اِس وقت ایتھنز کے نہایت نفیس روپہلی سکوں ہی سے کام لیتے تھے۔ پنگایوس کی کانوں سے ہر سال صرف ایک ہزار ٹیلنٹ[۶] کے برابر چاندی سونا ملتا تھا اور اولمپیاس اس پر مطمئن نہ تھی۔ اس نے کہا، اب ہم نے کان کنی کا پیشہ بھی اختیار کر لیا ہے۔ گویا اب بھی ہماری دولت زمین ہی سے نکلتی ہے اور کیسی دولت؟ جنرل زینوفن کی فوج میں دس ہزار تنخواہ دار یونانی شامل تھے۔ ہماری دولت اتنے تنخواہ دار آدمی مہیا نہیں کر سکتی —— اس کا مطلب یہ نہیں کہ تیرا باپ تنخواہ دار فوج رکھنے پر راضی ہو سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔ اگرچہ فرعونِ مصر نے بھی روپے خرچ کر کے اہلِ سپارٹا کا ایک محافظ دستہ ملازم رکھ لیا ہے۔

---

۵ PANGAEUS

۶ یونان میں دو قسم کے ٹیلنٹ مروج تھے۔ ایک سنہری، دوسرا روپہلی۔ سنہری کی قیمت ساڑھے پانچ سو سے کسی قدر کم اور روپہلی کی تین سو بیالیس۔ یہ میں نے عام معیار کے مطابق عرض کر دیا۔ خود مصنف نے آگے چل کر جو حساب بتایا ہے اُس کی دو حیثیتیں ہیں۔ اوّل عام اندازہ۔ دوم موجودہ زمانے کی قوتِ خرید کے حساب سے اندازہ۔ اس کی تفصیل آگے معلوم ہو گی۔

فیلقوس جو کچھ بھی کرتا تھا۔ اولمپیاس کی نگاہوں میں وہ سراسر باعثِ ہتک اور غلط تھا۔ وہ فیلقوس کی ہر رائے کے خلاف تھی۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے اپنے عزیزوں اور رشتہ داروں کو سکندر کی نگرانی کے لیے جمع کر رکھا تھا۔ اُس نے محل کے غلاموں کو تاکید کر دی تھی کہ سکندر جو کچھ بھی کرے فوراً اس کی اطلاع دی جائے۔ اس نے ایسی صورت پیدا کر دی تھی کہ سکندر کے دل میں اپنے سوا کسی پر انحصار کا خیال تک نہ آئے اور سکندر محسوس کرتا تھا کہ وہ خود اور اس کی ماں بالکل تنہا ہیں۔ یہاں تک کہ فیلقوس بھی انھیں اچھی نظروں سے نہیں دیکھتا۔ اسی لیے مختلف حیلے بہانے پیش کر کے الگ تھلگ رہتا ہے۔

فیلقوس نے صرف ایک مرتبہ بیٹے سے اس اجنبیت و بے تعلقی کا ذکر کیا: "میں سانپوں کے ہوتے ہوئے تمھاری ماں کے پاس نہیں جا سکتا۔" اس اثنا میں اس نے وہ آنکھ بند کر رکھی تھی جس کی نظر زائل ہو چکی تھی۔ بلاشبہ اولمپیاس نے بڑے بڑے سانپ پال رکھے تھے اس کی خواب گاہ میں عشق پیچاں کی بیلیں بھی تھیں۔ اور مذہبی رقص کے لیے پنکھے بھی موجود رہتے تھے بعض اوقات سانپ ان بیلوں اور پنکھوں سے اچانک برآمد ہو جاتے۔ لیکن بیٹے کو ہمیشہ اس بات پر حیرانی ہوتی تھی کہ فیلقوس کے لیے ان معمولی سانپوں سے خوفزدہ ہونے کی کون سی وجہ ہے؟ یقیناً یہ راز کی بات نہیں کہ فیلقوس نے جب اولمپیاس سے شادی کی تھی تو وہ دل و جان سے اس پر نثار تھا۔ وہ اسی رات سے اولمپیاس پر مرنے لگا تھا، جب سیموتھریس[1] کے مقدس جزیرے میں دیو ینیسی دیوتا کے تہوار کے موقع پر شعلوں کی لہراتی ہوئی روشنی میں سے اُسے دوڑتے اور کپڑے پھاڑتے دیکھا تھا۔ تماشائی یہ سمجھتے تھے کہ دیوتا کی روح اس میں حلول کر گئی ہے۔ عوام میں مشہور تھا کہ اس وقت سے ایک سال تک فیلقوس نے شاندار یتیم لڑکی (اولمپیاس) کو ایک لمحہ کے لیے بھی الگ نہ کیا۔ جب اس کے بچہ پیدا ہو چکا تو اس وقت بھی فیلقوس کے دل میں محبت بدستور موجزن تھی اور وہ پہلے کی طرح اس کا شیفتہ و دلدادہ تھا۔

---

[1] SAMOTHRACE ایک جزیرہ جو درہ دانیال سے ذرا اوپر گیلی پول کے سامنے ہے اُسے سیموتھریک بھی کہتے ہیں۔

جس رات سکندر پیدا ہوا۔ بوڑھا کاہن ارسٹانڈر[1] اولمپیاس کی خواب گاہ میں پہنچا اور اُسے بتایا کہ غروبِ آفتاب کے وقت مجھے مشرق کے افق پر شعلے بھڑکتے ہوئے نظر آئے۔ کچھ وقت گزر جانے پر یہ پیش گوئی سچی ثابت ہوئی اس لیے کہ اطلاع مل گئی سکندر کی ولادت کی رات ایشیا کے ساحل پر افسس[2] میں آرٹی مس[3] کا مندر نذرِ آتش ہو گیا۔ فیلقوس نے یہ سنا تو کہا کہ "اس رات میرے ایک گھوڑے نے اولمپیائی کھیلوں میں دوڑ جیتی۔"

پھر فیلقوس اولمپیاس سے الگ رہنے لگا اگرچہ اپنی دوشیزگی کے وقت سے اس کے حسن و جمال کو چار چاند لگ گئے تھے۔ وہ رات کے وقت اپنے رفیقانِ خاص کے ساتھ شراب پیتا رہتا۔ جب نشہ اس پر غالب آجاتا تو محل کے برآمدوں اور گیلریوں میں جو بھی خوبصورت عورت مل جاتی، اُسے کھینچ کر اپنی خواب گاہ میں لے جاتا۔ بہت سی محتاط عورتیں اس کی گزرگاہ سے دور دور رہتیں اور بعض کچھ احتیاط نہ کرتیں۔ تاہم معلوم یہی ہوتا ہے کہ اولمپیاس جیسی محبت اسے کسی عورت سے نہ ہوئی۔

سکندر کو پیلا سے نفرت تھی اور وہ اپنے باپ سے بہت ڈرتا تھا لیکن اس پر یہ حقیقت بھی بالکل کھل گئی تھی کہ جب فیلقوس پیلا آتا —— اور اب شاذ ہی آتا تھا —— تو شہر کی حالت بالکل بدل جاتی۔ آنے والوں کا تانتا بندھ جاتا —— ملازمت کے خواستگار، ڈلفی کے دولت مند مندر کے کارندے، تاجر، ملاح، اسپ فروش، سائراکیوز[4] کے ریاضی دان، غرض بحیرۂ روم کی دنیا سے بھانت بھانت کے آدمی آنے لگتے۔ وہ فیلقوس کے پاس اچھی اطلاعات لاتے اور ان کی کوشش یہ ہوتی کہ اس سے کوئی حکم حاصل کر لیں۔ جوڑیوں کے گھوڑے گلیوں میں سے تیز تر جاتے۔ بڑھیوں کے کلہاڑے لکڑی کے شہتیروں پر زیادہ زور سے پڑنے لگتے۔ یہ سب اس بات کی علامتیں تھیں کہ فیلقوس پیلا آ گیا ہے۔

---

[1] ARISTANDER

[2] EPHESUS یہ قدیم شہر ایشیائے کوچک میں واقع تھا۔

[3] ARTEMIS

[4] SYRACUSE سسلی کا مشہور مقام۔

فیلقوس کی ایک ٹانگ لنگڑی تھی۔ لیکن وہ پیادے کے گرد و غبار اور شور و غوغا میں لنگڑاتا ہوا پیدل چلتا۔ اپنے آرام کی خاطر گھوڑے پر سوار نہ ہوتا۔ اس کے بادامی اور داڑھی سے مزین چہرے پر پسینہ چمکنے لگتا اور اس آنکھ کو پونچھتا رہتا، جو ڈھال کی ایک نوک لگنے سے خراب ہو گئی تھی۔ ایک بازو بھی اکڑ کر بیکار ہو چکا تھا۔ بایں ہمہ اسے اپنی قوت و طاقت پر بڑا ناز تھا۔

فیلقوس نے بظاہر کبھی کوئی کتاب نہ پڑھی۔ وہ اپنے خط محرروں سے لکھواتا جو ہمیشہ کاغذ اور قلم لیے اس کے ساتھ رہتے۔ سکندر کو جب موقع ملتا چھپ چھپا کر گھڑ دوڑ کے میدان میں پہنچ جاتا، جہاں گھوڑوں کی تیز رفتار کا امتحان کیا جاتا۔ وہ حتی الامکان فیلقوس کی اس آنکھ کی طرف رہتا جس کی نظر زائل ہو چکی تھی۔ اس شغل میں وہ بڑی راحت محسوس کرتا۔ محل میں اس کے اپنے کمرے زنانہ حصے کے پاس تھے۔ جہاں کتابوں کے انبار لگے ہوئے تھے۔ ان کمروں کے سکوت کی جگہ اسے وہ جگہ پسند تھی۔ جہاں فیلقوس لنگڑاتا ہوا چلتا اور اندھا دھند لوگوں کو لعنت ملامت کرتا۔

ایک روز فیلقوس نے تمام معلموں اور اتالیقوں کو محل سے باہر بھیج دیا تو سکندر صبح ہی گھڑ دوڑ کے میدان میں پہنچ گیا، فیلقوس اس روز ایک نئی منجنیق کا تجربہ کرنا چاہتا تھا جو چھ فٹ لمبے تیر کو اتنی دور پھینکتی تھی کہ کوئی تیر انداز اپنا تیر وہاں تک نہ پہنچا سکتا تھا۔ یہ منجنیق سائراکیوز کے ایک مہندس دیادس[1] نے تیار کی تھی۔ جب اُس نے تیر چھوڑا، رسّوں میں سے تڑاق کی آواز نکلی زور کا دھماکا ہوا اور تیر تیزی سے بہت دور جا گرا، فیلقوس نے کہا: "اب منجنیق کو اتار دو۔" یہ حکم سنتے ہی دو کارکن منجنیق پر چڑھ گئے، اُس کی میخیں نکالیں، رسّے الگ کیے اور پوری مشین کے اجزا اس طرح جدا جدا ہو گئے جس طرح گندم کا پولا بندھن کھلتے ہی جدا جدا ہو جاتا ہے۔ فیلقوس نے پھر آہستہ سے کہا: "اچھا اب دیکھنا چاہیے کہ تم اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ کیوں کر لے جاتے ہو۔"

یہ سنتے ہی چار کارکن باہر نکلے اور انھوں نے خاصا زور لگا کر منجنیق کے مختلف حصے کندھوں پر اٹھا لیے اور اس طرح چلنے لگے جیسے کوچ پر ہوں۔ سکندر نے سن رکھا تھا کہ

---

[1] DEIADES

فیلقوس ایک نئی توپ تیار کر رہا ہے۔ دیادس اس کا مجوزہ ہے۔ یہ پیادہ فوج کے ساتھ میدانِ جنگ میں جایا کرے گی۔ دیادس اس کامیابی پر بڑا خوش تھا۔ یہاں تک کہ اس نے فیلقوس کو سنانے کی غرض سے بلند آواز کے ساتھ کہا کہ اتنی قوت والی اور ایسی ہلکی منجنیق آج تک نہیں بنائی گئی۔

فیلقوس کی جو آنکھ ٹھیک تھی وہ دیادس پر جمی ہوئی تھی۔ اچانک بولا "بے شک منجنیق بڑی قوی ہے۔ بے شک بوجھ بھی زیادہ نہیں۔ عام منجنیقوں کے مقابلے میں نصف ہوگا لیکن چار آدمی اسے پہاڑ پر نہیں لے جا سکتے ——

بات ختم نہ ہوئی تھی کہ دیادس نے کہا: "دو گھوڑے جہاں چاہو اسے پہنچا سکتے ہیں"۔

فیلقوس: "بے شک دو گھوڑے اسے بہ سہولت اٹھا سکتے ہیں، لیکن دیادس! خود ستائی کے جوش میں تم اس حقیقت کو بھول گئے کہ منجنیق کو آخر کوئی شے پھینکنا ہے۔ اتنے بھاری بھی تیر بھی ساتھ لیے جائیں گے تو انہیں اٹھانے کے لیے کم سے کم دو آدمی یا ایک گھوڑا ضرور درکار ہوگا۔ ابھی تم مزید غور و فکر کرو۔ زیادہ مضبوط اور ہلکی لکڑی تلاش کرو۔ رسّے بھی ذرا مہین اور ہلکے ہونے چاہئیں۔"

دیادس پر اضطراب طاری ہو گیا اور وہ چیخ کر بولا: "آپ کہتے ہیں تلاش کروں۔ کیا ہرمیز[1] کے عصا کا ٹکڑا اٹھا لاؤں؟ جادو کی لکڑی پیدا کر دوں؟ کوئی ایسا رسّا تلاش کر دوں جو بیز نطیون کی دس تار والی سن سے بھی زیادہ ہلکا ہو؟" پھر فیلقوس کے قریب سر لے جا کر کہا: "کیا میں مقدونیہ کی سنہرے بالوں والی لڑکیوں کی زلفیں کاٹ لوں تاکہ ایسے رسّے تیار ہو سکیں جو تمھیں پسند ہوں۔"

فیلقوس: "نہیں، عورت کے سر کے بال سب سے زیادہ بھاری ہوتے ہیں میں آزما چکا ہوں۔ باقی رہا تمھاری مشین کا معاملہ تو میں کہتا ہوں کہ یہ بھدّی ہے اور اسے ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے لیے چھ آدمی درکار ہیں۔"

دیادس: (دانت پیستے ہوئے) "اچھا آپ کی یہ رائے ہے؟ آپ جو چھ آدمی چاہیں

---

[1] HERMES یہ ایک یونانی دیوتا تھا جو آسمانی پیام زمین پر لاتا تھا اور روحیں یہاں سے لے جاتا تھا۔

تجویز کریں، یہ انھیں ابھی قیمہ بنا کر رکھ دے گی۔"

فیلقوس یہ سنتے ہی یک لخت ایٹنی گونس کی طرح متوجہ ہوا اور بولا: "اس منجنیق کو دوبارہ نصب کراؤ اور کریٹ کے پانچ تیرانداز بلوا بھیجو۔ ساتھ ہی بیچ میں سے میدان خالی کرا دو۔ میں اس احمق صناع پر ثابت کر دینا چاہتا ہوں کہ وہ غلطی پر ہے۔ اس سے پوچھ لو کہ موت کے بعد وہ اپنے کفن دفن کے لیے کون سا طریقہ پسند کرتا ہے؟"

دیادس نے فوراً اپنے آدمیوں کو حکم دے دیا کہ منجنیق کو تیر پھینکنے کے لیے تیار کر دو۔ ایٹنی گونس نے بھانپ لیا کہ فیلقوس کا دل متذبذب ہے۔ اس لیے کہ وہ مہندسوں کو بڑے بڑے جرنیلوں پر بھی ترجیح دیتا تھا۔ لیکن اتفاقیہ دیادس کی مشین کے بارے میں جھگڑے کی ایک صورت پیدا ہو گئی تھی۔ ایٹنی گونس نے سوچا کہ فیلقوس نے مشین میں جو خرابیاں ظاہر کی ہیں ان کا مدعا یہ تھا کہ دیادس زیادہ عمدہ مشین تیار کرنے کی طرف متوجہ ہو۔ فیلقوس کا عام طریقہ یہی تھا اور بعض اوقات وہ خود ایٹنی گونس کو بھی زیادہ سرگرم کار بنانے کے لیے اعتراض کر دیا کرتا تھا۔ بہرحال فیلقوس کے من میں خواہ کچھ ہو لیکن ایٹنی گونس کو یقین تھا کہ تیرانداز اس کھلے میدان میں دیادس اس کے کارکنوں اور منجنیق کو ختم کر دیں گے لہٰذا اس نے کہا: "یہ منجنیقیں تو استحکامات میں معاون بن سکتی ہیں۔ اگر آپ واقعی اس کا تجربہ کرنا چاہتے ہیں تو دیادس کو اجازت دیجیے کہ کسی مکان پر چڑھ جائے، وہاں منجنیق لگا لے پھر اپنے تیراندازوں کو کہیے کہ مکان پر حملہ کریں۔"

فیلقوس کے غصے کی آگ فرو ہونے کے بجائے اور بھڑک اٹھی، اور وہ بولا: "کانے! میں نے کتنی مرتبہ نہایت صاف اور سادہ مقدونوی زبان میں تم لوگوں سے کہا کہ میں محاصرے کے لئے مشینوں کے متعلق کوئی بات سننا نہیں چاہتا۔ پھر ایک مرتبہ صاف صاف بتا دینا چاہتا ہوں کہ میں بھیڑ کی طرح دیوار کے پیچھے چھپ کر بیٹھنے کا خیال بھی دل میں نہیں لا سکتا۔ اور نہ دیواروں کی پناہ میں مستحکم مقامات کے اندر بیٹھے ہوئے آدمیوں پر حملہ کرنا چاہتا ہوں۔ اہلِ سپارٹا جیسے احمق عورتوں نے اب تک نہیں جنے۔ لیکن انھوں نے بھی دیواریں

ANTIGONUS

سے دُور کھلے میدانوں میں رہنا سیکھ لیا ہے۔"

انیٹی گونس: "اچھا، اگر آپ ایسی مشین چاہتے ہیں جو فوج کے ساتھ چلے تو اُسے ایک گھوڑے کے پیچھے باندھ دیجیے۔ ایک گھوڑا اسے بہ آسانی کھینچ سکتا ہے۔

فیلقوس: "بے شک، بشرطیکہ منجنیق کو پہیے لگا دئیے جائیں۔ ہم پہلے بھی ایسا کر چکے ہیں۔ یہ مشین تو پہاڑوں میں کام دے سکتی ہے۔ لیکن فرض کرو اسے ایک گھوڑا کھینچ لے گا تو کیا گھوڑے کو چلانے کے لیے آدمی درکار نہ ہوگا؟ نیز کیا یہ میدانِ جنگ میں ایک سوار کا کام دے سکے گی؟

عام لوگ فیلقوس کے ہر لحظہ بجلی کی تیزی سے بدلنے والے خیالات کی پیروی کے لیے تیار رہتے تھے۔ مگر انیٹی گونس نے ہمت سے کام لے کر کہا: "یقیناً کوئی سوار اس منجنیق کے پھینکے ہوئے تیر کا مقابلہ نہیں کر سکتا۔"

دیادس پریشان تھا۔ اب بولا: "آپ نے یہ کیوں نہ کہا کہ اسے پہیے لگا دئیے جائیں؟ اس صورت میں ایسا بندوبست کیا جا سکتا ہے کہ اس میں سے چھ تیر بیک وقت نکلیں۔"

فیلقوس: چھ تیر بیک وقت؟

دیادس: ہاں جناب! میں اس میں ایک پٹی یا سیخچہ لگا دوں گا جس سے تیر نکلیں گے، البتہ اس کی زد اتنی نہ ہوگی۔ نیز ایسی ذوفنون مشین کے لیے تیر بہت درکار ہوں گے اور آپ کو ان کے لیے ایک گھوڑے اور گاڑی کا انتظام کرنا پڑے گا۔

فیلقوس نے اپنی اندھی آنکھ پونچھی۔ تھوڑی دیر سوچتا رہا۔ چہرے پر خوشی کے آثار نمودار تھے۔ پھر دیادس کے کندھے کو تھپکتے ہوئے بولا: اگر یہ ایک تیر والی منجنیق اچھی نہیں تو پروا نہ کرو لیکن دیادس، علم کے دھنی دیادس! اس مشین کو مکمل کرنے پر توجہ کرو جو چھ تیر ایک دم پھینکے گی۔ جس چیز کی ضرورت ہو لے لو۔ میں اس کے وزن کے برابر تھیلیں سو —— چاندی میں تلوا دوں گا۔ بشرطیکہ مشین امتحان میں پوری اُترے

دیادس نے اطمینان کا سانس لیا اور اپنا سر فخر سے اونچا کرتے ہوئے بولا میں ہر سخت سے سخت امتحان کے لیے تیار ہوں۔ لیکن اپنے دیادس کو یہ تو بتا دیجیے کہ آپ کس قسم کا

امتحان لینا چاہتے ہیں؟

ساتھ ہی اُس نے اپنے آدمیوں سے کہا کہ مشین اٹھا کر لے جاؤ۔

فیلقوس نے انیٹی گونس کے کان میں کہا اور اس کا سر اکڑی ہوئی گردن پر اثباتی اشارے کر رہا تھا دیادس کو ذرا غصہ دلا دیا جائے تو وہ واقعی مفید و کارآمد چیز ایجاد کرنے میں لگ جاتا ہے۔ بھلا غور تو کرو چھ تیر ایک دم چھوٹیں گے۔ ایک سو ایسی منجنیقیں چھ سو تیر ایک دم برسائیں گی — اور دشمن سے قریب پہنچ کر انہیں کام میں لایا جائے گا....."

پھر وہ زیرِ لب بولا "لیکن مجھے اندیشہ ہے تو یہ کہ دیادس اپنی ایجاد کو مکمل کر چکے گا تو یہ اتنی بھاری اور بوجھل ہوگی جسے کھینچنے کے لیے گھوڑوں کی ایک جوڑی کے بغیر کام نہ چل سکے گا۔ اور اس جوڑی کے لیے چارہ بھی ہمراہ لے لینا ضروری ہوگا۔ اس غرض سے مزید دو گھوڑے درکار ہوں گے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ کم از کم تین آدمی چاہئیں ....."

اس اثنا میں اس کی صحیح و سالم آنکھ ادھر اُدھر گھومتی ہوئی سکندر پر جا کر ٹھہر گئی جو کوئی دس قدم کے فاصلے پر بیٹھا تھا۔ پھر بولا "میں موجدوں اور ہنرمندوں کی یہ بیماری لاعلاج ہے۔ وہ ہمیشہ بڑی بڑی اور بھاری بھاری مشینیں ایجاد کرنے کی فکر میں رہتے ہیں اور یہ نہیں سوچتے کہ ان مشینوں کے حمل و نقل میں کیا کیا مشقتیں اٹھانی پڑیں گی۔ اگر دیادس کو مرضی کے مطابق کارفرمائی کا موقع دے دیا جائے۔ تو نتیجہ کیا نکلے گا یہ کہ ہمارے لیے متحرک برجوں، عارضی پلوں، آتش بار مشینوں اور بڑی بڑی سرنگوں کو کھینچ کھینچ کر ایک جگہ سے دوسری جگہ لے جانے کے سوا کوئی مشغلہ نہ رہے گا اور ہمارا رسالہ اپنی حقیقی حیثیت کھو بیٹھے گا۔ گھوڑے بارکشی میں لگ جائیں گے اور سوار جوڑیاں ہانکیں گے۔"

جیسا کہ بتایا جا چکا ہے اس کی نگاہیں سکندر پر جمی ہوئی تھیں اور وہ بھانپ رہا تھا۔ کہ اس کا بیٹا الفاظ پر متوجہ ہے یا نہیں۔ سکندر کی توجہ گھڑ دوڑ کے میدان کی طرف تھی اور ان گھوڑوں کو غور سے دیکھ رہا تھا جو تھسلی سے آئے تھے اور فیلقوس کے چابک سوار انھیں قدم بقدم چلا کر دیکھ رہے تھے تاکہ بہترین گھوڑا چن سکیں۔ ان میں سے ایک گھوڑا اس طرح اچھل کود رہا تھا گویا وہ باگیں چھڑا کر بھاگ جانے کے لیے بے تاب تھا۔ صبح کے سورج کی روشنی

میں اُس کا سیاہ رنگ چمک رہا تھا۔ وہ اپنا سر بار بار اوپر اٹھا رہا تھا کہ تسمہ ٹوٹ جائے۔ اس کے ماتھے پر سفید رنگ کی ایک روشن لکیر تھی۔ اس کا ہاڑ چوڑا چکلا اور سر بھاری تھا۔ سکندر اسے بار بار دیکھ رہا تھا۔ پھر وہ اٹھا اور چابک سواروں کے زیادہ سے زیادہ قریب پہنچ گیا۔

چابک سواروں نے گھوڑے کی چال دیکھنی چاہی تو وہ جھجک کر پیچھے ہٹا اور آدمیوں کے درمیان چکر لگا کر دولتیاں اچھالنے لگا۔ جن آدمیوں نے اسے پکڑ رکھا تھا وہ صبر و ضبط کھو بیٹھے۔ اور اس کے سر پر کپڑا ڈالنے کی انھوں نے کوشش کی۔ پھر جب ایک آدمی اچک کر اس پر سوار ہوا تو گھوڑا سیخ پا ہو گیا اور سوار دھم سے زمین پر آ رہا۔ سکندر کا احساس یہ تھا کہ گھوڑے کی گھبراہٹ اور پریشانی بالکل طبعی ہے۔ اس لیے کہ گرد و پیش لوگوں کا ہجوم تھا اور انھوں نے ہاؤ ہو مچا رکھی تھی۔ ایک چابک سوار بولا کہ گھوڑے کی کوئی نہ کوئی کل بگڑی ہوئی ہے ورنہ وہ اتنا بدکتا کیوں؟ سکندر کا دل اس سرکش گھوڑے نے موہ لیا۔ اس کا اندازہ تھا کہ یہ سب سے بہتر و فائق ہے۔

چنانچہ جب اسے معلوم ہوا کہ چابک سواروں نے اس گئو سرے — بیوسی فالس[1] — کو مسترد کر دیا ہے۔ تو وہ دوڑا دوڑا ان افسروں کے پاس پہنچا جو فیلقوس کے ارد گرد جمع تھے اینٹی گونس کے پاس سے ہو کر آگے بڑھا اور بولا: "ایسے گھوڑے کو کھو دینا باعثِ شرم ہے۔" جب اسے احساس ہوا کہ کوئی اس کی بات پر متوجہ نہیں تو تذبذب کے باعث اس کے ہاتھ پاؤں کانپنے لگے۔ پھر بولا: "دیکھو، تمھیں نہیں چاہیے — کہ اس گھوڑے —"

گھوڑے کو واپس لیے جا رہے تھے۔ اینٹی گونس نے صرف ایک اچٹتی ہوئی نگاہ اس پر ڈالی اور کچھ نہ بولا۔ سکندر غصے سے لال پیلا ہو گیا اور اس نے پکار کر کہا: "ٹھہرو — ورنہ پچھتاؤ گے۔"

اس آواز نے سب کو اپنی طرف متوجہ کر لیا اور وہ سب چپ ہو گئے۔ فیلقوس حیرت زدہ اپنے بیٹے کو دیکھ رہا تھا۔ یک چشم اینٹی گونس نے پورا معاملہ فیلقوس کی خدمت میں پیش کیا

---

[1] BUCEPHALUS سکندر کا مشہور گھوڑا۔ یہ یونانی زبان کے دو لفظوں سے مرکب ہے۔ اول BOUS بمعنی گائے، دوم KEPHALE بمعنی سر یعنی وہ گھوڑا جس کی پیشانی پر گائے، بیل کی طرح سفید لکیر سی تھی۔

چابک سوار نے کہا اول گھوڑا سرکش ہے، دوسرے مالک نے اس کی قیمت تیرہ ٹیلنٹ لگائی ہے۔ یہ سنتے ہی سکندر کو اپنی آنکھوں میں آنسوؤں کی خلش محسوس ہوئی اور شدتِ غیظ سے اس کا گلا گھٹنے لگا۔ فیلقوس نے اس کی طرف کوئی توجہ نہ کی اور حمل و نقل کے قافلے کی بات شروع کر دی۔

سکندر نے پھر کہا: "یہ بہترین گھوڑا ہے لیکن افسوس کہ ان لوگوں کو اس سے کام لینے کا شعور نہیں۔"

اب فیلقوس اس کی طرف متوجہ ہوا اور بولا: "کیا تم مجھے قائل کرنا چاہتے ہو کہ میرے چابک سوار گھوڑے کو قابو میں لانے کے اہل نہیں؟"

سکندر کو یہ احساس تو ہو گیا کہ باپ کی بات کاٹنا مناسب نہیں لیکن وہ آپے سے باہر تھا اور بولا: "میں اس گھوڑے کو قابو میں لا سکتا ہوں۔ میں اسے ٹھیک کر سکتا ہوں۔"

فیلقوس متانت و سنجیدگی کا پیکر بنا ہوا تھا۔ اس نے پوچھا: "کیا تمھارا مطلب یہ ہے کہ اس پر سوار ہو کر میدان کا چکر لگا لو گے اور اسے قابو میں لے آؤ گے؟"

سکندر نے اثبات میں جواب دیا تو اینٹی گونس بولا: "اگر یہ نہ کر سکے تو اپنی حماقت کا جرمانہ کیا دو گے؟"

سکندر نے بلا تامل کہا کہ تیرہ ٹیلنٹ اور یہی بیوسی فالس کی قیمت ہے۔ یہ سنتے ہی سب لوگ بے اختیار ہنس پڑے۔ صرف فیلقوس کے چہرے پر مسکراہٹ تک نمودار نہ ہوئی اور اس نے پوچھا کہ کیا تمھارے پاس تیرہ ٹیلنٹ موجود ہیں؟ سکندر نے جواب دیا کہ موجود تو نہیں لیکن میں روپیہ حاصل کر سکتا ہوں۔ فیلقوس نے کہا: "اچھا، تم نے بازی بدلی ہے تو اب اسے پورا کرو۔ اگر تم نے بیوسی فالس کو رام کر لیا تو میں اسے تمھارے حوالے کر دوں گا۔"

سکندر یہ سنتے ہی گھوڑے کی طرف دوڑا۔ ایک لمحے کے لیے اسے سکتہ پیدا کرنے والی وہی خنکی محسوس ہوئی جو بطلیموس کے ساتھ شمشیر زنی کا مقابلہ کرتے وقت محسوس ہوا کرتی تھی۔ پھر اسے یہ بات یاد آ گئی کہ گھوڑا سر پر کپڑا ڈالنے کی وجہ سے بدک اٹھا تھا۔ چنانچہ اس نے گھوڑے کے پاس پہنچتے ہی کپڑا اس کے سر سے اتار ڈالا۔ باگ اپنے ہاتھ میں لے لی۔

لوگوں سے کہہ دیا کہ پیچھے ہٹ جائیں۔ ساتھ ہی خنکی کا احساس کافور ہوگیا۔ اس نے بیوسی فالس کو تھپکانا شروع کیا۔ گھوڑے کے پٹھے بدن میں تڑپتے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ اس کی کنوتیاں بار بار اوپر اُٹھ رہی تھیں۔ سکندر نے آہستہ آہستہ اس کا منہ سورج کی طرف پھیر دیا اور وہ بدستور گھوڑے کو تھپکاتا رہا۔

پھر جب گھوڑے نے اپنی تھوتھنی نیچے کر کے گھاس کھانی شروع کر دی تو سکندر اس پر سوار ہوگیا لیکن باگیں ڈھیلی چھوڑ رکھیں۔ بیوسی فالس کا جسم یکایک تن گیا۔ اُس نے آگے کی طرف ایک چھلانگ لگائی۔ سکندر ذرا آگے جھک گیا لیکن ایک طرف باگ کھینچ کر گھوڑے کا منہ سورج کی جانب موڑے رکھا۔ اس نے نہ چابک استعمال کیا نہ ایڑ لگائی۔ جب وہ دوڑتا ہوا میدان میں پہنچا تو سکندر نے باگ کھینچ کر اُسے دوڑ کے مقام پر پہنچا دیا۔ ایک لمحے کے لیے گھوڑا تنا رہا۔ پھر وہ باگ کے اشارے پر چلنے لگا۔ دوڑ کا چکر پورے میں پورا کیا۔ جب سکندر نے باگیں کھینچیں تو وہ قدم بہ قدم چلنے لگا۔ اس وقت سکندر کو بالکل خبر نہ ہوئی کہ باپ اور اس کے تمام افسروں کی نگاہیں خود اس پر جمی ہوئی ہیں۔ اینٹی گونس اس درجہ متاثر ہوا کہ اس نے پکار کر کہا: "شاباش، خوب سواری کی۔" فیلقوس نے فوراً حکم دے دیا کہ بیوسی فالس کی قیمت بادشاہ کے ذاتی روپے میں سے ادا کر دی جائے اور سکندر کو ساتھ لے کر لنگڑاتا ہوا ایک خالی نشست گاہ پر جا بیٹھا۔

جب کوئی پاس نہ رہا تو فیلقوس بولا: "بہت خوب، بہت خوب، لیکن یہ سب کچھ کیونکر کیا؟ کیا تم نے سائیسوں کو رشوت دے دی تھی کہ گھوڑے کو بھڑکاتے رہیں؟" سکندر کو اس پر رنج تو ہوا، لیکن بولا: "یہ آپ کیا فرما رہے ہیں؟" پھر اس نے بتایا کہ میں توجہ سے ایک ایک بات کو دیکھ رہا تھا۔ صبح کا وقت تھا۔ گھوڑے کو اپنا سایہ نظر آتا تھا تو بے چین ہو جاتا تھا اور لوگ اندھا دھند اس کے آگے پیچھے پھر رہے تھے۔ مجھے اندازہ ہوگیا تھا کہ ان سب باتوں نے مل کر اسے پریشان کر دیا ہے۔ میں نے اس کا منہ سورج کی طرف کر دیا تھا۔ نرمی و ملائمت کے برتاؤ سے وہ رام ہوگیا۔ اس شاندار گھوڑے میں کوئی خرابی نہ تھی۔ فیلقوس یہ ساری تفصیل سن کر بولا: "ہوں۔"

پھر اُس نے پوچھا کہ آج کل کیا پڑھ رہے ہو؟ فیلقوس بول چال میں صرف مقدونی بولی استعمال کرتا تھا لیکن سکندر کو علم تھا کہ وہ فصیح اور منجھی ہوئی یونانی زبان بھی بخوبی سمجھتا ہے۔

بیوسی فالس انعام میں پاکر سکندر کا دل خوشی سے اچھل رہا تھا۔ اس نے باپ کا شکریہ ادا کیا پھر انتہائی خوشنما الفاظ میں اپنے مطالعے کی کیفیت بیان کرنے لگا اور بولا: "میں نے ہرقل ابن ذی اوس کے متعلق تمام افسانے دیکھ ڈالے ہیں۔ وہ بہت بڑا تیر انداز تھا۔ اس نے وحشیوں کو قتل کیا۔ وہ شیر کی کھال کا نقاب پہنتا تھا۔ اس نے بے خوف اور نڈر ہو کر تاریکی کے خطوں میں سفر کیے، ساحرہ ہپولائٹ کو مارا، اس کا کمر بند چھینا اور سمندر روں تک کو عبور کر گیا۔"

غرض سکندر نے ہرقل کے بارے میں تمام افسانے ایک ایک کر کے پڑھ لیے تھے۔ اور وہ اپنے دل پسند ہیرو کے متعلق باپ کو سب کچھ بتا دینے کا خواہاں تھا۔ فیلقوس تھوڑی دیر سنتا رہا۔ اس اثنا میں بھی بے چینی اس پر طاری تھی۔ پھر یکایک بولا: "اوہ، تم مشاہیر کے افسانوں میں وقت ضائع کرتے رہے۔ پہلے تم ایکی لیز اور اس کے سفید زرہ بکتر پر مفتون تھے۔ اب شیر کی کھال والا ہرقل پسند آگیا۔" پھر وہ کھانسا اور غصے میں تھوکا۔ اندازہ ہوتا تھا کہ اسے اپنی دلی کیفیت کے اظہار کے لیے صحیح الفاظ نہیں مل رہے۔ بالآخر کہا: "طلیموس کو سیاسیات کا ذوق ہے۔ تمہارا عزیز امین ٹاس ریاضی بہتر جانتا ہے۔ ہاں، اربی ڈائیس کو بھی اتنی عقل ہے کہ وہ ہرقل کے گیت نہ گائے گا۔ اچھا اب تم کچھ پڑھ کر سناؤ۔"

فیلقوس کو جب کوئی بات پریشان کرتی تھی تو اس پر وہی کیفیت طاری ہو جاتی تھی جو چیتے پر شکار کی ہڈیوں سے مغز نکالنے میں طاری ہوتی ہے۔ وہ سکندر کو اس کی مطالعہ گاہ میں لے گیا جہاں تمام چیزیں غیر مرتب و منتشر تھیں۔ پھر مشہور خطیب ڈیماستھنیز[2] کا ایک خطبہ

ل HERACLES یونان کا قومی ہیرو جس کے متعلق افسانہ یہ ہے کہ بچپن ہی میں غیر معمولی قوت و طاقت کا مالک تھا۔

ک DEMOSTHENES یونان کا شہرۂ آفاق خطیب ۳۸۴ ق م میں بمقام ایتھنز پیدا ہوا۔ اس کا سب سے بڑا کارنامہ یہ ہے کہ فیلقوس شاہ مقدونیہ کے خلاف اُس نے مسلسل خطبے دیے۔ فیلقوس کی وفات کے بعد وہ سکندر کے خلاف تقریریں کرتا رہا۔ اہل ایتھنز نے اُسے سنہری تاج پہنایا تھا جو یونان میں خطیب کے لیے عزت کا سب سے بڑا نشان سمجھا جاتا تھا۔

دے کر کہا کہ ذرا اسے سنا دو۔ سکندر کو خطیب کے پُرشکوہ اور ولولہ انگیز فقروں نے گرما دیا۔ جن سے سرود خاندانی کی سی موسیقی ٹپکی پڑتی تھی۔ خطبے میں ایتھنز کے شہریوں کو اکسایا گیا تھا۔ وہ ہتھیار سنبھال لیں اور جابر و مستبد کے رو برو سر جھکا دینے کے بجائے اپنے حقوق کے لیے لڑتے ہوئے جانیں دے دیں۔

میں اسے اپنے وطن کا دشمن سمجھتا ہوں۔ اب تک اُس نے جو کچھ کیا ہے اپنے فائدے کے لیے کیا ہے اور ہمیں اس سے نقصان پہنچا رہا ہے۔

سکندر اس بات پر بڑا پریشان تھا کہ خطبہ فیلقوس کے خلاف ہے۔ اس لیے کہ جانتا تھا، جابر و مستبد سے ڈیماستھنیز کا اشارہ فیلقوس ہی کی طرف ہے لیکن خود فیلقوس پر اس مخالفت کا قطعاً اثر نہ ہوا۔

جب سکندر جوش و خروش سے خطبہ سنا رہا تھا تو فیلقوس ایک بنچ پر پاؤں پسارے لیٹا ہوا انگور کھا رہا تھا۔ تاہم اس کے کان برابر خطبے پر لگے ہوتے تھے۔ خطبہ ختم ہو گیا۔ سکندر نے کاغذ ایک طرف رکھ دیا۔ وہ بہ ظاہر شاہ کے الفاظ سے بدرجہ غایت متاثر تھا اس اثنا میں فیلقوس بولا: "واہ! تم پڑھتے خوب ہو۔ کیا خطبہ تمھیں پسند آیا؟

سکندر: ابا جان! خطبہ تو بڑا اچھا ہے۔ لیکن اس بات پر رنج ہوا کہ یہ سب زہر آپ کے خلاف اگلا گیا ہے۔

فیلقوس: بے شک میرے خلاف زہر اگلا گیا ہے۔ یہ ڈیماستھنیز کے فیلقوسی خطبوں میں سے ایک خطبہ ہے۔ وہ ہمارے زمانے کا ہرقل ہے۔ خیر مطلقہ کے لیے جان لڑا رہا ہے چاہتا ہے کہ شہری ریاست کی خرابیوں کا علاج ایک اعلیٰ نصب العین کے ذریعے سے کرے"۔

پھر وہ یکایک چپ ہو گیا۔ اِس اثنا میں اپنے شکستہ بازو پر ہاتھ پھیر رہا اور اس کے افکار و خیالات کسی اور ہی دنیا میں پہنچے ہوئے تھے۔ فیلقوس پر اکثر ایسی حالت طاری ہو جاتی تھی۔ تھوڑی دیر بعد بولا:

"تم اس نصب العین کو حکومتِ عوام کا نام دے سکتے ہو۔ یہ ڈیماستھنیز کی جمہوریت ہے۔

وہ بولتا خوب ہے —— ایسے خطیب کو یونانیوں کی زبان میں زعیم کہتے ہیں —— میرے نزدیک یہ خطبہ اتنا ہی موثر ہے جتنا کہ فوج کا ایک جیش موثر ہو سکتا ہے۔ اچھا اب اسے الگ کرو اور یہ میری تحریر پڑھو۔"

یہ کہتے ہی فیلقوس نے خطوط کے ایک پلندے کو الٹ پلٹ کیا۔ پھر کاغذ کا ایک ورق سکندر کی طرف پھینکا اور بولا "یہ اس تحریر کی نقل ہے۔"

سکندر نے پڑھا تو مضمون یہ تھا:

فیلقوس کی جانب سے ڈیماستھنیز کے نام

"تسلیمات! جب دل چاہے پیلا آؤ اور میرے ساتھ باتیں کرو۔ میں خوش آمدید کہوں گا اور اس بات کا ذمہ اٹھاتا ہوں کہ تمھیں بحفاظت واپس بھجوا دوں گا۔"

یہ تحریر اگرچہ ایک محرر کی تھی لیکن سکندر اسے پڑھ کر بے حد خوش ہوا، اس لیے کہ دشمن کو انتہائی فراخ حوصلگی سے دعوتِ تشریف آوری دی گئی تھی۔ اس سے واضح ہو گیا کہ فیلقوس اگرچہ عیاّر و حریص تھا لیکن اس میں کشادہ دلی اور وسعتِ قلب کے جوہر بھی موجود تھے۔ فیلقوس پھر خاموش ہو گیا۔ بظاہر سکندر کے اظہارِ خوشنودی کو اس نے پسند نہ کیا (کئی سال بعد سکندر کو معلوم ہوا کہ ڈیماستھنیز پیلا آیا تھا۔ فیلقوس نے اس شان و شکوہ سے اس کا استقبال کیا کہ اس پر اضطرابی کیفیت طاری ہو گئی۔ تقریر کا وقت آیا تو ڈیماستھنیز کوشش کے باوجود کوئی جچتی ہوئی بات نہ کہہ سکا اور بار بار ہکلاتا رہا۔ اس سے لوگوں پر یہ اثر پڑا کہ فیلقوس کے سامنے کچھ کھل کر کہنے کا حوصلہ اُسے نہ ہوا)

فیلقوس: ہاں بھئی، ایتھنز کا یہ خطیب کہتا ہے کہ تم رات دن کتابوں میں ڈوبے رہتے ہو اور مقدس نوشتوں کے کیڑے بن گئے ہو۔ اس بارے میں تمھارا کیا خیال ہے؟

سکندر: وہ شاید سچ ہی کہتا ہے۔

فیلقوس: (آہستہ سے ایک قسم کھا کر) تمھارے اتالیق متفق الرائے ہیں کہ مطالعے میں جس بات پر تمھارا دل جم جائے اُسے پورا کیے بغیر نہیں رہتے۔ عود و لوبان کے تعفن کا پیکر

سنہری بال، لڑکیوں جیسی آنکھیں اور خدا جانے کیا کچھ۔ عالم خیال میں کوہ پرناسس پہ چڑھ جانے کے لیے سیڑھیاں بناتے رہتے ہو۔ کبھی کبھی سمجھ میں نہیں آتا کہ میں کس طرح تمھارے دودھ کے پلے ہوئے گوشت میں لوہا بھر دوں۔ یہ نہ ہوا تو تم خطرے کا مقابلہ کیونکر کر سکو گے؟ ایں؟ کیا تم سمجھتے ہو کہ ریوڑ بھاگنے لگے گا تو دودھ پینے والے بچھڑے زندہ رہ سکیں گے؟"

پھر اُس نے بے بسی کے انداز میں اِدھر اُدھر دیکھا۔ گویا وہ خود اپنے اوپر خفا تھا اور بولا: "خیر، اِس بات کو جانے دو، نومولود بچھڑے کی مانند میری طرف نہ دیکھو۔ ہم لوگ سپاہی ہیں۔ الفاظ کو ہتھیاروں کی طرح استعمال کرتے ہیں، تاکہ اُن سے عمل کے سانچے تیار ہوں ـــــ میں ڈرتا ہوں، مجھے سخت رنج ہے کہ تم کتابوں میں زندہ دفن رہتے ہو۔ مندروں کے آگے جھکتے ہو۔ ڈیما ستھنیز بھی تمھارا مذاق اڑاتا ہے۔"

اب مقدونوی زبان چھوڑ کر اس نے یونانی میں کہا:

"ایک غریب پیارا بچہ جس کے سر پر ابھی تک بلوغ یا شادی کا
تاج نہیں رکھا گیا۔ شاہی تاج سے بھی اس کی پیشانی نے زینت نہیں پائی
جس کی وجہ سے اِنسان دیوتا بن جاتے ہیں۔ اپنے ملک کی خدمت میں۔[1]"

"بھئی تم یوری پائیڈیز[2] کیوں نہیں پڑھتے اور ہومری افسانوں کے پیچھے کیوں پڑے ہو؟ اگر تمھیں بیمار روحوں ہی سے پیار ہے تو طبیب بن جاؤ۔" یکایک وہ چپ ہو گیا۔ پھر بولا: "ہاں، ایک طبیب، آج تک کوئی طبیب اور کوئی لوہار قتل نہیں ہوا۔"

اِس سلسلہ خیال میں سے کسی شے نے فیلقوس کو اتنا خوش کر دیا کہ کہنے لگا: "جا جلدی اپنے تمام اتالیقوں، اُستادوں وغیرہ کو بلا لا اور کہنا کہ فیلقوس تم لوگوں سے ایک بات کہنا چاہتا ہے اور دیکھو "گاڈ سرے" (گھوڑا) کو اصطبل میں بندھوا دینا، بھول نہ جانا۔ وہ بڑا اچھا جانور ہے

---

[1] بظاہر یہ الفاظ یونانی زبان میں اِس لیے بولے گئے کہ معلوم ہوتا ہے ڈیما ستھنیز نے اپنے خطبے میں استعمال کیے ہوں گے۔

[2] EURIPIDES یونان کا مشہور شاعر جس نے متعدد ڈرامے لکھے۔ ۴۸۰ ق م میں پیدا ہوا۔ پھر ایتھنز سے نکل گیا اور اپنی عمر شاہ مقدونیہ کے پاس گزار دی۔ ۴۰۶ ق م میں فوت ہوا۔

میں چاہتا تھا کہ اُسے دو ہزار گز کی دوڑ میں دوڑاؤں، لیکن اب وہ تھکا رہا ہے۔"

یہ کہتے وقت فلیقوس نے بیٹے کے کان پر بوسہ دیا اور اسے سینے سے لگا لیا۔ پھر کہا: "ایسٹیانکس[1] کا کون سا قول مشہور ہے؟ دیکھو میں بھول گیا۔ ہاں یاد آ گیا، اگر تمھیں باپ کی اور کوئی خصلت نہ ملے تو کم سے کم اس کی ڈھال ضرور پاس رہنی چاہیے۔" آج کا دن بڑا مبارک ہے۔ یوسی فالس کا دن، دروازے پر جو پہریدار کھڑا ہے اُس سے کہو کہ میرے لیے تھسلی کی اعلیٰ گلگوں شراب لائے۔ یہ چیوس[2] کا رقیق شربت مجھے نہیں چاہیے۔ اچھا، خوش رہو۔"

سکندر باہر نکلا تو اس نے پہریدار کو والد کا حکم پہنچایا۔ پھر گھوڑے کی دیکھ بھال پر متوجہ ہو گیا۔ رات کے وقت وہ اپنے گدے پر لیٹا اور چراغ کی جھلملاتی روشنی میں ہومر کا مسودہ کھول کر پڑھنے لگا تو باپ کے شکایت آمیز الفاظ بدستور اس کے کانوں میں گونج رہے تھے یہ گونج اس وقت بھی جاری رہی۔ جب عالمِ خیال میں وہ لمبے جہاز پر بیٹھ گیا۔ بادبان کھول دیے گئے اور محبوب ٹرائے کی طرف اس کا سفر شروع ہو گیا۔

پھر اس کی ماں آ گئی تاکہ سونے سے پہلے بچے کو بوسہ دے آئے۔ خوشبو کی لہریں اس کے بدن سے پے در پے نکل رہی تھیں۔ اس نے نہایت سریلی آواز میں کہا: "بیٹا، آج پھر فیلقوس شراب میں بدمست تھا۔ اس نے تمھارے استادوں اور اتالیقوں کو پیلا سے باہر بھیج دیا ہے۔ لیونی دس کو بھی نہیں چھوڑا۔ اس نے قسم کھائی ہے کہ تمھیں سیاہ گھوڑے پر سوار کرا کے اس درسگاہ میں بھیج دے گا جو پیلا سے دور ایک اجڑے مندر میں قائم ہے۔ وہی مندر جس کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ پریوں کے نزدیک وہ مقدس ہے۔ ساتھ ہی اس کا فیصلہ یہ ہے کہ تمھاری تعلیم اس شخص کے سپرد کرے جو سٹےجیرا[3] کا باشندہ ہے، ایک طبیب جس کا نام ارسطو ہے۔ کاش تم اس حکم کی حقیقی حیثیت کا اندازہ کر سکو۔ میں سنتی ہوں کہ ارسطو کا باپ تمھارے دادا کا طبیب خاص تھا، تمھیں جلاوطنی اس لیے مل رہی ہے کہ طب پڑھ لو۔"

---

[1] ASTYANAX

[2] بحیرہ مرجہ کا ایک جزیرہ۔ CHIOS

[3] STAGYRA ارسطو کا وطن

بہرحال سٹے جیرا کا ارسطو آیا۔ اجڑے ہوئے مندر کو اس کی درسگاہ خاص بنا دیا گیا۔ یہ مقام پیلا سے زیادہ دور نہ تھا فیلقوس نے دوسرے لڑکوں —— بطلیموس، نیارکس وغیرہ —— کو بھی سکندر کے ساتھ اس درسگاہ میں جانے کی اجازت دے دی۔

سکندر بیوسی فالس پر سوار چند گھنٹے میں درسگاہ سے پیلا آسکتا تھا اور اولمپیاس کو بظاہر اس انتظام پر مطمئن ہونا پڑا۔ اس لیے کہ جب فیلقوس کے ہوش و حواس بجا ہوتے اور وہ شراب کے نشے میں دھت نہ ہوتا تو سکندر کی تعلیم کے متعلق اپنا ارادہ ہرگز نہ بدلتا۔

دُوسرا باب

ہیئتِ زمین کا معمّا

اولمپیاس اپنے خیالات اسی تیزی سے تبدیل کرلیتی تھی، جس تیزی سے اس کی نگاہیں اِدھر اُدھر گھومتی رہتی تھیں۔ چونکہ اِس پر آشکارا ہو چکا تھا کہ سٹےجیرا کے فلسفی اور اس کی دانش گاہ سے لڑکوں کو نجات دلانے کی بظاہر کوئی شکل نہیں۔ لہٰذا فیصلہ کرلیا کہ اس سے جس حد تک فائدہ اٹھایا جاسکتا ہے اٹھایا جائے۔ اس نے برابر اپنے جاسوس لگا رکھے تھے جنھوں نے اطلاع دی کہ ارسطو صرف طب نہیں پڑھاتا۔ قدرت نے اس کی فطرت میں سیاسیات کی صلاحیت بھی ودیعت کی ہے — نیز سب سے بڑھ کر قابلِ اعتماد جرنیل اینٹی پیٹر[ا] اس کا جگری دوست تھا۔ سب سے آخر میں یہ کہ خود فیلقوس بھی مشوروں کے لیے اِس عجیب المزاج فلسفی کے پاس جاتا رہتا تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ ارسطو کو پیلا سے قریب رکھنے کے لیے فیلقوس بڑی بھاری قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہوگیا۔ فلسفی کے وطنِ مالوف سٹےجیرا کے تمام مکانات جنگ میں تباہ ہو چکے تھے۔ فیلقوس نے یہ سب از سرِ نو تعمیر کرادیے۔ اِن واقعات سے اولمپیاس کو ارسطو کے اثر و رسوخ کا پورا اندازہ ہو چکا تھا۔

اس نے ایک روز سکندر سے کہا: "اب تم اتنی عمر کو پہنچ چکے ہو جس میں اِنسان کے اندر نیک و بد کی تمیز پیدا ہو جاتی ہے۔ دیکھو، طب کی تعلیم میں وقت ضائع نہ کرنا۔ مجھے معلوم ہو چکا ہے کہ سٹےجیرا کا یہ فلسفی سیاسیات کے راز تم پر آشکارا کرسکتا ہے، حکمرانی کے گُر سکھا سکتا ہے۔ چاہیے کہ تم کسی نہ کسی دائرے میں اختیار و اقتدار حاصل کرو — خصوصاً ایسے اوقات میں جب فیلقوس شکار کے لیے چلا جاتا ہے یا فوجوں کے ساتھ ملک کے مختلف

ا ؎ ANTIPATER

حصوں میں پھرتا رہتا ہے۔ کیا یہ ضروری نہیں کہ جب وہ دارالحکومت سے باہر ہو تو تم اس کی نیابت کرو۔"

ملکہ جانتی تھی کہ سکندر کو اختیارات ملیں گے تو عملاً ان کا مطلب یہ ہوگا کہ خود ملکہ کے اقتدار میں اضافہ ہو جائے۔ پھر اس نے خود میزا[1] جانے کا فیصلہ کر لیا تاکہ اپنی آنکھوں سے تعلیمی انتظامات کا نقشہ دیکھ کر اطمینان کر لے۔

اگرچہ اولمپیاس کو مطالعہ کتب سے کوئی دلچسپی نہ تھی مگر میزا جانے سے پیشتر اس نے یوری پائیڈیز کے المیہ ڈراموں خصوصاً "میڈیا"[2] کو بڑے غور و توجہ سے پڑھ لیا۔ اسے ایسا محسوس ہونے لگا کہ میڈیا بھی خود اس کی طرح تنہا مردوں کی قوت کا مقابلہ کرتی رہی اور اس کے پاس جادو کے سوا مدد کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ وہ میزا پہنچی تو دیکھنے والوں کا احساس یہ تھا کہ ایک زندہ دیوی پریوں کے مندر میں اتر آئی ہے۔ وہ گاڑی سے اتری۔ اس کا لچکیلا جسم خالص ریشم میں ملبوس تھا۔ ہوا کے تیز جھونکے ریشمی لباس میں لہریں پیدا کر رہے تھے۔ لڑکوں نے یہ منظر دیکھا تو حیرت سے اُن کی آنکھیں کھلی کی کھلی رہ گئیں۔ اس زمانے میں شادی شدہ عورتیں اپنے چہرے اور جسم کو یوں منظرِ عام پر نمایاں کرنے کی جرأت بہت کم کیا کرتی تھیں۔ سکندر اپنے خیالات میں مگن رہا لیکن بطلیموس نے دیکھ لیا کہ ملکہ کے ساتھ دو نہایت خوبصورت کنیزیں ہیں جیسے دروازے سے مندر میں داخل ہوتے تھے۔ اس کے اوپر پریوں کے مجسموں کی ایک قطار کھڑی تھی۔ جو سنگ مرمر پتھر تراش کر بنائے گئے تھے۔ کنیزیں ان مجسموں کو دیکھ کر بے اختیار کھلکھلا اٹھیں۔ ارسطو کو ملکہ کے اعزاز کی خاطر مجبوراً استقبال کے لیے باہر آنا پڑا۔ ملکہ نے نہایت خوشنما انداز میں معذرت کرتے ہوئے کہا: میں تو اس ویران مندر کی طرح قدیم وضع کی پابند ہوں۔ میری تربیت مذہبی رسوم کی آغوش میں ہوئی اور سائنس سے بالکل بے خبر رہی۔ ساتھ ہی ایک شعر پڑھا جس کا مطلب یہ تھا، عورت کے دل کی خوشی صرف ایک ہے اور وہ یہ کہ رنج و غم کا شکوہ اس کی زبان پر جاری ہو۔

---

[1] MEIZA وہ مقام جہاں پریوں کا مندر تھا اور جہاں ارسطو کی دانش گاہ قائم ہوئی تھی۔

[2] MEDEA یونانی افسانوں کی ایک شہزادی جس نے اپنے محبوب جیسن کو سنہری اون لانے میں مدد دی تھی۔ یوری پائیڈیز نے اس پر ایک ڈراما لکھا تھا۔

اولمپیاس میزا سے لوٹی تو وہاں ہر شخص کے دل پر یہ اثر چھوڑ آئی کہ وہ اپنے اکلوتے فرزند کے مستقبل کو ارسطو کے ہاتھوں میں بالکل محفوظ سمجھتی ہے۔ ایرسٹانڈؔ کاہن کو اس نے بصیغۂ راز بتایا کہ یہ نیا فلسفی جس کا نام ارسطو ہے ہتلا ہے اور اس سے تخلیقی افکار کی چنداں امید نہ رکھنی چاہیے۔ وہ غالباً اس وجہ سے عام شہرت پا گیا کہ افلاطون کا چہیتا شاگرد تھا۔ نیز وہ دیوتاؤں کے اختیار و اقتدار کا منکر ہے۔

میزا کے مندر اور متعلقہ باغ میں عجیب و غریب سروسامان جمع تھا۔ کہیں رنگا رنگ پتھروں کے انبار تھے کہیں سیپیوں کے صندوق بھرے ہوئے رکھے تھے۔ تمام کونوں میں پرندے اور حشرات الارض موجود تھے۔ جن کی کھالوں میں مسالہ بھر رکھا تھا۔ کہیں جھٹیاں بنی ہوئی تھیں۔ جگہ جگہ پانی کی چلپچیاں دھری تھیں، جن میں مچھلیاں تیر رہی تھیں۔ ان کے علاوہ تتلیاں تھیں مختلف درختوں کے پتے تھے۔ گویا تمام حیوانات و نباتات کے نمونے جمع کر رکھے تھے۔ لڑکوں کی طبی تعلیم کا آغاز جانوروں کے بدن میں دورانِ خون کی کیفیت دکھانے اور ریت پر انسانی اعضا کے نقشے بنانے سے ہوتا۔ خود ارسطو زیادہ باتیں نہ کرتا۔ اس نے بہت سے معاون رکھ چھوڑے تھے۔ وہی تجربات کر کر کے دکھاتے رہتے۔ سکندر جیسے ہی صبح کے وقت زیوس کی عبادتی قربانی سے فارغ ہو جاتا اور آفتاب کی پہلی کرن نمودار ہوتی لا متناہی تجربوں کا سلسلہ جاری ہو جاتا۔

معاون ہی لڑکوں کو بتاتے کہ ارسطو کا طریقۂ تعلیم یہی ہے۔ وہ بحث و استدلال میں نہیں پڑتا۔ کم از کم ابتدائی دور میں اس کا قطعاً روادار نہیں ہوتا۔ وہ صرف تجربہ و امتحان کی بنا پر طبعی اسباب معلوم کرنے کے لیے ساعی رہتا ہے یعنی "کیوں ہے" سے پہلے "کیا ہے" پر متوجہ ہوتا ہے تاکہ "کس لیے ہے" پر استعجاب کی نوبت ہی نہ آنے پائے۔ کسی بھی شے کو مسلمہ نہ ماننے کے اس عجیب و غریب طریقے میں ضروری تھا کہ پہلے بیماریوں کے اسباب پر روشنی ڈالی جائے، بعد ازاں علاج سکھائے جاتے۔ جب مقدونوی امرا کے لڑکے طبعی چیزوں کے مطالعے میں خاصے آگے نکل گئے تو انھیں مدرکات و اسرار کا علم ہونے لگا۔ اسرار کے بارے میں جب بات چھڑتی تو ارسطو یہ کہہ کر اسے ٹال دیتا کہ انسانی قلب کے لیے زندگی خود ایک سرّ اور ایک راز ہے۔

ARISTANDER ؎

اور اس کے باب میں غور و فکر اس کے لیے کافی ہے۔ بطلیموس کہتا ہے کہ ارسطو خود ایک عجیب و غریب راز ہے۔ وہ تبلیغ نہیں کرتا، تعلیم نہیں دیتا، یہ نہیں کہتا کہ جو کچھ ہم پڑھتے ہیں، اسے بہر حال صحیح سمجھیں۔ کہتا ہے سوال کیا کرو اور جب سوال کیے جاتے ہیں تو کہہ دیتا ہے کہ جواب مجھے معلوم نہیں۔

ارسطو کے معاون بطلیموس کی یہ شکایت سنتے تو کہتے کہ یہ درست نہیں۔ ارسطو کا دماغ ایسے اسرار و معموں سے لبریز ہے، جن کے حل اس نے دریافت کر لیے ہیں۔ اس کی رائے ہے کہ ہر سوال کا گھڑا گھڑایا جواب سن لینا ہرگز قابلِ توجہ نہیں۔ اصل غرض یہ ہے کہ انسان خود غور و فکر کے مختلف مراحل سے گزرتا ہوا جواب پر پہنچے۔ اس بات کو سمجھنے کے لیے گارڈیس[1] کی گرہ بطورِ مثال سامنے رکھ لینی چاہیے۔ جو ایشیا کے ایک مندر میں تھی۔ ارسطو کہتا ہے کہ تم اس گرہ کو اس وقت تک نہیں کھول سکتے جب تک یہ معلوم نہ کرو کہ کیوں کر دی گئی تھی۔ جب گرہ دیے جانے کی حقیقت معلوم ہو جائے تو چپو چلانے والا غلام[2] بھی اسے بہ آسانی کھول سکتا ہے۔

بطلیموس بولا: "اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں بادبانی جہازوں میں چپو چلانے والے غلاموں کی طرح محنت کرنی چاہیے۔" بے شک صورتِ حال یہی تھی۔ ان لڑکوں کو شاہی خاندان سے تعلق تھا، لیکن ان کا کام یہ تھا کہ صبح سے شام تک تمام اشیا کو جنس وار ترتیب دیتے رہیں اور ان میں مونگے سے ستاروں کے جھرمٹ تک ہر شے شامل تھی۔ انھیں بتایا جاتا تھا

---

[1] Gordius زمانۂ قدیم کا ایشیائے کوچک مختلف حکومتوں میں بٹا ہوا تھا۔ جن میں سے ایک علاقے کا نام فرجیا (PHRYGIA) تھا۔ گارڈیس یہیں کا بادشاہ تھا۔ اس نے اپنا رتھ جوپیٹر دیوتا (مشتری ربّ النوع) کی نذر کر دی تھی اور اس کا جوا چھال کے رسّے کے ساتھ ایسی ہنرمندی سے گرہ دے کر باندھ دیا تھا کہ کوئی اسے کھول نہ سکتا تھا۔ مشہور تھا کہ جو کھول لے گا، وہ مشرق کا بادشاہ بن جائے گا۔ اُسے گارڈیس کی گرہ یا GORDIAN KNOT کہتے تھے۔ مصنف نے GORDIUS KNOT لکھا ہے۔ سکندر جب فرجیا پہنچا اور اس گرہ کا حال سنا تو تلوار سے اُسے کاٹ دیا۔

[2] پرانے زمانے میں دستور یہ تھا کہ جنگی اسیروں سے بادبانی جہازوں میں چپو چلانے کی بیگار لی جاتی تھی۔ اور یہ بڑی ہی سخت محنت تھی۔ خرید کردہ غلام بھی اس کام پر لگائے جاتے تھے۔

کہ جب تک وہ صحیح اندازہ کر کے ایک ایک چیز کا تعین نہ کر لیں گے خیالات و افکار پر توجہ کی صلاحیت اُن میں پیدا نہ ہو سکے گی۔

سکندر اِس بے پناہ کام میں ایسے انہماک سے ڈوبا، گویا وہ اسے پورا نہ کرنا اپنی ہمت و صلاحیت کے لیے باعثِ عار سمجھتا تھا۔ اس کا تاثر یہ تھا کہ ارسطو کے معاون اُسے (سکندر کو) ناکام بنانے پر تلے بیٹھے ہیں اور خود ارسطو بھی اپنے اِس شاگرد کی بے سلیقہ کوششوں کا دل میں مذاق اڑاتا تھا۔ سکندر کے لیے یہ بات بہت رنج افزا تھی کہ فلسفی نے لبوں پر مہرِ سکوت کیوں لگا رکھی ہے اور اُس نے جو اسرار معلوم کر لیے ہیں انھیں بتانے اور افشا کرنے سے گریزاں کیوں ہے؟

جب دن ختم ہو جاتا اور غروب کا وقت آجاتا تو ارسطو اپنی مطالعہ گاہ سے باہر نکلتا اور شاگردوں کے ساتھ باغ کی روشوں پر ٹہلنا شروع کر دیتا۔ دن بھر میں وہ جو کام انجام دے چکے تھے۔ اُس پر سرسری نظر ڈالتا جاتا۔ اس کی جھریوں سے لبریز پیشانی نمایاں ہوتی اور صاف معلوم ہوتا کہ خیالات کسی اور ابر آلود فضا میں گردش کر رہے ہیں۔ اس کی زبان پر پہلا سوال آتے ہی سکندر کا خون جوش میں آجاتا۔ مثلاً ایک بار اُس نے پوچھا کہ اگر تم کشتی میں سوار ہو کر کنارے سے دُور چلے جاؤ اور سمندر میں طوفان آجائے تو کیا کرو گے؟"

کفایت شعار کسان کے بیٹے ہرپالوس نے کہا کہ میں بادبان کے رسّوں کو خود مضبوط گرہیں دے کر اس کا رُخ ہوا کی طرف پھیر دوں گا اور خود چپو کو سنبھال لوں گا جس سے کشتی چلتی ہے۔ بطلیموس نے جواب دیا کہ میں ہر قیمتی شے کو سمندر کے مختار دیوتاؤں کی خدمت میں قربانی کے طور پر پیش کر دوں گا تاکہ میری جان محفوظ ہو جائے۔ نیارکس کا جواب یہ تھا کہ میں مستول کو اتار لوں گا۔ بادبانوں کو اس کے گرد لپیٹ دوں گا۔ اِس طرح ایک لنگر بنا لوں گا اور جب تک طوفان باقی رہے گا۔ اسی لنگر کے سہارے کشتی کو بچاتا جاؤں گا۔

آخر ارسطو سکندر کی طرف متوجہ ہوا کہ بتاؤ تم کیا کرو گے؟

سکندر "میں کیا بتاؤں۔ جب تک یہ واقعہ پیش نہ آجائے۔ مجھے معلوم ہی کیونکر ہو سکتا ہے کہ کیا کرنا چاہیے؟" ارسطو چند لمحوں تک اسے غور سے دیکھتا رہا، گویا پہلی مرتبہ اس

کے جوہرِ صلاحیت کا اندازہ کیا، پھر بولا: "بہت خوب، بہت خوب، اس جواب میں کم از کم سچائی کا جوہر تو موجود ہے۔" پھر وہ آگے بڑھا، گویا اصل معاملے کو ختم کر چکا تھا۔ لیکن سکندر نے قدم بڑھا کر اس کا آگا روک لیا۔ اس کے چہرے پر غصے کے آثار نمودار تھے۔ اس نے پوچھا: اچھا یہ تو بتا دیجیے کہ صحیح جواب کس نے دیا؟ بطلیموس نے یا نیارکس نے؟

ارسطو: "کس نے؟ مجھے کیا معلوم؟ یہ سب کچھ طوفان کی کیفیت پر موقوف ہے اور جہاز چلانے والا ہی تمھارے سوال کا صحیح جواب دے سکتا ہے۔" اس کی نگاہیں کسی چیز پر جمی ہوئی تھیں۔ اور آنکھوں کے حلقے ذرا سمٹ گئے تھے۔ پھر بولا "میں تمھیں اتنا بتا سکتا ہوں کہ اس ——— اس کریٹی کے لیے دعا بے سود ہو گی اور بطلیموس ابن لگوس بحری لنگر کو قسمت آزمائی کا مرکز بنائے گا تو غلطی کا مرتکب ہو گا۔

سکندر: دعوے کو بہ منزلہ ثبوت مان لینا تو کچھ نہ ہوا۔ آپ کو تنخواہ اس غرض سے دی جاتی ہے کہ ہمیں سکھائیں پڑھائیں، اس لیے نہیں دی جاتی کہ فقرہ بازیوں میں وقت گزاریں۔ آپ بتائیں حقیقت کیا ہے؟ آیا سمندر کا دیوتا[1] موجوں میں زور و قوت پیدا کرنے کا مختار ہے یا ہوائیں اپنے آپ چلتی ہیں؟ یا تو یہی بات حقیقت پر مبنی ہو گی یا دوسری بات۔ آپ اعداد کی طرح حقیقت کو چھوٹے چھوٹے حصوں میں تقسیم نہیں کر سکتے۔

یہ الفاظ سن کر ارسطو کی پیشانی پر خفگی کی کوئی لہر نمودار نہ ہوئی۔ اس کی نگاہیں بدستور مقامِ غروب پر جمی رہیں اور اس نے کہا: "جب تم حقیقت کا ذکر کرتے ہو تو تمھاری مراد ایک خیال اور ایک مفکورے سے ہوتی ہے۔ مفکورے کو البتہ بار بار تقسیم کیا جا سکتا ہے اور باریکی کی اس حد پر پہنچایا جا سکتا ہے کہ اسے مزید تقسیم نہ کیا جا سکے اور وہ جزو لایتجزیٰ رہ جائے۔"

ارسطو کا مقررہ اصول یہ تھا کہ جب تم جزو لایتجزیٰ پر پہنچ جاؤ تو سمجھ لینا چاہیے تم حقیقت سے دوچار ہو گئے۔ اس وقت تک تم کسی امر کے بارے میں منزلِ یقین پر نہیں

---

[1] سمندر کے دیوتا یا رب النوعِ بحر کے لیے دو نام تھے ایک پوسیڈون POSEIDON جو مصنف نے متن کتاب میں استعمال کیا، دوسرا نیپتون (NEPTUNE)

پہنچ سکتے۔

سکندر اپنی بات پر جما رہا۔ وہ بار بار کہتا تھا کہ حقیقت چاندی کا درم نہیں جس کو بھنایا جا سکے۔ ارسطو چلتے چلتے ایک نمونے کے پاس پہنچ گیا۔ اس نے استدلال جاری رکھتے ہوئے جھٹ ایک سوکھی سی چیز اٹھائی اور پوچھا: یہ کیا ہے؟ جواب ملا "ایک چھوٹی سی جھینگا مچھلی ہے۔

ارسطو: ٹھیک ہے لیکن یہ بہت ہی چھوٹی قسم کی مچھلی ہے جو جزائر سائیکلیڈس[1] سے آتی ہے۔ چھوٹی اس لیے ہے کہ اس نے پوری پرورش نہیں پائی۔ یہ بحیرۂ یوکسین[2] جیسے دور افتادہ سمندر میں بھی پائی جاتی ہے۔ یہ خول نما مخلوق ہے اور ان جانداروں کا ابتدائی نمونہ جنھیں گھونگھے کہا جاتا ہے۔ زمین نمودار ہونے سے پیشتر پانی میں جن جانداروں کو زندگی کے ابتدائی نمونے سمجھا جاتا ہے ان کی یہ بچی کھچی نسل چلی جاتی ہے۔ پر دیکھو، جو لوگ معاشرے سے نکال دیے جائیں۔ ان کے لیے یہ خوراک کا سامان ہے۔ جو شخص کھانے کا لذت شناس ہو، وہ اسے مطبوخ مچھلی کا ایک نادر کھانا قرار دیتا ہے۔ یہ عام جھینگا مچھلی ہی کی ایک قسم ہے۔ اور سمندری مخلوق کے ان اقسام میں سے بہت ہی چھوٹی قسم ہے جن سے گہرے سمندروں کے دیو پیکروں اور بحری سانپوں کی افسانہ بافیاں شروع ہوئیں۔ بایں ہمہ درست ہے کہ یہ ایک چھوٹی جھینگا مچھلی ہے۔"

یہ کہتے ہی اس نے مچھلی کو رکھ دیا اور شفق کی سرخی مائل روشنی میں ٹہلتا ٹہلتا آگے نکل گیا۔ وہ ذرا دور چلا گیا تو طلیموس قہقہہ مار کر ہنسا اور بولا "اس تعلیم کے لیے ہم سے چپو مارنے والے غلاموں کا سا کام لیا جا رہا ہے؟ اچھا لڑکے تم کیا ہو؟ آؤ حقیقت کا تجزیہ کریں۔ کوئی شبہ نہیں کہ تم سکندر ہو اور اب منزلِ بلوغ پر پہنچ گئے ہو۔ تم اولمپیاس کے اکلوتے فرزند ہو۔ اور فیلقوس کے بیٹوں میں سے تنہا تمھیں جائز اولاد قرار دیا جا سکتا ہے۔ دماغ بھی صرف تمھارا سلامت ہے۔ تمھاری رگوں میں جو خون دوڑ رہا ہے اس کی بنا پر ہم کہہ سکتے ہیں کہ تم انسان ہو۔

[1] CYCLADES ISLANDS یہ بہت سے جزیروں کا مجموعہ ہے اور یونان کے جنوب مشرق میں واقع ہے۔

[2] EUXINE SEA یہ اس سمندر کا پرانا نام تھا جسے ہم بحیرۂ اسود (BLACK SEA) کہتے ہیں۔

دیوتاؤں کی رگوں میں زندگی کی جو لہریں پائی جاتی ہیں، ان میں تمھارا حصہ کچھ نہیں لیکن معلوم ہوتا ہے۔ تمھارے اندر کوئی آسمانی شرارہ بھی موجود ہے جو تمھیں ہرقل یا ایکی لیز سے ملاتا ہے۔ یا کم از کم تم اپنے ذہن میں یہی سمجھے بیٹھے ہو۔ بتاؤ، تم اسی عام ہوا میں سانس لیتے ہو یا آسمانی ایثر میں؟ تم ایک اکھڑ جوان ہو اور چاہتے ہو کہ یونانیوں کی عقل و دانش کا سرمایہ گھول کر پی جاؤ ——"

جب اُس نے دیکھا کہ سکندر چپ چاپ اور تنا کھڑا ہے تو گھبرا کر بات ادھوری چھوڑ دی۔ یاد آ گیا کہ ایک مرتبہ سکندر سے شمشیر زنی کرتے ہوئے بطلیموس کی جان پر آ بنی تھی۔ اس روز سے اس پر واضح ہو گیا تھا کہ سکندر ارادے کا بڑا پکا ہے۔ لہٰذا اسے غصہ دلانے کی کوئی بات زبان پر نہ لاتا تھا۔ چنانچہ اس نے گفتگو کا پہلو بدلنے کی غرض سے کہا: "اگر تم چاہتے ہو کہ ارسطو کے عقائد کی پوری کیفیت معلوم کرو تو چاہیے کہ اسے کسی ایک بات پر جمائے رکھو اور اِدھر اُدھر نہ ہونے دو۔ اس کو تجربے کا تختۂ مشق بناؤ۔ اسے وہ شعر سناؤ جن میں بتایا گیا ہے کہ میڈیا[1] نے اپنے محبوب جیسن کو جادو کے زور سے بچائے رکھا۔"

ایک لمحے کے لیے بطلیموس کے دل میں یہ خیال پیدا ہوا کہ اولمپیاس میڈیا کا کردار ادا کر رہی ہے۔ پھر جلدی سے اُس نے کہا: "ہاں بھئی ایک بات تم نے بالکل درست کہی —— دیوتا یا تو ہیں یا نہیں۔"

ایک رات سکندر اٹھا اور تنہا ارسطو کی تجربہ گاہ میں پہنچ گیا۔ جہاں چراغ جل جانے کے بعد کسی طالب علم کو جانے کی اجازت نہ تھی۔ اُس نے بغل میں ایک مخطوطہ دبا رکھا تھا جو مدت سے زیرِ مطالعہ رہنے کے بعد خاصا بوسیدہ ہو چکا تھا۔ اس نے دیکھا کہ ایک بھٹی پر تانبے کا برتن دھرا ہے جس میں پانی بھرا ہوا ہے۔ ارسطو اور اس کے معاون کچھ دیکھنے میں مشغول ہیں برتن کے اوپر جو باریک نلکی سی لگی ہوئی تھی۔ اس میں سے بھاپ نکل رہی تھی۔ اِس لیے کہ پانی

---

[1] جیسا کہ بتایا جا چکا یہ یوری پائیڈیز کا ایک ڈراما تھا جس میں ہیروئن کا کردار میڈیا نے ادا کیا۔ افسانے کا خلاصہ یہ ہے کہ میڈیا نے جادو کے ذریعے سے اپنے محبوب جیسن JASON کی حفاظت کی اور وہ دونوں جہاز میں بیٹھ کر سنہری اون لے کر نکل آئے۔

کھول رہا تھا۔ بھاپ میں اتنی قوت تھی کہ بھاری چوبی پہیّے کو گھما دے۔ لیکن فلسفیوں کو بھاپ کی قوت اور زور سے کوئی مطلب نہ تھا۔ چھت کے ساتھ دھات کا ایک ہموار ٹکڑا لگا ہوا تھا۔ بھاپ اسے چھوتی تو پانی کے قطروں کی شکل اختیار کر تی جاتی۔ پھر وہ قطرے مینہ کی طرح زمین پر آگرتے۔ بظاہر معلوم ہو رہا تھا کہ ارسطو چھوٹے پیمانے پر مینہ برسانے کے تجربے کر رہا ہے۔ اس کی نگاہیں اس عمل پر جمی ہوئی تھیں۔ اسے یقین تھا کہ چار عنصروں —— آتش و آب و خاک و باد —— کے علاوہ ایک پانچواں عنصر بھی موجود ہے۔ جس کی ابتدائی شکل بھاپ تھی اور طالب علم ارسطو کے اس یقین سے آگاہ تھے۔

ارسطو یہ بھی کہتا تھا کہ سورج کی حدت و حرارت روئے زمین سے پانی بھاپ کی شکل میں اوپر لے جاتی ہے۔ جب یہ بھاپ اوپر ہوا کے کسی سرد کرّے میں پہنچتی ہے تو ٹھنڈی ہو کر مینہ یا برف کی صورت اختیار کر کے پہاڑوں کی چوٹیوں پر گرتی ہے۔ اس طرح ندیاں پانی سے بھرتی ہیں اور ندیاؤں کی طرف دوڑتی ہیں۔ دریا اس پانی کو ان چھوٹے سمندروں میں لے جاتے ہیں۔ جنھوں نے زمین کو گھیر رکھا ہے۔ چھوٹے سمندروں کا پانی ایسی آبناؤں سے جیسے ہرقل کے کھمبوں[1] والی آبنائے ہے۔ گزر کر مغربی سمت کے بڑے سمندر میں جا ملتا ہے جہاں زمین کی حدیں ختم ہو جاتی ہیں۔ پس جس طرح جسم کی باریک رگوں میں خون کے دورے پر انسانی زندگی کا مدار ہے۔ اسی طرح پانی کے اِس مسلسل دور و سیر کی برکت سے کرۂ ارض پر زندگی کی نمود ہے۔ اگر اِس پانچویں عنصر یعنی بھاپ کی امداد پانی کی ہم رسانی جاری نہ رکھے تو دریا اور جھیلیں خشک ہو جائیں۔ تمام انواعِ حیات —— حشرات، نباتات اور حیوانات —— آہستہ آہستہ ختم ہو جائیں۔

اگر یہ درست ہے کہ نمی کی سیر و گردش سے مینہ برستا ہے تو مان لینا چاہیے کہ نہ آسمان کی محرابی سقف میں بادِ شمال کے فرزندوں کی پرواز مینہ لاتی ہے اور نہ یک چشم دیو پیکر بادلوں میں

---

[1] اس آبنائے سے مراد آبنائے جبل طارق ہے۔ جو بحیرۂ روم کو اوقیانوس سے ملاتی ہے۔ پرانے زمانے میں اس کا نام PILLARS OF HERCULES (ہرقل کے کھمبے) تھا یعنی پانی کے ایک تنگ خطے کے دونوں طرف ستونوں کی طرح دو پہاڑی ٹیلے کھڑے تھے اور بیچ میں ایک آبی دروازہ بن گیا تھا۔

بجلی کا کڑکا پیدا کرنے کے ذمہ دار ہیں۔

سکندر تھوڑی دیر تک مصنوعی بارش کی بوندیں گرنے کا تماشا دیکھتا رہا۔ پھر ارسطو کی توجہ اس کی طرف منعطف ہوئی۔ اسے اندیشہ تھا کہ ارسطو اس پر خفا ہو گا لہٰذا وہ تنا کھڑا رہا ـــــ پھر اس نے مخطوطہ ارسطو کے حوالے کرتے ہوئے کہا "کیا آپ مہربانی فرما کر واضح فرما دیں گے کہ اس میں عبارت کی کون کون سی غلطیاں ہیں؟"

فلسفی نے مخطوطہ کھولا تو اُسے معلوم ہوا کہ ہومر کی "داستان ٹرائے" کا یہ بڑا ہی بوسیدہ نسخہ ہے۔ پھر وہ کسی نکتہ چینی کے بغیر بولا "تین روز کے بعد مجھ سے لے لینا ـــــ لیکن یاد رکھو مطالعہ شبینہ کے اوقات میں پھر مداخلت نہ کرنا"

یہ نسخہ سکندر کو واپس ملا تو حاشیے پر جگہ جگہ ارسطو کی تحریر تھی۔ لیکن یہ دیکھ کر سکندر حیران رہ گیا کہ کہیں بھی یہ واضح نہ تھا کہ دیوتا انسانوں کی امداد نہیں کیا کرتے۔ صرف غلط الفاظ درست کر دیے گئے تھے یا بعض پیچیدہ اور مشکل مقامات کی تشریح کر دی گئی تھی جس کے بعد ان حصوں کا پڑھنا اور سمجھ لینا بہت سہل ہو گیا تھا۔ جب سکندر نے پوچھا کہ آپ نے معاملے کو الفاظ کی درستی اور بعض مطالب کی تشریح تک کیوں محدود رکھا اور ایلیڈ کی حقیقت پر کیوں بحث نہ کی؟ تو ارسطو نے جواب دیا کہ یہ کتاب خطابت شعر کی سحر آرائی کا ایک کرشمہ ہے تاریخ نہیں۔ جیسے کہ ہیرو ڈوٹس[1] کی تاریخی کتاب ہے۔ نظم کی حیثیت میں اس کا پایہ یقیناً بہت بلند ہے لیکن اسے طبعی واقعات کی حقیقی سرگزشت قرار نہیں دیا جا سکتا۔

سکندر: اگر یہ تاریخ ہوتی؟

ارسطو: "ایسی کتاب اب تک تصنیف نہیں ہوئی۔" اور مسکراہٹ اس کے جھریوں والے چہرے پر کھیل رہی تھی۔

غرض سکندر میزا میں یوں تنہا محنت و مشقت کرتا رہا۔ اسے خوف تھا کہ کہیں ناکام نہ ہو جائے۔ یہ احساس بھی پریشان کر رہا تھا کہ سن رسیدہ آدمیوں نے اسے احمق قرار دے

---

[1] HERODOTUS قدیم زمانے کا مشہور یونانی مؤرخ جو ۴۸۴ ق م میں پیدا ہوا۔ اس نے اپنی تاریخ کے لیے مواد فراہم کرنے کے سلسلے میں طویل سفر کیے۔

رکھا ہے۔ ان مرحلوں کو سکندر کے افکار و عزائم سے کوئی ہمدردی نہ تھی اور وہ خطابت، منطق اور نئی طبعیات کے لاانتہاہی تجربات میں سے آہستہ آہستہ قدم بڑھاتا ہوا چلا جا رہا تھا۔ وہ اِس کام میں ڈوب گیا تھا۔ عزم کیئے بیٹھا تھا کہ پرانی مذہبی رسوم کی حقیقت معلوم کیے بغیر دم نہ لے گا۔ جن کا وہ معتقد تھا۔ لیکن ارسطو ان کے بارے میں نفیاً یا اثباتاً کوئی حرف زبان پر لانے کے لیے تیار نہ تھا۔ بظاہر ارسطو اس پر متوجہ نہ تھا۔ چونکہ وہ خود سولہ گھنٹے مطالعہ و تجربات میں لگا رہتا تھا، اِس لیے اسے معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ اس کا شاگرد آنکھوں اور دماغ پر غیر معمولی بوجھ ڈال رہا ہے۔

اولمپیاس بڑی دانائی اور دور اندیشی سے اس کے جذبۂ محنت پر شوق کے تازیانے لگا رہی تھی، وہ کہتی 'دیکھو تمھارے اجداد میں سے ہرقل' فوق الفطرت محنت و مشقت سے عظمت کی اوج گاہوں پر پہنچا۔ ایک مرتبہ وہ ڈلفی کے مندر سے لوٹی تو سکندر سے یہ کہتی ہوئی سنی گئی: "غور کرو ـــ لوگ کہہ رہے ہیں، اہل مقدونیہ کس درجہ خوش نصیب ہیں۔ انھیں فیلقوس جیسا سپہ سالار اور سکندر جیسا بادشاہ مل گیا۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ وہ میرے لختِ جگر کو بادشاہ کہہ رہے ہیں ـــ اگرچہ تم سولہ سال کے ہو چکے ہو اور اس عمر میں بہت سے شہزادے نیابت کے منصب پر فائز ہو جاتے ہیں۔ ارسطو اس حقیقت سے ناآشنا نہیں رہ سکتا۔ واقعہ یہ ہے کہ فیلقوس کے بجائے وہ (ارسطو) تمھیں دانشمندانہ طریق پر زندگی گزارنے کے قابل بنانے کے لیے زیادہ محنت و مشقت برداشت کر رہا ہے۔ فیلقوس نے تو اس کے سوا تمھارے لیے کچھ نہیں کیا کہ تمھیں اپنا بیٹا تسلیم کر رہا ہے۔ میں نہیں سمجھتی کہ یہ کوئی بڑی بات ہے۔"

بیٹے کے متعلق اس کی روش میں غیر محسوس تغیر پیدا ہو گیا۔ پیلا کے سامنے جو میدان تھے۔ اولمپیاس نے وہاں محل کی عمارتوں کی آرائش و زیبائش کے لیے بہترین سامان مہیا کر دیے تھے۔ جب سکندر بیوسی فالس پر سوار ہو کر وہاں پہنچتا تو اولمپیاس کے تمام ملازم خاص اہتمام سے پیشوائی کا فرض انجام دینے کے لیے موجود ہوتے۔ وہ مختلف معاملات میں اس کی رائے لیتی اور ظاہر کرتی کہ وہی اس کا سہارا ہے۔ جب وہ رات کے لیے پیلا میں ٹھہرتا تو اولمپیاس یونان کی تربیت یافتہ طوائفوں کو خاص اہتمام سے فراہم کرتی اور ایسے مقامات

پر نمائش حسن و جمال کا حکم دیتی۔ جہاں وہ سکندر کی نظروں سے کسی بھی حالت میں اوجھل نہ رہ سکتی تھیں۔ اولمپیاس کا احساس یہ تھا کہ سکندر اس عمر کو پہنچ چکا ہے۔ جب مرد کو خوبصورت لڑکیوں کی ضرورت محسوس ہوتی ہے۔ اس کی خواہش یہ تھی کہ سکندر صرف ان کنیزوں سے تمتع حاصل کرے جنہیں وہ (اولمپیاس) اپنی نگرانی میں رکھ سکتی تھی۔ لڑکیاں صبح کے وقت اولمپیاس کو جا کر بتاتیں کہ اس نے کسی پر کوئی خاص توجہ نہ کی۔ یہی سمجھتا رہا کہ وہ محل کی ملازمائیں ہیں جن کا کام یہ ہے کہ حمام کے وقت ملکہ کے بدن پر خوشبوئیں لگائیں اور اس کے بالوں کی آرائش میں مدد دیں۔

اولمپیاس کے لیے یہ بات بڑی تکلیف دہ تھی کہ وہ اپنی کسی کنیز کے ذریعے سے بیٹے کو اپنی گہری دلبستگی پر آمادہ نہیں کر سکتی تھی۔ وہ کنیزوں کو ڈانٹتی کہ دیکھو میرے تیل اور خوشبوئیں نہ لگائیں۔ دوسرے تیلوں اور خوشبوؤں سے کام لو۔ ایک روز اس نے باغ میں ایک جل پری کے متعلق عجیب و غریب داستان سنی۔

باغبان کی بیوی نے ڈرتے ڈرتے بتایا کہ میں نے یہ داستان اپنے شوہر سے سنی جو گندم کے کھیت میں تھا۔ البتہ بادی النظر میں اسے قابلِ یقین نہیں سمجھا جا سکتا۔

واقعہ یہ ہے کہ سکندر شام کے وقت محل سے نکل کر باغات میں سے ہوتا ہوا تیزی کے ساتھ میزا کی طرف جا رہا تھا۔ چلتے چلتے اس نے گھوڑے کو پتھر کی دیوار پر سے کدایا۔ سامنے ایک اجنبی لڑکی کھڑی تھی۔ جس نے انگوروں کی ٹوکری سر پر اٹھا رکھی تھی۔ وہ بہ مشکل گھوڑے کی جھپٹ سے بچی۔ اس نے اپنا لہنگا ذرا اوپر اٹھا کر کمر کے گرد لپیٹ رکھا تھا۔ اس کی پنڈلیاں برہنہ تھیں۔ وہ ایک خاص لے میں گا رہی تھی۔ گھوڑے کے کودنے سے اُسے ہلکا سا دھکا لگا۔ اس سے انگوروں کی ٹوکری گر گئی۔ سکندر نے ذرا جھک کر لڑکی کو بازو سے تھام لیا۔ اس طرح وہ گرنے سے بچ گئی تو ایک دم اٹھا کر گھوڑے پر بٹھا لیا۔ اس کے بال سنہری تاروں کی طرح بکھرے ہوئے ہوا میں لہرا رہے تھے۔ سکندر نے اسے مضبوطی سے تھام رکھا اور لڑکی کے حلق سے کوئی آواز نہ نکلی۔

گندم کے کٹے ہوئے کھیت میں پہنچ کر سکندر نے گھوڑے کو روک لیا اور سنہرے بالوں

والی اس جل پری کو آہستہ سے نیچے اتارا۔ پھر خود بھی اتر کر بازو اس کی کمر میں ڈالا۔ کچھ دیر دونوں وہاں رہے۔ سکندر نے اپنا لبادہ اوڑھ کر پردہ سا کر لیا تھا۔ اس اثنا میں سورج غروب ہو گیا روشنی مدھم ہو گئی۔ یہاں تک کہ باغبان انھیں دیکھنے سے معذور ہو گیا۔

جب سکندر چلا گیا تو اس لڑکی نے اِدھر اُدھر پھر کر انگوروں کی ٹوکری تلاش کی۔ باغبان نے اس کا نام پوچھا تو معلوم ہوا کہ وہ نہ مقدونی بولی سمجھتی ہے اور نہ یونانی۔ باغبان نے سمجھا کہ یہ ضرور جنگل کی پری ہے جو شام کے وقت تھوڑی دیر کے لیے چلی آئی۔ پھر اپنے مامن میں پہنچ گئی۔

اولمپیاس قطعاً یہ بات تسلیم کرنے کے لیے تیار نہ تھی کہ پریاں جنگل سے نکل کر باغات میں انگور چنتی پھرتی ہیں۔ اس نے سنہرے بالوں والی اس لڑکی کے متعلق چھان بین شروع کر دی۔ پہلے نوکروں چاکروں سے پوچھا۔ پھر غلاموں کے مکانوں میں پرسش کی۔ آخر اس کے پاس سیتھیا کی ایک لڑکی لائی گئی، جسے ڈیلیا کی منڈی میں خریدا گیا تھا اور انگور جمع کرنے پر لگا دیا گیا تھا۔ اولمپیاس نے دیکھا کہ لڑکی بڑی قبول صورت ہے۔ اس کی آنکھیں اور بال دن کی روشنی میں بڑے پیارے معلوم ہوتے ہیں۔ اس نے سخت حکم جاری کر دیا کہ لڑکی کو فوراً پیلا سے لے جاؤ اور تھینز کی منڈی میں لے جا کر بیچ دو۔ وہ اس بات کی روادار نہ ہو سکتی تھی کہ سکندر ایک ایسی لڑکی سے پیار کرے جو ملکہ کی کنیزوں میں سے نہ ہو۔ اس سیتھی لڑکی کو نکالنے سے پیشتر تلاشی لی گئی تو بند کو لگانے کا وہ روپہلا بکسوا ملا جو اولمپیاس نے سکندر کو بطور تحفہ دیا تھا۔ یہ بکسوا اولمپیاس نے چھین کر آگ میں ڈالا تو لڑکی نے زار و قطار رونا شروع کر دیا۔

اولمپیاس نے لڑکی کو بند گاڑی میں بھیج دینے کے بعد باغبان کو بلایا۔ نیز ان غلاموں کو جنھوں نے لڑکی کو دیکھا تھا اور تاکیدی حکم دے دیا کہ اس کے بارے میں کبھی کوئی بات زبان پر نہ لائیں اگر سن لیا کہ ایسی لڑکی ایک رات کے لیے بھی پیلا میں رہی ہے تو تمھیں پتھروں سے باندھ کر جھیل میں غرق کرا دیا جائے گا۔ البتہ یہ کہہ سکتے ہو کہ وہ لڑکی نہ تھی بلکہ بھوت پریت کی جنس میں سے کوئی چیز ہو گی جو جنگل سے نکل کر باہر باغ میں آ گئی تھی

دن گزر گیا تو اولمپیاس کی توقع کے مطابق سکندر بیوسی فاس پر سوار ہو کر آ گیا۔ اور بیرونی باغات میں پھرتا رہا، گندم کے کھیت سے جنگل کے پاس تک کئی چکر لگانے پھر تاروں کی روشنی میں ملاقات کے مقام پر بیٹھا رہا۔ باغبانوں اور غلاموں کو بلا کر سھتی لڑکی کے متعلق پوچھ گچھ کرتا رہا۔ ان سب نے بہ یک زبان ہو کر کہا کہ ہم نے ایک پری کو دیکھا تھا جو جنگل سے نکلی اور انگور چننے میں لگ گئی۔

سکندر نے اور کچھ نہ پوچھا۔ وہ تھوڑی دیر کے لیے گندم کے کھیت میں تنہا ٹھہرا رہا۔ پھر محل کی طرف جانے کے بجائے سوار ہو کر میزا چلا گیا۔ اولمپیاس اس امر پر بڑی پریشان تھی کہ سکندر اس کے پاس نہ گیا اور نہ کبھی گم شدہ لڑکی کے متعلق کوئی بات کی۔

وہ دوسری مرتبہ رات کے کھانے کے لیے محل میں ٹھہر گیا تو اولمپیاس نے بھیل بلا ہوا دودھ اور دوسری لذیذ چیزیں اہتمام سے جمع کیں۔ خود بڑے تکلف کا لباس پہنا جیسا لباس جنگلی دیوتاؤں کی پجارنیں پہنتی تھیں۔ اپنے سیاہ بالوں میں عشق پیچاں لٹکالی اور وہ کھانے کی میز پر اس طرح بیٹھی کہ لیمپوں کی روشنی اس کے جسم پر پڑ کر حسن و جمال کو دوبالا کر دے۔ وہ پجارنوں سے زیادہ محبوب نظر آتی تھی۔ یونانی طوائفوں کو اس نے ہٹا دیا تھا۔ بنسری اور شہنائی کی آواز آ رہی تھی۔ اور اہتمام کا مدعا یہ تھا کہ سکندر دل کی بات مان کر بتانے کے لیے تیار ہو جائے۔

سکندر نے اس وقت کسی لذیذ چیز کو چکھنا تک گوارا نہ کیا اور عذر یہ پیش کیا کہ لیونی دس نے مدت سے اسے ویسے ہی بے مزہ کھانوں کا عادی بنا رکھا ہے۔ جیسے اہلِ سپارٹا کھاتے ہیں۔ نہ محض یہ بلکہ اس نے نظر اٹھا کر اولمپیاس کو دیکھا تک نہیں جب مطالعے کے متعلق بات چیت شروع کی تو اس نے بتایا کہ آج کل میں ربع مسکون کی وضع و ہیئت پر غور کر رہا ہوں۔ آخر ملکہ نے خود کہا کہ نوکر چاکر ایک لڑکی کا ذکر کر رہے ہیں جو جنگل سے نکل کر باہر میدان میں آ گئی تھی۔ کہتے ہیں کہ وہ ایک پری تھی، لیکن مجھے (اولمپیاس کو) یقین نہیں کہ دیویاں ایسی شکلیں اختیار کر کے انسانی آبادیوں سے اس قدر نزدیک آ جاتی ہیں۔

سکندر بھی یہ بات ماننے کے لیے تیار نہ تھا۔ اس نے کہا: "اماں جان! پریوں کے

نام نہیں ہوتے۔" یہ سنتے ہی اولمپیاس پریشان ہوگئی اور لڑکی کا نام پوچھنے سے بمشکل باز رہ سکی۔ اسے حیرت تھی کہ سکندر تو سیتھیوں کی زبان نہیں جانتا پھر اس نے نام کیوں کر معلوم کرلیا؟ وہ سمجھ گئی کہ جب نام معلوم ہے تو اسے پہچاننے میں کیا دقت پیش آسکتی ہے؟ یہ اندیشہ بھی لاحق تھا کہ شاید وہ سکندر سے حاملہ ہو چکی ہو۔

اس نے خوب سوچ سمجھ کر کہا، ممکن ہے اس نیم انسانی جنگلی سایے نے عام لڑکیوں جیسا نام تجویز کرلیا ہو مثلاً —

سکندر بے تکلف بولا: "اس نے اپنا نام دخترِ آفتاب[1] بتایا تھا۔"

اولمپیاس کو پھر حیرت کا ایک صدمہ برداشت کرنا پڑا۔ وہ سمجھتی تھی کہ جو لوگ اپنا سلسلہ نسب آفتاب سے ملاتے ہیں۔ وہ یقیناً غیر فانی ہوتے ہیں اور اپنی آنکھوں کی غیر معمولی چمک دمک سے بہ آسانی پہچانے جاتے ہیں۔ یہی ان کے نسلِ آفتاب سے ہونے کا نشان سمجھا جاتا ہے۔ وہ آفتاب جس کا آتشیں رتھ آسمان کی محرابی سقف پر روزانہ رواں رہتا ہے۔ لیکن اولمپیاس اس امر پر مطمئن ہوگئی کہ جو چال چلی گئی تھی، اسے اتفاقات نے تقویت پہنچائی اور اس حقیقت میں کوئی شبہ باقی نہ رہا کہ سیتھی لڑکی سچ مچ عام انسانوں جیسی ایک فانی ہستی تھی۔

سکندر اس رات جلد پیلا سے روانہ ہوگیا۔ وہ گھوڑا سرپٹ دوڑائے جا رہا تھا۔ اور باغات کے نزدیک قطعاً نہ گیا۔ اسے عجیب و غریب لڑکی کی گم شدگی سے جو صدمہ پہنچا، اسے چھپائے رکھا۔ بہرحال اس نے معمول کے مطابق چپ سادھ لی۔ چونکہ پریشانی کے باعث نیند نہ آتی تھی۔ اس لیے اوقات شبینہ میں ستاروں کے متعلق چھان بین شروع کردی۔

اب اولمپیاس پر واضح ہوگیا کہ وہ تیز فہم تو ہے لیکن عقل و دانش کی بردباری اس میں موجود نہیں۔ اسے صرف اپنی ذات کا خیال رہا۔ اور دوسروں کے جذبات کو مسحور

---

[1] نام انگریزی میں DAUGHTER OF THE SUN بتایا گیا ہے۔ یہ یقیناً سیتھی زبان کے کسی لفظ کا ترجمہ ہوگا۔ قدیم زمانے کے ایرانیوں میں اس قسم کے ناموں کی مثالیں ملتی ہیں مثلاً "پوران دخت" اغلب ہے اصل نام آفتاب دخت یا خورشید دخت ہو۔ میں نے عام فارسی ترجمہ مناسب سمجھا۔

بنا لینے میں یقیناً کمال حاصل تھا۔ اب ایک اندیشہ اسے پریشان کرنے لگا۔ وہ بڑی توہم پرست تھی۔ اس کے دل میں یہ احساس پیدا ہوا کہ اس اجنبی لڑکی کی نمود کہیں خود اس کے (اولمپیاس کے) لیے ایک شگون تو نہ تھی؟ اگر اسے شگون سمجھا جائے تو اس کا نتیجہ کیا ہوگا؟ غرض اولمپیاس کے دل میں اپنے متعلق اور سکندر کے متعلق تشویش پیدا ہو گئی۔ اُسے محسوس ہونے لگا کہ سکندر اس کی (اولمپیاس کی) مرضی کے تابع نہیں رہا۔ کسی شے نے اس میں تغیر پیدا کر دیا ہے۔ اور وہ دور دور رہنے لگا ہے۔

اس زمانے تک اولمپیاس کے دل میں فیلقوس کے متعلق نفرت کا جذبہ رونما ہو چکا تھا۔ فیلقوس کو بدیں وجہ ناقابلِ برداشت سمجھتی کہ وہ بے اعتنائی برت رہا تھا۔ صرف طویل مفارقت کے بعد ہی ملاقات ہوتی تو بات چیت کرتا اور خیر و عافیت پوچھتا۔ اس وقت بھی وہ نہایت اکھڑ پن سے سلام کہتا اور اس سے اپنی حقیقی بیوی کی حیثیت میں نہیں بلکہ بیٹے کی ماں کی حیثیت میں سلوک کرتا۔

اولمپیاس خوف کے مفہوم سے ناآشنا تھی۔ اب اس پہ تذبذب طاری ہوا اور کوئی راہ نہ مل سکا تو اریسٹانڈر کو بلایا۔ جو غیب کی باتیں بتلایا کرتا تھا۔ اور عام یونانیوں کی طرح اسے رشوت دے کر مطلب کی بات نہ کہلوائی جا سکتی تھی۔ اولمپیاس خوب جانتی تھی کہ اریسٹانڈر سے کام لینے کے لیے روپیہ کارگر نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا اس نے اپنی تمام تشویشات اس کے سامنے بیان کر دیں کہ شاید ان باتوں سے متاثر ہو کر اریسٹانڈر ہمدردانہ کاربراری کے لیے تیار ہو جائے۔

کاہن نے تمام باتیں دلجمعی سے سنیں فوراً کوئی جواب دینے کے لیے تیار نہ ہوا اور بولا کہ غور و فکر کے لیے وقت چاہیے۔ ستاروں کی گردش انسانی تقدیر کا فیصلہ کرتی ہے سوال یہ ہے کہ سکندر کی پیدائش کے وقت کیا کیا شگون تھے؟

اولمپیاس پہ بے چینی طاری تھی۔ اس کی طرح اریسٹانڈر کو بھی خوب یاد تھا کہ سکندر کی پیدائش کی رات افی سوس (ایشیا) کے مندر میں آگ بھڑک اُٹھی تھی اور وہ جل کر خاکستر ہو چکا تھا۔ وہ اپنے سوچ بچار میں گم تھا اور بولا: اس وقت سے دو باتیں تو پوری طرح واضح ہو گئیں

اوّل یہ کہ سکندر کے بعد ...... راس کے کوئی اولاد نہ ہوئی، دوم یہ کہ سکندر مختلف حیثیتوں میں مجموعہ عجائبات ہے شگون آگ کا تھا اور وہ آسمان سے نازل ہوئی تھی۔ نیز کیا فلیقوس آجکل تمہیں بیٹے کی ماں کہہ کر نہیں پکارتا؟

اولمپیاس کے سیاہ بال نقاب کی طرح اس کے چہرے پر چھائے ہوئے تھے اور اس کی نظریں ایرسٹانڈر کے چہرے پر جمی ہوئی تھیں۔ غرور نے نمک کی طرح اس کے سینے میں خلش پیدا کر رکھی تھی۔ اس نے کہا: اگر اس رات آگ آسمان سے نازل ہوئی اور اگر فلیقوس سکندر کا باپ نہ ہوا؟"

ایرسٹانڈر: اس راز کو تم سے بڑھ کر کوئی نہیں جان سکتا۔

عزت و عظمت بڑھانے اور اپنے آپ کو سربلند ثابت کرنے کا معاملہ پیش آجاتا تو اولمپیاس اس سے فائدہ اٹھانے میں تامل کی عادی نہ تھی۔ ایرسٹانڈر نے اس بات کی طرف صرف اشارہ کیا تھا جو اولمپیاس کے خیال میں تھی۔ چنانچہ کاہن کے رخصت ہونے سے پیشتر ساموتھریس کی پجارن نے اپنے دل میں پختہ فیصلہ کر دیا تھا۔

لیکن اس فیصلے کا اظہار بڑی ہنرمندی سے ہوا۔ پہلے پہل محل کے پرانے ملازموں نے دبے لفظوں میں ذکر شروع کیا اور وہ بھی اس وقت جب فلیقوس پیلا سے باہر گیا ہوا تھا۔ ابتدا میں اس کی حیثیت محض ایک افواہ کی تھی جس کا آغاز ملازم عورتوں سے ہوا اور شگون کو اس افواہ کی بنا قرار دیا گیا — یعنی یہ کہ سکندر فلیقوس کا بیٹا نہیں، بلکہ زفاف کی رات ایک غیر معلوم ہستی نے ساموتھریس کی پجارن کے بطن میں بچے[1] کا نقش مرتسم کیا۔ اس وقت سانپ اس کی خوابگاہ سے باہر نکلا۔ بعض ملازم کہتے تھے کہ خود فلیقوس نے سانپ کی شکل اختیار کر لی تھی اور اس واقعے سے تھوڑی دیر بعد اس کی آنکھ ضائع ہو گئی۔

اولمپیاس کے ساتھ شادی سے پیشتر آرسی نوئی فلیقوس کی داشتہ تھی۔ اس نے یہ افواہ سنی تو دہشت کے مارے ٹھٹھر کر رہ گئی۔ اب وہ لگوس کے گھر میں مالکہ کی دل پسند حیثیت اختیار کر چکی تھی۔ وہ

---

[1] مراد یہ ہے کہ آرسی نوئی مدت تک فلیقوس کی داشتہ رہی۔ اس سے بطلیموس پیدا ہوا۔ پھر فلیقوس نے اولمپیاس سے باقاعدہ شادی کی تو آرسی نوئی کو اپنے ایک سردار لگوس کی بیوی بنا دیا اور وہ لگوس کے گھر کی مالکہ بن گئی۔

تلون دوست فیلقوس اور شعلہ مزاج اولمپیاس کی طبیعتوں کو اتنی اچھی طرح سمجھتی تھی کہ وہ دونوں خود بھی ایک دوسرے کو ویسا نہ سمجھتے تھے۔ اس نے فوراً اپنے بیٹے بطلیموس تک یہ افواہ پہنچا دی جو مبالغہ آمیز تھا۔ وہ جانتی تھی کہ بطلیموس کا مستقبل خود فیلقوس کے من کی موج سے وابستہ ہے۔ ماں کے اس پیغام نے بطلیموس کے لیے فکر و خیال کی غذا مہیا کر دی۔

ایک روز اُس نے سکندر سے کہا: "تم یہ دریافت کرنے کے لیے کوشاں رہتے ہو کہ صبح کے ستاروں کا سر و د کیا ہے۔ بہتر یہ ہے کہ اس افواہ پر کان دھرو جو پیلا کے بازاروں میں گرم ہے۔"

سکندر: (حیرت زدہ) کون سی افواہ؟

بطلیموس: اِس افواہ کے بارے میں کوئی تمھیں کچھ نہیں بتا سکتا۔ تمھارے لیے لازم ہے کہ اِس پر یقین کرنے سے پیشتر سب کچھ اپنے کانوں سے سنو اور اپنی آنکھوں سے دیکھو۔ عادت یہ ہے کہ تم اپنے نقشوں کے خط و خال درست کرنے میں حد درجہ مگن ہو۔ یہاں تک کہ آسمان کی چھت میں شگاف پڑ جائے تو جب تک وہ تمھارے سر پر نہ آگرے تمھیں خبر بھی نہ ہوگی۔ سکندر ہرگز تیار نہ تھا کہ پیلا کے بازار میں جائے اور وہاں دیہاتی عورتوں کو پیاز اور مسور کے بارے میں بات چیت کرتے ہوئے سنے۔ اگر وہ اپنے حجرے میں بند ہو کر خاکوں، نقشوں اور فہرستوں میں گم نہ رہتا تو وہ افواہ اس کے کانوں تک پہنچ جاتی جو مقدونیہ کے طول و عرض میں پھیلی۔ اِس طرح وہ تذلیل اور جلاوطنی سے محفوظ رہتا۔

لیکن معلوم ہوتا ہے اس زمانے میں وہ ایک لمحے کے لیے بھی مطالعے اور غور و فکر سے فارغ نہ رہا۔ اس نے تحصیلِ علم کے ابتدائی دور میں بڑی سخت محنت کی تھی۔ اور اب سیاسیات اور نقشۂ عالم پر اُسے خاصا عبور حاصل ہو رہا تھا۔ وہ محنت و ریاضت سے صرف اس وقت دست کش ہوتا جب مذہبی رسوم کی بجا آوری اسے کھینچتی۔ یا رات کے وقت پہاڑیوں میں پھرنے کے لیے نکل جاتا۔ اگرچہ اس کے دل میں ارسطو سے مصالحت کی صورت پیدا نہ ہوئی تھی تاہم اس کی تعلیم و تدریس سے بغاوت کا شیوہ وہ ترک کر چکا تھا بلکہ کہا جا سکتا ہے وہ اپنے طور پر دریافت و انکشاف کی راہ پر لگ چکا تھا۔

مشرق کی غیر معروف سرزمین کے بارے میں خود اس نے ایک رائے قائم کر لی تھی نقشوں میں عام طور پر اُسے مکانِ خالی کی حیثیت دی جاتی تھی۔ ابتدا میں عام لوگوں کی طرح سکندر کا عقیدہ بھی یہ تھا کہ مشرق صرف طلوعِ آفتاب کا مقام ہے۔ اب وہ سمجھنے لگا تھا کہ اغلب ہے کہ ارض کے اس حصے میں ایسی سرزمینیں ہوں جہاں اب تک کوئی نہیں جا سکتا۔ پھر ان کے بعد سمندر ہو۔

ارسطو اور اس کے معاون فلسفی عہدِ قدیم[1] کے ارضی تصوّرات پر وقت ضائع کرنا بے سود سمجھتے تھے۔ عہدِ قدیم کے لوگوں کا خیال تھا کہ ابتدا میں ؟ تاریک رات چھائی ہوئی تھی۔ صرف زمین کے ٹکڑے سے جیسے چاند اور سورج کی روشنی سے منوّر تھے۔ سیّارے اپنے اپنے محوروں پر زمین کے گرد ایک انداز پر گھوم رہے تھے اور ان کی گردش سے کرّوں کی موسیقی پیدا ہوتی تھی۔

اب فلسفی ایک نئے نظریے پر پہنچ گئے تھے یعنی یہ کہ زمین خود ایک کرّہ ہے جو کائنات کے وسط میں معلق ہے (ارسطو اس نظریے کے ثبوت میں یہ دلیل پیش کرتا تھا کہ گرہن کے وقت سورج اور چاند دونوں میں زمین کا جو سایہ پڑتا ہے وہ گول ہوتا ہے اور کثافت اس امر کی شہادت دیتے تھے کہ اگر ہم انتہائے شمال میں چلے جائیں تو فضائے جنوب کے ستارے دکھائی نہیں دیتے) اس کرّے کے گرد چاند اور سورج گھومتے ہیں۔ اس طرح کرّے کے ہر نصف حصے میں روشنی اور تاریکی کا تبادل جاری رہتا ہے۔

اس کرّے پر ہزاروں سال میں زمین کی نمود شروع ہوئی اور زمین اب تک پھیلتی جا رہی ہے اگرچہ ندی نالوں اور دریاؤں کے بہاؤ سے زمین میں قطع و برید کا عمل جاری ہے بایں ہمہ یہ ابھرتی اور اوپر اٹھتی آ رہی ہے۔ ہنوز اس کا صرف ایک حصہ انسانی آبادی کے قابل ہوا ہے یہ قابلِ آبادی حصہ سورج کے محور کے ساتھ ساتھ مشرق سے مغرب کی طرف ــ طول البلد میں ــ غیر محسوس طریق پر توسیع پذیر ہے نہ کہ شمالاً جنوباً بہ لحاظ عرض ــ عرض البلد میں۔

کرۂ ارض کے قابلِ آبادی حصے کا شمالی گوشہ بہت سرد ہے۔ وہاں ہمیشہ برف جمی

---

[1] مصنف نے یہاں مائی لیشیوں (MLLESIAN) کا لفظ استعمال کیا ہے۔ یہ قدیم زمانے کے آرستانی باشندے تھے۔ میں نے ترجمے میں صرف عہدِ قدیم کافی سمجھا۔

رہتی ہے اور برفانی ہوائیں چلتی ہیں۔ ارسطو نے سمرلوگوں[1] سے جنھیں موجودہ روس کے باشندے سمجھنا چاہیے بات چیت کی تھی۔ وہ منجمد دریاؤں سے گزرتے ہوئے قطبی خطے میں پہنچے تھے جہاں وہ شکار کی غرض سے گئے تھے اور ارسطو کو انھوں نے بتایا کہ قابلِ آبادی خطے کی سرحد پر ایسے جانور پائے جاتے ہیں جن کے بال سفید رنگ کے ہوتے ہیں۔ بہرِ اس امر کی شہادت مجھی گئی کہ برفانی ملکوں میں بھی زندگی کے آثار موجود ہیں۔ قابلِ آبادی حصے کے جنوب میں منطقہ حارہ کی تیز گرمی شروع ہو جاتی تھی جس میں انسان زندہ نہ رہ سکتے تھے اور زمین نے ریت کی شکل اختیار کر لی تھی۔ وہ ریت سورج کی تیز اور شدید حرارت سے جل گئی تھی۔ پیلا کے جنوب میں لیبیا کا زرخیز ساحلی علاقہ تھا۔ جو سیاح اندر کی طرف گئے انھوں نے بتایا ہر طرف لامتناہی صحرائی علاقہ نظر آتا ہے۔ جہاں انسان کے لیے زندگی بسر کرنا مشکل ہے۔ وہاں زمین سے چھوٹی چھوٹی جھاڑیاں اگتی ہیں یا زہریلے سانپ نظر آتے ہیں۔ زمین کھودی جائے تو کھارا پانی نکلتا ہے جسے پیا نہیں جا سکتا۔ ظاہر یہ ہوتا ہے کہ اِس جنوبی حصے میں بھی ایسی قوتیں موجود تھیں جو انسانی زندگی کے لیے تباہی کا باعث تھیں جس طرح شمالی حصے میں شدید سردی، برفستانی سطحِ زمین، تباہ کن ہوائیں اور سفید فام دیو پیکر، انسانی روح کو تحلیل کرنے کے لیے موجود تھے۔

یقینی نظر آتا ہے کہ اِس زمانے میں قابلِ آبادی سطحِ ارض کی جنوبی اور شمالی حدوں کے درمیان فاصلہ زیادہ نہ تھا اور مِن چلے آدمی دونوں حدوں تک پہنچ چکے تھے مثلاً ارگوناٹ یعنی وہ لوگ جو آرگو جہاز میں سوار ہو کر گئے تھے۔

ارسطو نے اِن حدود کے سلسلے میں ایک سوال پیش کر دیا۔ اس نے پوچھا کہ بڑے بڑے دریاؤں کے سرچشمے کس نے دیکھے ہیں۔ اگر کرۂ ارض پر پانیوں کے دورِ گردش کا نظریہ درست ہے تو ایسے دریاؤں کے سرچشمے دور افتادہ پہاڑوں میں ہونے چاہئیں۔ جہاں بے شمار چھوٹی چھوٹی ندیاں بہتی ہیں۔ مثلاً عظیم الشان دریائے نیل کا سرچشمہ کہاں ہے جو سرزمین مصر میں پہنچ کر پوراز در اختیار کرتا ہے؟ یہ دریا نہ ہوتا تو مصر کی زمین سراسر خشک ورِدی رہ جاتی۔ ڈینوب کس مقام سے نکلتا ہے جو نیل جتنا ہی عظیم الشان ہے اور مقدونیہ کے شمال میں جو جنگل ہیں، ان میں سے گزرتا ہوا بحیرۂ یوکسین

---

[1] CIMMERIANS یہ قدیم زمانے میں اس ملک کا نام تھا۔ جو آجکل روس کہلاتا ہے۔

(بحیرۂ اسود) میں جا گرتا ہے۔

ارسطو کا استدلال یہ تھا کہ ان دریاؤں کے کناروں پر جانور بھی ہونے چاہئیں اور درخت بھی۔ پھر کیا وجہ ہے کہ انسان وہاں نہ رہ سکیں؟ لیکن یونانیوں میں سے کوئی شخص اس وقت تک نیل اور ڈینیوب کے سرچشموں پر نہیں پہنچ سکا تھا۔

سکندر کی توجہ قابلِ آبادی حصۂ ارض کی مشرقی سرحد پر جمی ہوئی تھی۔ مغربی حد میں جہاں سورج غروب ہوتا تھا، اس کے لیے کوئی کشش نہ تھی۔ فنیقیوں اور تاجرانِ قرطاجنہ نے جو سفر کیے تھے۔ ان کے حالات میزا کی درسگاہ میں موجود تھے۔ سکندر نے ان کا بغور مطالعہ کیا اور اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ تاجر بحیرۂ متوسط[1] میں سے ہوتے ہوئے مغربی آبی دروازے[2] سے بھی آگے نکل گئے۔ جن پہاڑی بلندیوں کو ہرقل کے کھمبے یا کوہِ اٹلس کہا جاتا ہے۔ بحیرۂ متوسط کا پانی ان کے بیچ میں سے گزرتا ہوا بحیرۂ محیط[3] میں پہنچ جاتا ہے۔ اس آبنائے میں ملاحوں نے ڈولفن مچھلیوں کے عجیب و غریب جھنڈ دیکھے جو جہازوں کو گھیر لیتے تھے لیکن چھاپہ پڑتے تھے۔ وہاں سے دور رہتے تھے۔ آگے حدِ نظر تک سمندر کی تاریک[4] سطح پھیلی ہوئی تھی اور وہاں بادِ شمال کے پروردہ بلبلوں کے تھپیڑے پڑتے تھے اور سانپوں جیسے بالوں والی دیویوں کی چیخیں سنائی دیتی تھیں جنہیں فی الواقع دیوتا کے کارندے سمجھا جاتا تھا۔

یوں مغرب میں انسانی پیش قدمی کے لیے محض ناقابلِ گزر سمندر ہی روک نہ تھا۔ بلکہ گہرے کھارے پانی کے دیو پیکر بھی دشمنی کے لیے موجود تھے جو جہازوں کو اس طرح توڑ پھوڑ کر رکھ دیتے

[1] بحیرۂ متوسط MEDITERRANIANSEA کا لفظی ترجمہ ہے یعنی وہ سمندر جو خطہ ہائے ارض کے درمیان واقع ہے یعنی بحیرۂ روم۔

[2] مغربی آبی دروازے سے مراد آبنائے جبل الطارق ہے

[3] بحرِ محیط یعنی وہ سمندر جس نے زمین کا احاطہ کر رکھا ہے۔ بالفاظِ دیگر اٹلانٹک جسے عام لوگ بحرِ اوقیانوس کہتے ہیں۔ حالانکہ اوقیانوس یونانی لفظ OKEANOS کی تعریب ہے بمعنی سمندر، لہٰذا اس کا صحیح ترجمہ البحر ہو سکتا ہے۔ بحرِ اوقیانوس غالباً درست نہ ہو۔

[4] یا اوقیانوس اٹلانٹک ہی کی طرف اشارہ ہے۔ ممکن ہے اس کی سطح دیکھنے والوں کو تاریک نظر آتی ہو۔ اس لیے عربوں نے اسی کا نام بحرِ ظلمات رکھا۔ "بحرِ ظلمات میں دوڑا دیے گھوڑے ہم نے" (اقبال)، ممکن ہے بحرِ ظلمات نام اس لیے پڑا ہو کہ پرانے زمانے میں سپید تھا اس کے بعد اندھیرا ہی اندھیرا ہے۔

تھے جس طرح انسان بھڑوں کے چھتے بہ آسانی توڑ پھوڑ سکتا ہے کم از کم من چلے ملاحوں کا بیان یہی تھا۔

ارسطو کو بھی مغربی سمت سے کوئی خاص دلچسپی نہ تھی۔ افلاطون کا عقیدہ تھا کہ سمندر کے اس حصے میں جس کا نام اٹلانٹک ہے، دور جا کر جزیرے ہیں جنھیں افسانوں کے "مبارک جزیرے"[1] بتایا جاتا ہے یا بعض لوگ اس خطۂ زمین کو اٹلانٹس نام کا گم شدہ جزیرہ قرار دیتے ہیں، لیکن ارسطو کا عقیدہ یہ نہ تھا۔ وہ اس بیان کو بدیں وجہ تسلیم نہ کرتا تھا کہ اس کے لیے کوئی شہادت سامنے نہ تھی۔ وہ اٹلانٹس کی تہذیب کے متعلق سوچنے کو بھی وقت ضائع کرنا سمجھتا تھا۔ کہتا تھا کہ تہذیب مشرق سے مغربی طرف بڑھی نہ کہ مغرب سے مشرق کی طرف۔ کم از کم یہ ثابت ہے کہ شروع میں علوم کا مرکز ایشیا تھا۔ پھر یہ کریٹ پہنچے۔ بظاہر یونانیوں نے ایشیا اور خصوصاً مصر سے علوم سیکھے۔ ان افکار نے سکندر کو دریافت و اکتشاف کی اختیار کردہ راہ میں اور زیادہ مضبوط و مستحکم کر دیا۔

اب اُسے یقین ہو چکا تھا — اور ارسطو نے اس کی تردید نہ کی تھی — کہ رُبع مسکوں کی مشرقی سرحدات کا علم کسی کو نہیں، یقیناً ایلیڈ میں آستانۂ ایشیا کا ذکر تھا، یعنی درۂ دانیال کے آبی دروازے کا جہاں ٹرائے شہر آباد تھا۔ ٹرائے بلاشبہ زمانۂ ماضی میں اس جگہ موجود تھا لیکن آرگو جہاز کے ملاح آبناؤں ہی سے گزرتے ہوئے بحیرۂ یوکسین (بحیرۂ اسود) میں پہنچ گئے تھے یوکسین ہی کے کسی حصے میں تحقیقی علم کی منزل ختم ہو جاتی تھی۔ اور افسانہ بافیوں کا آغاز ہو جاتا تھا۔ ارسطو کہتا کہ فرض کر لو، آرگو جہاز کے ملاح اس غرض سے یوکسین میں پہنچے تھے کہ انھیں سونا مل جانے کی امید پیدا ہوئی تھی۔ افسانہ بافی میں وہ سونا سنہری اون بن گیا تھا انھیں اس سمندر کی حد پر وہ افسانوی سلسلۂ کوہ ملا تھا جسے قفقاز (قاف) کے نام سے پکارا جاتا ہے اور افسانوں میں بتایا گیا تھا کہ اسی پہاڑ پر پرومی تھیس[2] کو زنجیروں سے جکڑ دیا گیا تھا تاکہ فضائے بسیط کے سفاک پرندے اس کا گوشت نوچ نوچ کر کھائیں۔ اب جو ملاح بحیرۂ اسود

---

[1] BLESSED ISLES

[2] PROMETHEUS

کی یونانی نو آبادیوں تک پہنچتے ہیں۔ الغرض یہ پہاڑ بادلوں کو بوسہ دیتا ہوا نظر آتا ہے اور اس کی چوٹیوں پر دائمی برف جمی ہوئی دکھائی دیتی ہے۔ ملاحوں کا بیان تھا کہ قفقاز کی پہاڑی دیوار میں ایک دروازہ ہے جس سے گزر کر غیر معلوم مشرقی سرزمینوں میں جاتے ہیں۔ ایشیا والوں کا عقیدہ ہے کہ اس کے آگے ایک زمین بند بحیرہ واقع ہے جس کا نام قزوین[1] ہے۔ جہاں دیو پیکر پٹھے جنگجو عورتیں یا دیویاں اور غیر معلوم آسمانی اوتار پائے جاتے ہیں۔ یہ بحیرہ قزوین اگر واقعی موجود ہے تو اس کا بہاؤ شمالی جانب بیرونی سمندر کی طرف ہونا چاہیے۔

زمانۂ قدیم کے اندازے کے مطابق یونان اور اس کے ساتھ مقدونیہ ربع مسکون کے قریباً وسط میں واقع تھے۔ مثلاً ایتھنز سے ہرقل کے آبی دروازے[2] کا فاصلہ بھی اتنا ہی تھا جتنا کوہ قفقاز کے مشرقی دروازے کا لیکن سکندر کو ان مفکروں کی رائے زیادہ جاذب معلوم ہوتی تھی جو ربع مسکون کا مرکز مشرق کی جانب بتاتے تھے۔ اس کا عقیدہ تھا کہ مشرق کے اسی غیر معلوم حصے میں اب تک حقیقی دیوتا موجود ہوں گے[3]۔

رات کے وقت ارسطو تجربات میں مستغرق ہو جاتا تو سکندر مشرقی سمندروں کے ملاحوں کی کہانیاں یا افسانے پڑھ پڑھ کر مفید مطلب کہاوتوں کے سلسلے جوڑتا رہتا۔ اب وہ پہلے کی طرح سونے سے پیشتر ہومر پڑھا کرتا تھا تاہم جو کچھ اس کے دل میں تھا۔ وہ نہ کبھی اپنے رفیقوں پر ظاہر کیا اور نہ ارسطو یا دوسرے سائنس دانوں کو بتایا۔

---

[1] CASPIAN SEA

[2] مراد ہے آبنائے جبل طارق۔

[3] مصنف نے حقیقت واضح نہیں کی لیکن یونان کی جانب سے مشرق بعید کی سرزمینوں تک پہنچنے کا ایک راستہ تو خشکی کا تھا یعنی ایشیائے کوچک میں داخل ہو کر انسان مشرق کی طرف جائے۔ دوسرا راستہ کوہ قفقاز کے دروں میں سے بھی تھا جن میں سے دو خاص طور پر مشہور رہیں؛ ایک درہ دربند جسے عربوں نے باب الابواب قرار دیا۔ دوسرا درہ داریال۔ یہی آخری درہ تھا جہاں ایران کے شہنشاہ سائرس نے وہ سد بنائی تھی جسے عام طور پر سدِ سکندری قرار دیا جاتا ہے۔ بحیرۂ اسود میں سے قفقاز پہنچ کر ان دروں میں سے آدمی آذربائیجان پہنچ سکتا تھا لیکن درے دشوار گزار بہت تھے خصوصاً درہ داریال۔

اُس نے اپنا عقیدہ پیشِ نظر رکھ لیا اور آہستہ آہستہ چھان بین کرتے ہوئے بعض نکات کے بارے میں وہ متیقّن ہو گیا۔ لیکن اسے اتنی ہی محنت کرنی پڑی جتنی کہ کسی شخص کو کریٹ کی بھول بھلیاں[1] میں سے گزرنے میں پیش آسکتی تھی۔

اس نے ہیروڈوٹس کی تاریخ اٹھا کر دیکھی تو معلوم ہوا کہ مشرقی سمت میں قفقاز کے آس پاس پہنچتے ہی تاریخ نے افسانے کی شکل اختیار کر لی تھی۔ ہیروڈوٹس نے مشرق میں جس شہر کو زیادہ سے زیادہ دور افتادہ قرار دیا تھا، وہ بابل تھا۔ اس کے بلند درجہ بدرجہ باغات اور فلک بوس مینار ربعِ مسکون کے عجائبات میں شمار ہوتے تھے۔ ایک خونیقی نے بیان کیا کہ بابل اصل میں "بابِ ایل"[2] تھا یعنی خدائی دروازہ۔ سکندر خونیقی زبان سے بالکل ناواقف تھا لیکن بابل کا طول البلد بھی وہی تھا جو قفقاز کا تھا، جس میں مشرق کا دروازہ بتایا جاتا تھا سوال یہ تھا کہ اس کے آگے کیا تھا؟

پھر اس نے دریاؤں کی لمبائی چوڑائی اور بہاؤ کی بنا پر زمین کی شکل کا اندازہ کرنے کے لئے ارسطو کے طریقے پر عمل کرتے ہوئے اطمینان کر لیا کہ بابل کے پاس بھی دو دریا بہتے ہیں۔ دجلہ اور فرات۔ جاننا چاہیے کہ ان کے سرچشمے کہاں ہیں؟ یہ سرچشمے کوہ قفقاز میں ہو سکتے نہیں مگر مزید مشرقی سمت کی بلندیوں میں۔ ان دونوں دریاؤں کا پانی یقیناً جنوبی سمت کے سمندر میں گرتا ہے۔ لیکن وہ نکلے کس جگہ سے ہیں؟

پھر کیا یہ ممکن نہیں کہ مشرقی سرحدوں کے آگے بلند ترین پہاڑوں کے سلسلے موجود ہوں جہاں زمین سربلند ہوتے ہوئے آسمانی کرۂ اثیر میں پہنچ گئی ہو؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ دونوں دریا انھیں انتہائی بلندیوں سے نکلے ہوں جن سے پرے سورج سمندر میں سے نمودار ہوتا ہے؟ کیا یہ ممکن نہیں کہ انھیں بلندیوں پر آسمانی طاقتوں کا مسکن ہو۔ خواہ اس کا نام پرناسس ہو یا اولمپس، یا بہشت جیسا کہ ایشیائی کہتے ہیں؟

---

[1] دنیا میں بہت سی بھول بھلیاں موجود تھیں لیکن ادب و تاریخ میں صرف چند ایک کا ذکر ہے۔ ان میں سے ایک بھول بھلیاں جزیرہ کریٹ کی تھی جس میں ایک شخص کو قید کیا گیا تھا۔

[2] ایل عبرانی میں اللہ کو کہتے ہیں۔ باب ایل کا مطلب ہوا بابُ اللہ۔

اسے یہ بھی معلوم ہو گیا کہ بیشتر افسانے ... دور افتادہ مشرقی سرزمینوں میں تیار ہوئے۔ لوگ کہتے ہیں کہ وہاں آبِ حیات زمین پر بہتا ہے — وہ آبِ حیات جسے انسان پی لے تو ہمیشہ زندہ رہے۔ اسی جگہ عام بیانات کے متعلق شجرۃ الحیات ہے جس کا پھل کھا لینے سے انسانوں کو آسمانی علم حاصل ہو جاتا ہے۔

یقیناً دیوتاؤں کے تمام آثار کرۂ ارض کے اسی غیر معلوم مشرقی حصے کی طرف رہنمائی کرتے تھے۔ پرانے مندر اور قدیم زیارت گاہیں بھی اسی سمت میں تھیں جدھر سے سورج طلوع ہوتا تھا۔ یونان میں ڈلفی کے مندر کی پیشگوئیوں اور کہانیوں کا سلسلہ بعد میں شروع ہوا۔ اور ایشیا کے ساحل پر اراڈوس[1] کی کہانت گاہ اس سے پیشتر موجود تھی۔ ایتھنز میں اپولو کا مندر بعد میں تیار ہوا اور مصر میں زیوس آمون کی مقدس عبادت گاہ بہت پہلے بن چکی تھی۔ اور سکندر کی معلومات کے مطابق یہ آخری عبادت گاہ بھی معرضِ وجود میں نہ آئی تھی جہاں بابل کے کلدانی اور مجوسی سورج دیوتا کی عبادت کیا کرتے تھے۔

سکندر کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ میزا میں روئے زمین کا ایک نقشہ موجود ہے جو ہیکاٹائیس[2] نے تیار کیا تھا اور اس میں تمام ملک، دریا اور سمندر ایسی ہیئت میں دکھائے گئے تھے جیسے کوئی انھیں بلندی سے دیکھے۔ سکندر نے بڑی مشقت اٹھا کر اس نقشے کی نقل لی۔ پھر اس پر مندروں اور عبادت گاہوں کے بارے میں اپنی معلومات کے .... مطابق مختلف نوٹ لکھے۔ مختلف ملاحوں نے جن راستوں کا ذکر کیا تھا، وہ اس نقشے پر بنائے — اور وہ تمام دروازے دکھائے جو اس کے مرکزِ افکار یعنی غیر معلوم سرزمینِ مشرق پر کھلتے تھے۔

اسی نقشے پر اس نے مشرقی سرحد کے ساتھ ساتھ ایک اتنی اونچی بلندی دکھائی جس کے سامنے بلند سلسلہ ہائے کوہ بھی پست نظر آتے تھے۔ اس کا نام اس نے بلند ترین دیوار رکھا، اور اسے دیوتاؤں کا مسکن قرار دیا۔ جیسا کہ ناگزیر تھا، اس نقشے کو دوسروں نے بھی دیکھ لیا اور درس گاہ میزا کے ایوانوں میں بلند ترین دیوار کے متعلق چہ میگوئیاں شروع ہو گئیں۔ ہارپالوس،

---

[1] ARADUS یہ مقام غالباً ساحلِ شام پر حمص کے سامنے تھا۔

[2] HECATAEUS

مروجہ طریقوں کا پیرو تھا۔ اس نے بلندی معلوم کرنے والی نلکی میں سے دیکھا اور یہ رائے ظاہر کی کہ مجھے تو بلند ترین دیوار جس دیوتا اور شیطان رہتے ہیں، بادلوں سے اونچی نظر آتی ہے۔

ارسطو کے بعض معاونوں نے کہا کہ سکندر کو نقشے میں مختلف مقامات کے فاصلے نہ دکھانا چاہییں تھے۔ یہ صریح نادانی کی حرکت تھی۔ اس لیے کہ فاصلے تو اسی صورت میں معلوم ہو سکتے ہیں، جب پیمائش کرنے والے انھیں قدموں سے ناپ لیں۔ البتہ ساحلی علاقوں کے نقشے تیار کیے جا سکتے ہیں۔ اس لیے کہ آنے جانے والے جہازوں نے ان کے باب میں صحیح معلومات بہم پہنچا دی ہیں۔ وہ جہاز بادبانوں کے ذریعے سے چلتے تھے اور ان کی رفتار عموماً یکساں رہتی تھی۔

ممکن ہے اس دیوار کے متعلق بحث و گفتگو کا معاملہ ارسطو کے کان تک بھی پہنچ گیا ہو۔ اس نے اپنے سرکش شاگرد سے براہِ راست استدلال مناسب نہ سمجھا۔ البتہ ایک روز باغ میں ٹہلتے ہوئے کہا: "دیکھو علم کی حدیں تدریجاً پھیلتی جا رہی ہیں۔ اور ہر صدی کے گزرنے پر ربع مسکون کے متعلق معلومات کا ذخیرہ بڑھتا جاتا ہے۔" پھر اس نے اپنی خشک اور تکلف ہوئی آواز میں کہا۔ "ہومر کے زمانے سے پیشتر اولمپس پہاڑ کے متعلق سمجھا جاتا تھا کہ وہ دیوتاؤں کا مسکن ہے۔ آج ہم اس پہاڑ کو جنوبی مقدونیا سے بخوبی دیکھ سکتے ہیں۔ بہت سے مکتشف اس کی بلندیوں پر پھر چکے ہیں اور سب کو معلوم ہو چکا ہے کہ یہ عام پہاڑوں جیسا ہی پہاڑ ہے۔ پہلے لوگوں کے خیال میں افسانوی اولمپس کا محل ٹرائے کے مشرق میں تھا۔ جہاں اس کی بعض بلند چوٹیاں بادلوں کو چیرتی ہوئی اوپر نکل گئی تھیں۔ اب سمجھا جا رہا ہے کہ یہ اولمپس قفقاز میں واقع ہے۔ ہو سکتا ہے کہ کل اکتشافات ترقی کریں تو ثابت ہو کہ قفقاز بھی ایک عام پہاڑ ہے البتہ دوسروں سے زیادہ بلند ہے۔"

گویا ارسطو نے حقیقت کی طرف اشارہ کر دیا اور بلند ترین دیوار کا نام نہ لیا۔ آخر میں باغ کی طرف اشارہ کرتے ہوئے کہا: "یہاں بھی دیوتا ہیں۔ زندگی کا جذبہ یہاں بھی اسی طرح موجود ہے جس طرح دوسرے مقامات پر پایا جاتا ہے۔"

جب سکندر اور ارسطو تنہا رہ گئے تو ارسطو نے کچھ اور باتیں بھی کہیں مثلاً یہ کہ جس شے کا علم نہ ہو وہ ہمیشہ پراسرار معلوم ہوتی ہے۔ اور اس وجہ سے انسان کے دل میں اس کے لیے خوف

اور تعجب پیدا ہوتا ہے اور جب انسان تنہا ہوتے ہیں تو وہ عموماً افسانوں پر جم جاتے ہیں۔"

اس گفتگو کے بعد سکندر اپنے حجرے میں پہنچا تو اس نے چھری سے حالتِ غیظ میں اپنے بنائے ہوئے نقشے کو پارہ پارہ کر ڈالا۔ اس پر واضح ہو گیا کہ استدلال کی محنت سے اس نے غیر معلوم تک پہنچنے کا جو بندوبست کیا تھا اس کی حیثیت ریت کے اس گھروندے سے زیادہ نہ تھی۔ جو بچہ سمندر کے کنارے پر بنا لیتا ہے اور اسے خیال نہیں آتا کہ چند ہی لمحوں میں لہریں اس گھروندے کو ملیا میٹ کر دیں گی۔ ارسطو نے سکندر کی مزعومہ عظیم الشان دیوار کو ایک افسانہ بنا دیا تھا۔ اور میزا کی درسگاہ کے دوسرے لوگ سکندر کی حماقت کا مذاق اڑا رہے تھے۔ اپنے آپ کو ملزم گردانے کے غصے نے اس کی زبان پر مہرِ سکوت لگا دی اور اسے لرزہ براندام کر دیا۔ پھر کبھی عظیم الشان دیوار کا ذکر نہ چھیڑا۔ ارسطو کے معاونوں نے سکندر پر واضح کر دیا کہ استاد کی خواہش کے مطابق اب زمین کے نقشے تیار کرنے کے بجائے سیاسیات پر توجہ کرنی چاہیے۔ سکندر کوئی حرفِ شکایت زبان پر لائے بغیر سیاسیات میں منہمک ہو گیا۔

ارسطو ادھیڑ عمر کا سائنس داں تھا اور وہ طبعی اسباب کی دریافت و ترتیب میں لگا رہتا تھا۔ سکندر عنفوانِ شباب میں تھا اور نوجوان عموماً خیالی پلاؤ پکاتے رہتے ہیں۔ اسے یہ مطلب تھا کہ مذہبی رسوم کے اسرار معلوم کرے گویا استاد اور شاگرد کے درمیان بظاہر اشتراکِ شغل کی کوئی صورت نہ تھی۔ لیکن وہ دونوں ایک دوسرے کی صلاحیتِ کار کا احترام کرتے تھے۔ دونوں میں سے کوئی بھی بحث میں وقت ضائع کرنے کے لیے تیار نہ تھا

چار سو سال بعد رومی مورخوں نے بتایا کہ سکندر کے دل میں تحصیلِ علم کے لیے شوق کا انتہائی جذبہ موجزن تھا لیکن حقیقت یہ ہے کہ ارسطو کی نگرانی میں بھی کسی ایک علم کو حاصل کرنے کی قابلیت اس میں نمایاں نہ ہوئی۔ وہ جس سرگرمی سے پیلا کے مندر میں جاتا تھا۔ وہی سرگرمی کتابوں کے سلسلے میں ظاہر کرتا رہا۔ اگر اسے اس کے حال پر چھوڑ دیا جاتا تو ممکن ہے وہ درسگاہ میں راہب بن جاتا اور اپنے خیالات کی بھول بھلیاں میں چکر لگاتا رہتا۔ اگر ایسا ہوتا تو طویل زندگی پاتا یا ممکن ہے وہ طبیب بن جاتا اور فیلقوس کی یہی خواہش تھی۔ یہ ثابت ہے کہ فیلقوس نے فوجی کمانداروں کی حفاظت اور ارسطو کی رہنمائی میں خیالی پلاؤ پکانے والے بیٹے کے تحفظ کی سعی کی لیکن اس وقت

فیلقوس کے کانوں تک پیلا کی افواہیں پہنچ چکی تھیں اور وہ اپنی کسی خواہش میں نہ مزاحمت گوارا کرتا تھا اور نہ برداشت کرتا تھا کہ اس کے احترام میں کوئی کمی آئے۔

سکندر کی حالت اس زمانے میں یہ تھی کہ جو شے براہ راست اس سے متعلق ہوتی اسے نہ تو بھولتا اور نہ نظر انداز کرتا۔ شاید اس کی وجہ یہ ہو کہ اس زمانے میں وہ تنہا رہتا تھا یا یہ ہو کہ اپنے حالات پر بار بار غور کرتا رہتا تھا۔ ایک وجہ یہ بھی ہو سکتی ہے کہ اس کی طبیعت میں ضد اور ہٹیلا پن بہت زیادہ تھا۔ چھوٹی چھوٹی باتیں بھی اس کے حافظے میں میخ کی طرح گڑ جاتیں حالانکہ دوسرے لوگوں کو اس کا احساس تک نہ ہوتا۔ ہومر کا وہ نسخہ ہر وقت اس کے پاس رہتا جس پر اس نے جابجا حاشیے لگا رکھے تھے۔ اپنے گھوڑے بیوسی فالس کو خوب کھلاتا پلاتا اور اس کی دیکھ بھال کرتا۔ اب گھوڑا جوان ہو چکا تھا۔ اس نے جتنی طب پڑھ لی تھی اس کے مطابق علاج معالجہ بھی کرتا۔ مختلف نظمیں اس نے خوب یاد کر رکھی تھیں۔ یہ معما بھی ہر وقت اس کے ذہن میں رہتا کہ دریائے نیل کو کن پہاڑوں سے پانی ملتا ہے۔ افسانوی دیو اریں بھی اس کے خیال میں رہتیں۔

سکندر کی عمر سولہ سال کی ہو چکی تھی جب اس نے سیاسیات پر خاص توجہ کی یا یہ سمجھئے کہ شہری ریاستوں کے نظام حکومت کا مطالعہ شروع کیا۔ ارسطو کی اتالیقی میں اس کی تعلیم کا یہ آخری دور تھا۔

یونان کے فلسفی انکزیگوراس[1] سے افلاطون تک حکماء نظر کے اعتبار سے ایک کامل و اکمل ریاست کا نظام حکومت تیار کرنے میں لگے رہے۔ ان کے پیش نظر در اصل ایک مثالی شہری حکومت کا نظام تھا۔ افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریت میں ایک مکمل نمونہ تیار کیا تھا جس کا مدعا یہ تھا کہ دولت مند اصحاب فکر اور غلام مزدور باہم اطمینان کی زندگی بسر کر سکیں اور ایک دوسرے کو فائدہ پہنچا سکیں۔

میزامیں ارسطو اور اس کے معاون کہتے تھے کہ افلاطون نے شہری ریاست کا جو نظام حکومت تجویز کیا ہے وہ یونانی زبان میں اپنی نوعیت کا بہترین کارنامہ ہے۔ اس میں تمام حقیقی اور

---

[1] ANAXAGORAS مشہور یونانی فلسفی جو ایشیائے کوچک میں پیدا ہوا اور ایتھنز میں اقامت اختیار کر لیا۔ تاریخ پیدائش ۵۰۰ ق م اور تاریخ وفات ۴۲۸ ق م

واقعی مسائل کا مثالی حل پیش کیا گیا ہے لیکن ارسطو اس امر پر گفتگو کے لیے ہرگز تیار نہ تھا کہ بہترین نظامِ حکومت کون سا ہو سکتا ہے۔ اُس کی تمام کوششیں اس امر تک محدود تھیں کہ عملاً کون سا نظامِ حکومت بہتر ہے اور وہ کب کیوں اور کس بنا پر بہترین سمجھا جا سکتا ہے؟ اس کے معاونین نے اُن تمام حکومتوں کے نظاموں کا مطالعہ کیا جن کا ذکر تاریخ کے صفحات پر آ چکا تھا۔ اس طرح کوئی ڈیڑھ سو نظام ہائے حکومت اُن کے پیشِ نظر آ گئے۔ ان میں یونان کی شہری ریاستوں کے مختلف النوع کے نظام بھی شامل تھے مثلاً ایتھنز کی جمہوریت جس میں حکومت کی باگ ڈور عملاً جمہور کے ہاتھ میں تھی۔ سپارٹا کی اجتماعی فوجی ریاست جس میں جنگجوؤں کا ایک منتخب گروہ تمام اختیارات کا مالک تھا۔ پھر اُن نظامہائے حکومت میں جزیرہ کریٹ کا استبدادی نظام بھی شامل تھا۔ جس میں حکمرانی کی باگ ڈور ایک فرد نے سنبھال رکھی تھی۔ ان میں بعض بوالعجب نظام بھی شامل تھے۔ مثلاً ڈیلفی کے مندر کا وہ نظام جس پر کاہن مسلط تھے اور وہ مندروں کے زائرین سے رقمیں وصول کر کے اپنے نظام کا خرچ پورا کرتے تھے۔

یونان کی شہری ریاستوں کے علاوہ ارسطو اُن قبائلی نظاموں پر بھی غور کر رہا تھا جو دریائے ڈینیوب کے پار کے علاقے میں واقع تھا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ قبائلی نظام دراصل ویسے ہی ہیں جیسے کہ مصر میں فرعونوں کا نظامِ حکومت ہے یعنی جس خاندان کو امتیاز و عروج کا درجہ حاصل ہو گیا وہ کار فرما بن گیا۔ اُس کے نزدیک قبائلی نظام نظامِ فراعنہ کی ابتدائی شکل تھا۔ بربری قبائل لڑائیوں چھاپوں اور ایک حد تک تجارت کے ذریعے سے اپنا خرچ چلاتے تھے۔ وہ اپنے میں سے کسی ایک کو رئیس تجویز کر لیتے تھے اور اُس کی فرمانبرداری میں جانیں قربان کرنے کے لیے تیار رہتے تھے۔ مصریوں نے زراعت اور دستکاری کو ترقی دے کر لمبی مدت میں ایک مستقل نظام پیدا کر لیا اور انھیں ذہن و فکر کے اعتبار سے بلند حیثیت حاصل ہو گئی۔

ڈینوبی قبائل کے ریوڑوں اور جھونپڑیوں والے نظام اور مصر کے اعلیٰ شہری نظام کے عین وسط میں اہلِ مقدونیہ تھے یعنی ارسطو کے اپنے ہم وطن۔ اُن کے تمدن پر ابھی زیادہ مدت نہ گزری تھی اور اُن میں بربری خصوصیتیں باقی تھیں۔ ارسطو کہتا تھا کہ وقت کے تاریخی تصور کے مطابق یہ لوگ کل شمالی جنگلوں سے اپنے ریوڑ لے کر نکلے اور دریائی زمینوں سے ان پہاڑیوں تک ساحلِ بحر

پر واقع تھیں قابض ہو گئے۔ ان میں ابھی تک شکار پیشہ لوگوں کی نا پختہ آزادی کی خصوصیتیں باقی ہیں انہیں ایک طرف حملہ آور وحشی قبائل سے مسلسل جنگیں کرنی پڑیں دوسری طرف یونان کی شہری ریاستوں کے لشکروں سے مقابلہ پیش آیا جو اعلیٰ درجہ کے ساز و سامان سے مسلح تھے۔ لیکن اہلِ مقدونیا نے دونوں کے مقابلے میں اپنی آزادی محفوظ رکھی یعنی دونوں میں سے کسی کی بھی غلامی قبول نہ کی۔ تاہم ذہنی اعتبار سے وہ ابھی تک اعلیٰ تعلیم یافتہ یونانیوں کے تابع ہیں اور اہلِ کریٹ، اہلِ مصر، اہلِ فونیقیہ سے بہت پسماندہ ہیں جو نمائشی ترقی میں منزلوں آگے نکل چکے ہیں۔

اہلِ مقدونیہ میں قبائلی زندگی کے اثرات باقی تھے۔ ان میں سب سے اونچا درجہ ان لوگوں کو حاصل تھا جن میں شاہ امینٹاس[1] کے خاندان سے خونی تعلق رکھتے تھے۔ ان کے بعد بادشاہ کے خاص رفیق اور مصاحب آتے تھے۔ یہ بڑے بڑے امیر تھے جن کے قبضے میں وسیع جاگیریں تھیں اور انھوں نے بے شمار مویشی پال رکھے تھے۔ جب کوئی اہم مسئلہ سامنے آتا تو فوجی کمانداروں کے شوریٰ میں اس کا فیصلہ کیا جاتا۔ یہ وہی صورت ہے جیسے چند نسل پیشتر قبائلی زندگی میں بڑے بڑے جنگجو جمع ہو کر غور و مشورہ سے طے کرتے تھے کہ قبیلے کی بہتری کا تقاضا کیا ہے۔

ارسطو کے غور و تحقیق نے بعض چونکا دینے والے مسائل پیدا کر دیے تھے مثلاً اس کے استدلال سے ظاہر ہوتا تھا کہ مختلف قومیں اپنی حکومتوں کے نظام سے اس درجہ متاثر نہ ہوئیں جس درجہ طبعی احوال و ظروف سے متاثر ہوئیں۔ اشیاء کی تاریخ پر نظرِ بازگشت ڈالتے ہوئے ارسطو کے معاونین کہتے تھے کہ دیکھو! پانی کی کارفرمائی زمین میں کیا کیا تغیرات پیدا کرتی ہے کہیں پانی ساحلی علاقے کو تباہ کر ڈالتا ہے اور کہیں نئے خطے پیدا کر دیتا ہے۔ کسی جگہ زمین زرخیز بن جاتی ہے اور کوئی جگہ بالکل بنجر ہو جاتی ہے۔ اسی طرح حیوانات بھی غذا کے وسائل تحفظ کی ضروریات یا گرد و پیش کے خطرات کی بنا پر ارتقا پذیر ہوئے۔ ظاہر ہے کہ جو جانور جنگلوں میں رہتے ہیں، وہ میدانی مرغزاروں کے جانوروں سے بالکل مختلف ہوتے ہیں اور پھر جن جانوروں کو صحرائی علاقوں میں زندگی بسر کرنی پڑتی ہے انھوں نے بالکل جداگانہ عادات و خصائل پیدا کر لیے ہیں۔

یہی حالت انسانوں کو پیش آئی۔ دیکھو! نیم بنجر پہاڑیوں میں جو گلہ بان رہتے ہیں ان میں "وہ

---

[1] AMYNTAS مقدونیہ کے شاہی خاندان کا بانی۔

خصائل پیدا نہ ہو سکے جو زرخیز دریائی وادیوں میں رہنے والے لوگوں نے پیدا کر لیے جو انسانی گروہ کسی ایسے مقام پر بس گئے جسے قدرت نے ایک محفوظ حصار کی شکل دے رکھی تھی ان کے تحفظ، غذا اور پناہ گیری کے طریقے اُن لوگوں سے بالکل مختلف ہیں جو کھلے ساحل پر آباد ہیں۔ پھر اس حقیقت پر غور کرو کہ کیا یونان کے مختلف گروہ قبائلی زمانے میں ایک ہی نسل سے نہ تھے؟ لیکن کیا تمدن میں ترقی کے بعد اُنھوں نے ایک دوسرے سے مختلف شہری ریاستیں نہ بنا لیں؟ اس کا سبب کیا تھا؟ محض یہ کہ یونان کے جزیرہ نما میں بھی اُن سب کے لیے ایسی چھوٹی چھوٹی وادیوں میں قیام ناگزیر ہو گیا جو ایک دوسری سے الگ تھلگ اور بے تعلق تھیں۔

ان یونانیوں نے اپنی حفاظت کے لیے الگ الگ حصار یا شہر تعمیر کر لیے۔ یہ سب کچھ ضرورت کی بنا پر ہوا۔ ہم نہیں کہہ سکتے کہ ابتدائی دور میں شہری ریاست ان لوگوں کے نزدیک ایک مثالی ریاست تھی۔ پھر ان کے اوضاع و اطوار مختلف ہو گئے۔ جو شہر ساحلِ بحر پر واقع تھے اُن کا گزارا بحری تجارت پر تھا لہٰذا اُن میں جمہوری نظام پیدا ہوا اس لیے کہ جہازوں کی تعمیر اور اُن سے کاروباری کا تقاضا یہ تھا کہ تمام لوگوں کا تعاون حاصل رہتا۔ دیکھو جہاز کے اندر سب مسافروں کی حیثیت یکساں ہوتی ہے جیسے کہ افسانوی جہاز آرگو کے مسافروں کی تھی۔ فرق صرف یہ ہوتا ہے کہ وہ سب کاروبار کی سہولت کے لیے کسی ایک کو اپنا رئیس تجویز کر لیتے ہیں۔ جو شہر زمین بند تھے۔ اُن میں امراء کی حکومت کا رجحان پیدا ہوا یعنی ریاست کی باگ ڈور اس منتخب گروہ کے ہاتھ میں آ گئی۔ جو فوجوں کی کمان کرتے تھے۔

افلاطون نے مثالی شہری ریاست کا جو نظام پیش کیا تھا اُس کی شان و شکوہ کے مقابلے میں یہ مسائل بہت حقیر اور فضول معلوم ہوتے تھے نیز ان سے مترشح ہوتا تھا کہ انسانوں کے کاروبار اور احوال صرف تقدیر پر موقوف نہیں۔

بہر حال یہ واضح تھا کہ اہلِ مقدونیا کوئی بلند پایہ شہری ریاست پیدا نہ کر سکے۔ ان کے بڑے بڑے مرکز دو تھے۔ ایک آئی گائی[1]۔ دوسرا پیلا[2]۔ لیکن یہ دونوں معمولی درجے کے قصبے تھے جن میں

---

[1] AEGAE جیسے کہ پہلے بتایا جا چکا ہے آئی گائی مقدونیا کا ابتدائی مرکزِ حکومت تھا۔

[2] PELLA پیلا کو فیلقوس نے مرکز بنایا تھا۔

نہ تجارت تھی نہ شان و شکوہ کا کوئی سامان تھا اور نہ زیادہ ترقی یافتہ یونانی مرکزوں کی طرح بڑی بڑی علمی درسگاہیں تھیں۔ اہلِ مقدونیا کے دو بڑے مشغلے تھے۔ ایک کھیتی باڑی دوسرا گلہ بانی۔ وہ بڑی بڑی تجارتی شاہراہوں سے منقطع تھے۔ اور ان کے پاس ساحلی علاقہ بھی نہ تھا کہ تجارت کا مشغلہ اختیار کر سکتے۔ اس بنا پر ارسطو کے استدلال کے مطابق پِلّا کو ایتھنز جیسے شہر کے درجے پر پہنچانے کا کوئی امکان نہ تھا۔

اُس نے ایسے قاعدے تجویز نہ کیے جن سے کام لے کر کوئی قوم نمایاں ترقی کر سکتی یا کسی شہری ریاست کا نظام عملاً بہتر ہو جاتا۔ وہ کہتا تھا کہ ہر شہر کا نشو و ارتقا گرد و پیش کے علاقے اور فلاح و بہبود کے لیے باشندوں کی سرگرمیٔ عمل پر موقوف ہے لیکن اس نے ترقی کے وسائل کا مسئلہ معلق چھوڑ دیا۔ وہ اسے بھی تسلیم نہ کرتا تھا کہ تقدیر نے پہلے سے ہر قوم کے مستقبل کا فیصلہ کر رکھا ہے یا دیوتاؤں کا ارادہ کسی کے مستقبل پر اثر انداز ہوتا ہے لیکن سکندر نے بھانپ لیا تھا کہ یہ عظیم الشان فلسفی لاانتہائی صبر و مشقت سے کسی نصب العین کا داعی ہے۔ سکندر اپنے ذہن میں سوچتا تھا کہ اگر انسانوں کی قسمتیں گرد و پیش کے حالات کی بنا پر صورت پذیر ہوتی ہیں، تو وہ اپنی مساعی اور کوشش سے اپنے حالات کو بدل سکتے ہیں۔ پھر انھیں اپنے معاملات تقدیر پر کیوں چھوڑنے چاہئیں، دراصل ارسطو حقائق کے مطابق کام کر رہا تھا۔ اور جو کچھ اُس کی زبان پر جاری ہوتا تھا کسی نہ کسی حقیقت پر مبنی تھا۔ سکندر کے دماغ میں ایک خواب کی دنیا بسی ہوئی تھی۔ وہ دنیا صرف اُس کے تخیل میں آباد تھی اور انسانی نظروں سے بالکل اوجھل چلی آتی تھی۔

ارسطو ڈیڑھ سو نظامہائے حکومت میں سے تھیبز کے نظامِ حکومت کو بطورِ خاص پیش کیا کرتا تھا وہ کہتا تھا کہ دیکھو یہ شہر صرف ایک فرد کی اعلیٰ صلاحیتوں کی برکت سے گزشتہ نسل میں درجۂ کمال پر پہنچ گیا یہ فرد ایپی مینانڈس[1] تھا۔ اُس نے ایک فیروزمند فوج تیار کی فتوحات کے ثمرات سے فائدہ اٹھانے کا اُسے سلیقہ تھا۔ حقیقت یہ ہے کہ جنگ میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد صلح کی تنظیم بدرجہا زیادہ مشکل ہوتی ہے۔ شہری ریاستوں کے نظامہائے حکومت پر بحث کرتے ہوئے ارسطو

---

[1] EPAMINONDAS تھیبز کا مشہور جرنیل اور مدبر جو ۴۱۸ ق۔م پیدا ہوا اور اپنی ریاست کو تھوڑی ہی مدت میں اُس نے اوجِ کمال پر پہنچا دیا۔ اُس کی وفات کے ساتھ ہی تھیبز کی عظمت کا ستارہ بھی ڈوب گیا۔

نے یہ بھی کہا، اگر کسی ریاست میں کوئی ایسا شخص موجود ہے کہ نیکی یا سیاسی قابلیت میں کوئی دوسرا شہری اس کی برابری کا دم نہیں بھر سکتا تو اسے دوسروں کے مساوی بنانا سخت غلطی ہوگی ایسے انسان کو دوسرے آدمیوں کے درمیان دیوتا کا مرتبہ دینا چاہیے سکندر کے دل پر اس سے یہ اثر پڑا کہ ارسطو انسانوں میں دیوتائی کے شعلے کا قائل ہے۔

سکندر ایتھنز کی ریاست کی ماورائے بحر توسیع اور بحری قوت کی ترقی کے مطالعے میں ڈوبا ہوا تھا جب بادشاہ کے مصاحبوں کی طرف سے ایک سوار میزا پہنچا اور اس کے کمرے میں داخل ہوا۔ سوار نے آتے ہی سکندر سے کہا کہ آپ کو فوراً فوج میں پہنچ جانا چاہیے جو سمندر کے کنارے کوچ کرتی ہوئی جا رہی ہے سکندر اپنے علمی مشاغل میں غرق تھا اُس نے جواب دیا کہ میں اس مہینے کے اواخر میں جانے کے لیے تیار ہو سکتا ہوں۔ سوار نے بہ ادب عرض کیا کہ آپ کو ابھی چلنا چاہیے یہ شاہی فرمان ہے۔ یہ سنتے ہی سکندر پریشان ہو گیا اُس نے کتابیں ایک طرف رکھیں۔ شب خوابی کا چوغہ اٹھایا، ہومر کا نسخہ اور اپنا خنجر ساتھ لیا اور یہ کہتا ہوا بوسی فالس کو لینے کے لیے نکل پڑا کہ اگر فرمان ہے تو میں ابھی تیار ہوں۔ چنانچہ وہ روانہ ہو گیا۔ پھر طالب علم کی حیثیت میں میزا واپس آنا اُس کے مقدر میں نہ تھا۔

نہیں کہا جا سکتا کہ فیلقوس نے سکندر کو اولمپیاس کے دائرہ اثر سے باہر نکالنے کے لیے اپنے پاس بلوایا تھا۔ اہلِ مقدونیا کے یک چشم بادشاہ نے اپنے بیٹے سے نہ اپنی ملکہ کے متعلق کوئی ذکر کیا نہ قلوپطرا کے متعلق۔ ممکن ہے فیلقوس کو اس بارے میں سکوت کا راز معلوم ہو۔ سکندر اس پہ اطلاع نہ پا سکتا تھا۔

فیلقوس نے میزا کے طالب علم یعنی سکندر کو یہ بتانے کی بھی کوشش نہ کی کہ مقدونوی فوج میدان میں کوچ کر رہی ہو تو اُسے کس انداز میں رہنا چاہیے۔ فوج منزل بہ منزل چلتی رہی کبھی وہ ساحلِ بحر کی شاہراہ کے گرد و غبار میں سے گزرتی اور کبھی پہاڑوں کی اُن پگڈنڈیوں میں سے آگے بڑھتی جو بھیڑ بکریوں نے بنا رکھی تھیں بعض اوقات طلوع سے غروب تک بیس یا تیئس میل کا سفر طے کیا جاتا۔ پورا ساز و سامان ساتھ تھا۔ پانچ دن کا راشن تقسیم ہو جاتا اور یہ فوج یونانی لشکروں کے مقابلے میں بدرجہا زیادہ تیز چلتی بعض اوقات اپنے پہنچنے کی اطلاع سے بھی پیشتر مختلف مقامات پر پہنچ جاتی فیلقوس کا بے صبر دل اس تیز رفتاری پر بھی مطمئن نہ تھا۔ فوج کوچ

میں ہوتی تو فیلقوس ایک ایک دستے میں چکر لگاتا رہتا، بالکل اُسی طرح جس طرح سپلا کے تعمیری منصوبوں کی نگرانی کرتا ہوا لنگڑا لنگڑا کر چلتا تھا۔ اُس کے پاس اپنا کوئی خیمہ نہ تھا۔ رات آتی تو وہ جوڑیاں ہانکنے والے سپاہیوں کے روشن کیے ہوئے الاؤ کے پاس آ بیٹھتا اور کچھ کھا پی لیتا یا طلایہ گرد سواروں کے ساتھ گپیں ہانکتا۔

اگر سکندر کا یہ خیال تھا کہ اُسے باپ کی طرف سے ایک سفید لبادہ اور ایکیلیز کا سا سنہری سینہ بند مل جائے گا اور وہ بیوسی فالس پر سوار ہو کر منتخب مصاحبوں کے رسالے کے ساتھ چلے گا تو یہ خیال خام ثابت ہوا۔ اُسے بار برداری کی گھوڑیوں کے ساتھ متعین کیا گیا۔ آدمیوں، گھوڑوں اور سامان کی نگرانی اُس کے ذمے تھی۔ پسینے پر پسینہ آ رہا تھا اور اُسے منزل جلد سے جلد طے کرنے کے لیے بڑی مشقت اٹھانی پڑتی تھی۔ وہ اِس بات پر حد درجہ پریشان تھا کہ اس کے ساتھی اتنی تیزی سے نہ چلتے تھے جتنی تیزی سے ایک انسان چلتا ہے۔ کسی گاڑی کا پہیا ٹوٹ جاتا تو پوری قطار کی پیش قدمی رُک جاتی۔ البتہ اُس پر یہ حقیقت آشکارا ہو گئی کہ گھوڑے اسی صورت میں سامان بے تکلف کھینچ سکتے ہیں جب اُن کے چارے کا پورا خیال رکھا جائے نیز اُن کی ٹانگوں اور سموں کو کوئی آزار نہ پہنچنے دیا جائے۔ خوش قسمتی سے وہ خود جفاکشی کا عادی تھا اور جو کام اُس کے سپرد کیا جاتا اُسے جانفشانی سے انجام دینا اُس کی فطرت میں داخل تھا۔

عجیب بات یہ تھی کہ مقدونوی فوج کی کوئی خاص منزلِ مقصود نہ تھی اور نہ یہ پتا چلتا تھا کہ وہ کس غرض سے کوچ کر رہی ہے۔ وہ لوگ بعض اوقات کھلے ہوئے ساحل پر ٹھہر جاتے، سمندر میں تیرتے اور اپنے گھوڑوں کا علاج معالجہ کرتے۔ بعض اوقات دن اور رات برابر چلتے رہتے۔ ایک موقع پر انھوں نے ایک بندرگاہ کو گھیرے میں لے لیا اور محاصرے کی تیاری کر لی۔ جب ایک بیڑا اُس بندرگاہ میں پہنچ گیا تو محاصرہ چھوڑ کر آگے بڑھ گئے۔ رات کے وقت وہ کسی شہر میں داخل ہو جاتے، صبح اُسے چھوڑ کر پھر کوچ شروع کر دیتے۔ بار برداری کی گاڑیاں ہانکنے والوں کو شاذ ہی معلوم ہوتا کہ فوج کا ہراول کیا کر رہا ہے۔

جس روز قلو پطرا فوج میں پہنچی۔ پوری فوج ٹھہر گئی۔ پیادے اور سوار یا تو دوڑ کا مقابلہ کرتے رہے یا پہلوانی کے جوہر دکھاتے رہے۔ باقی وقت انھوں نے شراب پینے میں

گزار دیا۔ گاڑی بانوں کی رائے تھی کہ قلو پطرا بہت خوش نصیب ہے۔ سکندر نے اُسے کھیلوں کے میدان میں دیکھا اُس کا نصف چہرہ نقاب میں چھپا ہوا تھا۔ سنہرے گھونگھریالے بالوں کی گوندھی لڑی ہوئی تھی۔ بالا پوش میں وہ لپٹی ہوئی تھی۔ اٹھلاتی ہوئی چلتی تھی۔ سن چودہ سے زیادہ نہ ہوگا۔ اُس کا چچا اٹالوس[1] ساتھ تھا جو اُسے بازو سے پکڑ کر بزور کھینچتا ہوا تمام آدمیوں سے آگے لے جا رہا تھا قلو پطرا کی نیم باز آنکھوں سے متانت و سنجیدگی ٹپکتی تھی۔ سکندر کے پاس سے گزری تو اُسے غور سے دیکھا گویا اُس کی قوت کا موازنہ کرنا چاہتی تھی۔ پھر وہ اپنے چچا کے پیچھے پیچھے تیزی سے آگے نکل گئی۔ ممکن ہے وہ زیادہ قوی اور بلند پایہ نہ ہو لیکن اُس کے گرد و پیش اولمپیاس کے انداز گھوم رہے تھے۔

اُس رات قلو پطرا نے اپنے ہاتھ سے فیلقوس کو شراب پلائی۔ سپاہیوں سے شرط بدلی کہ آج رات اُسی کے ساتھ گزارے گی۔ بعض کہتے تھے کہ یہ کبھی نہ ہوگا۔ اُن کی رائے تھی کہ قلو پطرا کے خیالات بہت اونچے ہیں اور وہ بڑی سے بڑی قیمت وصول کیے بغیر اپنے آپ کو فیلقوس کے حوالے نہ کرے گی۔ پھر سپاہیوں نے سکندر کی خدمت میں پھل پیش کیے جو اس نے قبول کر لیے لیکن شراب قبول نہ کی۔ سپاہیوں کا خیال تھا کہ فیلقوس اپنے بیٹے کو شاہی دسترخوان پر بلائے گا۔ یہ معلوم نہ تھا کہ اُسے عام سپاہیوں کا کھانا کھانا پڑے گا۔

بات چیت میں سکندر کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ تمام سپاہی فوجی کمانداروں کے عادات و خصائل اور صلاحیتوں سے پوری طرح آگاہ ہیں اور بے تکلف اُن کے متعلق نکتہ چینی کرتے ہیں۔ فیلقوس کو وہ "یک چشم روباہ" اور "لنگڑا اکبر" کہتے تھے۔ ساتھ ہی ہر وقت اُن کی زبان پر شکوہ جاری رہتا۔ زیادہ تر شکایت یہ تھی کہ راتب کم ملتا ہے اور تنخواہ تھوڑی ہے۔ ساحلی قصبوں کو لوٹنے کی ممانعت کر دی گئی ہے اور جن سڑکوں پر وہ درۂ دانیال کی طرف بڑھے چلے جا رہے تھے ان کی مرمت انھیں کو کرنی پڑتی۔ فیلقوس سے وہ اس بات پر ناراض تھے کہ فصل بونے اور کاٹنے کے وقت بھی انھیں گھروں میں جانے کی اجازت نہیں دی جاتی اور خچروں کے اٹھانے کا بوجھ خود اٹھانا پڑتا ہے۔

لیکن کوچ میں دائیں بائیں مڑنے اور گھومنے کی مصلحتوں کا انھیں پورا اندازہ تھا۔

---

[1] ATTALUS

کہتے تھے کہ فیلقوس مقدونیا کے لیے بندرگاہیں حاصل کرنا چاہتا ہے اور بندرگاہوں پر یونانیوں کے تجارتی آبادکاروں نے قبضہ کر رکھا تھا۔ جب سپارٹا کا بڑا بندرگاہ میں پہنچ گیا اور فیلقوس نے اپنی فوج کو واپسی کا حکم دے دیا تو سپاہی کہتے تھے کہ اس میں خاص مصلحت تھی۔ فیلقوس نہ چاہتا تھا کہ اپنی فوج کو محاصرے میں کٹوائے۔ اُس نے یہ سوچا کہ کسی دوسرے شہر پر قبضہ کر لینا چاہیے پھر اہلِ سپارٹا سے معاملہ کر لیا جائے گا۔ فیلقوس کے بارے میں اُن کی یہ رائے تھی۔ کہ وہ سونے کے انبار قربان کرنے پر آمادہ ہو سکتا ہے لیکن اپنے آدمیوں کی جانیں قربان کرنا اُسے منظور نہیں۔ سپاہیوں کے نزدیک یہ فیلقوس کی بہت ہی اچھی خصوصیت تھی۔ وہ سپاہیوں کو اُس وقت تک میدانِ جنگ میں نہیں اتارتا جب تک اُس کی نئی منجنیقیں پورا کام نہ کر چکتیں۔ سکندر کے سامنے یہ باتیں وہ اس خیال سے کرتے تھے کہ ممکن ہے کچھ دیر کے بعد اُسے فوج کی کمان سپرد کر دی جائے اور اُسے باپ کے طریقۂ کار سے پوری طرح واقف ہونا چاہیے۔

وہ درہ دانیال کے پاس ایک پہاڑی راستے میں ٹھہرے ہوئے تھے کہ بادشاہ کی محافظ فوج کے ایک افسر نے کہا کہ سکندر کو فوج کی کمان ملنے کا بظاہر کوئی امکان نہیں۔ اس افسر کا نام ہفاسشن[1] تھا۔ اُس نے کہا کہ تجارت میرے خاندان کی بربادی کا باعث بنی اور میں تلوار سے کر خدمت گزاری کے لیے مجبور ہو گیا۔ وہ کسی مقدس رسم کو خاطر میں نہ لاتا تھا اُس نے بھی کہا کہ سکندر کبھی بادشاہ نہ بنے گا لیکن اُسے یہ معلوم نہ تھا کہ خود سکندر سامنے کھڑا یہ سب کچھ سن رہا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ سب کچھ فیلقوس کے وقتی رجحانات پر موقوف ہے۔ جس حد تک مجھے معلوم ہے وہ اپنے بیٹے کی زنانہ عادتوں اور کتابوں کے شوق سے خوش نہیں۔ اُس نے سپاہیوں سے پوچھا بتاؤ اس بارے میں تمھاری کیا رائے ہے؟ وہ سب چپ چاپ سنتے رہے۔ اُنھیں خیال تھا کہ سکندر خود اس کمانڈر سے دو دو ہاتھ کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ ہفاسشن نے یہ بھی کہا: لیونی دس کے سوا عام احساس یہ ہے کہ اولمپیاس ساحرہ ہے۔ اگر فیلقوس بیچ میں سے نکل جائے تو فوج اپنے جرنیلوں کے سوا کسی کی بات ماننے کے لیے تیار نہ ہو گی ان حالات کی بنا پر میں نے سکندر کے متعلق یہ رائے قائم کی ہے۔ اب تم لوگ بتاؤ کہ تمھارا کیا خیال ہے؟

---

[1] HEPHASTION

سکندر کی نظر پانی پر جمی ہوئی تھی۔ دفعتاً اُس کی آنکھوں میں خون اتر آیا عین اُس وقت فوج کا ایک دستہ دوڑتا ہوا آیا سکندر کے پاس پہنچتے ہی رُک گیا اور ساتھ ہی اطلاع دی کہ بادشاہ سلامت کو چوٹ لگ گئی ہے اور سکندر کو بلایا گیا ہے۔ اُس وقت ہفاسسٹن پر آشکار ہوا کہ اُس نے جو کچھ کہا سکندر کی موجودگی میں کہا۔ وہ چند لمحے کے لیے خاموش رہا۔ پھر اپنی تلوار نکالی اور ہتھیلی پر سکندر کے سامنے پیش کرتے ہوئے بولا: میرے لیے اِس شرط کو جتنا سخت مشکل ہے میں ہار مانے لیتا ہوں۔ آپ میری خدمات قبول فرمائیں اور میری سرکشی کی شکایت بادشاہ سے نہ کریں۔ مَیں اپنے خلاف مقدمہ کھڑا کرانے کا خواہاں نہیں ہوں۔

ہفاسسٹن کے لیے بچاؤ کی اِس کے سوا کوئی صورت نہ تھی۔ سکندر کو اس کے تحیر کا اندازہ ہو چکا تھا۔ اب اُسے التجائے رحم کرتے ہوئے دیکھا تو تلوار پر ہاتھ رکھتے ہوئے کہا کہ میں چند الفاظ کی بنا پر خون خرابہ کرانے کا روادار نہیں ہو سکتا۔

فیلقوس کو ٹرک کے بالائی حصے میں کسی حادثے سے سابقہ پڑا جس میں اُس کا کولھا اُتر گیا۔ اور وہ بے بس ہو کر ایک ڈولی میں پڑا تھا۔ پاس ہی ایک مندر میں سے چشمہ بہتا ہوا آ رہا تھا۔ اُس کی ٹانگ ایک نیزہ ساتھ رکھ کر باندھ دی گئی تھی۔ سکندر پاس پہنچا تو فیلقوس نے اپنی آنکھوں سے پسینہ پونچھا اور کہا: "لو مزید تاخیر کی صورت پیدا ہو گئی۔ اب ہم برف باری سے پیشتر پیلا نہ جا سکیں گے۔ میں اِس حالت میں وہاں جانا پسند نہیں کرتا۔" پھر سکندر سے مخاطب ہو کر بولا: "بھئی یہ کیا افواہ پھیلی ہوئی ہے کہ تم پیلا میں حکمرانی کا کاروبار سنبھالنے کے خواہاں ہو اور میرے ذمے فوج کا انتظام لگا دیا گیا ہے؟ کیا تم اس صورت کو پسند کرتے ہو؟"

فیلقوس کے دو جرنیل پارمینیو اور اینٹی پیٹر پاس کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فیلقوس اپنے بیٹے کے افکار و خیالات کا جائزہ لینا چاہتا ہے۔ سکندر کا سر جھکا ہوا تھا اور اس کی نیلگوں آنکھوں سے پریشانی ٹپکتی تھی۔ وہ بولا: "میں تو چاہتا ہوں کہ مجھے تحصیلِ علم کے لیے واپس بھیج دیا جائے۔ باقی رہا پیلا کی افواہوں کا معاملہ تو مجھے اس کے متعلق کچھ علم نہیں۔"

فیلقوس: "بھئی یہ افواہ تو پوری فوج میں پھیلی ہوئی ہے۔ اور اس کی حیثیت افواہ سے کم نہیں۔ میرے سپاہی تمھیں بہت چاہتے ہیں لیکن انھیں خوش رکھنا اتنا ہی مشکل ہے جتنا شیطان کو

کیا تمھیں معلوم نہیں؟"
سکندر: "نہیں جناب میں کچھ نہیں جانتا۔"

فیلقوس نے اپنے دونوں جرنیلوں پر ایک نگاہ ڈالی اور اندازہ کیا کہ پارمینیو کو تو سکندر کی بات کا یقین نہیں آیا لیکن اینٹی پیٹر اُس کے قول کو درست سمجھتا ہے پھر سکندر سے مخاطب ہوا۔

"مجھے پیلا سے آئے ہوئے بہت دیر ہوگئی لیکن مجبوری کی بات تھی۔ مجبوری کیا ہے؟ افوہ! کچھ ایسی بُری تو نہیں۔ میری جگہ تم پیلا چلے جاؤ۔ دیکھو بیٹے میں نے دل کی بات کہہ دی۔ اب طبابت کا قصہ چھوڑ۔ پیلا واپس جا اور میرے نام پر وہاں نیابت کے فرائض انجام دے"

فیلقوس نے اپنے جرنیلوں کو بتایا کہ اسی وقت سے میں نے اپنے سیزدہ سالہ بیٹے سکندر کو نائب السلطنت بنا دیا۔ میری غیر حاضری میں شہر کا انتظام وہ کرے گا۔ سکندر اس تجویز کی مخالفت کرنا چاہتا تھا پھر گرد و پیش کے حالات کا اندازہ کرتا ہوا بولا "پہلے آپ یہ بتائیں کہ مجھے کیا اختیارات سونپ رہے ہیں اور میرے ذمے کون کون سے فرائض عائد کرتے ہیں؟"

فیلقوس نے شاہی مہر اس کے حوالے کی جس پر شیر کی چھوٹی سی تصویر بنی ہوئی تھی اور کہا "میں تمھیں پورے اختیارات دیتا ہوں۔ واجب الادا قرض ادا کرو۔ شاہی خطوط پر دستخط ثبت کرتے رہو لیکن لوگوں سے وعدے کرنے میں احتیاط برتو۔ مجھ سے مت پوچھو کہ تمھیں کیا کرنا چاہیے خود سوچو کہ تم کیا کر سکتے ہو۔ میں نے سونے کے انبار صرف کیے کہ تم ارسطو سے تعلیم پا سکو۔ سیاسی معاملات میں اُس سے مشورے لیتے رہو۔ ایک فوجی مشیر اپنے ساتھ لے لو۔ یہ اینٹی پیٹر کھڑا ہے۔ یہ تمھارے لیے بہت مفید ہوگا۔ تمھارے ساتھ کچھ سوار بھی جانے چاہئیں۔ میری محافظ فوج میں سے ایک دستہ چن لو۔ بیٹا یاد رکھو کہ ارسطو اور اینٹی پیٹر تمھیں کبھی دھوکا نہ دیں گے اور فوج تمھاری پوری حفاظت کرے گی (کچھ سوچ کر) ہاں تمھیں نئے سکے ڈھلوانے پڑیں گے اور ان کے لیے کانوں سے نکلا ہوا سونا موجود ہے۔"

یہ فرمان جاری کرتے ہی فیلقوس تامل میں پڑ گیا۔ اُس کی سمجھ میں نہ آتا تھا کہ بیٹے سے اظہارِ محبت کا کونسا طریقہ اچھا ہوگا۔ سکندر یہ چاہتا تھا کہ اپنے زخمی باپ کے پاس رہے اور فوج کو چھوڑ کر نہ جائے۔ فیلقوس بولا: "اچھا، میرے قریب آؤ کہ تمھیں چوم لوں، خدا حافظ!" یہ کہتے

بھی اُس نے بیٹے کے رخسار کو بوسہ دیا، اُس سے اور اینٹی پیٹر سے کہا کہ بس اب روانہ ہو جاؤ۔

سکندر نے مہر اپنے کمربند میں محفوظ کی۔ اُس کے دل میں اب تک یہ وسوسہ باقی تھا کہ شاید سپہ گری میں پورا نہ اُترنے کے باعث اُسے واپس بھیجا جا رہا ہے۔ ساتھ ہی تشکّر و سپاس کے جذبات اس کے سینے میں متلاطم ہوئے اور یقین ہو گیا کہ باپ نے علی الاعلان اُسے انتہائی اعزاز کا درجہ عطا کر کے تمام فضول افواہوں کا قلع قمع کر دیا ہے لیکن اُسے یقین نہ تھا کہ پیلا پہنچ کر معاملات کے انتظامات سے خوش اسلوبی کے ساتھ عہدہ برآ ہو سکے گا (بعدازاں اولمپیاس نے اعلان کیا کہ فیلقوس قلوپطرا پر فریفتہ ہو چکا تھا جب اُس نے دیکھا کہ سکندر فوجیوں میں ہر دلعزیزی حاصل کر رہا ہے تو اس سے چھٹکارا پانے کے لیے پیلا بھیج دیا۔

اگلی صبح کو سکندر اینٹی پیٹر کے ساتھ روانہ ہوا تو اس نے اپنی معیت کے لیے جس کمانڈر کو چنا وہ ہفاسشن تھا۔ وہ بڑا کشیدہ قامت تھا۔ اس میں ہرقل کی قوت اور بکیوس کی خوش باشی تھی۔ اکثر اوصاف میں وہ یک دل سکندر کی بالکل ضد تھا۔ جنگ میں کھیلوں سے زیادہ خوش رہتا اور شراب کے ساتھ کھیلوں اور جنگ دونوں سے زیادہ پیار تھا۔ سکندر اپنی مشکلات کا تصور کرتا ہوا گھبراہٹ میں مبتلا تھا۔ ہفاسشن کو سکندر کے خیالات سے کوئی سروکار نہ تھا اور اس نے بنسری بجانی شروع کر دی۔ فلسفے سے بھی اُسے کوئی دلچسپی نہ تھی اس کے متعلق یوری پائیڈیز کا یہ قول نقل کر کے قصّہ ختم کر دیتا! "ہم دیوتاؤں کے بندے ہیں خواہ وہ کچھ بھی ہوں۔" اس کے ثبوت میں اپنی داستان دہرا دیتا کہ "دیکھو میں مجرم تھا اور آدھ گھنٹے میں بادشاہ کی محافظ فوج کا کمانڈار بن گیا۔ اگر یہ معجزہ نہیں تو کوئی اور مثال پیش کرو جو اس سے بڑھی ہوئی ہو۔" سکندر کو ہفاسشن کی بے تکلفی اور زندہ طبعی بہت پسند آئی اور اُس نے سمجھا کہ ایک مخلص دوست مل گیا۔

اینٹی پیٹر نے مقدونیا کے انتظامات کا سررشتہ سنبھالا۔ اولمپیاس فوراً محل کی مختارِ کل بن گئی۔ سکندر کو زیادہ وقت میزا میں اس جگہ بسر کرنے کا موقع مل گیا، جہاں زیتون کے جھنڈ میں ارسطو علمی مسائل کی چھان بین کیا کرتا تھا۔

فلسفی استاد اب بھی اپنے شاگرد کے سامنے مسلّمہ اصول پیش کرنے پر آمادہ نہ ہوا۔ اس کی رائے تھی کہ یونانی فلسفے میں انجماد کی کیفیت پیدا ہو چکی ہے اس لیے کہ اقتدار زندگی کی تحقیق و

تلاش میں وہ فلسفہ حقائق سے دور نکل گیا ہے سقراط نے ٹھوس سوالات کر کے اس کا رخ عقل مجرد سے پھیرا تھا۔ اس کے زمانے تک بہت سے یونانی فلسفی ماضی کی چھان بین میں لگے رہتے تھے وہ اس فکر میں رہتے کہ کائنات کی تخلیق و تکوین کیوں کر ہوئی؟ آسمانی قوتوں کی فطرت و طبیعت کیا ہے؟ سقراط نے انسانی زندگی کے مبدا پر غور و بحث سے انکار کر دیا اور بتایا کہ سوچنا یہ چاہیئے کہ اس سے کام کیوں کر لیا جائے؟ اس کا مدعا یہ تھا کہ بقائے عالم کا مقصد معلوم ہونا چاہیئے یہ جاننے کی کیا ضرورت ہے کہ بقاء کا سرچشمہ کیا ہے؟ اسی ایک مقصد کی تلاش و جستجو کا نتیجہ یہ نکلا کہ اُسے خودکشی کرنی پڑی۔

ارسطو بھی سقراط ہی کی راہ پر چل رہا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ روحِ کائنات کا راز معلوم ہو یا نہ ہو لیکن انسانی ارتقا کی تو پیمائش کی جا سکتی ہے اور اس کا رُخ جس طرف چاہیں پھیرا جا سکتا ہے جس طرح ہم حیوانوں کا رُخ پھیر سکتے ہیں اور حیوانوں کی سرگزشت وہ مرتب کر رہا تھا صرف انسان نہیں بلکہ قومیں بھی ایک حالت سے ارتقا پذیر ہوئیں اور وہ مسلسل بدلتی ہوئی کچھ اور ہی بن رہی ہیں اس عمل تغیر کو ناپا اور اپنی مرضی کے مطابق چلایا جا سکتا ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ یہ عمل ارتقا پذیر وجود کی خاطر جاری ہے — آخری نتیجہ جاننے کے لیے یہ نہیں کہ اس سارے سلسلے کو بے مقصد سمجھ لیا جائے اگر یہ خیال درست ہے تو انسانوں کو پہلے سے طے شدہ تقدیر کے خوف سے نجات دلائی جا سکتی ہے۔ بہ شرطیکہ وہ اِس عمل کو سمجھ سکیں.....

غرض ارسطو نے جو راز اب تک سکندر سے چھپا رکھے تھے، انھیں آہستہ آہستہ ظاہر کرنے لگا اور سکندر کا فہم اگرچہ پوری مساعدت نہ کرتا تھا تاہم ان لاانتہا تجربات کی تہ میں جو مقصد و مدعا تھا اس کے لیے ہمہ گیر شیفتگی پیدا ہو گئی عین اس موقع پر اولمپیاس یہ تجویز لے کر آ گئی کہ سرحد پار جو قبیلے آباد ہیں۔ وہ میدانی فوج کی غیر حاضری کے باعث فتنہ و فساد پر آمادہ ہو گئے ہیں۔ لہٰذا ان کے خلاف مہم جانی چاہیے اور سکندر کو اس مہم کی قیادت کرنی چاہیے۔ اس نے کہا: قوم کی آرزو ہے کہ تم فوج کے سرعسکر بن کر میدان میں نکلو۔ وہ تمھیں کتابوں کے مطالعے میں سرگرم نہیں دیکھنا چاہتی۔

اینٹی پیٹر نے مہم کے لیے تیاری کی اور اگرچہ سکندر کے دل میں اس کے لیے کوئی ولولہ موجود نہ تھا تاہم اسے روانہ ہونا پڑا۔ اولمپیاس نے اس موقع پر بڑا اہتمام کیا۔ تمام دکانیں دن بھر کے لیے

بند گلا دیں تاکہ لوگ رخصت کے وقت بہ تعداد کثیر جمع ہوں۔ خود رتھ میں سوار ہو کر سکندر کے ساتھ چلی — اینٹی پیٹر سپاہ کو لے کر پہلے روانہ ہو چکا تھا۔ سکندر برہنہ سر بیوسی فالس پر سوار تھا۔ راستے کے دونوں جانب کے تماشائی پُرجوش نعرے لگائے رہے تھے۔

جب سکندر بازاروں سے گزرتا ہوا باہر نکل گیا تو اولمپیاس نے وداعی بوسہ دیتے وقت اس کے کان میں کہا کہ تم عام آدمیوں جیسے نہیں ہو۔ یہ راز اب تک میرے سینے میں دفن تھا۔ لیکن آج تم پر ظاہر کر دینا ضروری ہے۔ میں ابتدا سے ساموتھریس کے مندر کی پجارن رہی ہوں۔ یہاں دیوتا فانی انسانوں کے روبرو نمودار ہوتے ہیں۔ شادی سے ایک رات پیشتر میں نے خواب دیکھا کہ جزیرے میں رات کے وقت جو ہوا چلتی ہے وہ میرے کمرے میں آ گئی۔ تاروں کے چراغوں کی روشنی مدھم پڑ گئی، ایک خاص قسم کی کڑک نے میرے مکان کی بنیادیں ہلا دیں۔ یکایک روشنی کی ایک کرن آسمان سے میری طرف آئی اور پھیل گئی۔ میرے کمرے کی چیزوں سے شعلے اٹھنے لگے اور میری آنکھ کھل گئی۔ اسی رات استقرارِ حمل کا واقعہ پیش آیا نہ کہ فیلقوس سے زوجیت کا تعلق پیدا ہونے کے بعد۔ یہ حقیقت ہے کہ تو دیوتاؤں کی اولاد ہے۔ ایرسٹانڈر کاہن نے مجھے یہی بتایا تھا۔

اولمپیاس یہ کہتی ہوئی واپس چلی گئی کہ اب تمھیں چاہیے اپنا طرزِ عمل درجۂ پیدائش کے شایانِ شان رکھو۔ ہفاسشن سکندر کے پیچھے تھا۔ اولمپیاس تھوڑی دیر کے لیے رکی اور بولی: یہ میرا جگر بند ہے اس کی حفاظت کرنا لیکن ساتھ ہی اسے بتا دینا کہ مجھے زیوس[1] کی بیوی کے سامنے ملزم نہ گردانے۔ پھر وہ ہاتھ سے وداعی اشارے کرتی ہوئی لوٹ گئی اور ویسی ہی حسین و جمیل نظر آتی تھی۔ جیسے ناسیکا[2] اپنی گاڑی میں بیٹھی ہوئی نظر آتی تھی۔

یوں سکندر اپنی پہلی مہم پر روانہ ہوا۔ وہ خاموش تھا اور اس کا دل سہما ہوا معلوم ہوتا تھا

---

۱ ZEUS یونانیوں کے دارالاصنام کی مرکزی شخصیت اور سب سے بڑا دیوتا۔ اس کی بیوی کا نام ہیرا (HERA) تھا۔ مشہور ہے کہ وہ زیوس پر سخت نکتہ چینی کرتی رہتی تھی۔

۲ NAUSICAA ہومر کی روایت کے مطابق یہ ایک جزیرے کے بادشاہ کی بیٹی تھی۔ کہا جاتا ہے کہ جزیرہ کارفو تھا۔ یولیسس کا جہاز ٹوٹا تھا تو وہ اس جزیرے میں پہنچا تھا اور شہزادی ناسیکا نے اسے اپنے باپ یعنی بادشاہ تک پہنچایا تھا۔

وہ اس بنا پر کہ کہیں عوام کی خندہ زنی کا نشانہ نہ بنے۔ پہاڑیوں کی چڑھائی شروع ہوئی تو دل کی افسردگی کا یہ حال تھا۔ گویا ٹھنڈا لباس پہن رکھا ہے۔ تھوڑی دیر کے بعد اس پر واضح ہو گیا کہ فوج کے ساتھ گھوڑے پر سوار چلے جانے کے سوا کوئی اور کام نہ کرنا پڑے گا۔ ہیفاسشن اس کے ساتھ تھا، جس کے لیے جنگ ہرن کے شکار سے زیادہ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ وہ ہر لحظہ بات چیت یا لطیفہ بازی سے اس کا دل خوش رکھنے پر آمادہ تھا اور سال خوردہ مقدونوی جرنیل یعنی اینٹی پیٹر کماندار اعظم کی حیثیت میں تمام احکام جاری کر رہا تھا۔

سرکش جبالیوں — مائی ٹی قبیلہ[1] — نے مقدونیا کی فوج آتی دیکھی تو ٹیلوں پر چڑھ گئے۔ وہ کبھی کبھی فوجیوں پر تیر چلا دیتے تھے۔ اور ان کی خاص کوشش یہ تھی کہ اپنے ریوڑوں کو بچا کر محفوظ مقامات پر لے جائیں۔ اینٹی پیٹر کے مشورے کے مطابق سکندر نے مائی ٹی قبیلے کا مرکزی قصبہ تباہ نہ کیا۔ بلکہ آس پاس سے کاشتکاروں کو لا کر وہاں آباد کر دیا اور ان کی حفاظت کے لیے مناسب مقامات پر برج بنا دیے۔ ہیفاسشن کی تجویز کے مطابق اس مقام کا نام سکندرتہ رکھا گیا یعنی شہر سکندر۔ اسی طرح فیلقوس نے ایک شہر پر قبضہ کر کے اس کا نام فلپی یعنی شہر فلپ (فیلقوس) رکھ دیا تھا۔ یہ پہاڑوں کے درمیان ایک پرسکون مقام تھا جس کا دھواں درختوں کے بیچ میں سے آہستہ آہستہ باہر نکلتا رہتا تھا۔ سکندر نے مائی ٹی کی فضا میں پہنچ کر سوچا تو اس کے دل میں احساس پیدا ہوا کہ ارسطو کے استدلال کے مطابق اہلِ مقدونیا بھی چند صدیاں پیشتر انھیں لوگوں کی طرح ریوڑ پالتے اور گلہ بانی کرتے تھے۔

سکندر مہم سے فارغ ہو کر پیلا پہنچا تو اس نے ایرسٹانڈر کو بلایا تا کہ اولمپیاس کے بیان کردہ خواب کے بارے میں استفسار کرے۔ کاہن کو اس سوال پر قطعاً حیرت نہ ہوئی۔ اس نے بتایا کہ دوسرے شگون بھی دیکھے گئے تھے۔ جن سے اولمپیاس کے عقیدے کی توثیق ہوتی بلکہ خود فیلقوس نے بھی ایسا خواب دیکھا تھا یعنی یہ کہ اولمپیاس کے بدن پر مہر لگی ہوئی ہے اور مہر پر شیر کے سر کا نقش ثبت تھا۔ میں نے (ایرسٹینڈر نے) اس خواب کی تعبیر پیش کرتے ہوئے کہا تھا۔ اس کا مطلب یہ نہ سمجھا جائے کہ روحانی مزاج بیوی کی کڑی نگرانی کرنی چاہیے مطلب یہ ہے کہ جو بیٹا پیدا ہونے والا

---

[1] MAETI

ہے۔ وہ عام فانی انسانوں کی عزیمت و ہمت سے کسی قدر اونچے جوہر لے کر پیدا ہوگا یہ نشانات ایسے تھے جنہیں فی الجملہ سامنے رکھا جائے تو ان کے بارے میں شک و شبہہ کی کوئی گنجائش باقی نہیں رہتی۔ یہ امر یقینی ہے کہ فلیقوس حقیقت میں تمھارا باپ نہیں۔

کاہن کی یہ بات کسی نہ کسی شکل میں پیلا کی مرکزی منڈی اور اس کی اقامت گاہوں میں پھیل گئی۔ لوگوں نے ڈلفی کے بڑے پروہت سے پوچھنا شروع کر دیا جو اس وقت پیلا ہی میں ٹھہرا ہوا تھا۔ اس نے نہ تو اولمپیاس اور ایرسٹانڈر کے بیان کی تائید و توثیق کی اور نہ اس سے اختلاف کیا۔ صبح کے وقت سکندر مشرق کی طرف منہ کر کے قربان گاہ پر قربانی کے لیے آیا تو غلاموں اور ملازموں کا ہجوم اس قدر بڑھ گیا تھا کہ اُسے بمشکل اندر تک جانے کا موقع مل سکا۔ عقیدت مند لوگ بالکل خاموش کھڑے سنہری بالوں والے شہزادے کو ایک نظر دیکھنے کے آرزومند تھے جو اپنے باپ زیوس کے لیے قربانی کرنے آیا تھا۔

اس واقعہ پر پورا ایک مہینہ بھی نہ گزرا تھا کہ اینٹی پیٹر سکندر کے پاس ایک پیغام لایا جسے وہ خود ہی پہنچا سکتا تھا۔ اس لیے کہ پیغام فلیقوس کی طرف سے تھا۔ اینٹی پیٹر نے بڑے دردمندانہ لہجے میں بتایا: "مقدونیا کے بادشاہ اور سپہ سالار فلیقوس نے ایپی رُس[1] کی شہزادی اور نیوٹولی مس[2] کی بیٹی اولمپیاس سے زوجیت کا رشتہ توڑ لیا ہے اور اٹالوس کی بھتیجی قلوپطرا سے شادی کر لی ہے۔"

[1] EPIRUS

[2] NEOPTOLEMUS

تیسرا باب

ڈیماستھنیز اور قتل گاہ کائی رینیا

فیلقوس نے بہت جلد اپنے بیٹے کو فوج میں واپس بلا لیا اور ہفائسشن کے ساتھ رسالۂ خاص میں خدمات انجام دینے کی اجازت دے دی۔

اولمپیائی کھیلوں کے آغاز سے یہ چار سو اڑتیسواں سال تھا (۳۴۰ ق م) مقدونی فوج اور یونان کی شہری ریاستوں کے درمیان کشمکش کے اسباب نازکت کی آخری منزل پر پہنچ چکے تھے۔ یہ کشمکش حقیقۃً فیلقوس کی حرصِ ملک گیری اور ڈیماستھنیز کے عزم مقابلہ کے درمیان تھی۔ زیرِ نزاع مسئلہ یہ تھا کہ یونانی شہروں پر کسے حکمران ہونا چاہیے۔

یونان کی اجتماعی حیثیت ناپید تھی۔ اہلِ یونان قریباً ایک درجن شہری ریاستوں میں بٹ چکے تھے جب ایشیائی عساکر اُن کے وطن اور وطنی سمندروں پر حملہ آور ہوئے تو اس ہمہ گیر جنگ کی ضرب نے یونانیوں میں اتحاد پیدا کر دیا (پہلی لڑائی میراتھان[1] کے میدان میں ہوئی پھر یونانیوں نے سیلمس[2] کی بحری اور پلاٹائیا[3] کی بری جنگ میں شاندار کامیابیاں حاصل کیں) لیکن جب حملہ و ہجوم کا خطرہ زائل ہو گیا تو یونان کی شہری ریاستیں اُسی طرح الگ الگ ہو گئیں جس طرح پیپے کے ٹوٹ جانے سے اُس کے ڈنڈے الگ الگ ہو جاتے ہیں۔ پھر ان کے درمیان

---

[1] MARATHON ایرانیوں نے یونان پر حملہ کیا تھا۔ سنہ ۴۹۰ ق م میں یہ لڑائی ہوئی جس میں ساڑھے چھ ہزار ایرانی مارے گئے۔ یونانیوں کا نقصانِ جان صرف ایک سو بانوے تھا۔ اس شاندار کامیابی نے ایرانی حملے کو ناکام بنا دیا۔

[2] SALAMUS یہ بحری جنگ تھی جو سنہ ۴۸۰ ق م میں ہوئی۔ یونانی جہاز صرف تین سو ستر تھے ایرانیوں کا بیڑا ایک ہزار جہازوں پر مشتمل تھا لیکن انھوں نے خوفناک شکست کھائی۔

[3] PLATAEA یہ جنگ سنہ ۴۷۹ ق م یونانیوں اور ایرانیوں کے درمیان ہوئی تھی۔ یونانی فوج ایک لاکھ تھی اور ایرانی تین لاکھ۔ فتح یونانیوں نے حاصل کی۔

طویل خانہ جنگی شروع ہو گئی۔ یہ بڑی ہولناک تھی۔ ابتدا میں خانہ جنگی اس امر پر شروع ہوئی تھی کہ اقتدارِ اعلیٰ کا درجہ بحری قوتوں کو حاصل ہونا چاہیے یا برّی قوتوں کو گویا اس میں ایک فریق شمالی ریاستیں تھیں اور دوسرا فریق جنوبی ریاستیں۔ لیکن آخری دَور میں مقابلہ ایتھنیز اور سپارٹا کے درمیان رہ گیا۔ یہ امر بڑا ہی تعجب انگیز ہے کہ جب ایک دوسرے پر حملے ہو رہے تھے، ایک دوسرے کے محاصرے کیے جا رہے تھے۔ طاعون پھیلا ہوا تھا کشمکش کے عہدِ شباب میں ہر قابلِ جنگ آدمی کو میدان میں پہنچنے کا حکم مل گیا تھا تو اسی زمانے میں شہر ایتھنیز پیری کلیز[1] کے ماتحت جاہ و جلال کا درجۂ کمال حاصل کیا۔

خانہ جنگی کے بعد طبعاً سیاسی لحاظ سے ضعف و افسردگی کا دور طاری ہوا۔ محاصل کا بوجھ بہت بڑھ گیا۔ تجارت کا دائرہ وسیع ہو رہا تھا، لیکن اس کی حفاظت جس صلح و امن کی متقاضی تھی اس کے لیے مناسب حال کوششیں جاری نہ رہ سکیں۔ ڈیڑھ سو سال کی خانہ جنگی کے بعد بڑی بڑی شہری ریاستوں کا انحصار غلاموں کی محنت و مشقت پر رہ گیا۔ اس لیے کہ پیشہ ور سپاہیوں کے لشکر تیار رکھے بغیر چارہ نہ تھا اور ان کے لیے روپے کی سخت ضرورت تھی۔ جن لوگوں کے ہاتھ میں معاملات کی باگ ڈور تھی وہ آہستہ آہستہ ڈکٹیٹر بن گئے یا مذہبی کونسلوں نے کاروبارِ حکومت سنبھال لیا۔ اِس دورِ زوال کے اختتام پر فیلقوس شاہِ مقدونیہ نے بڑی دانشمندی اور بالغ نظری کا ثبوت دیا جس کی کوئی مثال پیری کلیز کی وفات کے بعد بروئے کار نہ آئی تھی۔ ایتھنز کے شہرۂ آفاق خطیب ڈیماستھینز نے اپنے پُرتاثیر خطبوں کے ذریعے سے شہری ریاستوں کو جگانا اور پیش آمدہ خطرے کے مقابلے کے لیے تیار کرنا شروع کر دیا۔

یوں یہ دو شخصیتیں اقتدار کے لیے کشمکش کا مرکز بن گئیں۔ اوّل فیلقوس جو موقع پرست اور حقیقت شناس تھا۔ اُس نے غیر منظم شہری ریاستوں پر اپنی گرفت کو محکم بنانے کا کوئی بھی موقع نظر انداز نہ کیا۔ مثلاً جب ضرورت محسوس کی تو اپنے آپ کو مذہبی کونسل کے محافظ کی حیثیت میں پیش کر دیا۔ پھر ڈیلفی کے مندر کی عزت و آبرو کا مجاہد بن گیا اور آخر میں اُس نے اپنے آپ

---

[1] PERICLES یونان کا نہایت مشہور بہادر جرنیل ۴۹۹ ق م میں پیدا ہوا۔ اس کے عہد میں ایتھنز نے سب سے زیادہ عروج حاصل کیا۔ ۴۳۲ ق م میں اس کے دونوں بیٹے طاعون کی نذر ہو گئے۔ ایک سال بعد اس نے بھی وفات پائی۔

کو جمہور کا محسن قرار دے دیا۔ دوسرا شخص ڈیماستھنیز تھا جو دولت مند اہلِ ایتھنز کو زود خطابت کے تازیانوں سے فیلقوس کے مقابلے کے لیے تیار کرتا تھا۔ کبھی کبھی ان کے روبرو دیرِ اتھان کی شاندار فتح مندی کی کہانیاں سناتا اور ہر سچے شہری سے اپیل کرتا کہ فوج میں بھرتی ہو کر ایتھنز کی جمہوریت کو بچانے کے لیے تیار ہو جاؤ۔ موت و حیات کی یہ کشمکش دو شخصیتوں کے درمیان نہیں بلکہ دو متضاد نظریوں کے درمیان تھی۔ اوّل آزاد شہری ریاستوں کا نظریہ جس کے مطلع پر سے روشنی آہستہ آہستہ ناپید ہو رہی تھی۔ دوسرا بادشاہی کا نظریہ جو تازہ تازہ وجود پذیر ہوا تھا اور اُس میں تازگی کا پورا جوش و خروش نمایاں تھا۔ ڈیماستھنیز نے فیلقوس کے خلاف جو خطبے دیے وہ "فیلقوسیات" کے نام سے موسوم ہوئے۔ اُن خطبوں میں ڈیماستھنیز کی زد فیلقوس کی ذات پر نہ پڑتی تھی، بلکہ وہ فیلقوسی قوت کے احیا کا دشمن تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر فیلقوس کل ختم بھی ہو جائے تو اس کی جگہ نیا فیلقوس لے لے گا۔ اس مصیبت سے عہدہ برآ ہونے کے لیے ایک زبردست جمہوری فوج کی ضرورت ہے۔

سوال یہ تھا کہ آیا اہلِ ایتھنز فیلقوس سے خوفزدہ تھے؟ ڈیماستھنیز خوف کو نفرت و حقارت سے ٹھکراتا اور کہتا: اُسے بہت بڑا ماہر حربیات سمجھا جاتا ہے لیکن حقیقت میں اس کی حیثیت۔۔۔۔۔۔ ایک بھیڑیے کی سی ہے جو انسانوں کی نگاہوں سے چھپ چھپا کر لاشوں سے اپنا پیٹ بھرتا ہے۔ کہا جاتا ہے کہ وہ بڑا خوبصورت ہے اور شراب بہت پیتا ہے لیکن عورتیں بھی تو خوبصورت ہوتی ہیں۔ اسفنج بھی تو خاصا پانی چوس لیتا ہے۔ کیا تم لوگ اس وہم میں مبتلا ہو کہ جو غیر فانی دیوتا آسمانوں سے تمہارے احوال کے نگران ہیں اُس عیاش، بدکار، سازشی اور خون چوسنے والے کو اپنی مہربانیوں کا مرجع بنالیں گے؟

ڈیماستھنیز یہ بھی کہتا کہ محبِ وطن یونانیوں کے لیے دیوتاؤں نے نیک شگون پیش کر دیے ہیں۔ پیتھیا کے مندر کی کاہنہ یہ بتا چکی ہے عقاب آسمانی فضاؤں میں اڑتے ہوئے دکھیں گے کہ مفتوح گریہ و زاری میں مبتلا ہے اور فاتح موت کے گھاٹ اتر رہا ہے یقیناً اس پیش گوئی کا مطلب یہ ہے کہ حملہ آور اہلِ مقدونیہ فیلقوس کا ماتم کریں گے جو آئندہ جنگ میں قطعی طور پر مارا جائے گا۔

غرض ڈیماستھنیز کے جذبات انگیز اور ہیجانی خطبوں نے محبانِ وطن کی ایک فوج تیار کر دی۔ وہ خود اس فوج کو لے کر میدانِ جنگ کی طرف نکلا۔ اہلِ ایتھنز کو سمجھا رہا تھا کہ اپنے شہر سے باہر نکل کر اور زیادہ سے زیادہ دور جا کر ہی جنگ کرنا مفید ہے۔ اہلِ تھیبز کو بھی شرم دلا کر اہلِ ایتھنز کا حلیف بنا لیا گیا (در اصل اہلِ تھیبز ہی اتحادیوں کی قوت کا مرکز تھے۔ اس سپاہ کی سولہ قطاریں تھیں اور ایپی مانڈس اُس کا سالار تھا۔ یہ لوگ اہلِ سپارٹا کو شکست دے چکے تھے جن کی ناموری سے یونان کی فضا گونج رہی تھی۔ بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں کا یہ مقدس گروہ جنگ کو اپنی زندگی کا واحد مشغلہ قرار دیتا تھا۔ اور انھیں یقین تھا کہ میدانِ جنگ میں کوئی اُن پہ بازی نہیں لے جا سکتا)

اس طرح اُس شہرۂ آفاق خطیب نے اپنے ساتھیوں کے دل میں خاص یقین پیدا کیا۔ خوش آئند وعدوں سے اُن میں جنگی روح پھونکی اور شہری سپاہیوں کی فوج لے کر مقدونیہ کی طرف روانہ ہو گیا۔ اُس کے نزدیک جمہوری قوت کے احیاء کی یہی موثر صورت تھی۔ بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں نے کانسی کی ڈھالیں اُٹھا رکھی تھیں۔ خود ڈیماستھنیز کی ڈھال پر سنہری حرفوں میں ایک کلمہ مرقوم تھا جس کا مطلب تھا "بخت یار"

بس اُس وقت سے ڈیماستھنیز اور بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں میں اثر و رسوخ کے اعتبار سے کوئی فرق نہ رہا۔ فیلقوس ٹرا چالیا تھا۔ وہ ہر موقع پر مناسبِ حال کردار اختیار کر لیتا اور فوج کی کمانداری میں کوئی اُس کی برابری کا دم نہ بھر سکتا تھا۔ یکایک ایسا معلوم ہوا کہ مقدونوی فوج کہیں غائب ہو گئی ہے۔ کم از کم یونانیوں کو وہ فوج کہیں نہ ملی۔ اس اثناء میں ایک قاصد پکڑا گیا؛ جس کے پاس یہ پیغام تھا کہ فیلقوس بلقان کی طرف چلا گیا ہے۔ اس سے یونانیوں کے حوصلے بہت بڑھ گئے۔ پھر یونانی سپاہی یہ دیکھ کر حیرت زدہ رہ گئے کہ فیلقوس اپنی مقدونوی فوج کے ساتھ اُن کے عقب میں نمودار ہوا ہے۔ در اصل قاصد کو جو پیغام دیا گیا تھا وہ سراسر دھوکے اور فریب پر مبنی تھا

یونانی لمبا سفر کر چکنے کی وجہ سے تھک گئے تھے اور اُن پر اضطراب کی حالت طاری تھی۔ وہ پہاڑوں پر سے تیزی کے ساتھ کائیرونیا کی طویل وادی میں اُترے۔ وہاں مقدونوی فوج

موجود تھی۔ لیکن یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ وہ فوج لڑائی کے لیے تیار کھڑی ہے۔ فوج کے آدمی وادی میں بکھرے ہوئے پھر رہے تھے اور صاف نظر آرہا تھا کہ سامان اُٹھوانے کے لیے اُن کے ساتھ نوکر چاکر بھی نہیں۔ پھر وہ جا بجا بیٹھ گئے۔ گویا اس بات کا انتظار کر رہے تھے کہ تھکے ہوئے یونانی اپنی جنگی ترتیبات پوری کر لیں۔ مقدونی فوج کے ایک بازو پر ذرا دور رسالہ موجود تھا جو درختوں کے جھنڈ میں سے گزر رہا تھا۔ اس کی رہنمائی وہ لوگ کر رہے تھے جن کے کولھوں تک کالسی منڈھی ہوئی تھی۔ وہ بھی چنداں خطرناک معلوم نہ ہوتے تھے۔ یونانی تیزی سے بڑھتے گئے۔ تھیبز کے مقدس جیش نے اپنے ہتھیار سنبھال لیے۔ وہ ایک مندر کے پاس سے گزرے جو ہرقل سے منسوب تھا۔ آگے بڑھے تو کاٹیرونیا کی آبادی کے پاس سے گزرتے ہوئے ایک بل کھاتی ہوئی ندی پر پہنچ گئے جو ان کے اور مقدونی رسالے کے بیچ میں واقع تھی۔

دوپہر ہونے تک سورج ان سواروں کے سامنے تھا۔ وہ گھوڑوں پر بیٹھے تھے۔ لیکن حرکت میں نہ آتے تھے۔ بلکہ شاہ بلوط کے جنگل میں ایک اونچائی پر کھڑے حکم کا انتظار کر رہے تھے یہ مقدونی رسالہ پورے کا پورا امرا پر مشتمل تھا اور پارمینیو ان کی کمانداری کر رہا تھا۔ اس کی تین رجمنٹیں تھیں۔ ان لوگوں کو گزشتہ تجربات کی بنا پر یقین تھا کہ پارمینیو پیش قدمی سے پہلے فلقوس کے حکم کا انتظار کرے گا۔ فلقوس کی طرف سے کوئی حکم نہ آیا۔ وہ کسی قدر فاصلے پر تھیبز کی فوج سے جنگ میں مصروف تھا۔ مقدونی سواروں نے دور سے شور و غل سُن کر اندازہ کر لیا تھا کہ ہماری فوج پیچھے ہٹ کر ڈھلان کی طرف آرہی ہے گویا تھیبز کی پیش قدمی روکی نہیں جا سکی۔ انتظار کی زحمت کے آثار ان سواروں کے چہروں پر ہویدا تھے اگرچہ وہ اس قسم کے مواقع کے عادی ہو چکے تھے۔ درختوں کے جھنڈ اور اڑتے ہوئے گرد و غبار میں سے انھیں صرف یہ نظر آرہا تھا کہ معاونوں[1] کی رجمنٹ بائیں طرف لڑ رہی ہے بعض اوقات کریٹ کے تیراندازوں کی گھاگھرا کی پلٹن ڈھلان میں سے گزرتی اور سواروں کی آنکھوں کے سامنے پردہ سا تن جاتا۔ بس اس سے زیادہ انھیں کچھ نظر نہ آتا تھا۔

آخر ان سواروں نے بے چین ہو کر اپنے اینٹھے ہوئے بازوؤں پر ڈھالیں درست کیں

---

[1] HYPASPISTS

لیکن وہ بات چیت نہ کر رہے تھے۔ اس لیے کہ ان کی توجہ حالات پر جمی ہوئی تھی اور وہ معلوم کرنا چاہتے تھے کہ کیا کچھ ہو رہا ہے۔ بہرحال وہ حکم کے انتظار میں بدستور کھڑے رہے لیکن یکایک ایک سوار قطار سے آگے بڑھا اور یہ فیلقوس کا بیٹا سکندر تھا۔

سکندر بھی اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ہمراہیوں کے ساتھ حکم کا انتظار کر رہا تھا۔ اس کے جسم کی ایک ایک رگ اس انداز میں تڑپ رہی تھی گویا پھٹ جائے گی۔ اُسے ہفائسشن کے ساتھ ایک رجمنٹ کے کماندار کی حیثیت میں مقرر کر دیا گیا تھا، حالانکہ رجمنٹ کا اصل کماندار پارمینیو کا تجربہ کار فرزند فیلوٹس[1] تھا۔ سکندر کے پاس کلائٹس[2] نام ایک اور سوار کھڑا تھا۔ اُس کا بدن دھوپ کی شدت سے اُسی طرح جھلس گیا تھا جس طرح جلی ہوئی لکڑی ہوتی ہے۔ کلائٹس کو تاکید کر دی گئی تھی کہ سکندر کی حفاظت کا خیال رکھے۔ وہ سکندر کے گھٹنے سے گھٹنا ملائے کھڑا تھا۔ اس اثنا میں بیوسی فالس (سکندر کا سیاہ گھوڑا) بے چین ہو کر آگے بڑھا۔ سکندر کے برہنہ گھٹنوں پر رعشہ طاری تھا۔ اُس نے دائیں ہاتھ سے پسینہ پونچھا۔ یہ خیال اُسے پریشان کر رہا تھا کہ اڑتی ہوئی گرد کے آگے گرداب ہلاکت ہے جس میں گھوڑا اُسے کھینچے لیے جا رہا تھا۔ وہاں شور و غل بپا تھا۔ بلکہ کہنا چاہیے شور لہروں کی طرح اُٹھ رہا تھا۔ سکندر ہانپ رہا تھا اور اُس کا گلا خشک ہو چکا تھا۔ وہ اِس طرح خوف کی گرفت میں آ چکا تھا جیسے زنجیر گلے میں باندھ کر لحظہ بہ لحظہ اُسے کسا جائے۔ دھوپ کی تیزی نے اُس کی نگاہوں کو خیرہ کر رکھا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ پیچھے اور سوار بھی منتظر کھڑے ہیں تاہم اُس پر خوف نے غلبہ پا لیا تھا خنکی کی لہر اُس کے معدے پر اثر انداز ہوئی اور ابکائی سی آنے لگی۔ جسے روکنے کے لیے اُس نے کھانسنا شروع کیا۔ کلائٹس نے اپنے بازو کے ایک زخم سے کھرنڈ اتارا۔ اس اثنا میں دریا سے آگے جو شور و غل بپا تھا اُس نے مرغابیوں کی چیخ و پکار کا رنگ اختیار کر لیا لیکن سوال یہ تھا کہ وہاں مرغابیاں کیسے آگئیں؟ سکندر کو ابکائی روکنے کے لیے آگے بڑھنا پڑا۔ اُس نے گھوڑے کی باگ ہلائی گھٹنوں کی گرفت مضبوط کر لی۔ بیوسی فالس نے بے اختیار ہو کر چھلانگ لگائی۔ کلائٹس نے اسے روکنا چاہا اور درخت کی شاخ تازیانے کی طرح سکندر کے چہرے

---

[1] PHILOTAS [2] CLEITUS

پر لگی۔ اُس نے اپنی ڈھال اوپر اُٹھائی ذرا جھک گیا۔ اور تیر اندازوں کے ایک گروہ کے پاس سے گزر گیا، جو حیرت زدہ اُس کے کندھوں کی طرف دیکھ رہے تھے۔ دوسرے سوار بھی اُس کے پیچھے دوڑے لیکن سکندر انھیں نہ دیکھ سکا۔ اس اثنا میں اُس کی ڈھال پر ضربیں لگیں بیوی فالس اچھلا، سکندر نے گھٹنوں کی گرفت اور مضبوط بنالی، اچانک اُسے معلوم ہوا کہ گھوڑے نے لمبی چھلانگ لگائی ہے۔ آدمیوں کا ایک گروہ لڑھکتا ہوا اِدھر اُدھر بکھرا۔ اب اُسے محسوس ہوا کہ گھوڑا بہت تیز جا رہا ہے۔ اُس نے شوریدہ سر گھوڑے کو تھامنے کی کوشش کی۔ گرد و غبار کے پردے میں سے آدمی نکلے جو ایک دوسرے کے ساتھ جڑے ہوئے معلوم ہوتے تھے۔ انھوں نے برچھیوں کی قطار کا رُخ سکندر کی طرف پھیر دیا۔ سکندر نے اپنی ڈھال میں پناہ لی۔ اِس اثنا میں سیاہ گھوڑے نے ٹھوکر کھائی۔ لڑکھڑا کر سنبھلا اور بدستور دوڑنے لگا۔ سامنے دو زخمی پیٹھ جوڑے بیٹھے تھے۔ انھوں نے اپنے ہاتھ اٹھائے گویا کچھ اشارے کر رہے تھے۔

آخر سکندر نے گھوڑے پر قابو پایا اور اُسے روکا۔ تو کیا دیکھتا ہے کہ ایک ندی کے کنارے کی جھاڑیوں میں پہنچا ہوا ہے۔ وہاں شور تو اُس کے کان میں پہنچ رہا تھا لیکن یہ معلوم نہ ہوتا تھا کہ کیا ہو رہا ہے۔ اُسے سخت پیاس لگ رہی تھی۔ گھوڑے سے اُترا۔ باگ اپنی کلائی پر لپیٹی اور زمین پر لیٹ کر پانی پیا، نیز اپنا سر دھو لیا۔ پھر وہ آنکھیں پونچھتا ہوا اُٹھا تو بیوی فالس بھی پاس ہی پانی پی رہا تھا۔ گھوڑا پانی پی چکا تو سکندر نے اطمینان کا سانس لیا۔ اب اُس کا خوف زائل ہو چکا تھا لیکن وہ آگے بڑھنا نہ چاہتا تھا۔ البتہ جھاڑیوں سے پرے آدمی بھی بول رہے تھے۔ اور گاڑیاں چلنے کی آوازیں بھی آ رہی تھیں۔ اُس نے دیکھا کہ فضا کا رنگ بدل رہا ہے۔ سورج کی چکا چوند باقی نہیں رہی۔ بادل چھا رہے ہیں اور اس وجہ سے پہاڑی کی چوٹی پر اندھیرا پھیل رہا ہے۔ وہ گھوڑے پر سوار ہوا اور جھاڑیوں میں سے باہر نکلا ایک باغیچے میں سے ہوتا ہوا آگے بڑھا تو سنگِ مرمر کا ایک مندر ملا، جہاں بہت سے آدمی انبار در انبار بے حس و حرکت پڑے تھے۔ اُس نے یہ اندازہ کرنے کی کوشش کی کہ کتنا وقت گزر چکا ہوگا لیکن ناکام رہا۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ اس سراسیمگی زدہ سرزمین میں لڑائی ختم ہو چکی تھی۔ جا بجا صرف آگ نظر آ رہی تھی جو پہرے داروں نے جلا رکھی تھی۔

یکایک کیا دیکھتا ہے کہ ایک آدمی ذرا لنگڑا کر چلتا ہوا کچھ ڈھونڈ رہا ہے۔ ایک زخمی سپاہی کی آواز سنی تو اس کی بات سننے کے لیے ذرا جھک گیا۔ اس کے ساتھ ساتھ مسلح سپر برداروں کا ایک جیش بڑی ترتیب سے چل رہا تھا۔ سکندر ذرا قریب پہنچا تو پہچان لیا کہ یہ تو میرا باپ فیلقوس ہے۔ باپ نے دیکھا تو کہا: "قادر و توانا دیوتاؤں کی حمد ہو۔" یہ کہتے ہی اُس نے سکندر کو گلے سے لگا لیا۔ اور ہاتھ سے ٹٹول کر دیکھا کہ جسم پر کوئی ضرب تو نہیں لگی۔" پھر بولا: "فلوٹس قسم کھا کر کہتا تھا کہ تم گاؤں میں اس طرح گم ہوئے گویا شیطان تمھیں اٹھا کر لے گیا۔ سب لوگ تمھاری لاش تلاش کرتے پھرتے تھے۔ اب تم سلامت مل گئے اور میں شکرانے میں سونا دیلفی کے مندر کی نذر کروں گا۔"

اُس نے خوب شراب پی رکھی تھی۔ یکایک ایک قسم کھائی اور کہا: "بیٹا! یہ تو بتاؤ تم حکم پہنچے بغیر سواروں کی رجمنٹ سے آگے کیوں نکل گئے؟ میں نے پارمینیو کو پیش قدمی کا کوئی حکم نہیں دیا تھا۔ پیش قدمی کا وہ وقت بھی نہ تھا۔ سوار کہتے ہیں کہ ہم نے فلوٹس کی پیروی کی اور فلوٹس کہتا ہے کہ میں تمھارے پیچھے روانہ ہوا۔ بھلا تمھارے کان میں شیطان نے کیا پھونک دیا تھا؟"

سکندر: مجھے کچھ معلوم نہیں۔ میں ڈر گیا تھا۔

فیلقوس نے بیٹے کو سر سے پاؤں تک دیکھا۔ شراب کی بُو اُس کے سانس میں بسی ہوئی تھی۔ پھر بولا: "ڈر گئے۔ یہ کیا کہتے ہو؟ یہ کہو کہ کاٹرونیا کے ٹیلے پر ٹھہرنا آسان نہ تھا۔ پارمینیو کی شکل ایسی نظر آتی تھی جیسے کوئی بھوت ہو۔ مجھ پر بھی گھبراہٹ طاری تھی۔ جہاں جنگ ہو وہاں اِس قسم کے حالات پیش آتے ہی رہتے ہیں۔ بس یہ ضروری ہے کہ جب تک مقصد پورا نہ ہو جائے۔ دماغ کو گھبراہٹ سے محفوظ رکھا جائے۔ ۔ ۔ ۔"

سکندر کو ڈر تھا کہ باپ خفا ہو گا۔ اس کی زبان سے حوصلہ افزا باتیں سُن کر وہ مطمئن ہو گیا۔ معلوم ہوتا ہے شاہ ملوط کے جنگل میں سکندر کو جو تجربہ ہوا تھا فیلقوس نے اُس کا اندازہ کر لیا تھا۔ پھر فیلقوس اندھیرے میں اِدھر اُدھر نظر ڈالتا ہوا لعن طعن کرتا رہا۔ وہ کہتا تھا کہ چند گھنٹوں میں بہت سے آدمی مارے گئے۔ غلطی یہ ہوئی کہ میرے رسالے نے جنگ کا پانسا پلٹنے سے پیشتر بلّہ بول دیا۔

اس نے سکندر کو ساتھ لیا اور اندھیرے میں لاشوں کو پھاندتا ہوا آگے بڑھا۔ لعن طعن بدستور جاری تھا۔ زبان بدستور درشت گوئی کے تازیانے برسا رہی تھی۔ جو غلطیاں ہوئیں ان کی مذمت کرتا

تھا۔ وہ کہتا تھا میرا منصوبہ یہ تھا کہ تھیبز کی سپاہ آگے بڑھی چلی آئے۔ میں نے اس کے سامنے ایک معمولی سی فوج برائے نام کھڑی کر دی تھی۔ جب ایتھنز کے بھاری ہتھیاروں والے دستے بھی پیچھے پیچھے روانہ ہوئے تو میں اس انتظار میں رُکا رہا کہ وہ اپنی فتح مندی کا یقین کرتے ہوئے ترتیب سے بے پروا ہو جائیں۔ اس وقت رسالۂ خاص کو حملہ کرنا چاہیے تھا۔ معاون رسالہ اور تھسلی کے سوار اُس کے ساتھ ہوتے۔

سکندر کو وہ لمحہ کبھی فراموش نہ ہوا، جب فیلقوس اُسے ڈھلان پر لے گیا، جہاں سپاہی لاشوں میں ہتھیار تلاش کر رہے تھے۔ اگرچہ وہ شراب میں بدمست تھا لیکن اس کے دماغ پر شراب کا کوئی اثر نہ تھا۔ اس نے بتایا کہ تھیبز کی سپاہ یہاں کھڑی تھی۔ جب میری عمر اتنی تھی جتنی اب تمھاری ہے تو انھیں قواعد کرتے ہوئے دیکھا کرتا تھا۔ وہ اہلِ ایتھنز کی طرح تتر بتر نہ ہوئے۔ اور ہمیں مجبور ہو کر انھیں موت کے گھاٹ اتارنا پڑا ___ ان گونگے بدمعاشوں کے جسم لوہے کے معلوم ہوتے تھے۔

اندھیرے میں لنگڑاتے ہوئے چلتے چلتے فیلقوس نے گنگنانا شروع کر دیا۔ پھر نہایت عمدہ یونانی زبان میں کچھ بولنے لگا۔ غور سے سنا تو ڈیماستھنیز کے ایک خطبے کے چند فقرے تھے۔ جو اس نے حفظ کر رکھے تھے یعنی:

> ہماری مرزبوم کے سرچشموں کے پاس، ان دریاؤں کے پاس جو ہماری زمینوں کو سیراب کرتے ہیں، ان پہاڑوں کے پاس جن کی وجہ سے ہمارے گھر بار محفوظ ہیں . . . . .

شہرۂ آفاق خطیب کی ڈھال بھی مل گئی جس پر "بختیار" ثبت تھا۔ لوگوں نے بیان کیا کہ ڈیماستھنیز کے ساتھی بھاگے تو وہ خود بھی اپنے ہتھیار پھینک کر بے بسی کی حالت میں کائی رونیا کی وادی سے بھاگ نکلا۔ بعد میں ایتھنز والوں نے اس سے بہ اصرار درخواست کی کہ عوام کے سامنے کوئی خطبہ دو۔ ڈیماستھنیز نے انکار کر دیا اور کہا کہ جو کچھ کہنا تھا وہ کائی رونیا کہہ چکا ہے اب میرے بولنے کے لیے کون سی گنجائش باقی رہ گئی ہے[1]

[1] یہاں یہ بتا دینا چاہیے کہ عام تاریخی بیان کے مطابق کائی رونیا کے میدان میں فیلقوس کے پاس تیس ہزار پیادے اور دو ہزار سوار تھے۔ سواروں کی سالاری سکندر کے سپرد تھی۔ اس کی عمر اٹھارہ سال کی تھی اور وہ پہلی مرتبہ جنگ میں شریک ہوا تھا۔ اسی کے حملے نے دشمن کی صفوں کو درہم برہم کیا تھا۔ اس میدان میں ایتھنز اور تھیبز کے چھ ہزار آدمی مارے گئے اور مقدونیہ کے دو ہزار۔

کائی رونیا کی تباہی خیز شکست اہلِ ایتھنز کے لیے ایک خوفناک ضرب تھی۔ پھر جب انھوں نے سُنا کہ شاہِ مقدونیا نے تھیبز پر قبضہ کر لیا ہے اور اُس کی حفاظت کے لیے اپنی فوج بٹھا دی ہے تو ہراس سے اُن پر رعشہ طاری ہو گیا۔ اب اُن کی خواہش یہ تھی کہ فیلقوس کو مطمئن کرنے کے لیے ڈیماستھنیز کو اس کے حوالے کر دیں جس کا زورِ خطابت جنگ کی انگیخت کا موجب بنا تھا۔ چنانچہ ڈیماستھنیز بازار میں نکلا تو ہر طرف سے اُس پر آوازے کسے گئے اور اُسے زہریلا سانپ قرار دیا گیا۔ سیاسی خطیبوں نے اکابر کو بتایا کہ ڈیماستھنیز کی تقریروں سے چراغِ مطالعہ کے دھوئیں کی بو آ رہی تھی۔ اِس قسم کے ایک آوازے کے جواب میں ڈیماستھنیز نے کہا کہ میرے چراغِ مطالعہ کا دھواں اتنا بدبودار نہیں جتنا کہ تمھارا ہے۔

لیکن یہ دیکھ کر سب حیران ہو گئے کہ فیلقوس نے ایتھنز کی عظیم الشان جمہوریت سے ایسا کوئی مطالبہ نہ کیا۔ اس شہر کے لیے اُس کے دل میں ناقابلِ بیان احترام موجزن تھا۔ جسے بالاحصار[1] سے زیب و زینت حاصل تھی۔ وہ اِس شہر کا ویسا ہی قدر دان تھا جیسے پہاڑی علاقوں کے رہنے والے دوسرے کم تہذیب یافتہ لوگ قدر شناس تھے۔ اُس نے جا بجا خیر سگالی کے وفود ارسال کر دیے۔ سکندر اور سفا اسٹسن کو ایتھنز بھیجا گیا۔ موقعے سے فائدہ اٹھا کر سکندر نے بڑے شوق سے ایتھنز کے تمام مشہور مقامات دیکھے۔ تعلیم یافتہ لوگوں کے ہجوم میں جانے کا یہ پہلا اتفاق تھا۔ چنانچہ اس نے اریوپیگس[2] کی قدیم پہاڑی دیکھی۔ ٹھنڈی راتوں میں ڈیونی سوس[3] کے تھیئٹر میں نشست گاہوں کی مرمریں قطار کے سامنے بیٹھا جن کے بازو بڑے خوبصورت بنے ہوئے تھے مشعلوں کی روشنی سے منور باغوں میں خوش مذاق طوائفوں کے ساتھ سیاسیات پر گفتگو کی، جنھیں بحری تجارت کے متعلق ہر قسم کی معلومات نوکِ زباں تھی۔ سوفسطائیوں کے مہذب خیالات سے استفادہ کیا۔ مصرِ قدیم کی عجیب و غریب کہانیاں سُنیں، ما

---

[1] بالاحصار سے مراد اکروپولس (ACROPOLIS) ہے جو ایتھنز کا نہایت خوبصورت مقام تھا۔

[2] AREDPAGUS ایتھنز کے پاس ایک پہاڑی جس پر بیٹھ کر اکابر باہم مشورہ کیا کرتے تھے۔

[3] DIONYSOS پہلے بتایا جا چکا ہے کہ یہ اسی دیوتا کا یونانی نام تھا جسے رومن باخوس BACCHUS کہتے تھے۔

جہاں ابوالہول[1] کی زبان پر پیش گوئیاں جاری رہتی تھیں۔

مقدونوی نوجوان یعنی سکندر نے لی سیم[2] میں افلاطون کے شاگردوں سے بھی چلتے پھرتے بات چیت کی۔ لی سیم کا نام لائی کوس[3] کے نام پر رکھا گیا تھا۔ جو بھیڑیا تھا۔ اس موقع پر سفلاسشن نے خوش طبعی کے انداز میں سکندر سے کہا۔ دیکھیے یہاں انسانی ارتقا کا پورا نقشہ کھلا پڑا ہے بھیڑیے نے ہیرو کی شکل اختیار کی، ہیرو فلسفی بن گیا۔ کچھ نہیں کہا جا سکتا کہ ارتقا کی اگلی منزل کیا ہو گی۔

پھر سکندر پارتھی نان[4] کے نیچے پہاڑی پر شہری کونسل کے ممبروں کے پاس بیٹھا تو سفلاسشن اُن مدبروں کی بات چیت سے بالکل متاثر نہ ہوا۔ اُس نے کہا: "یہ لوگ اپنے گزارے کے لیے خزانۂ عامہ سے خیرات وصول کرتے ہیں اور یہاں دن بھر بیٹھے بحثیں کرتے رہتے ہیں کہ اپنے متعلق انھیں کیا کرنا چاہیے۔" لیکن یقین ہے سکندر کو اپنے درشت خو اتالیق ارسطو کا یہ قول یاد آ گیا ہو گا کہ اہلِ اتھینز مثالی نظامِ حکومت کی تلاش میں حقیقت سے بہت دور جا پڑے ہیں اور وہ بے سروپا خیالات میں گم ہو گئے ہیں۔

سکندر اُن سفید ریش بزرگوں سے بھی ملا جو سفوکلیز[5] سے ہنسی مذاق کر چکے تھے اور جنھوں نے یوری پائیڈیز کے ڈرامے نمائش کی پہلی رات میں دیکھے تھے مثلاً "ٹروئیاڈیز"[6] اس ڈرامے میں عورتوں اور قوّام مردوں کی کہانی ڈرامے کی شکل میں پیش کی گئی تھی۔ لااُبالی ارسٹوفینیز نے اپنے

---

[1] سفنکس (SPHINX) دو تھیں۔ ایک تھیبز کی اور دوسری مصر کی۔ تھیبز کی سفنکس ایک دیوی تھی جس کا سر شیر کا تھا اور بدن عورت کا۔ مشہور ہے کہ اُس نے ایک پہیلی تیار کر رکھی تھی۔ ہر ایک سے پہیلی بجھواتی جو صحیح جواب نہ دے سکتا اُسے مار ڈالتی۔ مصری سفنکس کا سر آدمی کا تھا اور بدن شیر کا۔ یہ اب تک موجود ہے اور عرب اسے ابوالہول کہتے ہیں۔

[2] LYCEUM اتھینز سے باہر ایک مندر کے پاس درختوں کا جھنڈ تھا جہاں ارسطو اور دوسرے تلامذۂ افلاطون درس دیا کرتے تھے۔

[3] LYKOS

[4] PARTHENOM اتھینز کا مشہور مندر جو بالا حصار میں واقع تھا یونانیوں نے غالباً اس سے زیادہ خوبصورت کوئی نہ بنائی۔

[5] SOPHOCLES اتھینز کا مشہور ڈرامہ نگار ۴۹۶ ق م میں پیدا ہوا۔ ۴۰۶ ق م میں وفات پائی۔

[6] TROIADES

ڈرامے کی سیسٹریٹا[1] میں فوراً اُس کا خاکہ اڑایا تھا۔ واقعہ یہ ہے کہ ایتھنز کی عورتیں اپنے خیالات میں مردوں سے زیادہ تجدد پسند تھیں۔ وہ بات بات میں دوسروں کے حکیمانہ اقوال پیش کرتی رہتیں، مثلاً ایک نے کہا صاحب میں دیکھتی ہوں کہ دیوتاؤں نے مجھے اس درجہ دولت مند بنا دیا ہے تو پھر مجھے اُن کی مصلحتوں سے تعرض کی کیا ضرورت ہے۔

یہ تعلیم یافتہ عورتیں بڑی خوش گوار بلکہ اعلیٰ رفیق تھیں، وہ اپنی خوشیوں کو غیر مہذب مقدر دیوں سے چھپاتیں کیونکہ ان پر آشکارا ہو چکا تھا۔ کہ یہ پہاڑی لوگ اگرچہ زیادہ دولت مند نہیں لیکن یونان میں سب سے بڑھ کر بااثر بن رہے ہیں۔

سکندر کو بچے کہیں کھیلتے ہوئے نظر نہ آئے۔ ہفاسشن نے اس کا سبب یہ بتایا، کہ اہل ایتھنز پسند نہیں کرتے ان کے بچے ادھر اُدھر دوڑتے پھریں، روٹی کے لیے بھیک مانگیں اور ہر آنے والے کو "ابا جان" کہہ کر پکاریں۔ لوگ کثرت اولاد کے خواہاں بھی نہیں اور اسقاط پر کاربند ہیں جو حال ہی کی ایجاد ہے۔ یہ طرزِ عمل اچھا ہو یا بُرا لیکن اس سے آبادی بڑھنے نہیں پاتی ہماری عورتوں کا معاملہ دوسرا ہے وہ میانے اور ڈولیاں استعمال کرتی ہیں۔ آپ نے تھائیس[2] نام لڑکی دیکھی اُسے بچہ پیدا ہونے کا خیال کیسے آسکتا ہے؟ وہ تو خود بچہ ہے۔

ہفاسشن کو طوائفوں کے اثر و رسوخ میں کوئی مضائقہ محسوس نہ ہوتا۔ وہ کہتا تھا کہ دیکھیے میں نے بھی اپنا جسم بیچ ڈالا ہے۔ لیکن کیا حاصل کیا؟ سخت ضربیں لگاتا ہوں اور ویسے ہی ضربیں کھاتا ہوں۔ یہ طوائفیں بھی اپنے جسم بیچتی ہیں، اور لوگوں کے لیے تعلیم کے مواقع بہم پہنچاتی ہیں۔

ایتھنز بعض اور خصوصیتوں میں بھی پیلا سے مختلف تھا۔ وہاں دولت کی ریل پیل تھی۔ محاصل بھی بہت زیادہ وصول کیے جاتے تھے۔ محکوم جزیروں سے خراج بھی وصول ہوتا تھا اور بحری تجارت بھی خوب عروج پر تھی۔ دولت کی فراوانی ہی کے باعث شہر کی سڑکیں اور بازار کشادہ اور سایہ دار تھے اور بڑی بڑی پبلک عمارتیں بن گئی تھیں۔ دوکانوں کے سامنے ہر وقت چاندی کے

---

[1] LYSISTRATA

[2] THAIS مشہور یونانی طوائف کہا جاتا ہے کہ اُس نے سکندر سے تعلق پیدا کر لیا تھا۔ بالآخر بطلیموس سے شادی کر لی اور اس رشتے کی بدولت مصر کی ملکہ بن گئی۔

سکوں کی جھنکار سنی جاتی تھی۔ سپلا کے مقابلے میں یہاں چیزوں کی قیمتیں بہت گراں تھیں۔ بندرگاہ میں تجارتی جہاز کھڑے تھے جن پر سے غلہ اتارا جا رہا تھا۔ یہ غلہ بحیرہ اسود کی بندرگاہوں سے آتا تھا۔ دور افتادہ جزیروں سے مختلف چیزیں آتی تھیں۔ مثلاً سیاہ فام اور سفید فام غلام نیز مختلف قسم کی دھاتیں اور لکڑی۔ جو عمارتیں ساحلِ بحر پر واقع تھیں اُن میں سے شراب کی تیز بُو اُڑتی رہتی تھی۔ ارسطو نے سکندر کو سکھا دیا تھا کہ جب کوئی نیا منظر دیکھو تو اس کے اسباب پر غور کرو چنانچہ سکندر نے بھی بہت جلد معلوم کر لیا کہ دولت کی ریل پیل ہر لحظہ بڑھتی ہوئی قیمتوں کا نتیجہ ہے۔ مال اسباب کے نرخ اونچے ہو رہے ہیں۔ مزدوری ارزاں ہے۔ اس کی وجہ یہ ہے کہ سپاہیوں کی بہت بڑی تعداد بیروزگار پھر رہی ہے اور باہر سے غلام بکثرت پہنچ رہے ہیں۔ نیز ایتھنز اپنی نئی صنعتوں کے لیے مشرقی جانب کے دور افتادہ جزیروں سے اور ساحلِ ایشیا سے خام مال لا رہا ہے۔ دولت کی ریل پیل ہی نے خانہ جنگی کے دور سے تین نسل بعد ایتھنز میں امراء کا نیا گروہ پیدا کر دیا۔

بازار آدمیوں سے بھرے رہتے تھے لیکن سکندر کو ہر بازار سے ایتھنیا دیوی کا عظیم الشان مجسمہ صاف نظر آ رہا تھا جو سونے اور ہاتھی دانت سے بنایا گیا تھا اور نیل گوں آسمان کے نیچے اُس کا نظارہ بہت دلکش معلوم ہوتا تھا۔ اس کے مقابلے میں وہ اپنے شہر کی قربان گاہ میں دیوتاؤں کے چھوٹے چھوٹے بتوں کا تصور کرتا تو اُسے بڑی شرم محسوس ہوتی۔ ایتھنز میں اُسے بہت سے آدمی ملے۔ جو السوکریٹیز[1] سے گفتگوئیں کر چکے تھے۔ وہ سو سال کی عمر پاکر پچھلے ہی سال فوت ہوا تھا۔ اُس نے بھی ڈیماستھنیز کی طرح اپنی عمر ایک مثالی جمہوری نظام کی تلاش میں بسر کر دی تھی۔ لیکن ڈیماستھنیز کے برعکس اُس کا عقیدہ یہ تھا کہ یونان کی شہری ریاستوں پر زوال و انحطاط کا دور طاری ہو چکا ہے۔

اہلِ ایتھنز السوکریٹیز کی رائے سے اختلاف کرتے ہوئے کہتے: بھلا ہم زوال کے کیوں کر قائل ہو جائیں جب اعداد و شمار سے ظاہر ہے کہ ایتھنز کی تجارت اتنی وسیع کبھی نہ ہوئی تھی جتنی

---

[1] ISOCRATES یونانی خطیب اور فلسفی سقراط کا شاگرد تھا ۴۳۶ ق م پیدا ہوا اور سو سال کی عمر میں وفات پائی۔ اس نے ایتھنز میں خطابت کی تعلیم کے لیے ایک درس گاہ بھی قائم کی تھی۔

اب ہے۔ اتنی نوآبادیاں بھی اس کے پاس کبھی نہ تھیں۔ البتہ ان کی بندرگاہوں کی تجارت ہاتھ سے نکل چکی ہے جن پر اہلِ مقدونیہ نے قبضہ جما لیا ہے۔ آبادی کے اعداد، چاندی کے محفوظ انبار، سکولوں اور شہری عمارتوں کا شمار غرض ہر شے الیسوکریٹیز کے خیال کی تردید کر رہی ہے وہ کہتے کہ الیسوکریٹیز کے ذہن میں اُس عہد کا نقشہ جما ہوا تھا جب ہمارے بہت سے آدمی کھیتی باڑی کرتے تھے اور موجودہ دور کی صنعت و حرفت نے چنداں ترقی نہ کی تھی۔ بس اُسی نقشے کی بنا پر بڑھاپے میں زوال و انحطاط کا حکم لگاتا رہا۔ سپارٹا، ایتھنز، آرگوس، ڈلفی، کارنتھ اور تھیبز، ان سب کے درمیان پہلے اقتدارِ اعلیٰ کے لیے پھر تجارت کے لیے کشمکش جاری رہی اب اِن تمام ریاستوں میں دولتمندوں اور مزدوروں کے درمیان تنازعات شروع ہو چکے ہیں الیسوکریٹیز کا دعویٰ اسی دلیل پر مبنی تھا۔ کہا جاتا ہے کہ اُس نے کائی رونیا میں شکست کی خبر سنی تو اتنا صدمہ ہوا کہ کھانا پینا چھوڑ دیا اور طبعی موت نہیں مرا بلکہ خودکشی کی۔

اِس بوڑھے فلسفی نے شہری ریاستوں کو اس بنا پر مجرم قرار دیا تھا کہ جنگ سلیمس پر ایک صدی سے بھی زیادہ مدت گزر چکی تو انھوں نے ایرانی قوت کے سامنے جھکنا قبول کر لیا۔ وہ کہتا تھا کہ ایرانیوں کے تدبر اور دولت نے وہ فتح حاصل کی جو ان کے بیڑے اور فوجیں سلیمس اور پلاٹیا میں حاصل نہ کر سکے۔ طاقت ور ایرانیوں نے سپارٹا کو ترغیب دے کر باہمی امداد کے معاہدے پر دستخط حاصل کر لیے۔ یونانیوں نے ایشیا میں جو نوآبادیاں قائم کی تھیں وہ بھی ایرانی سلطنت کے زیرِ اقتدار چلی گئیں۔ ایرانی بیڑے سمندروں پر چھائے ہوئے ہیں۔ اور ایرانی زر و مال ایتھنز کی مجلسِ منتظمہ کے انتخابات میں بھی استعمال ہوتا ہے۔ وہ کہتا تھا کہ اِن حالات میں یونانی شہری ریاستیں اُس وقت تک زندہ نہیں رہ سکتیں جب تک متحد ہو کر ایشیائی سلطنت کے سنہری جوئے سے آزادی حاصل نہ کر لیں۔ ان کا فرض ہے کہ ایران کے خلاف کھلم کھلا جنگ کریں۔ اپنی فوجیں سمندر میں سے گزار کر ایشیا پہنچیں اور اپنی نوآبادیوں کو آزاد کرائیں۔ اگر یونانی اپنی جمہوریتوں کو محفوظ رکھنا چاہتے ہیں اور اپنی قدیم میراث حاصل کرنے کے خواہاں ہیں تو اس کی صورت یہی ہے اس کے سوا کوئی نہیں۔

الیسوکریٹیز کو اس حقیقت کے اعتراف میں تامل نہ تھا کہ ممکن ہے ایشیائی جنگ کے لیے

اتحاد کے سلسلے میں فیلقوس شاہِ مقدونیہ کی سرداری قبول کر لینا ناگزیر ہو جائے۔ اُسے یونانیوں سے بہت قریبی تعلق ہے اور تنہا وہی ہے جو ایسی جنگ کا نظم و نسق سنبھال سکتا ہے۔ الیسوکریٹیز کی یہ رائے اہلِ ایتھنز کو خوب یاد تھی۔ کائی رونیا کی جنگ کے بعد فیلقوس نے تھیبز پر قبضہ کر لیا تھا لیکن ایتھنز کا اقتدار بحال رکھا۔ اِس خوشی میں انھوں نے فیلقوس کو ایتھنز کا شہری قرار دے دیا تھا۔ وہ الیسوکریٹیز کے تمام انتباہات بھول گئے، صرف یہ آخری مشورہ یاد رکھا کہ فیلقوس کی سرداری منظور کر لی جائے چنانچہ جب خوفناک مقدونوی فوج کی جگہ سکندر اور اس کے رفیق ایتھنز پہنچے تو اہلِ شہر نے فیلقوس کے ہونہار بیٹے کی خوب آؤ بھگت کی۔ صرف ڈیماستھنیز کے دوست کہتے تھے کہ بھیڑیے کا بچہ بھی بہر حال بھیڑیا ہی ہوتا ہے۔

فیلقوس نے جنگ کائی رونیا کے بعد اپنے بیٹے کو خیر سگالی کا قاصد بنا کر بھیجا تو یہ تدبّر کا حیرت انگیز کارنامہ تھا۔ اُسے اپنے جاسوسوں کے ذریعے سے معلوم ہو چکا تھا کہ حریف شہروں کو ابھی تک اپنے اعمال کا جائزہ لینے کا وقت نہیں مل سکا۔ اُس نے فوراً کارنتھ میں ایک مجلسِ شوریٰ کے انعقاد کا اعلان کر دیا اور تمام یونان کے شہروں کو نمائندے بھیجنے کی دعوت دے دی۔ اس مجلس میں جو مسائل پیش کیے فیلقوس نے انھیں توجہ سے سنا اور ہر ایک مسئلے کا حل بتا دیا۔ اُن میں اتحاد و اتفاق ناپید تھا۔ فیلقوس نے سپارٹا کو چھوڑ کر تمام شہروں کی ایک جمعیت بنا دی جس کا نام "جمعیت متحدہ یونان" رکھا گیا۔ اس جمعیت کی ایک مجلسِ منتظمہ قائم کر دی گئی۔ فیلقوس نے اعلان کر دیا کہ دورانِ جنگ کے سوا میں مجلسِ منتظمہ کے کسی بھی کام میں دخل نہ دوں گا۔ ہر شہری ریاست کے نظامِ حکومت اُس کی نجی جائدادوں اور حقوق کی حفاظت کا اقرار کر لیا۔ کسی شہر پر خراج کی بھی کوئی رقم عائد نہ کی۔ بلکہ یہ بھی کہہ دیا کہ اگر ریاستوں کے درمیان کوئی خطرناک اختلاف پیدا ہو جائے تو اُسے میرے پاس لانے کی ضرورت نہیں اُس کے متعلق مذہبی کونسل کو فیصلے کی مجاز تسلیم کر لیا جائے۔

فیلقوس نے الیسوکریٹیز کا نقشۂ عمل بھی منظور کر لیا۔ اُس نے کہا کہ میں متحدہ یونانی فوج ساتھ لے کر ایرانیوں سے جنگ کروں گا۔ سمندروں کو ان کے قبضے سے نکالوں گا۔ یونانی نوآبادیوں کو آزادی دلاؤں گا اور یونان کے حقیقی جاہ و جلال کو بحال کر دوں گا۔ میں مقدونیہ

کے بادشاہ کی حیثیت میں نہیں، بلکہ یونانیوں کے سپہ سالار کی حیثیت میں کام کروں گا۔ میں ہر شہر کو دعوت دوں گا کہ وہ رضاکار پیادہ فوج بھیج دے۔ صرف سپارٹا کو مستثنیٰ رکھنا ضروری ہے اس لیے کہ اُس نے ایرانیوں سے حلیفی کا عہد نامہ کر لیا ہے۔ اہلِ سپارٹا نے خود بھی نئی "جمعیتِ متحدہ یونان" میں شامل ہونے سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہمیں ہمیشہ سرداری کا منصب حاصل رہا ہے اور ہم کسی غیر کی سرداری قبول نہیں کر سکتے۔

تمام یونانی نمائندوں نے اس بنا پر فلیقوس کا نقشۂ عمل منظور کر لیا کہ انھیں فاتح کو کچھ دینا نہ پڑا تھا۔ اُن کا کوئی نقصان بھی نہ تھا البتہ وقار و اقتدار حاصل کر لینے کے امکانات موجود تھے اور یونان کی عظمت بحال ہوتی تھی۔ سکندر بھی کارنتھ کی مجلس میں شریک تھا۔ اُس نے اپنی آنکھوں سے دیکھا کہ اُس کے باپ کو یونان کا نجات دہندہ اور وقت کا سب سے بڑا مدبر قرار دیا گیا۔ کارنتھ کی مجلس کا فیصلہ ڈیماستھنیز نے سُنا تو وہ خود بخود شہر چھوڑ کر جلا وطنی کے لیے تیار ہو گیا۔ اُس نے کہا میں سب کچھ برداشت کر سکتا ہوں لیکن یونانی جمہوریت کے خاتمے کا شاہد نہیں بن سکتا۔

فلیقوس نے غور و مشورہ کے بعد ہر شہر کے حصّہ کی فوج مقرر کر دی اور اعلان کیا کہ میں آئندہ سال درِ دانیال کی طرف پیش قدمی کروں گا اور ہر شہر کی فوج کو شاہراہِ عام پر آکر میرے ساتھ شامل ہو جانا چاہیے۔ اُس نے اپنے افسرِ خاص پارمینیو کو ابتدائی فوج دے کر آگے بھیج دیا تاکہ آبنائے کے ایشیائی ساحل پر قدم گاہ کا بندوبست کرے۔ سکندر کو اُس نے اپنے پاس رکھا تاکہ وہ تدبیر گزاریوں سے آگاہ رہے اور اپنے ضعیف العقل بیٹے اریڈایس کو بھی ساتھ کر دیا تاکہ اُس کی شادی ایشیائی ساحل پر بسنے والے ایک معمولی امیر کی بیٹی سے کر دی جائے۔ اب فلیقوس بالکل مطمئن ہو گیا اِس لئے کہ کائی رونیا میں جو جانیں تلف ہوئی تھیں اُن کی تلافی گفت و شنید کے ذریعے سے کارنتھ میں ہو گئی تھی۔ جو یونانی وہاں جمع ہوئے تھے انھیں ہم خیال بنا لینا بدرجہا بڑی کامیابی کا مرقع تھا۔ اِس طرح مقدونیہ کی سلطنت کا پایہ پوری طرح استوار ہو چکا تھا۔ الہامی دوراندیشی سے یہ سب کچھ انجام دے لینے کے بعد فلیقوس پیلا پہنچا اور عیش و راحت میں مصروف ہو گیا۔ اہلِ مقدونیہ کو بھی اُس نے جشن منانے کی اجازت دے دی۔

کامیابی و فیروزمندی کی اِس ساعتِ عروج میں اُسے موت کے گھاٹ اتار دیا گیا۔ اُس وقت لوگوں کو پیتھیا کی کاہنہ کی یہ پیشین گوئی یاد آئی کہ کانی رو دینا کے میدان میں مفتوح رہ جائیں گے اور فاتح مارا جائے گا۔

اولمپیاس کو جب یہ اطلاع مل گئی کہ ملکہ نہیں رہی تو وہ اپنے ذاتی نوکروں کو ساتھ لے کر ایک الگ مکان میں چلی گئی جو قبرستان کے نزدیک واقع تھا۔ مقصد یہ تھا کہ فلیقوس اور اس کی نئی بیوی سے ملنے کا کوئی موقع نہ آئے۔ وہاں پہنچتے ہی اُس نے تمام ریشمی لباس اتار دیے اور ایک سیاہ بالاپوش پہن لیا۔ ہر وقت اُون کاتتی رہتی اور گھٹنوں اپنے چرخے کے سامنے چپ چاپ بیٹھی رہتی۔ باہر نکلتی تو پردہ دار میانے میں نکلتی تاکہ پیلا کے بازاروں میں کوئی اُس کا چہرہ نہ دیکھ سکے اگرچہ میانے کو دیکھتے ہی ہر شخص کی توجہ اُس کی طرف ہو جاتی۔ لوگ اِس بات پر بڑے حیران ہوتے تھے کہ اپی رس کی جس شاہزادی نے ملکہ ہونے کی حیثیت میں الگ تھلگ رہنا قبول نہ کیا وہ طلاق پاتے ہی کیوں کر نقاب پوش بن گئی۔ ٹہلنے کے لیے نکلتی تو صرف رات کے وقت اور صرف قبرستان میں ٹہلتی۔ جب رات کی تاریکی ہر طرف خوب چھا جاتی اور اپنے مکان کی کھڑکی میں بیٹھ کر وہ باہر کی طرف دیکھتی تو نظر آتا کہ ہر جانب سے لوگوں کا ہجوم پیلا پہنچ رہا ہے۔ مثلاً سور[1] یا قرطاجنہ[2] کے تاجر جنگی سامان لے کر آتے، بربری قبائل اپنے سفیر بھیجتے، یونانی طوائفیں اور کارندے بھی بکثرت آتے۔ غرض ایک سال کے اندر اندر فلیقوس کا دربار پورے یونان کا مرکز بن گیا۔ اولمپیاس اپنے ابتدائی دَور میں ایسی ہی فتح و کامرانی کا تصور کیا کرتی تھی۔ اپنے بیٹے کے سامنے اُس نے گردشِ دوراں کی کبھی شکایت نہ کی، زیادہ سے زیادہ کہا تو یہ کہ تقدیر جن لوگوں کو کامیابی کی سربلندی عطا کرتی ہے اُنھیں نیچے بھی گرا دیتی ہے۔ اب سکندر کے سوا اس کی امید گاہ کوئی نہ تھی۔ اُسے خوف تھا تو یہ کہ فلیقوس شراب پی کر جو سختیاں کیا کرتا تھا اُن سے سکندر کو محفوظ رکھنے کے لیے خود کچھ نہ کر سکتی تھی۔ اُون کاتتے ہوئے سکندر سے کہتی جب تم میرے بطن میں تھے تو میں نے ایک بڑے دیوتا کے سامنے حلف اٹھایا تھا کہ تمھاری حفاظت کا فرض کبھی فراموش نہ کروں گی۔

---

[1] TYRE شام کا مشہور ساحلی مقام جو آج کل بیروت میں شامل ہے۔

[2] CARTHAGE فنیقیوں کا مشہور مرکز جس کے کھنڈر اب تک شمالی افریقہ میں ٹیونس کے پاس موجود ہیں

نئی ملکہ قلوپطرا کے رشتے داروں کا طرزِ عمل بہت گستاخانہ ہو گیا تھا۔ وہ بار بار سکندر کو سمجھاتی کہ ان لوگوں سے بچے رہنا۔ سنا جاتا تھا کہ قلوپطرا کو بچہ ہونے والا ہے۔ وہ سمجھتی کہ اُسی کا خاندان پیلا کا مالک و مختار بن جائے گا۔ سکندر کو اپنی جوشیلی ماں کی یہ نرمی بڑی ہی عجیب معلوم ہوتی۔ وہ ہمیشہ کہتی مجھے تمھاری جان کا خوف ہے۔

سکندر نے دیکھا کہ فلیقوس پہلے شیر کے تاج والے بنچ پر جشنوں میں اکیلا بیٹھتا تھا اب وہ قلوپطرا کے چچا اطالوس کو پاس بٹھا لیتا۔ اطالوس شراب سے بدمست ہو جانے کے بعد یاوہ گوئی پر اتر آتا فیلقوس کی یہ حالت تھی کہ شراب کی بدمستی میں بھی کسی کو اندازہ نہ ہوتا اُس نے پی رکھی ہے۔ اطالوس ہمیشہ تلخ کلامی سے سکندر کو آزردہ کر دیتا۔ فیلقوس سب کچھ چپ چاپ سنتا رہتا۔ اطالوس کو یہ بات بالکل پسند نہ تھی کہ سکندر شراب پینے سے احتراز کرتا۔ وہ کہتا کہ تم بڑے دیوتا زیوس کے سامنے قربانی کے لیے جاتے ہو تو شراب انڈیلنے میں تمھیں تامل نہیں ہوتا۔ خود پینے سے کیوں انکاری ہو؟ ایک شب اُس نے اپنا بھرا ہوا ساغر اٹھاتے وقت کہا "کاش! قلوپطرا فلیقوس کے لیے ایک بیٹا جنے جو گدی کا جائز وارث ہو گا۔

یہ سنتے ہی سکندر کی آنکھوں میں خون اتر آیا۔ اُسے ایسا معلوم ہوا کہ اطالوس بر ایں ریش و فش اُس کا مذاق اڑا رہا ہے۔ شراب کا جو پیالہ اُس کے سامنے بھرا ہوا تھا وہ اُٹھا کر اطالوس پر مارا۔ اور ادھر اُدھر ہتھیار تلاش کرنے لگا۔ ساتھ ہی زوردار الفاظ میں گرجا "تم مجھے ناجائز اولاد قرار دیتے ہو؟" ہتھیار کوئی نہ ملا۔ سکندر میز پر چڑھ گیا اور اطالوس پر لپکا۔ دفعتہً فلیقوس نے اپنے محافظ سپاہی سے تلوار لے لی اور اپنے بیٹے کو روک دیا۔ اس افراتفری میں وہ بہ حالتِ مدہوشی پتھر کے فرش پر گر گیا۔ سکندر غصے سے کانپ رہا تھا۔ اُس نے باپ کو بیچارگی کی حالت میں گرا ہوا دیکھا تو اُسے پھاندتا ہوا دروازے کی طرف بڑھا۔ ساتھ ہی حاضرین سے مخاطب ہو کر اُس نے کہا "تم یہ امید لگائے بیٹھے ہو کہ یہ شخص قائد بن کر تمھیں ایشیا لے جائے گا جو ایک نشست گاہ سے اُٹھ کر دوسری نشست گاہ تک نہیں جا سکتا؟" سب کے منہ حیرت سے کھلے ہوئے تھے۔ اُس کا باپ آہستہ آہستہ اُٹھنے کی کوشش کر رہا تھا۔ سکندر ہال سے باہر نکل گیا۔ اور بازاروں میں سے ہوتا ہوا اپنی ماں کے پاس پہنچا۔ وہ معمول کے مطابق چرخہ کات رہی تھی۔

سکندر نے ایک گھنٹے کے اندر اندر سفر کی تیاری کر لی، ماں کو ایک خادمہ کے ساتھ گاڑی میں بٹھایا خود اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ہو کر اُس کے ساتھ چلا اور ایپی رس کے جنگل کا راستہ لے لیا۔

ماں کو پرانے خاندانی مکان میں ٹھہرا کر وہ شمالی سمت کے پہاڑوں میں چلا گیا۔ اُسے یقین تھا کہ اولمپیاس سے الگ رہ کر وہ پیلا کے واقعۂ شبینہ کو فراموش کر سکے گا۔ اولمپیاس تو جو بات سُن لیتی تھی اُس کے پیچھے پڑ جاتی تھی۔ وہ اہلِ مقدونیہ سے دُو دُو ہونے کا خواہاں نہ تھا اس اثنا میں پیلا سے قاصد پہنچ گئے جنھوں نے باپ کا خط اُس کے حوالے کیا۔ فیلقوس نے اُس خط میں لکھا تھا: "یونانی مشیر مجھ سے پوچھ رہے ہیں کہ جب تم اپنے گھر کے لوگوں کو اکٹھا نہیں رکھ سکتے تو نئی جمعیت متحدۂ یونان کے فرائض سے کیوں کر عہدہ برآ ہو سکو گے؟ میں چاہتا ہوں کہ میرا بیٹا سکندر واپس آجائے اور فوج میں اپنا عہدہ سنبھال لے۔"

سکندر نے اس امر کا تذکرہ اپنی ماں سے کیا تو اُس نے بھی جانے پر کوئی اعتراض نہ کیا۔ یہ حالت دیکھ کر سکندر کو بڑی حیرت ہوئی۔ حقیقت یہ ہے اولمپیاس کو فیلقوس کے خطابے بھروسا نہ تھا۔ وہ کہتی تھی کہ جس شخص کو اس کے سپاہی روباہ صفت بتاتے ہیں وہ سب سے بڑھ کر خطرناک اُس وقت ہوتا ہے جب اپنی روش کو حد درجہ دوستانہ بنا لیتا ہے لیکن ساتھ ہی کہتی تھی کہ بیٹا تمھیں اپنے دشمنوں کا مقابلہ کرنا چاہیے۔ مجھے یقین ہے کہ آسمانی طاقتیں تمھاری محافظ ہیں جس طرح وہ ایکی لیز کی محافظ تھیں، وہ ہر خطرے سے تمھیں بچائیں گی۔ تم اُن طاقتوں پر بھروسا رکھو جو انسانوں کی آنکھوں سے اوجھل ہیں۔

سکندر پیلا پہنچا تو فیلقوس نے اس انداز میں اُس کا استقبال کیا گویا کوئی خاص واقعہ پیش بھی نہ آیا تھا۔ فوراً اُس کے ساتھ منجنیقوں کو ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچانے کے لیے گاڑیاں تیار کرانے کے متعلق بات چیت شروع کر دی جو دیادس نے ایشیائی مہموں کے لیے تیار کی تھیں۔ اولمپیاس کی رائے تھی کہ یہ جنگی سرگرمیاں محض ایک فریب ہیں فیلقوس کی عادت ہے کہ وہ جس امر پر کھلم کھلا بحث کرتا رہتا ہے ہمیشہ اُس کے خلاف عمل پیرا ہوتا ہے۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ یونان میں ابھی تک پوری طرح اطمینان بخش حالت پیدا نہ ہوئی تھی۔ پھر وہ اسے چھوڑ کر

ایشیا جانے کے لیے کیوں تیار ہو گیا؟ میں سمجھتی ہوں کہ اِس بہانے سے وہ سکندر کو الگ کرنا چاہتا ہے یعنی اُس کی خواہش ہے کہ سکندر منجنیقوں کو لے کر پار مینیو کے پاس چلا جائے۔ فلیقوس اُسے کم از کم اُس وقت تک ضرور دور رکھنا چاہتا ہے جب تک معلوم نہ ہو جائے کہ قلوپطرا کے بطن سے بیٹا پیدا ہوتا ہے کہ بیٹی۔

بطلیموس کے دل میں بھی تشویش پیدا ہوئی۔ اُس نے سکندر سے کہا کہ دیکھو بھائی تمہارے ضعیف العقل سوتیلے بھائی کی شادی سرزمینِ مشرق کے ایک حاکم کے گھر ہو رہی ہے تمہاری سوتیلی بہن کی نسبت یہاں ایک شہزادے سے ٹھہر گئی ہے لیکن تمہاری شادی کے متعلق فلیقوس کو کوئی خیال نہیں۔ تمھیں صرف اِس لیے پاس رکھنے پر مجبور ہے کہ عام لوگ اور سپاہی جنگ کائی رونیا کے بعد سے تمھیں بہت پسند کرنے لگے ہیں۔ تمہاری ہی وجہ سے انھیں فتح کی خوش نصیبی حاصل ہوئی تھی۔

سکندر کے دل میں بھی اِس بات سے تشویش پیدا ہو گئی اگرچہ وہ اِس کی مصلحت کو نہ سمجھتا تھا۔ پھر اُسے یہ بھی خیال تھا کہ اُس کی ماں کوئی خوفناک حرکت نہ کر بیٹھے۔ لہٰذا اُس نے خود خفیہ ساز باز کر کے اپنے ایک ساتھی کو بھیج دیا کہ اریدا ئیس کی جگہ مشرقی گورنر کی بیٹی سے شادی کر لے۔ اُسے یہ بھی محسوس ہو رہا تھا کہ فلیقوس نہ اُسے باہر بھیجے گا اور نہ اُس کی خفیہ تدبیر کو معاف کرے گا، لیکن اپنے مشیروں کی رائے پر عمل پیرا ہو کر اُسے فی الجملہ اطمینان ہو گیا۔

لیکن اُس کے ساتھی کی واپسی سے پیشتر سازش کا راز فلیقوس پر آشکارا ہو گیا۔

وہ ایک روز لنگڑاتا ہوا سکندر کے کمرے میں پہنچا۔ فیلوٹس اُس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ چپ چاپ بیٹھ گیا اور اپنے سر پر ہاتھ پھیرنے لگا۔ فیلوٹس دروازے پر کھڑا ہو گیا۔ گویا پہلے ہی سے اُسے پہرہ داری کے لیے حکم مل چکا تھا۔ اُس وقت فلیقوس پر شراب کا کوئی اثر نہ تھا۔ بلکہ تکان کی کیفیت طاری تھی۔ اُس نے ایک نظر کتابوں پر ڈالی، رات کو روشن ہونے والے چراغ دیکھے سامنے بعض نامکمل نقشے پڑے تھے۔ آخر فلیقوس نے کہا: بابا تم یہ بچپن کی باتیں کب چھوڑو گے؟ دوسرے لوگوں کی تحریروں اور یاوہ گوئیوں سے اپنے دماغ کو بھر لینا کہاں کی عقلمندی ہے؟ جب کسی آدمی کے پاؤں کی چاپ سنتے ہو یا کسی کو شراب کا گھونٹ پیتے دیکھتے ہو تو بکھرے

کی طرح مِنہنانے لگتے ہو۔ (پھر بڑے ملائم انداز میں کہا) دوزخ کے لینڈی کتوں کی قسم، کاش میں تمھارے لیے اتالیق مقرر نہ کرتا، لیکن اب کیا ہو سکتا ہے؟ سُکونیا ارہی ڈیس میرے لیے ایک ناقابلِ حل مسئلہ بن گیا تھا۔ میں چاہتا تھا کہیں دُور اُس کی شادی کر دوں۔ تم کسی روز پارمینیو کے ساتھ فوج کی کمان کرو گے۔ میری آرزو تھی کہ تم مسائل کو سمجھنے اور لوگوں پر قابو پانے کے قابل ہو جاؤ۔ یہ باتیں آرفیس کی طرح شیریں گیت گانے یا ریاضی کے چکروں میں پڑے رہنے سے حاصل نہیں ہو سکتیں۔ یہ بھی ممکن نہیں اس انتظار میں بیٹھے رہو کہ کوئی دیوتا یکایک اسٹیج پر آ کر تمھارا مددگار بن جائے گا جیسا کہ المیہ ڈراموں میں ہوتا ہے ——"

سکندر بالکل خاموش بیٹھا تھا۔ فیلقوس کو ایسا معلوم ہوا گویا وہ ایک ضدی طالبِ علم کو لیکچر پلا رہا ہے۔ وہ اس کے دل میں اُتر جانا چاہتا تھا لیکن بڑے بھونڈے انداز میں بولا:

"اب فکرمندی سے کیا حاصل ہو سکتا ہے؟ میرے جسم کے چپے چپے پر زخم لگے ہوئے ہیں۔ میں ان کا عادی ہو چکا ہوں۔"

بس یہ کہتے ہی وہ باہر نکل گیا۔ اُس وقت سکندر کو یقین ہو گیا کہ فیلقوس اسے الگ نہیں کرنا چاہتا۔ چند گھنٹے بعد بطلیموس۔ ہرپالوس اور نیارکس کے نام فرمان جاری ہو گیا کہ وہ پیلا سے نکل جائیں اور باہر جا کر ٹھہریں۔ اِس طرح سکندر اپنے جگری دوستوں کی صحبت سے محروم ہو گیا۔

پھر جب اُس کی سوتیلی بہن کی شادی ہوئی تو سکندر نے دیکھا کہ شاہی خاندان کے افراد، خاموش اینٹی پیٹر نیز مقدونیہ کے دوسرے بڑے بڑے امراء کس شان سے آئی گائی کے شاہی محل کے نیم شکستہ عمارت میں جمع ہو گئے ہیں۔ اُن کے محافظ دستے باہر کھڑے تھے۔ شہنائیاں بج رہی تھیں۔ وہ خود چند افسروں کے ساتھ ہال کے قریب انتظار میں کھڑا تھا۔ یکایک باجوں کی آواز آئی۔ وہ اس امر کا اعلان تھا کہ فیلقوس آ رہا ہے۔ مگر انھوں نے اُسے ان گڑھ پتھر کے دروازوں

سے آتے دیکھا۔ باجے بدستور بجتے رہے اور لوگ پیچھے ہٹ کر بادشاہ کے لیے راستہ بناتے رہے۔ عین اس اثنا میں فیلقوس چلتے چلتے گھٹنوں کے بل گرا۔ ایک برہنہ سر آدمی نے چیختے ہوئے اُس کی پشت میں خنجر گھونپ دیا تھا جس سے اُس کی موت واقع ہوئی ؛

چوتھا باب

پہاڑ اور تھیبز

فیلقوس کے داغ داغ بدن سے جس لمحے روح نے مفارقت کی اُسی لمحہ مقدونیہ کی حقیقی حیثیت ختم ہو گئی۔ صورتِ حال یہ نہ تھی کہ جہاز کا کپتان چھن گیا تھا بلکہ یہ تھی کہ جو جہاز کنارے پر تعمیر ہو رہا تھا اس کا بنانے والا گم ہو چکا تھا۔ اس لیے کہ امینتاس کا بیٹا فیلقوس ہی مقدونوی قبائل کا دل و دماغ تھا۔ وہی اُن سے منظم طریق پر کام لے سکتا تھا۔ وہی اُن کا سپہ سالار تھا اور اُسی کے پاس آخری فیصلے کے لیے اُن کے مقدمات پیش ہوتے تھے۔ مقدونیہ میں کوئی ایسی مجلسِ شوریٰ نہ تھی جو اس کے چھوڑے ہوئے کام کو سنبھال سکتی۔ کوئی تجربہ کار وزیر موجود نہ تھا جو حکومت کا کاروبار ستم پیشم چلا سکتا اور فیلقوس نے کسی کو اپنا جانشین بھی نامزد نہ کیا تھا۔ مستقبل کے متعلق اُس کا لائحہ عمل بھی سراسر غیر متعین تھا۔ اُس کی احتیاط کوشی کا یہ عالم تھا کہ ساولوں کو اپنی تجاویز سے آگاہ رکھنے کی بجائے دشمنوں کو فریب دینے میں زیادہ سرگرم رہتا تھا۔

واقعۂ قتل کے دوسرے ہی دن ایگائی اور پیلا سے غیر ملکی تجارتی کوٹھیوں کے کارندے، یونان کی شہری حکومتوں کے نمائندے، باہر سے آنے والے قاصدوں کے ہرکارے الیریا اور تھریس کے بربری قبائل کے جاسوس، چپ چاپ کھسک گئے اور اپنے اپنے مرکزوں میں یہ خبر پہنچا دی کہ مقدونیہ کی حکومت ختم ہو چکی ہے۔

پیلا میں شاہی خاندان کے کلاں تر افراد، مختلف قبیلوں کے رئیس اور فوج کے سپہ سالار جمع ہوئے۔ پرانا قبائلی طریقہ یہ تھا کہ وہ سب لوگ باہم غور و مشورے سے واقعۂ قتل کے مجرم کا مسئلہ طے کرتے۔ اینٹی پیٹر اور ریک چشم اینٹی گوس نے اس اجتماع کی صدارت کے فرائض انجام دیے تحقیقات سے ظاہر ہوا کہ قتل کا ذمہ دار پاسینیاسؔ نام ایک نوجوان مقدونوی تھا۔ اُسے ایگائی

ؔ PAUSANIAS

کے محل کے صحن میں تماشائیوں نے فی الفور قتل کر دیا تھا۔ چھان بین میں یہ حقیقت آشکارا ہوئی کہ پاسنیاس کو اطالوس اور قلوپطرا کے آدمیوں نے سخت ایذائیں دی تھیں۔ شراب پی چکنے کے بعد برسرِعام اُس کے کپڑے اتارے گئے اور اُسے حد درجہ ذلیل و خوار کیا گیا۔ یہ ثابت ہو چکا تھا کہ پاسنیاس اطالوس سے بدلہ لینے کے لیئے ایک ایک شخص کے پاس درخواست گزار ہوا۔ فلیقوس نے بھی اُس کی درخواست ٹھکرا دی تو وہ اولمپیاس اور سکندر کے پاس پہنچا۔ سکندر کا بیان یہ تھا کہ میں نے پاسنیاس سے گفتگو کیے بغیر یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا تھا کہ مجھے اس جھگڑے سے کوئی تعلق نہیں۔ اس نے یہ بھی بتایا کہ میں نے وہ خنجر پاسنیاس کو نہیں دیا تھا جس سے اُس نے قتل کا ارتکاب کیا۔ لیکن یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح آشکارا تھی کہ کسی نہ کسی شخص نے اُس نیم دیوانے نوجوان کو فلیقوس پر حملے کے لیے انگیخت دی تھی۔ پاسنیاس سکندر کے اُس حلقۂ رفقا سے متعلق تھا جن میں سے بعض کو فلیقوس جلاوطن کر چکا تھا۔ سکندر اپنے باپ سے کھلم کھلا جھگڑ چکا تھا۔ سب جانتے تھے کہ وہ مزاج کی تیزی کے اعتبار سے جلد بے لگام ہو جاتا ہے۔ پھر واقعۂ قتل کے وقت وہ قریب کھڑا تھا۔ قلوپطرہ کے بطن سے لڑکا تولد ہوا تھا اور سمجھا جا سکتا تھا کہ وہ کسی بھی وقت متلون مزاج سکندر کے حقِ وراثت کو ختم کر سکے گا۔

تفتیش کرنے والے لوگوں نے اولمپیاس سے کچھ پوچھنا مناسب نہ سمجھا۔ اس لیے کہ وہ اپی اِس کی کاہنہ اور شہزادی تھی نیز فلیقوس کی بیوہ اور سکندر کی ماں۔ یقیناً اس پر قتل کی انگیخت کا شبہ کیا جاتا تھا۔ ذکر کیا جاتا تھا کہ اولمپیاس کے پاس جب فلیقوس کے قتل کی خبر پہنچی تو اس نے زیرِ لب کچھ ایسے الفاظ کہے "شوہر، باپ پر اور نئی بیوی پر" یہ الفاظ یوریپیڈس کے ایک ڈرامے سے لیے گئے تھے۔ لیکن ان کا کچھ مطلب نہ نکلتا تھا اور نہ کسی بھی لحاظ سے انھیں شہادت سمجھا جا سکتا تھا۔ بس یہاں پہنچ کر تحقیق و تفتیش ختم ہو گئی۔ قبائلی ضابطوں کے مطابق یہ امر طے شدہ تھا کہ اگر شاہی خاندان کا کوئی فرد دوسرے فرد پر حملہ کرے تو اُس کا فیصلہ شاہی خاندان کے افراد یا جرنیل نہ کر سکتے تھے اور نہ بدلہ دلا سکتے تھے۔ اُن لوگوں کو یہ بھی معلوم تھا کہ فلیقوس کے خاندان میں قتل کے واقعات پہلے بھی ہوتے رہے۔ فلیقوس کی ماں یوری ڈائس[1] بدکار عورت تھی اور وہ اپنے بڑے

۱؎ EURYDICE

بھائی پرڈیکاس[1] کے قتل کا انتظام کرا چکی تھی۔ اہلِ مقدونیہ کا ایک گروہ سکندر کو مجرم ٹھہراتا تھا۔ اطالوس اس گروہ کا سرپنچ تھا۔ اکثر لوگوں کا احساس یہ تھا کہ اولمپیاس نے پاسی ناس کو انگیخت دے کر فلیقوس پر حملہ کرایا۔ بعدازاں یہ احساس یقین کے درجے کو پہنچ گیا۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جس خنجر کا ہدف اطالوس بننے والا تھا اُس کا رُخ فلیقوس کی طرف پھیر دیا گیا۔ خود سکندر قتل کے باب میں کچھ نہ بتاتا تھا۔

قبائلی کونسل جرمِ قتل کے مسئلے کا فیصلہ یوں کر چکی تو مقدونیہ کے لیے نئے حکمران کی نامزدگی کا معاملہ سامنے آیا۔ فلیقوس کی وفات کے بعد کسی نہ کسی کو حکمران نہ بنایا جاتا تو نتیجہ یہ نکلتا کہ بڑے بڑے قبیلے ایک دوسرے سے الگ ہو کر اپنی پہاڑی خلوت گاہوں میں جا بیٹھتے اور اُن کے اتحاد کا شیرازہ درہم برہم ہو جاتا۔ سپہ سالار فلیقوس کے نظم و نسق کا سررشتہ سنبھال سکتے تھے لیکن فوج اور خصوصاً سپاہیوں کے نقطۂ نگاہ سے ضروری تھا کہ کسی ایسے شخص کو حکومت کا رئیس بنا لیا جاتا جس کی رگوں میں فلیقوس کا خون دوڑ رہا تھا۔ سہولت اس میں تھی کہ ضعیف العقل اریہی ڈائس کو مہرہ بنا لیا جاتا یا اُس سے بڑے بیٹے امینٹاس کو بادشاہ تسلیم کر لیا جاتا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ قلوپطرہ کے نومولود بیٹے کو بادشاہ نامزد کر کے اینٹی پیٹر اور اینٹی گونس کو نائب السلطنت کا عہدہ دے دیا جاتا بہرحال سکندر کو جانشین بنانے کے خلاف متعدد اعتراضات تھے، مثلاً یہ افواہ کہ سکندر فلیقوس کا بیٹا نہ تھا یا مطالعے میں اُس کا انہماک اور عام لوگوں سے میل جول میں بیزاری نیز فوجوں کی کمانداری میں ناتجربہ کاری، پھر فلیقوس کے قتل سے خونی انتقام کا دروازہ کھل گیا تھا اور قبائلی نظام میں اس قسم کے واقعات مزید خونریزی کا باعث ہو سکتے تھے۔

پرانے سپہ سالاروں کا اصرار تھا کہ فیصلہ فوراً کیا جائے اور سب اُس کے پابند ہو جائیں تمام مخالف دلائل کے باوجود فیصلہ سکندر کے حق میں ہوا۔ اینٹی پیٹر اور اینٹی گونس اُس کے مطالعہ گاہ میں پہنچے اُس نے مطالعہ چھوڑ کر انھیں بیٹھنے کے لیے کہا لیکن وہ بدستور کھڑے رہے اور فوج کے فیصلے سے اُسے آگاہ کیا۔ انھوں نے کہا کہ فلیقوس نے کسی کو جانشین نامزد نہ کیا تھا۔ لیکن اپنے بیست سالہ بیٹے سکندر کو فوجی عہدہ دے دیا تھا۔ کانی رونیا کے میدان میں اُس نے اپنا فرض

---

[1] PERDICCAS

احسن طریقے پر ادا کیا اور اُسی کو مقدونیہ کا بادشاہ تجویز کیا گیا ہے۔

گوناگوں صلاحیتوں کا مالک اور سب سے بڑھ کر قابل سپہ سالار پارمینیو فیلقوس کے قتل کی خبر سنتے ہی مشرقی سرحد سے پیلا پہنچا تو اُس نے اپنے ہم مشربوں کے فیصلے کو بے چون و چرا تسلیم کر لیا۔ غالباً ان تین بڑے سپہ سالاروں کا احساس یہ تھا کہ مقدونوی فوج نوجوان سکندر کو اگر دیوتاؤں کی اولاد نہیں سمجھتی تو اُن کا محبوب ضرور مانتی ہے۔ کسانوں اور پہاڑی لوگوں کی یہ فوج کسی ایسے شخص کو سر عسکر تسلیم نہ کرے گی جس پر وہ مطمئن نہ ہو۔ اُنھیں یہ خیال بھی ہو گا کہ سکندر مطالعے میں غرق رہتا ہے اور ملک کے کاروبار میں مداخلت نہ کرے گا۔ تین سپہ سالاروں میں سے اینٹی گونس سرکش اور حریص تھا۔ اینٹی پیٹر وفاداری کا پیکر تھا اور اُسے احکام کی تعمیل کے سوا کسی امر سے سروکار نہ تھا۔ پارمینیو غیر معمولی صلاحیتوں کی بنا پر ان دونوں کے درمیان اتصالی کڑی کا کام دیتا تھا۔

تینوں سپہ سالار اس حقیقت سے آگاہ تھے کہ فیلقوس کی موت نے مقدونیہ کی قوت کو یونانیوں کے پھیلتے ہوئے وفاق کی ایک چھوٹی سی حکومت بنا دیا ہے۔ سکندر پر بھی یہ حقیقت بہت جلد آشکارا ہو گئی۔ اِس چھوٹی سی سلطنت کے تینوں جانب جو پہاڑی قبیلے رہتے تھے وہ فی الفور علیحدگی اختیار کر کے سابقہ آزادی کے مالک بن گئے۔ اِن سے آگے ڈینیوب کے ساتھ ساتھ بربری سلٹ آباد تھے، جو ترکتازی کرتے ہوئے ساحلِ بحر تک پہنچ جانا چاہتے تھے۔ بالکل یہی حالت خانہ بدوش سِتھی قبائل کی تھی۔ یونان کی شہری ریاستوں نے جمعیتِ متحدۂ یونان سے بے تامل علیحدگی اختیار کر لی۔ ایتھنز میں فیلقوس کی موت پر جشن منایا گیا، حالانکہ صرف ایک سال پیشتر اسے ایتھنز کی شہریت کے حقوق دیے گئے تھے۔ ایشیا سے سونے کا بھرا ہوا جہاز ایتھنز کے امیروں کے پاس پہنچا۔ ڈیماستھنیز دوبارہ یونانی جمہوریت کی تحریک کا قائد بن گیا۔

فوجی افسروں کو اپنے حقیقی وسائل کا پورا اندازہ تھا۔ وہ جانتے تھے کہ فیلقوس خطرے پر خطرہ مول لیتا رہا اور اُس نے اپنی ہنرمندی سے کام لے کر سپہ سالارِ اعظم کے پردے میں یونانی شہری ریاستوں کی قیادت سنبھال لی تھی، لیکن اب یہ قیادت کوئی ٹھوس نتیجہ پیدا نہیں کر سکتی۔ نہ سپہ سالارِ اعظم باقی تھا اور نہ اتحادِ یونان کا کوئی وجود نظر آتا تھا۔ بلاشبہ یونانیوں کو مقدونوی فوج

کی کمزوری کے بارے میں کچھ معلوم نہ تھا۔ دور اندیش فیلقوس نے اپنی نقل و حرکت کی تیزی سے کسی غیر ملکی جاسوس کو یہ موقع ہی نہ دیا تھا کہ اُس کی فوج کے صحیح اعداد معلوم کرے لیکن مقدونوی سپہ سالار جانتے تھے کہ اصل فوج جس میں امراء اور معاونین شامل ہیں، سترہ اٹھارہ ہزار سے زیادہ نہیں اور جو جیش اس فوج میں شامل تھے مثلاً تھسلی کا رسالہ یا اگریانو کے جنگجو یا اور چھوٹی چھوٹی رجمنٹیں تو وہ سب فیلقوس کی شانِ قیادت کی بنا پر شامل ہو گئے تھے۔ اب اُن کے ساتھ رہنے کا کوئی امکان نہ تھا۔ خزانے کی حالت مسلح فوج کے مقابلے میں بھی زیادہ اضطراب انگیز تھی۔ سونا اور سکے مل ملا کر مقدار میں ستر ٹیلنٹ سے زیادہ نہ تھے اور تیرہ سو ٹیلنٹ کے برابر رقم واجب الادا تھی۔ فیلقوس کی امیدوں کا انحصار اس امر پر تھا کہ ایشیائی ساحل کے زرخیز اور دولت مند علاقوں سے بے اندازہ نئے محاصل ہاتھ آ جائیں گے۔ اسی بنا پر وہ جُوا کھیل رہا تھا۔ اب یہ صورت تھی کہ پیلا میں دو مہینے کے مصارف بھی پورے کرنے کے لیے روپیہ نہ تھا۔ بہ الفاظِ دیگر فیلقوس نے عظیم الشان سلطنت پیدا کرنے کے لیے جُوا کھیلا اور وہ اِس دنیا سے رخصت ہوا تو اپنے پیچھے ابتدائی مقدونوی بادشاہی کو بھی سخت خطرات میں محصور چھوڑ گیا۔

اِس نازک صورتِ حالات میں ارسطو نے بھی سپہ سالاروں سے اتفاق کیا کہ سب سے پہلا کام سرکش قبائل کو مطیع کرنا ہے۔ چنانچہ سکندر اس مقصد کو سامنے رکھ کر فی الفور فوج کے ساتھ روانہ ہو گیا۔ اور پیلا کا انتظام اینٹی پیٹر کے حوالے کر گیا۔ وہ جرنیلوں کے ساتھ روانہ ہوا تو دل پہ تذبذب طاری تھا۔ سمجھ میں نہ آتا تھا کہ جن ذمہ داریوں کو فیلقوس بے پروایانہ اُٹھائے پھرتا تھا اُن سے کیونکر عہدہ برآ ہو۔ مطالعے کی جس دنیا میں اُس نے زندگی کے بیشتر اوقات گزارے تھے وہ چھِن چکی تھی۔ پھر کبھی اُسے نہ ملی۔ ڈیماستھنیز نے تعریضاً کہا اب طالب علم تکمیلِ علم کی منزل میں داخل ہو گیا۔

سکندر طبعاً شرمیلا تھا، وہ ہر وقت اپنے خیالات میں گُم رہتا۔ جو شخص بھی سامنے آ جاتا اُس پر بھروسا کر لیتا۔ رفیقوں کی رائے پر عمل پیرا ہوتا۔ اب تک وہ خیال کی دنیا میں زندگی گزارتا رہا تھا جس میں افق کے پرے شہر آباد تھے۔ پھر پہاڑوں کے اونچے سلسلے قائم تھے، جن میں مہربان دیوتا رہتے تھے۔ اِس خوابی دنیا کی تلاش میں وہ ارسطو کے نقشِ قدم پر چلتا رہا اور چاہتا تھا کہ

انسانی ارتقا کے مطالعے میں وہ منزلیں طے کرلے جہاں کسی کا قدم نہ پہنچا تھا۔ ڈیاستھنیز علم سے بے شک چراغِ مطالعہ کی تُو اُری تھی۔ بلکن وہ عام چراغ نہ تھا۔ اس ایک پہلو کو چھوڑ کر سکندر میں اور کوئی بات ایسی نہ تھی جسے غیر طبعی سمجھا جاتا۔ ہفاستش اور بطلیموس کی بھی یہی حالت تھی۔ اُن دونوں کی رگوں میں بھی شاہی خون دوڑ رہا تھا۔ البتہ وہ زیادہ اولوالعزم تھے۔ انھیں اپنی ذمہ داریوں کا زیادہ احساس تھا اور وضع وہیئت میں زیادہ متناسب تھے۔

غرض سکندر نے بیس سال کی عمر میں اپنی زندگی کا حقیقی سفر شروع کیا اور ایک سال کے اندر اندر اُس کی کایا پلٹ گئی۔ وہ صاحبِ عزم بن گیا۔ ہر مشورے کو اندھا دھند صحیح نہ سمجھتا۔ خطرات کے ہجوم میں بے تکلف گھس جاتا اور پختہ ارادہ کر چکا تھا کہ اپنے وطن سے باہر نکل کر فوجوں کی قیادت کرتا ہوا ایشیا پہنچے گا۔ آیندہ سال اُس نے اپنے اندر ایک غیر معمولی قیادت کی صلاحیت پیدا کر لی۔ یہ صلاحیت اجنبی سرزمینوں اور نادیدہ سمندروں میں نہایت اہم احوال و وقائع کی تشکیل کرنے والی تھی، اور اُس کا ارادہ وہ کارنامے انجام دینے کے لیے پختہ ہو چکا تھا جو اُس سے پہلے کسی نے انجام نہ دیے تھے۔

رہا یہ سوال کہ ایک سال کی مختصر سی مدت میں کن اثرات اور کن احوال و ظروف نے اُس کے افکار و خیالات کو نئی راہوں اور نئی گزرگاہوں میں پہنچایا تو اس بارے میں ہماری معلومات بہت فرومایہ ہیں۔ یقیناً پیلا سے اُس کے پاس بہت جلد مختلف اموات کی خبریں پہنچیں۔ اُس کے رشتے دار امینٹاس کو زہر دیا گیا۔ قلوپطرا کے شیر خوار بچے کا گلا گھونٹ دیا گیا۔ یہ ڈولیں راستے سے ہٹ گئے تو اب ضعیف العقل اری ڈائیس کے سوا کوئی مرد باقی نہ رہا جس کی رگوں میں شاہی خون دوڑ رہا تھا۔ قیاس یہ ہے کہ اولمپیاس کے سوا کوئی اور وجہ اِن دو موتوں کا خواہاں نہ ہو سکتا تھا۔ سکندر کو اولمپیاس کے یہ الفاظ یاد تھے کہ انتقام کی بجلی "باپ پر، شوہر پر اور نئی بیوی پر گرنی چاہیے۔" پھر وہ مجبوری کے سوا کبھی پیلا واپس نہ گیا۔ اُس کے دل میں یہ احساس پیدا ہو چکا تھا کہ مقدونیہ کا یہ نیا دارالحکومت اور شاہی محل اُس کا دشمن ہے اور اُس کا ذرہ ذرہ خطرات سے بھرا ہے۔

ہائی مَس[1] پہاڑ کی چوٹی کے پاس جو بلند وادیاں تھیں، مقدونوی فوج اُن میں سے تیزی

---

[1] HAEMUS

کے ساتھ گزرتی ہوئی بربری قبائل کے پاس پہنچ گئی، جو گھات میں بیٹھے ہوئے حملہ آور فوج کی تعداد کا اندازہ کر رہے تھے اور اُس منظم فوج کو ختم کر دینے کے درپے تھے جو انھیں میدانی علاقوں میں لوٹ مار سے روک دینا چاہتی تھی۔ سکندر کو اپنے فوجی افسروں کے ساتھ ایسے گھنے جنگلوں میں سے گزرنا پڑا جہاں کوئی بھی چھپ کر انہیں تیر کا نشانہ بنا سکتا تھا۔ اُس پر واضح ہو چکا تھا کہ ایسے خطرناک سفر میں کوئی اسے وقت پر خبردار بھی نہ کر سکے گا۔ کردوپیش کے لوگ وحشی جانوروں کی طرح بے درد تھے اور یہ بھی معلوم نہ ہو سکتا تھا کہ وہ کس وقت کون سا قدم اٹھائیں گے۔ انھیں صرف تنظیم اور قوت ہی کے بل پر قابو میں رکھا جا سکتا تھا۔ اُن میں سے بعض رضاکارانہ فوج میں شامل ہو چکے تھے۔

قدم قدم پر ایسی سخت چپقلشیں پیش آئیں۔ جیسے بھیڑیوں کے غول نے ہلہ بول دیا ہو۔ ایک درے کے قریب پہنچے تو طلایہ گرد سوار یہ خبر لائے کہ قبائلی لوگ ایک جگہ گاڑیوں کی دیوار کی آڑ بنا کر جمے بیٹھے ہیں۔ وہ ڈھلان کے بالائی حصے میں ہیں۔ اِدھر سے فوجی دستہ پیش قدمی کرے گا تو وہ گاڑیوں کو لڑھکا دیں گے۔ اور دستہ پِس کر تباہ ہو جائے گا۔ اگر ہم نے بکھر کر حملہ کیا تو گاڑیوں کی آڑ پر قابو نہ پا سکیں گے۔ چونکہ سکندر فوج کے ساتھ تھا اس لیے کماندار نے عرض کیا کہ آپ جو حکم مناسب سمجھیں دے دیں۔

سکندر نے دیکھا کہ پانسو جانبازوں کی نظریں اُس پر جمی ہوئی ہیں اور ایسے وقت میں تذبذب خارج از بحث تھا۔ اگر وہاں ٹھہر کر زیادہ تجربہ کار کمانداروں کے پہنچنے کا انتظار کیا جاتا تو سکندر کی طرف سے یہ صریح ناقابلیت کا اعتراف ہوتا۔ لہٰذا اس مشکل کا جو حل فوری طور پر اس کے دماغ میں آیا اُسی کے مطابق حکم جاری کر دیا۔ اُس نے کہا تم پیش قدمی کرو، اگر دشمن گاڑیاں ڈھکائے تو چھوٹے چھوٹے دستوں میں بٹ جاؤ اور ان سے بچنے کی تدبیر اختیار کرو، گاڑیاں ان دستوں کے بیچ میں سے نیچے چلی آئیں گی۔ جو آدمی پھرتی سے اِدھر اُدھر ہو کر بچ نہ سکیں وہ زمین پر لیٹ جائیں اور اپنی ڈھالیں پشتوں پر رکھ لیں، گاڑیاں ڈھالوں پر سے گزر جائیں گی۔

اُسے یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ حکم سنتے ہی فوج نے پیش قدمی شروع کر دی۔ لڑائیوں کے طویل تجربات نے انھیں خطرات کے مقابلے کا عادی بنا دیا تھا۔ وہ ہر اُس حکم کی تعمیل کے لیے

تیار رہتے تھے جو اُن کے افسر صورتِ حال کا جائزہ لے چکنے کے بعد صادر کر دیتے تھے۔ سکندر کی تیز دماغی نے تمام امکانات کا جائزہ لے لیا تھا۔ لہٰذا فوج بڑے استقلال سے آگے بڑھی۔ چوٹی سے گاڑیوں کا ریلا نیچے کی طرف آیا۔ صف بندی ٹوٹ گئی۔ جو لوگ زمین پر لیٹ گئے تھے اُن کی ڈھالوں کے اوپر سے گاڑیاں گزر گئیں۔ اگرچہ انھیں بڑا نقصان پہنچا تھا تاہم وہ اُٹھے اور از سرِ نو صف بندی کر لی۔ بعد ازاں سکندر نے کبھی یہ حکم نہ دیا کہ زمین پر لیٹ کر گاڑیوں کو اپنے اوپر سے گزار دو۔ تاہم غنیم کے جو جتھے پہاڑ پر جمے کھڑے تھے۔ انھوں نے فوج کو بدستور پیش قدمی کرتے دیکھا تو سراسیمہ ہو کر بھاگ نکلے اور آس پاس کے جنگلوں میں گھس گئے۔

پارمینیو اور دوسرے سن رسیدہ سپہ سالاروں کی کیفیت دیکھ کر نیز تجربات کی بنا پر سکندر نے جان لیا کہ میدانِ جنگ میں ہر فیصلہ بے تامل کر لینا چاہیے۔ جیٹوں کے کماندار راتوں کے اندھیرے میں حملے کرتے دریاؤں کو عبور کر کے چھاپے مارتے بعض اوقات کسی کو اطلاع دیے بغیر مسلسل دو دو دن کوچ کرتے رہتے اور اچانک کسی شہر کے سامنے پہنچ جاتے۔ غرض وہ مسلسل حرکت میں رہتے اور کسی ناظر کو معلوم نہ ہونے دیتے کہ اُن کی آئندہ منزل کہاں ہوگی۔ قبائلی علاقوں میں سے گزرتے ہوئے وہ ڈینیوب پر پہنچ گئے جہاں اُن کے پہنچنے کا کسی کو سان گمان بھی نہ تھا۔ دریا پر چند بازنطینی جہاز نظر آئے۔ انھیں پکڑ لیا گیا۔ اور رات کی تاریکی میں فوج کو اُن پر سوار کر کے دریا عبور کر لیا گیا۔ سکندر ساتھ تھا۔ فوج گندم کے کھیتوں میں سے گزری، جہاں کوئی اُسے دیکھ نہ سکتا تھا۔ ستاروں کی روشنی میں اُس نے راستہ ڈھونڈا۔ اضطراب کی فراوانی، زمین کی نمی اور دھندلکے کے باعث ایک ایک سپاہی کانپ رہا تھا۔ طلوع کے قریب وہ ایک شہر کے سامنے پہنچ گئے جس کی دیواریں لکڑی کی تھیں اور پورا شہر بے خبر سویا ہوا تھا۔ شہریوں کی آنکھیں کھلیں تو یہ دیکھ کر حیران رہ گئے کہ ان کے گرد مسلح سپاہ کھڑی ہے۔ یقیناً یہ ایک معجزہ تھا۔ سلٹ قبیلے دو ڈھیل سردار سنہری پیالے اور اپنی بیویوں کے جواہرات تحفے کے طور پر لے کر آئے۔ انھوں نے چمڑے کی برجیس پہن رکھی تھیں اور ان کے بال خوب آراستہ تھے۔ انھوں نے کہا یہ شاہ مقدونیہ کا خراج ہے۔ ہم اُس سے بہت ڈرتے ہیں۔ سکندر نے ہنستے ہوئے کہا:

سکندر: "تمھیں کس بات کا ڈر ہے؟"

سلٹ سٹرار: "صرف ایک بات کا۔"

سکندر: "وہ کیا ہے؟"

سلٹ سٹرار: "یہ ڈر ہے کہ کہیں آسمان ہم پر نہ آگرے۔"

سکندر نے ہیفاسٹش سے مخاطب ہو کر کہا، "یہ بہادر تو معلوم ہوتے ہیں مگر بڑے شیخی باز ہیں۔ ہیفاسٹش نے جواب دیا،" اکثر آدمی شیخی باز ہوتے ہیں۔ لیکن کارنامے انجام دینے کا حوصلہ رکھنے والے بہت کم ہیں۔"

سکندر کو یاد آگیا کہ کائی رونیا کی جنگ کے بعد اُس کے باپ نے بھی ایسی ہی بات کہی تھی۔ خوف کو دل سے بالکل نکال دینا ممکن نہیں اور فیلقوس کو اپنے علاوہ آدمیوں کی جانیں تلف ہونے کا بھی خوف تھا، وہ اپنے سپاہیوں کی حفاظت میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھتا تھا۔ اُن کی جانیں خطرے میں ڈالے بغیر جو فائدہ اٹھا سکتا اُس کے لیے تدبیریں کرتا رہتا۔ اُسے استحکامات سے نفرت تھی، سمندر سے بھی بہت گھبراتا تھا اور دست بدست جنگ سے بچنے کی کوشش کرتا۔ سازشوں، فریب کاریوں اور وعدہ شکنیوں سے اپنا مقصد حاصل کرنے میں بھی تامل نہ ہوتا۔ پارمینیو کے سوا کسی کمانڈر کو علم نہ تھا کہ وہ یہ سب کچھ کیوں کر انجام دے لیتا تھا۔ پارمینیو کو اگرچہ فیلقوس کے طور طریقوں سے آگاہی تھی، مگر وہ اُن سے کام لے کر ویسے نتیجے پیدا نہ کر سکتا تھا۔ اصل بات یہ ہے کہ سالارِ عظمیٰ کے اِس راز کا حل یقیناً پریشان کن تھا جس طرح ارتقائے حیات کا علم پریشان کن تھا اُسے ارسطو نے حل کیا۔ اعلیٰ علم کے حصول اور جزئیاتِ حقیقت پر اعتماد میں ارسطو اور فیلقوس کا استدلال ایک انداز کا تھا۔ باقی امور میں وہ ایک دوسرے کی ضد تھے۔ فیلقوس ایسے وجدان کی بنا پر عمل پیرا ہوتا تھا جو غیر معمولی فطری صلاحیت سے مشابہ تھا۔ ارسطو واضح شہادتیں پیشِ نظر رکھ کر نتیجے پر پہنچتا تھا۔

سکندر قیادت کے مسئلے پر انتہائی استقلال سے غور کرتا رہا۔ تجربہ کار پارمینیو سے وہ صرف مصلحتیں اور چالیں سیکھ سکا۔ یہ سپہ سالار خاص مقصد کے حصول کے لیے اپنے لشکر دل کو غیر معمولی اطمینان سے نقل و حرکت میں رکھتا۔ اصل مقصد کی تکمیل میں اُس کا بھروسا صرف مقدونوی فوج کے تجربے اور اعلیٰ نظم و نسق پر تھا۔ یک چشم اینٹی گونس کو فیلقوس کی سی فریبکاریوں کا جوہر عطا ہوا

تھا۔ وہ اپنے دشمن پر ہراس طاری کرتا۔ کسی سیاسی کارکن کو رشوت دے لیتا، چاپلوسی سے کام لے کر معاہدہ صلح کے لیے گفتگو شروع کرا دیتا۔ اِس طرح اچانک دشمن کے قتلِ عام کے لیے راستہ ہموار کر لیتا۔ وہ کہتا دشمن کے قریب کیوں جاتے ہو؟ اپنی قوت اور ارادوں کو قبل از وقت دشمن پر ظاہر کرنا انتہائی حماقت ہے۔ اُن میں سے چند آدمیوں کو اپنے قابو میں لاؤ اور اُن کی انتڑیاں نکال دو۔ ہزاروں لوگ مویشی کے گلے کی طرح تمھارے سامنے سے بھاگ نکلیں گے جب وہ بھاگنا شروع کریں تو انھیں خوب قتل کرو۔ یہ صحیح تدبیر ہے۔ خوف کا ایک شعلہ اُن میں پھینکو، وہ بھڑک کر آگ کی صورت اختیار کرے گا اور آگ اصل کام پورا کر دے گی۔ لڑائی میں فیصلہ کن ساعت اُس وقت آتی ہے جب دشمن کے اکثر آدمیوں پر ہراس طاری ہو جائے اور تمھارے آدمیوں کی اکثریت ہراس سے بالکل پاک ہو۔ بس اُس ساعت کا انتظار کرنا چاہیے۔

لیکن سکندر کو معلوم ہو چکا تھا کہ مقدونوی فوج کے بہت تھوڑے آدمیوں کو انٹلی جنس پر اعتماد ہے۔ اگر اُس سے تدبیر میں کوئی غلطی ہو جاتی تو وہ اپنے کو مشکلات سے باہر نکال لینے کے لیے پوری رجمنٹ کو بھی قربان کر دینے میں تامل نہ کرتا۔

اگرچہ سکندر احساسِ اضطراب کے بغیر خطرات کے حلقے میں نہ جا سکتا تھا لیکن اب اُس نے اپنے آپ پر قابو پا لیا تھا۔ اب تمام آدمیوں کی نگاہیں اُس پر جمی ہوئی تھیں اور اس کی معمولی سی حرکت بھی اُن آدمیوں کو مضطرب کر سکتی تھی۔ یا ہمت و حوصلہ کا پیکر بنا سکتی تھی۔ اِس وجہ سے ضروری تھا کہ وہ خود پوری دلجمعی سے ہر قدم اٹھائے چنانچہ اُس نے یہ عادت بنا لی تھی کہ میدانِ جنگ میں خود سر پر سے اتار لیتا۔ فوج کے آدمی اسے اِس حالت میں دیکھتے تو بالکل مطمئن ہو جاتے۔ اِسی طرح جب اُس پر تشویش طاری ہوتی تو وہ لوگوں سے باتیں کرتا اور بار بار ہنستا۔ اُسے اپنی صلاحیتوں پر اعتماد نہ تھا، لہٰذا جو کچھ کرنا ہوتا اُس پر وقت سے پہلے شاذ ہی غور کرتا۔ اگرچہ اس کا دل ہمیشہ اس فکر میں ڈوبا رہتا کہ کیا پیش آئے گا۔ آہستہ آہستہ تمام سپاہیوں کو اندازہ ہو گیا کہ سنہرے بالوں والا نوجوان بادشاہ سیاہ رنگ بیوسی فالس پر سوار ہو کر آئندہ کیا کرے گا۔ اب جہاں کہیں جنگ کی نوبت آتی، سکندر بیوسی فالس پر سوار ہوتا۔

اس زمانے میں اُس نے بے پروایانہ پیش قدمی کی عادت ڈال لی تھی۔ اُس پر افتکار

ہو چکا تھا کہ . . . . پہاڑوں میں آہستہ آہستہ چلنے کے بجائے تیز چلنا حفاظت کا بہتر طریقہ ہے۔ مقدونیہ کی پیادہ فوج کے آدمیوں نے پہاڑوں ہی میں پرورش پائی تھی۔ انھیں پہاڑی راستوں پر کوچ کرنے میں کوئی دقت محسوس نہ ہوتی تھی۔ ایک مرتبہ وہ اپنی فوج کے ساتھ ڈیلیٹیا کی پہاڑیوں میں جا رہا تھا اور آگے بڑھتا بڑھتا ایک ایسی وادی میں پہنچ گیا جو صندوق کی طرح ہر طرف سے بند تھی۔ پہاڑوں کی چوٹیوں پر اَلّیریا کے بربری جتھے جمے بیٹھے تھے۔ انھوں نے سکندر کی فوج کے لیے بچ نکلنے کا راستہ کاٹ ڈالا۔ خود وہ سکندر کی دسترس سے باہر تھے۔ اِس اثنا میں دوسرے قبیلے بھی تیزی کے ساتھ اُن بربریوں کے لیے کمک لے آئے۔ پارمینیو اپنے رسالے کے ساتھ وادی سے باہر تھا۔ اُس نے ایک زبردست یورش سے سکندر کے لیے بچاؤ کا راستہ پیدا کیا اور اسے محفوظ نکال کر ایک دریا پر لے آیا جہاں فوج کے لیے کوئی خطرہ نہ تھا۔ ہفاسشن نے سکندر کو یقین دلایا کہ "لوگ کچھ کہیں، خوش نصیبی تمھارے ساتھ ہے وہ تمھیں کبھی نہ چھوڑے گی"۔ ہفاسشن میدانِ جنگ میں کبھی نہ گھبراتا۔ اگرچہ خطرات میں گھِر جاتا۔

اِس طرح حالات نے سکندر کو اُس کام کے لیے مجبور کر دیا جسے وہ قطعاً پسند نہ کرتا تھا یعنی میدانِ جنگ میں فوج کی قیادت اپنی بے صلاحیتی اُس کے لیے دلی اذیت کا باعث تھی زخمی ہو جانے کے خیال سے وہ بالکل بے پروا ہو چکا تھا۔ اس پر ہر وقت یہ خوف طاری رہتا کہ خدا جانے کس وقت ایک ناقابلِ معافی غلطی سرزد ہو جائے اور اُس کے ساتھی جان لیں کہ جو مجسمہ انھوں نے اپنے ہاتھ سے کھڑا کیا تھا اُس کے پاؤں مٹی کے تھے۔ اُسے یہ بھی معلوم ہو رہا تھا کہ وہ ناکام ہو چکا ہے اور مقدونیہ کی سلطنت پارہ پارہ ہو رہی ہے سپاہیوں کے نزدیک وہ بے خوف اور فاتح قائد کا ایک دل پسند نمونہ تھا جس پر دیوتاؤں کی نگاہ لطف مبذول تھی۔ وہ سوچتا تھا کہ اگر میری کوئی کمزوری اُن پر ظاہر ہو گئی تو وہ مذاق اڑائیں گے۔ وہ میرا نقاب پھاڑ دیں گے مجھ پر ہنسیں گے اور کہہ دیں گے کہ جاؤ، قائد اولمپیاس تمھارا انتظار کر رہی ہے۔

اس تشویشناک انجام سے محفوظ رہنے کے لیے وہ پختہ عزم کیے بیٹھا تھا۔ وہ اس حقیقت سے آگاہ تھا کہ ارسطو کی درسگاہ سے باہر پورے مقدونیہ میں کہیں پناہ نہ ملے گی اور کوئی اس پر رحم نہ کرے گا۔

شاید تھیبز کی تباہ کاری ہر لحاظ سے ناگزیر تھی لیکن اس نے سکندر کا دل ہلا دیا اور اس المناک واقعہ کی یاد اس کے حافظے سے کبھی محو نہ ہوئی۔ سکندر ابھی ڈلیشیا کے ساحل ہی پر تھا کہ جنوب کی طرف سے قاصد اس کے پاس آئے اور بتایا کہ ایتھنز کے گرد و پیش نئی جمعیتِ دفاع تیار ہو رہی ہے خطیبوں نے تھیبز کو اپنا مرکز بنا لیا ہے۔ وہ اپنے خطیبوں کے ذریعے سے شہریوں کو انگیخت دے رہے ہیں اور کہہ رہے ہیں کہ انھوں اپنی خود مختاری اور آزادیِ تقریر کے بچاؤ کی خاطر فوج بھرتی کرو۔ اسی زمانے میں افواہ پھیل گئی کہ سکندر الیریا کے جنگلوں میں مارا گیا ہے۔ مقدونیا کی ایک فوج فیلقوس نے تھیبز کے قلعے میں متعین کی تھی۔ مذکورہ افواہ سنتے ہی اہل تھیبز نے دو مقدونوی افسروں کو قتل کر ڈالا اور قلعے پر ہلہ بول دیا۔ مقدونوی فوج مقابلہ کر رہی تھی اور اہل تھیبز نے سپارٹا والوں کو امداد کے لیے بلا لیا تھا۔ جمعیت متحدہ یونان بھی مقدونیوں کے خلاف حرکت میں آ رہی تھی۔ پیلا کے مشیروں کی رائے تھی کہ یونان کی شہری ریاستوں سے صلح کر لینی چاہیے۔ ارسطو کہتا تھا کہ ان شہری ریاستوں کو حسن تدبیر سے اپنے ساتھ ملا لینا چاہیے، لیکن گفت و شنید میں تاخیر لازم تھی۔ اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ جو مقدونوی فوج تھیبز کے قلعے میں محصور تھی، موت کے گھاٹ اتر جاتی۔ حالات پر غور کرتے ہی مقدونوی جرنیل انتہائی تیزی سے تھیبز کی طرف روانہ ہو گئے۔ انھوں نے پہاڑی راستے اختیار کیے تاکہ ان کی روانگی کسی پر ظاہر نہ ہو اور تیرہ دن میں تین سو میل کا فاصلہ طے کر کے تھیبز جا پہنچے سکندر ان کے ساتھ تھا۔ تھیبز سے باہر قبرستان کے قریب وہ خیمہ زن ہوئے انھیں امید تھی۔ تھیبز کی کمک کے لیے دوسری فوجوں کے پہنچنے سے پیشتر مزاحمتوں کا سلسلہ ختم ہو جائے گا اور محصور مقدونوی فوج کو بچا لیا جائے گا۔

خیمہ گاہ کے لیے قبرستان کو منتخب کرنے کا مطلب یہ تھا کہ اہل مقدونیہ لڑائی نہیں کرنا چاہتے لمبے سفر نے فوج کو تھکا دیا تھا۔ پارمینیو چاہتا تھا کہ اسے کچھ دیر آرام کا موقع مل جائے لہٰذا اس نے اپنے قاصد شہر میں بھیج دیے اور کہا استحکامات سے پیچھے ہٹ جاؤ، محصور فوج کو باہر نکل لینے دو۔ بس ان شرطوں پر صلح ہو سکتی ہے۔ قاصد یہ خبر لائے کہ اہل تھیبز کوئی بات ماننے کے لیے تیار نہیں اور یہ کہتے ہیں کہ پارمینیو اور فلوٹس کو حوالے کر دو تو صلح ہو سکتی ہے۔

سکندر نے شہر کے اردگرد چکر لگایا تو معلوم ہوا کہ لکڑی کی دیواریں ہر طرف کھڑی ہیں اور

محاصرے کے سوا تسخیر شہر کی اور کوئی صورت نہیں سنگین قلعہ باہر سے نظر آرہا تھا جس میں مقدونوی فوج بند تھی۔ اس (سکندر) نے پرڈکاس سے پوچھا کہ قلعے تک کیونکر پہنچیں گے؟ پرڈکاس نے بے پروایانہ جواب دیا کہ وقت پر جو تدبیر مناسب نظر آئے گی کرلیں گے۔ ویسے پرڈکاس سمجھتا تھا کہ کسی نہ کسی مقام پر دیوار کو توڑنا ضروری ہے۔ سکندر کے دل میں یہ خیال تھا کہ پرانا شہر ہے اس میں زمانۂ گزشتہ کے بہت سے آثار موجود ہیں۔ ہزاروں انسان رہتے ہیں۔ حملہ ہوا تو ان کا کیا بنے گا۔

سکندر دیکھ رہا تھا کہ شہر کے اردگرد کہاں کہاں فوجی دستے بٹھائے گئے ہیں۔ یکایک اُسے خبر ملی کہ پرڈکاس باب اٹیکا کے قریب اچانک حملہ کر کے چوبی دیوار کو پھاند گیا ہے۔ یہ قلعے سے قریب تھا۔ پرڈکاس نے اندر پہنچتے ہی دیوار توڑ کر رکھ دی، سکندر نے اس کی امداد کے لیے تیرانداز بھیج دیے۔ جب سکندر داخلے کے مقام پر پہنچا، تو مقدونوی فوج بازاروں میں دور جا چکی تھی اور آہستہ آہستہ قلعے کی طرف بڑھ رہی تھی۔ فوراً دوسرے فوجی دستے شہر کے اندر پہنچ گئے۔ تنگ بازاروں میں خونریز جنگ ہوئی۔ سکندر مسلح پیادہ فوج لے کر حملے کے انتظار میں کھڑا تھا۔ پارمینیو کی رائے یہ تھی کہ لمبے نیزوں والے سپاہی تنگ گلیوں میں جا کر کوئی مفید خدمت انجام نہ دے سکیں گے۔ اس اثناء میں پرڈکاس بُری طرح زخمی ہو چکا تھا۔ اسے اٹھا کر باہر لائے۔ ساتھ ہی اطلاع ملی کہ تیراندازوں کا افسر اسی آدمیوں کے ساتھ مارا جا چکا ہے اور مقدونوی فوج پیچھے ہٹ رہی ہے یہ لوگ اُس مقام سے باہر نکلے جہاں دیوار توڑی گئی تھی۔ تھیبز کی سپردار پیادہ فوج اُن کے پیچھے پیچھے چلی آرہی تھی۔

اہلِ تھیبز جوں ہی باہر نکلے سکندر نے اپنی پیادہ فوج کو یورش کا حکم دے دیا۔ لمبے نیزوں والے سپاہیوں کا یہ سیل حرکت میں آیا تو اہلِ تھیبز کی صفیں ٹوٹ گئیں۔ اب نیزہ بازوں کو پیش قدمی کا حکم ملا۔ وہ تیزی کے ساتھ آگے بڑھے اور جو کچھ اُن کے سامنے آیا اُسے سیل کی طرح بہاتے ہوئے لے گئے۔ اسی طرح وہ بازاروں میں پہنچ گئے۔ جہاں ہر طرف آدمی ہی آدمی نظر آتے تھے۔ خانہ بخانہ جنگ ہوئی۔ اب مقدونوی فوج کی پیش قدمی کو کوئی روک نہ سکتا تھا۔ عین اس وقت وہ فوج باہر نکل آئی جو قلعے میں محصور تھی۔ تھیبز کی سپاہ کے لیے ایک بڑی مصیبت یہ تھی کہ عورتیں اور بچے اُس

کے آگے پیچھے جمع تھے۔ وہ بڑی بری حالت میں مندر کی طرف پلٹی۔ شہر کی فصیل پر اب کوئی محافظ نہ رہا تھا۔ مقدونیہ کی فوج کے دوسرے دستے بھی یکے بعد دیگرے اندر پہنچے۔ ان میں فوسیسؔ اور پلاٹا یا کے رضاکار بھی شامل تھے جنھیں اہلِ تھیبز سے دیرینہ دشمنی چلی آرہی تھی اور موقع سے فائدہ اٹھا کر انتقام کے درپے تھے۔ ایک ساعت نہ گزری تھی کہ بازار انسانی گلوں کی فرارگاہ بن گئے۔ اہلِ تھیبز لڑتے مرتے اور کٹتے تھے جو بھاگ سکے وہ بھاگ نکلے۔ اُن کا پیچھا کیا گیا، سخت نقصان پہنچایا گیا اور بری طرح لوٹا گیا۔ رات کے وقت تھیبز آگ کی نذر ہو گیا۔

دوسرے دن تھیبز کے کھنڈروں کی دیکھ بھال شروع ہوئی۔ لاشوں کے لیے قبریں کھدوائی گئیں۔ مقتولین چار ہزار سے کم نہ تھے۔ سکندر شہر سے باہر ایک باغ میں جا بیٹھا۔ رجمنٹوں کے کمانداروں کی طرف سے دم بدم اُس کے پاس اطلاعیں آرہی تھیں۔ بہت سے سپاہی روپے اور جواہرات کی تلاش میں تھے۔ قیدی گروہ در گروہ لائے جا رہے تھے۔ جو شہر دو دن پیشتر ہر قسم کی چہل پہل سے معمور تھا۔ وہ اب ایک ویران خطے کی شکل اختیار کر چکا تھا۔ اُس میں زندگی کا کوئی نشان اس کے سوا نظر نہ آتا تھا کہ مقدونوی سپاہی جگہ جگہ پہرے پر کھڑے تھے۔ بعض کمانداروں نے سکندر کی خدمت میں مبارکباد پیش کی اور عرض کیا کہ بڑے مناسب موقع پر پیادہ فوج کو حملے کا حکم دیا گیا۔ اس سے بہتر موقع اور کوئی نہ ہو سکتا تھا۔ گویا اُن کا احساس یہ تھا کہ سکندر نے خوب غور و فکر کے بعد اُس وقت کا انتظار کیا جسے اینٹی گونس لڑائی میں حملے کا مناسب وقت قرار دیتا تھا، حالانکہ سکندر نے ایسا کوئی نقشۂ عمل نہ بنایا تھا اور نہ وہ اُس وقت کوئی نقشہ بنانے کے قابل تھا۔

اب سوال یہ پیدا ہوا کہ شہر کو اسی حالت میں چھوڑ دیا جائے تاکہ وہ آہستہ آہستہ اپنے زخموں کے اندمال کی تدبیر کر سکے یا بالکل تباہ کر دیا جائے؟ اینٹی گونس اور متعدد دوسرے کمانداروں کی رائے تھی کہ قلعے کو ڈھا دینا چاہیے۔ اس لیے کہ اُس نے دو مرتبہ مقدونوی فوج کا مقابلہ کیا۔ وہ کہتے تھے کہ یہاں دشمن کے لیے ایک عبرتناک مثال پیش کر دینے کا موقع ہے۔ اس کا اثر دوسرے یونانی شہروں پر بھی پڑے گا۔

جو قیدی اس غرض سے باغ میں لائے گئے تھے کہ اُن کے متعلق بادشاہ آخری حکم صادر

لہ PHOCIS

کر دے۔ اُن میں ایک عورت بھی تھی جس نے بڑا اچھا لباس پہن رکھا تھا۔ وہ بے حد خوبصورت تھی اور دو بچے اُس کے ساتھ تھے۔ قیدیوں میں وہ سب سے زیادہ مطمئن اور بے فکر نظر آتی تھی۔ اُس پر ایک افسر کے قتل کا الزام عائد تھا۔ عجیب بات یہ ہے کہ عورت نے بے تکلف جرم کا اقبال کر لیا اور بتایا کہ افسر تھریس کا ایک بربری تھا۔ وہ میرے گھر میں گھس آیا اور میری بے حرمتی کی۔ پھر اس تلاش میں لگ گیا کہ میں نے کہیں جواہرات تو نہیں چھپا رکھے۔ میں نے اُسے بتایا کہ میرے جواہرات باغ کے کنوئیں میں محفوظ ہیں۔ وہ مجھے ساتھ لے کر کنوئیں کے پاس پہنچا تو میں نے موقع پا کر اُسے دھکا دے دیا۔ وہ کنوئیں میں گرا تو میں نے سپاہیوں کے پہنچنے سے پیشتر اُس پر پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا۔

سکندر: تو کون ہے۔

عورت: میں تھیاجینس کی بہن ہوں، جو کائی رونیا کے میدان میں تمھاری مخالف فوج کے ایک دستے کا سالار تھا۔ تھیاجینس نے یونان کی آزادی کے لیے اُسی میدان میں جان دے دی۔

یہ بیان دے کر عورت اطمینان کے ساتھ موت کا حکم سننے کے لیے تیار ہو گئی۔ سکندر نے حکم دیا کہ اسے رہا کر دیا جائے اور بچوں کے ساتھ محفوظ مقام پر پہنچا دیا جائے۔

تھیبز کی اس عورت کا فیصلہ کر چکنے کے بعد اُس نے شہر کی تمام عمارتیں ڈھا دینے کا فرمان جاری کر دیا۔ صرف چند عمارتوں کو مستثنیٰ قرار دیا۔ اوّل مندر، دوم پنڈار شاعر کا مکان نیز اُن لوگوں کے گھر جو فلیقوس یا خود اُس کے دوست تھے۔ جو لوگ بچ رہے تھے اُنھیں غلاموں کی حیثیت میں فروخت کرنے کی تاکید کر دی گئی۔ ساتھ ہی کہہ دیا کہ اب کوئی مقدمہ میرے پاس نہ لایا جائے۔

جمعیت متحدہ یونان کی ایک رکن ریاست یوں تباہ ہو گئی اور ایسی حالت میں تباہ ہو گئی کہ مقدونوی فوج کے وہاں پہنچنے کا کسی کو علم بھی نہ ہو سکا۔ اس واقعہ کو سن کر متلون مزاج اہلِ ایتھنز دم بخود رہ گئے۔ بغاوت و سرکشی کے شعلے جہاں تھے، وہیں افسردہ ہو گئے۔ ایتھنز نے اپنے قاصد سکندر کے پاس بھیج دیے اور اصرار کیا کہ اس نازک وقت میں یونانی شہروں کی قیادت اُس کے سوا کوئی نہیں کر سکتا۔ انھوں نے کہا کہ سکندر کو صرف کارنتھ پہنچ جانا چاہیے جہاں جمعیت متحدہ یونان کی انتظامی کونسل فلیقوس کی طرح اُس کے لیے بھی سپہ سالار اعظم کی حیثیت میں پیشوائی پر آمادہ ہو گی۔

اس سفر میں اینٹی گونس ہر قدم پر اُس کا انتہائی احترام کرتا۔ بھیبز پر حملے کیے بعد سکندر نے حکم دے دیا کہ فوج کے نام ہر فرمان صرف میری طرف سے صادر ہو گا۔ اگر غلطیاں بھی ہوں گی تو میں خود کروں گا۔

ایتھنز میں ڈیما ستھینز کے دوست صلح پسند فریق کی مذمت کرتے ہوئے کہہ رہے تھے۔ کہ بھیڑیں بھی اپنے محافظ کتوں کو یوں بھیڑیوں کے حوالے کرنے پر آمادہ نہیں ہوتیں لیکن جو نمایندے عجلت سے کارنتھ میں خلیج کے نیلے پانیوں کے کنارے جمع ہوتے تھے۔ انھوں نے سکندر کی پیشوائی کا بڑا پُرشکوہ انتظام کیا اور یقین دلایا کہ ایشیا پر حملہ کرنے والی متحدہ یونانی فوج کی قیادت کا اہل اس کے سوا کوئی نہیں (اُن لوگوں کو کچھ اندازہ نہ تھا کہ نوجوان سپہ سالار اعظم کی رائے کیا ہے۔ خود اُن کا احساس یہ تھا کہ اُسے ملک سے باہر فوجی فتوحات کے ذریعے سے حاصل ہونے والے جاہ و جلال اور شان و شکوہ کی طرف متوجہ کرنا ہی مصلحت ہے، فلسفیوں نے اُسے یقین دلایا کہ السیوکریٹیز اور فیلقوس کی آرزو یہی تھی۔

جب وہ تھیٹر کی طرف جا رہے تھے تو راستے میں ایک آدمی کو دیکھا جس نے پھٹے پرانے کپڑے پہن رکھے تھے اور ہوا سے بچ کر ایک گوشے میں پتھر پر لیٹا ہوا تھا۔ ساتھیوں نے سکندر کو بتایا کہ یہ دیو جانس[1] ہے۔ جسے تنہائی پسند ہے۔ سکندر خود اُس راہب نما شخص کے پاس پہنچا اور اُسے غور سے دیکھتا رہا جس کے فلسفے کی شہرت عام تھی۔ دیو جانس نے کروٹ بدلی تو سکندر نے پوچھا، کیا میں آپ کی کوئی خدمت انجام دے سکتا ہوں؟ دیو جانس نے اُس کی طرف نگاہ اٹھائی اور کہا: "ہاں — دھوپ چھوڑ دو۔" دوسرے لوگ ہنس پڑے۔ سکندر چپ چاپ آگے بڑھ گیا لیکن اسے یاد رہا کہ کارنتھ کی کونسل میں دیو جانس کو صرف دھوپ کی ضرورت تھی۔

کارنتھ میں سمندر کے کنارے تھیٹر میں بیٹھ کر، جو پہاڑی میں واقع تھا، خطیبوں کے خطبے اور مدبروں کی تقریریں سننا بڑا ہی خوشگوار شغل تھا۔ وہ سب اصرار کر رہے تھے کہ آپ کو (سکندر کو) ایکلیز کا کردار پھر ادا کرنا چاہیے۔ سمندر کو عبور کر کے ٹرائے پہنچے۔ اُس مشعل کو اٹھائے جو فیلقوس کے ہاتھ

---

[1] DIOGENES مشہور یونانی راہب جسے دیو جانس کلبی کہتے ہیں۔ وہ اُس فرقے کا بانی ہوا۔ جو زہد و تقشف میں انتہا پسند تھا۔ اور دنیا کی شوکت و حشمت اس کے سامنے ہیچ تھی۔

سے گری تھی اور یونان کا محافظ وحامی کار بن جائے۔"

اب اُس کے اوضاع تیزی سے بدل رہے تھے۔ تھیبز کی خوفناک حالت یاد آ رہی تھی۔ جہاں پہاڑی والے مندر کے پاس قتل و خونریزی سے سابقہ پڑا تھا۔ وہ محسوس کر رہا تھا کہ تھیبز میں اُس نے دیوتا کے مندر کی بے حرمتی کی۔ اب شہر کا کوئی آدمی اُس سے کوئی درخواست کرتا تو فوراً منظور کر لیتا۔ دراصل تھیبز میں اُسے انسانی دشمنی سے نہیں بلکہ کسی اور ہی چیز سے مقابلہ پیش آیا تھا اور وہ ضرورت محسوس کر رہا تھا کہ جو نقصان شہر کو پہنچا چکا ہے۔ اُس کی تلافی کر دے۔ اس کی نگاہیں مجمع میں سے تھیبز کی عورت کو تلاش کر رہی تھیں۔ اور وہ ملتی نہ تھی۔ بعض فلسفیوں کی رائے تھی کہ سکندر نے غیر متوقع طور پر انتہائی تیزی سے اپنے آپ کو نئی جمعیت متحدہ یونان میں فلقوس کی سالاری عظمیٰ کا درجہ حاصل کر لیا۔ یہ کارنامہ اُس کے ظلم جور کا نتیجہ تھا حالانکہ فلیقوس ایسے معاملات میں دانشمندانہ افہام و تفہیم پر بھروسا کرتا تھا۔ ارسطو کی رائے بھی یہی تھی۔

پانچواں باب

ٹرائے کا راستہ

اُس موسمِ بہار میں عقدِ ثریا کے غروب سے سماکِ رامح کے طلوع تک یونان کے مختلف خطوں میں جو آثار و علائم نمودار ہوئے ان کا ذکر بعد ازاں بہت سے آدمیوں نے کیا اگرچہ اس وقت تک قطعی یقین نہ تھا کہ سکندر شاہِ مقدونیہ ایشیا پر یورش کرنے والی فوج کی کمان کرے گا۔ پیلا کی منڈی میں ماہی گیروں نے بارہا بیان کیا کہ ڈلفی کی کاہنہ نے ایشیا پر یورش کے نتیجے میں فتح یا شکست کے متعلق کچھ کہنے سے انکار کر دیا ہے۔ سکندر نے اُس سے بہ اصرار پوچھا تو کاہنہ یہ کہہ کر خاموش ہو گئی۔ "سکندر تو ہمیشہ اپنے بے مطلب براری کا راستہ پیدا کر لے گا۔" ماہی گیروں کو یقین نہ تھا کہ یہ پیشگوئی صحیح ہے یا غلط ہے۔ یہ بھی یقین نہ تھا کہ سکندر واقعی فیلقوس کا بیٹا ہے جو اولمپیاس ساحرہ کے بطن سے پیدا ہوا اور اس معنی میں اُسے حقیقی بادشاہ سمجھنا چاہیئے۔ یا وہ سب سے بڑے دیوتا کا بیٹا ہے وہ کہتے تھے کہ دیکھو سکندر نے تھیبز کی عظیم الشان قوت کو تین دن میں ریزہ ریزہ کر ڈالا۔ اب اُس عظیم الشان شہر کی جگہ یا تو خون سے لبریز گڑھے ہیں، جن پر مکھیاں بھنک رہی ہیں، یا کوئلے کے انبار ہیں، یا سنگِ مرمر کے ٹکڑے جابجا بکھرے پڑے ہیں۔ ایکلیز نے دیوتاؤں کی مدد سے ٹرائے کے ساتھ جو سلوک کیا تھا، تھیبز کے ساتھ سکندر کا سلوک اُس سے بدرجہا زیادہ ہولناک اور دہشت انگیز تھا۔

سطحِ مرتفع میں بسنے والے مقدونوی کسان بھی اپنے اُس بادشاہ کی کیفیت پر متعجب تھے، جسے قدرت نے ہرقل کا سا حسن اور ہرقل کی سی قوت عطا کی تھی۔ وہ اپنا سر ایک طرف جھکائے رکھتا۔ اُن کی باتیں غور سے سنتا۔ آنکھوں سے توجہ اور ہمدردی ٹپکتی۔ انھیں بتاتا کہ گھوڑے بیمار ہو جائیں تو علاج کے طریقے کیا ہیں اور خود انھیں بخار آ جائے تو کس طرح بھلول کا پانی اور روغن بلسان نکال کر استعمال کرنا چاہیئے۔ اس کا بدن کسرتی تھا۔ وہ اپنے ہاتھوں سے لکڑی کو ریزہ ریزہ کر

ڈیلنا تھا۔ مکا بازی اور پہلوانی سے بابر احتراز کرتا۔ لڑائی چھیڑنے سے گریزاں نظر آتا۔ لیکن ہنگامۂ جنگ میں تین دفعہ بے پروایانہ طوفانِ خطرات کے اندر بیں گھس پڑا۔ پہلی مرتبہ گاگی رونیا میں، دوسری مرتبہ پیلین[1] میں اور تیسری مرتبہ تھیبز میں۔ ان موقعوں پر اُس کی کیفیت یہ تھی جیسے شراب کے کسی رسیا کو دعوت میں بلا یا جائے۔ مقدونیا کے یہ امرا جن کا پیشہ گھوڑے پالنا اور کھیتی باڑی کرنا تھا فیلقوس کے طور طریقوں کو خوب سمجھتے تھے لیکن اُس کے بیٹے کی کوئی بات اُن کے ذہن میں نہ آئی تھی۔ وہ دنیا سے غافل ہو کر کتابوں میں ڈوبا رہتا۔ رات کے وقت اپنے خیمے میں چراغ جلا کر مسائل کی گتھیاں سلجھاتا یا قلمی نسخے دیکھتا۔ اُس وقت انداز ایسا ہوتا گویا کسی بڑے کارنامے کے سرانجام سے پیشتر عجیب و غریب مذہبی رسمیں ادا کر رہا ہے۔ عوام کو اِس بات پر تعجب تھا کہ فوج کے سپہ سالاروں نے سکندر کو ایشیا پر حملے کی رائے دی اور یہ بھی بتا دیا کہ حملہ کیوں کرنا چاہیے۔

اُنھوں نے کہا کہ فیلقوس اِس حملے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اِس بنا پر ہم فوج کی ترتیب نقل و حرکت اور قیام گاہوں کا پورا نقشہ تیار کر چکے ہیں۔ ہمیں اپنے ساتھ کوئی پچیس ہزار آدمی لے جانے ہوں گے۔ جو درۂ دانیال کو عبور کر کے ایشیا میں داخل ہوں گے اور یہ فوج مقدونیہ کے قابلِ جنگ آدمیوں کا قریباً نصف حصہ ہو گی۔ پارمینیو خود پہلے چلا گیا تھا تاکہ ٹرائے کے سامنے آبنائے کو عبور کرنے کے انتظامات خوب مکمل کر لے۔ اینٹی پیٹر کو پیلا میں چھوڑ دینا ہو گا تاکہ وہ بوڑھے سپاہیوں کے ذریعے سے ملک کی حفاظت کرے نیز نئے رنگروٹوں کو فوجی تعلیم دے۔ ساتھ ساتھ ادلمپیاس کو مطمئن رکھے۔ ایک خطرہ یہ ہو سکتا تھا کہ یونان کی باقی شہری ریاستیں کسی وقت مخالفت پر نہ اتر آئیں اُن کی قوت کو بیکار بنا دینے کی تدبیر یہ ہے کہ ایتھنز کے بھاری ہتھیاروں والے سپاہیوں اور تھسلی کے سواروں کو ساتھ لیا جائے۔ غرض یہ منصوبہ ہر لحاظ سے مکمل ہے۔ یہ ضرور کامیاب ہو گا کم از کم اس سے دست بردار ہونے کا کوئی موقع نہیں۔ سکندر نے پوچھا ایسا کیوں نہیں ہو سکتا زینوفن[2] دس ہزار آدمی ساتھ لے کر ایشیا گیا تھا اور وہاں ٹھہر نہ سکا۔ اُس نے جو کتاب لکھی تھی اُس کا نام ایشیا میں داخلہ نہیں ایشیا سے خروج ہے۔

پارمینیو کو علم تھا کہ سکندر زینوفن کی کتاب پڑھ چکا ہے۔ اس نے کہا: اب میں سن رسیدہ

---

[1] PELION

[2] XENOPHEN

ہو چکا ہوں۔ میرے تین بیٹے فوج میں اونچے عہدوں پر پہنچ رہے ہیں۔ میں چاہتا ہوں کہ اس آخری مہم کو کامیابی کی منزل پر پہنچا کر خدمات سے دست کش ہو جاؤں اور فوجی کاروبار اپنے بیٹوں کے حوالے کر دوں۔ اگر اب فوج کو توڑا گیا تو نتیجہ اچھا نہ ہوگا۔ ہم نے تمام خطرات کا پورا اندازہ کر لیا ہے اور ہمیں یقین رکھنا چاہیے کہ ہماری فوج ہر اُس قوت کو شکست دے گی جو اُس کے مقابلے پر لائی جائے گی۔

سکندر نے کہا ایک بڑی مصیبت یہ ہے کہ سمندر ہمارے قبضے میں نہیں۔ ایرانی بیڑا جگہ جگہ چھایا ہوا ہے۔ پارمینیو نے جواب دیا کہ ہم سمندر کا راستہ اختیار نہ کریں گے اور دانیال کی تنگ آبنائے سے گزر کر خشکی پر جا اتریں گے۔ میں نے فوج کو اس مقام سے بخیر و خوبی گزارنے کا انتظام مکمل کر رکھا ہے۔ بے شک تھوڑا سا خطرہ موجود ہے لیکن اُسے قبول کر لینے کے نتائج بے حد فائدہ مند ہوں گے۔ اِس طرح ہم ایک ہی ضرب میں اُس زرخیز اور دولت مند ساحلی علاقے پر قابض ہو جائیں گے جو یونان کے بالمقابل واقع ہے۔ وہاں پرانی تاریخی بندرگاہیں ہیں۔ ملی ٹس[1]۔ افی سوس[2] سے جہاں سات سونے والے سو رہے تھے۔ ہیلی کارناسوس[3] جہاں مسولس کا مقبرہ تعمیر ہوا تھا۔ سارڈس جہاں کروسس[4] حکمران تھا۔ غرض اِس طرح ہم بحیرہ اسود سے غلہ لانے کا راستہ محفوظ کر لیں گے

اولمپیاس پاس بیٹھی تھی، وہ بولی فیلقوس نے یہ ساری داستان دو لفظوں میں بیان کر دی تھی زر و مال اور شہرت و عظمت!

اولمپیاس کو سپہ سالاروں پر اِس لیے بھروسا نہ تھا کہ وہ اُس کا اثر قبول کرنے کے لیے تیار نہ تھے۔ وہ اپنے بیٹے کو بار بار متنبہ کرتی کہ اِن کے تجربات سے فائدہ اُٹھاؤ لیکن انھیں طاقت ور نہ بننے دو۔ مبادا یہ بادشاہوں کا درجہ حاصل کر لیں۔ انجام کار اولمپیاس کا یہ شبہ بالکل درست ہوا۔ شاہی خاندان کے بزرگ، اصحاب سکندر کے پاس آتے۔ اُس کے ساتھ بیٹھ کر شراب پی

---

[1] MILETUS

[2] EPHESUS مشہور ہے اصحاب کہف کا واقعہ اسی شہر میں پیش آیا تھا۔ انھیں کو سات سونے والے قرار دیا گیا ہے

[3] HALICARNASSUS

[4] لیڈیا کا آخری بادشاہ جس نے سائرس سے شکست کھائی۔ CROESUS

اور اصرار کیا کہ فوج سے ضرور کام لینا چاہیے فیلقوس نے اسی لیے تمھیں تعلیم دی تھی اور اسی غرض سے تمھاری تربیت ہوئی تھی۔ مقدونی قوم ابھی زندگی کے ابتدائی مراحل میں ہے۔ جن مخالف قوتوں نے ہر طرف سے اُسے محصور کر رکھا ہے۔ اُن سے لڑے بغیر قومی ہستی محفوظ نہیں رہ سکتی۔ ان قوتوں میں سب سے بڑھ کر خطرناک پیشہ ور سپاہ ہے۔ ہم اس خطرے کا صحیح اندازہ کر چکے ہیں۔

جب تک ایران نے یونان پر حملے نہ کیے تھے اور ہمہ گیر لڑائیاں شروع نہ ہوئی تھیں یونان میں پیشہ ور سپاہی موجود نہ تھے۔ اُس زمانے کے اسلحہ بردار دراصل فوجی سپاہی ہوتے تھے۔ لڑائی کے بعد وہ ہتھیار گھروں میں لے جاتے۔ مہینے بھر کے لیے یا اس سے کم و بیش خدمت کی ضرورت پیش آتی تو ہتھیار لے کر موقع پر پہنچ جاتے۔ تنخواہ قطعاً نہ لیتے۔ ضرورت ختم ہو جاتی تو اپنے کھیت یا دوکان کا کاروبار حسبِ سابق سنبھال لیتے۔ وقتاً فوقتاً ہتھیاروں سے کام لینے کا نتیجہ یہ ہوتا کہ سپاہیوں کو اولمپیائی کھیلوں کے لیے مشق کا موقع مل جاتا۔ (میراتھان کی پہلی دوڑ اس سپاہی کے نقشِ قدم پر ہوئی تھی جو میراتھان کے میدانِ جنگ سے فتح کی خوشخبری لے کر دوڑتا ہوا ایتھنز پہنچا تھا)

بعد میں خانہ جنگی شروع ہو گئی تو سپاہیوں کے لیے زیادہ لمبی مدت تک میدانِ جنگ میں ٹھہرے رہنا ناگزیر ہو گیا۔ یوں اُس کے کنبے کے لیے معاش کی کوئی صورت باقی نہ رہی۔ شروع میں کنبے کو خوراک وغیرہ بہم پہنچانے کا بندوبست کر دیا گیا۔ پھر سپاہی کی غیر حاضری میں اُس کے کنبے کو نقد رقم ملنے لگی۔ تدریجاً شہری سپاہیوں کے لیے مستقل تنخواہیں مقرر ہو گئیں۔

مہموں نے طوالت پکڑ لی اور فوجوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تو نئے رنگروٹ بھرتی کرنے کا معاملہ سامنے آ گیا، یہاں تک کہ اہلِ سپارٹا بھی اپنے غلاموں کو فوجوں میں بھرتی کرنے اور باقاعدہ تنخواہ دینے پر مجبور ہو گئے۔ جنگی جہازوں کو کھینے والوں اور ملاحوں کے تعلق میں بھی یہی صورت پیش آئی جو نیا انتظام جاری ہو چکا تھا، اُسے ختم کرنے کی کوئی صورت نہ نکلی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ ادھر یونان کی خانہ جنگی آخری منزل پر پہنچی۔ اُدھر وہ شہری جو رضاکارانہ جنگی خدمات انجام دینے کے لیے پہلے چل آئے تھے، مستقل تنخواہ دار سپاہی بن گئے۔ جنگی بربریوں کو بھی اسی طرح تنخواہ پر ملازم رکھا گیا۔

یہ سپاہی جنگ کے خاتمے پر اپنے گھروں میں پہنچے تو کسان تھے یا دوکاندار، اُن کا کاروبار

پہلی حالت پر باقی نہ رہا تھا۔ کنبے کو جو رقم ملتی اُس میں سے غلاموں کو ملازم رکھ کر کاروبار چلایا جاتا۔ سپاہیوں نے دیکھا کہ اس طرح کھیتی باڑی یا کفش سازی یا دواسازی وغیرہ سے اتنی آمدنی نہیں ہوتی جو گذارے کے لیے کفایت کر سکے۔ اس لیے کہ کپڑے اور دوسری چیزوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی تھیں۔ لہٰذا انھوں نے یا تو حکومت سے وظیفوں کا مطالبہ پیش کر دیا۔ یا اُن فوجوں میں بھرتی ہونے لگے جنھیں لڑائیاں درپیش تھیں۔ ایسے پیشہ ور سپاہی ہر اُس مقام پر پہنچ جاتے جہاں لڑائی چھڑ جاتی۔ میراتھان کے وہ سپاہی جو اپنی برچھیاں، اپنی ڈھالیں، اپنی تلواریں اور اپنے خود لے کر لڑنے کے لیے گئے تھے۔ وہ سنہ ۴۰۰ ق م کے آس پاس الکلینز کی طرح افسانۂ پارینہ بن چکے تھے۔ دولت مند شہروں نے کرائے پر فوجیں لینی شروع کیں۔ سب سے زیادہ تنخواہیں اُن جیشیوں کو دی جاتیں جو فوجی تربیت میں سب سے اعلیٰ ہوتے۔ پھر جن تاجروں یا بڑے بڑے زمینداروں نے خوب دولت کمائی تھی وہ خود جنگی خدمات انجام نہ دیتے بلکہ اپنی جگہ پیشہ ور سپاہیوں کو تنخواہ دے کر بھیج دیتے۔

یہی معاملہ فوجی افسروں کو پیش آیا۔ شروع میں سپاہی اپنا سالار خود منتخب کرتے، پیشہ ور سپاہ میں سالاری کا عہدہ اُس شخص کو ملتا جو جنگی کاروبار میں خاصی شہرت حاصل کر لیتا۔ چوتھی صدی قبل مسیح کے آس پاس زینوفن اپنی دس ہزار سپاہ اور افسروں کے ساتھ ایرانی بادشاہ کی خدمت کے لیے بابل تک جا پہنچا تھا۔ سپارٹا کے ایک بادشاہ نے ایک ہزار پیشہ ور سپاہی روپیہ لے کر مصر کے فرعون کو مستعار دے دیے تھے۔

یونانی شہروں میں دوسرے ہنرمند طبقوں نے بھی یہی طریقہ اختیار کر لیا مثلاً صنعت گر، معلم، معمار، فلسفی اپنے اصل وطنوں سے نکلے اور یونانی نوآبادیوں یا ایشیا کے بڑے بڑے مرکزوں میں پہنچ گئے اور وہاں اپنے کمالات کی نمائش کرنے لگے۔ یہاں تک کہ طوائفیں بھی اس سلسلے میں باز نہ رہ سکیں۔ جن ہنرمندوں نے پارتھینان تعمیر کیا تھا اور جنھوں نے یونانی مندروں کی آرائش و زیبائش درجۂ کمال پر پہنچائی تھی وہ مجسمے بنانے لگے بعض عقیق اور یشب جیسے بیش قیمت پتھروں کو خوش وضعی سے تراشنے کا کام کرتے بعض حماموں کے لیے فواروں کے سر اور نلکیاں تیار کرتے۔ یا مٹی کے چھوٹے چھوٹے بت بناتے۔ خانہ جنگی کے بعد جو دور شروع ہوا اُس میں اہل ہنر مندوں نے

فروغ پایا۔ لیکن واضح رہے کہ یہ اُن ہنرمندوں سے بالکل مختلف تھے جنھوں نے اپنے ذوق شوق سے بے نظیر چیزیں بنائی تھیں۔ یا جو اپنے وطن کا نام سربلند رکھنا چاہتے تھے۔ یہ لوگ پیشہ ور تھے جن صنعتوں کی وجہ سے زیادہ پیسے مل جاتے اُنھیں میں مشغول ہو جاتے وہ تنگ بحری آبناؤں اور کاروانی شاہراہوں کے ذریعے سے ممالکِ غیر میں جا ملازم ہوئے، یہاں تک کہ یونان کی مشہور طوائف تھائس بھی سپارٹا کی سپاہ کے پیچھے مصر پہنچ گئی۔ مصر میں خدمت انجام دینے والے یہ کرایہ دار ایک شہر کے سپاہی نہ تھے۔ بلکہ انھوں نے ایک افسر کی تابعت قبول کر رکھی تھی اور افسر اُس شخص کا حکم بجا لاتا جو اُسے پیسے دیتا۔ غرض اس طرح پیشہ ور سپاہیوں کی جماعت پیدا ہو گئی، لیکن یہ لوگ خاصے ہنرمند بھی تھے اور نظم و نسق کی پابندی کا بھی بہت خیال رکھتے۔

آدمیوں میں پیشہ وری آئی تو آہستہ آہستہ نئی نئی جنگی مشینیں بننے لگیں۔ جب یونان میں خانہ جنگی جاری تھی تو صور اور سائیراکیوز کے ماہر مہندسوں نے ایسی مشینیں بنا لی تھیں جو برچھیاں یا جلتا ہوا تیل یا پتھر کے بھاری کوئلے دور دور پھینکتیں۔ ان کے ذریعے سے فصیلیں توڑی جاتیں ٹھیک اسی طرح فصیلوں کی حفاظت کے لیے بھی مشینیں بن گئیں۔ ان مشینوں کو بھی روپے ہی کے بل پر کھڑا کیا جا سکتا تھا۔

شاہی خاندان کے بزرگوں نے سکندر سے کہا کہ فیلقوس کو پیشہ ور سپاہ اور دولت کی فراوانی کا پوری طرح احساس ہو چکا تھا۔ اہلِ مقدونیہ کو فوجی تربیت دینے کے لیے وہ پیشہ ور سپاہی ہی لایا تھا۔ دیادس کو بھی اسی غرض سے ملازم رکھا تھا کہ زیادہ اچھی اور عمدہ مشینیں بنائے بلاشبہ اہلِ مقدونیہ کے حوصلے بلند ہیں۔ اُن کا قومی جذبہ بڑا قابلِ قدر ہے لیکن ان کے دل ابھی تک کھیتی باڑی ہیں اٹکے ہوتے ہیں اور وہ گھروں کا خیال ترک نہیں کر سکتے۔ اُن کے گرد و پیش ہر طرف پیشہ ور سپاہیوں، جنگی بیڑوں اور جنگی مشین کے خطرات منڈلا رہے ہیں۔ کوئی عظیم الشان ایرانی بادشاہ بے اندازہ دولت خرچ کر کے ان ابھری ہوئی قوتوں کو مقدونیہ کے کچلنے کے لیے جمع کر سکتا ہے۔ اب فیلقوس مر چکا ہے اور مقدونیہ کو بچانے والا کوئی نہیں۔ انھوں نے سکندر کو یاد دلایا کہ اگر کسی ایرانی بادشاہ نے دولت خرچ کر کے ایسا قدم اٹھا لیا تو اندازہ نہیں کیا جا سکتا کہ حالت کیا ہو گی۔ پنگائی اوس پہاڑ میں سونے اور چاندی کی جو کانیں تھیں، ان کے مہتمم بھی سکندر سے

بات چیت کرنے کے لیے آئے۔ انھوں نے بتایا کہ دنیا میں ایک نئی قوت پیدا ہو گئی۔ اور یہ ان کی درسگاہ میں جو کتابیں پڑھائی جاتی تھیں ان میں اس کا کوئی ذکر نہیں آیا۔ یہ قوت زرِ مسکوک ہے ٹرائے کی پرانی دنیا میں سکے موجود نہ تھے۔ اس زمانے میں مقدونیہ کے گلہ بان شمالی سطح مرتفع سے اتر کر نیچے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ انسانی جنس کا تبادلہ جنس سے کر لیتے تھے مثلاً کسی کی خدمت انجام دی اور خوراک حاصل کر لی۔ یا لوہے کی سنخیں معیارِ قیمت سمجھی جاتی تھیں اور ان کے بدلے میں کچھ اور چیزیں مل جاتی تھیں۔ پھر آہستہ آہستہ تانبا اور بعض دوسری دھاتیں دریافت ہوئیں تو انھیں معیارِ مبادلہ بنا لیا گیا۔ ان پر مالک اپنا نشان ثبت کر دیتا۔ دو صدی پہلے چاندی اور سونے کے چھوٹے چھوٹے سکے بننے لگے۔ ان کی قیمتیں مقرر ہو گئیں۔ سارڈس، روڈز یا آرگوس میں انھیں سکوں کی بنا پر خرید و فروخت ہوتی تھی۔ ان پر یا دیوتاؤں کی تصویریں ہوتیں یا کسی شہر کا خاص نشان مثلاً ایتھنز کا خاص نشان اُلّو تھا۔

اب تاجروں نے بحیرۂ روم کی دنیا میں زرِ مسکوک کو خوب پھیلا دیا ہے خصوصاً ایتھنز کے اُلّو والے نشان کے سکے کو لیکن چاندی حاصل کرنے کے ذریعے بہت محدود ہیں۔ اب تک صرف چند کانیں ہمارے قبضے میں آئی ہیں۔ یونان کا روپہلی درہم اب معیارِ قیمت ہے۔ لیکن عوام میں یہ جذبہ پھیل رہا ہے کہ روپے کو ذریعۂ منفعت بنانا سراسر غیر طبعی ہے۔ اس قسم کی غیر طبعی نفع جوئی کا نتیجہ یہ ہو گا کہ مجرم پر خوفناک آفت نازل ہو گی۔ کیا ہمیں مائیڈس[1] کا انجام معلوم نہیں، جسے سونا جمع کرنے کی حرص تھی؟ سپارٹا مدت تک زرِ مسکوک سے بے نیاز رہا۔ وہاں کے سب لوگ اجتماعی زندگی بسر کرتے تھے اور کھانے پینے کا نظام بھی مشترک تھا۔ اب انھوں نے بھی زرِ مسکوک کو لین دین کی بنیاد بنا لیا ہے۔ سپارٹا کا انحصار ایران کے سونے پر ہے۔ اور اس نے شاہنشاہ ایشیا کی مرضی کے مطابق کام کرنے کا فیصلہ کر لیا ہے۔ ڈیماستھنیز جمہوریت کا

---

[1] MIDAS یونانی افسانوں کا ایک بادشاہ جس نے دعا کی تھی کہ میں جس چیز کو چھوؤں وہ سونا بن جائے۔ دعا منظور ہوئی لیکن اس کی حرصِ زر نے اسے کھانے پینے سے بھی محروم کر دیا غذا کے جس نوالے کو اس کا ہاتھ لگتا وہ سونا بن جاتا اور یہی حالت پانی کی تھی۔ آخر دعا کی اور اس مصیبت سے نجات پائی۔ اس افسانے کے ذریعے سے حرصِ زر کی مذمت کی گئی۔

خطیب ہے۔ اُس نے مندر سے روپیلی سکّے اٹھائے اور ایتھنیز کی فوج تیار کر کے کائی رونیا کے میدان میں پہنچ گیا۔

عام لوگ جنگوں کے باعث خوراک، ایندھن اور کپڑے سے محروم ہو چکے ہیں۔ اُن میں وبائیں پھیل گئی ہیں۔ اب ایتھنیز جیسے شہروں میں بھی عالی شان عمارتیں بن رہی ہیں تاکہ بے روزگار سپاہیوں کو کام ملے۔ انھیں سکوں کی شکل میں مزدوری ملتی ہے۔ اس وجہ سے گندم، بھیڑوں، کپڑے اور دوسری ضروری چیزوں کی قیمتیں بہت بڑھ گئی ہیں۔ پہلے گندم کا ایک پیالہ دو درہم میں ملتا تھا اب اُس کی قیمت پانچ درہم ہے۔ بھیڑ کی قیمت خانہ جنگی سے پیشتر کے دور کے مقابلے میں پانچ گنا ہو گئی ہے۔

زرِ مسکوک کے متعلق عوام کے دل میں جو خطرہ پیدا ہو گیا۔ پڑھے لکھے لوگ اُس کے قائل نہیں وہ سمجھتے ہیں کہ سکوں کی تھوڑی سی مقدار بھی وسیع قوت کا سروسامان بن سکتی ہے۔ (اُس زمانے میں وہی سکے قبول کیے جاتے، جو خالص سونے یا چاندی کے ہوتے اور اُن کا وزن پورا ہوتا جعلی سکوں کا ابھی کوئی رواج نہ ہوا تھا[1] نہ کاغذی سکے جاری ۔۔۔۔ ہوئے تھے سود خواروں اور ساہوکاروں نے

[1] یہ امر بہ آسانی ذہن نشین ہو سکتا ہے کہ اُس زمانے میں بحیرۂ روم کی دنیا تمدن کی ابتدائی حالت میں تھی۔ رومی سلطنت کے زمانے میں جو مالی نظام ارتقا پذیر ہوا وہ اُس وقت موجود نہ تھا۔ بنک بھی نہ تھے صرف چند چیزیں سکّے دے کر خریدی جاتی تھیں شہری ریاستوں کے تھوڑے تھوڑے بجٹ تھے اور شہریوں سے کم و بیش جبراً پیسے وصول کر کے خرچ چلایا جاتا تھا۔ فوج یا بیڑوں کے ساز و سامان یا کسی تھیٹر میں کھیلوں کی نمائش کے لیے بھی شہری لوگ چندہ کر لیا کرتے تھے۔ بڑے بڑے زمیندار تو موجود تھے لیکن مالکی کا تصور بالکل شاذ تھا اور لوگوں کے پاس روپیہ جمع بھی نہ ہوا تھا۔ گھوڑے، ہتھیار، غلہ، کپڑا، غلام یہ سب چیزیں اجتماعی ملکیت تھیں قیمتی دھاتیں عبادت کا عام ذریعہ تھیں۔ سونے چاندی یا تانبے کے کنگن یا زنجیریں یا پیالے وغیرہ وزن کی بنا پر قیمت پاتے تھے۔ یونانی درہم بعد کے زمانے میں انگریزی شلنگ کے برابر سمجھا گیا تھا لیکن جب سکندر ایشیا کی مہم پر روانہ ہوا تو اس شلنگ کی قیمت انگریزی شلنگ کے مقابلے میں تیس گنا تھی۔ اس بنا پر اندازہ کیا گیا ہے کہ ایتھنیز میں چار آدمیوں کے کنبے کو اڑھائی سو درہم سالانہ گزارنے کے لیے درکار تھے ٹیلنٹ کی قیمت گیارہ سو ڈالر کے برابر سمجھی جاتی لیکن اُس زمانے میں اُس سے چالیس ہزار ڈالر کی چیزیں خریدی جا سکتی تھیں لبنان میں سنہری مہر چوبیس روپیلی درہم کے برابر تھی۔ ایشیا میں اُس کی قیمت بیس درہم کے برابر سمجھی جاتی تھی۔ سکندر نے معیارِ زر ختم کر دیا اور چاندی کو لین دین کا معیار بنایا اور سنہری مہر کی قیمت بیس روپیلی یونانی درہم مقرر کی۔

اپنے پیمانے پر مندروں کے دروازوں میں بیٹھنا شروع کیا تھا۔

ایتھینز کے مٹھی بھر سکوں سے پتھر کا ایک مکان یا بحیرہ اسود یا تھیریس سے چھ غلام خریدے جا سکتے تھے۔ ایک ٹیلنٹ سے سہ قطاری[1] جنگی جہاز بنایا جا سکتا تھا۔ ٹیلنٹ کے برابر مقدار کے سونے یا چاندی کو سکوں کی شکل میں ڈھال لیا جاتا تو ایک جزیرے کا پورا غلہ یا مردانہ اور زنانہ غلاموں سے بھرا ہوا جہاز خریدا جا سکتا جو کھیتی باڑی کرنا اور کپڑے بننا جانتے نیز ضرورت کے وقت بچے پیدا کر سکتے۔ کوئی جابر حاکم یا مندر کے پجاری روپیہ جمع کر لیتے تو بعد کے آنے والے لوگ اُس سے بے اندازہ قیمتی چیزیں تیار کر لیتے تو خود یونان میں ڈلفی کے مندر کے سوا زیادہ دولت کہیں جمع نہ تھی۔ ایشیا سونے اور چاندی کے لاتناہی انباروں سے بھرا پڑا تھا جو طارس کے پہاڑوں، یا عرب یا دور افتادہ ہندوستان سے لائے جا رہے تھے، چونکہ اہلِ مقدونیہ کے پاس زرِ سکوک نہ تھا۔ اس لیے اُن میں تجارت کا بھی زیادہ رواج نہ تھا۔

ایشیا سے دولت کا سیل بہتا چلا آ رہا تھا مثلاً سکے، قیمتی دھاتیں، ہاتھی دانت، سنگِ جراحت، سنگِ سلیمانی، بیش بہا جواہرات یہ دولت تاجروں اور بردہ فروشوں کے ذریعے سے آ رہی تھی۔ خود یونان سے تارکانِ وطن مسلسل ایشیا کی طرف جا رہے تھے مثلاً سنار، گلدستوں کے نقش کار، آباد کار، طبیب، گویّے اور آوارہ گرد لوگ خانہ جنگی کے بعد ہر دور میں تجارت ترقی کرتی رہی اور ایشیائے کوچک اس تجارت کی سب سے بڑی منڈی بن گیا۔ صور، سارڈس، ساٹیر، الکیونہ اور قرطاجنہ کی تجارت کا اصل مرجع یہی خطہ تھا۔ یونانی شہروں میں صنعت و حرفت اور تجارت زیادہ ترقی کر چکی تھی۔ باہر سے غلہ، لکڑی اور دھاتیں درآمد کی جاتیں۔ روپے کا لین دین بھی تجارت کی ترقی کے ساتھ بڑھتا گیا۔

مقدونیہ کے پہاڑی علاقے میں کوئی تجارتی شاہراہ نہ آتی تھی اور وہاں کے خزانوں میں سونے چاندی کے ذخیرے بھی بہت کم تھے۔ فیلقوس نے تھوڑا سا ساحلی علاقہ فتح کر لیا تھا جس میں بندرگاہیں موجود تھیں لیکن اس کے پاس نہ تو بیڑا تھا اور نہ وہ اپنے کاشتکاروں کو تجارت کی طرف مائل کر سکا بلاشبہ بحیرۂ روم کی دنیا میں خوشحالی روز افزوں تھی لیکن مقدونیہ کی سطح مرتفع تک اس خوش حالی

---

[1] سہ قطاری کا مطلب یہ ہے کہ چپو چلانے والے آدمیوں کی تین قطاریں اُن میں بیٹھتی تھیں تاکہ جہاز کو زیادہ تیزی سے چلایا جا سکے۔

کی ہوا نہ پہنچی تھی۔ اِن حالات میں اہلِ مقدونیہ کے لیے ناگزیر تھا کہ وہ ایشیائی ساحل کی دولت پر قبضہ جمانے کے لیے قدم آگے بڑھاتے۔ ہارپولوس بار بار یہی رائے پیش کرتا تھا۔ اُسے زرِ مسکوک کے ممکنات نے بالکل مسحور کر لیا تھا۔ سکندر بھی ان ممکنات کو خوب سمجھتا تھا۔ اُسے احساس ہو چکا تھا کہ دوسرے ذرائع کے مقابلے میں اہلِ مقدونیہ کی اقتصادی بدحالی کو ختم کرنے کا یہ بہترین ذریعہ ہے۔

بعض خطرات اِس سلسلے میں اس کے عنان گیر تھے مثلاً اُسے اپنی صلاحیتوں پر پورا اعتماد نہ تھا وہ تیس ہزار کی فوج کی سالاریِ عظمیٰ کا منصبِ قبول کرنے سے ہچکچاتا تھا جب پیلا کے باغوں میں سے گزرتا ہوا مندر کی طرف جاتا جہاں ایک زمانے میں وہ ڈر لگایا کرتا تھا تو اُسے دور سمندر لہریں لیتا ہوا نظر آتا تھا۔ جسے وہ اپنے راستے میں مزاحم سمجھتا تھا اور کچھ معلوم نہ تھا کہ اُس سے کیونکر عہدہ برآ ہو۔ جب اُس نے مندر پر یہ عبارت پڑھی: "اب میں غیر فانی ہوں موت کا ہاتھ مجھے چھو نہیں سکتا۔" تو اس کے دماغ میں دور افتادہ ایشیائی دیوتاؤں کا تصور اُبھر آیا۔ اُسے صحیح مشورہ دینے والا کوئی نہ تھا۔ البتہ مختلف قسم کی باتیں بطور مشورہ پیش کرنے والے لوگ تعداد میں بہت زیادہ تھے۔ جب پیلا کے بڑے بڑے ہال اُس کی نگاہوں کے سامنے آتے تو اُسے محسوس ہوتا کہ ان میں قلوپطرا اس کے مقتول بچے نیز مقتول امینٹاس کی روحیں گشت لگا رہی ہیں۔

آخر ایک صبح کو وہ مندر کی طرف نکلا تو پارمینیو اور فلوٹس اُس کے ساتھ تھے۔ انھوں نے اصرار کیا کہ اب مہم پر روانگی کا فیصلہ صادر کر دیجیے۔ سکندر چپ چاپ سنتا رہا اور دیر تک کچھ نہ کہا آخر بولا کہ جب سماک رامح کا طلوع ہوگا تو ہم ایشیا کی طرف کوچ کریں گے۔ پیش قدمی کے جو نقشے بنائے گئے ہیں اُن پر عمل درآمد شروع ہو جانا چاہیے۔ جب وہ محل کی طرف واپس جا رہا تھا تو پھر اُس کی نظر سمندر پر پڑی ——— سمندر بدستور اُسے اپنے ارادوں میں مزاحم معلوم ہوتا تھا تاہم یہ احساس بھی تھا کہ اس سے آگے مشرق میں وہ بلند دیواریں کھڑی ہوں گی جن پر دیوتا رہتے ہیں۔

ارسطو اِس عزم کے خلاف تھا۔ آخری موسمِ سرما میں سکندر زیادہ وقت اُسی کے ساتھ گزارتا رہا۔ وہ اُس زمانے میں سیاسیات پر اپنی کتاب مرتب کر رہا تھا۔ یہ فلسفی جو آگے چل کر صدیوں تک انسانی فکر و نظر کا معیار بننے والا تھا، یونان کے سپہ سالارِ اعظم کو بار بار رائے دیتا کہ اپنی سرگرمیاں

مقدونیہ تک محدود رکھو۔ یہاں کے حالات بہ آسانی اپنے قابو میں لا سکتے ہو۔ امراء کی حفاظت کر سکتے ہو۔ کسانوں کو کھیتی باڑی میں لگائے رکھو۔ یہاں تک کہ وہ تعلیم پا لیں معلوم ہوتا ہے کہ ارسطو کے لیے اہلِ مقدونیہ کی اکثریت کی جہالت بڑی تکلیف دہ تھی۔ افلاطون بھی اپنی کتاب جمہوریت میں اسی نتیجے پر پہنچا تھا کہ صرف چند آدمی سعی و کوشش سے انسانیت کے سدرۃ المنتہیٰ پر پہنچ سکتے ہیں۔ اس کے نزدیک مثالی ریاست کی حیثیت ایک باغ کی سی تھی جس کی چار دیواری میں اعلیٰ درجہ کے پودوں کی پرورش کی جا سکے۔ یہ کیفیتی استدلال تھا اور ارسطو اسی پر زور دیتا۔ خود اس کے معیار بہت بلند تھے۔ وہ کہتا تھا کہ اگر چند آدمیوں کو بھی مقاصدِ حیات کے متعلق صحیح علم سے روشناس کیا جا سکے تو وہ چند لاکھوں ناواقفوں پر حکومت کر سکتے ہیں۔ غالباً ارسطو کے نظامِ فکر میں اس روحِ عالم کا کوئی وجود نہ تھا جس کی طرف افلاطون نے رہنمائی کی تھی، لیکن یقیناً ارسطو بھی ایک محکم محرک کا قائل تھا جسے رہنمائی کا سرچشمۂ قوت سمجھنا چاہیے۔ وہ کہتا تھا کہ اسی ہمیشہ قائم رہنے والے چشمے کی طرف انسانی افکار کا رخ پھیرنا ضروری ہے۔

پریوں کے مجسموں کے نیچے بنچ پر بیٹھ کر ارسطو اپنا عصا بار بار زمین پر مارتا اور کہتا ہمیں وہ خیر، وہ حسن و خوبی اور وہ اچھائی دریافت کرنی چاہیے جس کی غرض سے اس زمین پر زندگی کا ظہور ہوا۔ پھر اس کے پرشکن چہرے پر تبسم کی لہر نمودار ہوتی اور کہتا ہمیں اس زمین میں اس باغ کے اندر اچھے میوہ دار درخت ضرور پیدا کرنے چاہئیں۔ اگر نخلِ حیات یہاں پیدا نہیں ہو سکتا تو نہ سہی۔

اس کی توجہ نوٹوں کے اس گراں قدر مجموعے پر جمی ہوئی تھی جو تقریباً نصف درجن علوم کے لیے اس نے تیار کر رکھے تھے۔ جب وہ بڑے بڑے اسرار کی تشریح کرتا تو اس کی باتیں پوری طرح سمجھ میں نہ آتیں طبیعیات کے مقابلے میں مابعد الطبیعیات کے متعلق اس کے نوٹ بہت معمولی تھے۔ ارسطو بار بار خطرات کا اظہار کرتا۔ وہ کہتا کہ یہ باغ جس میں ہم بیٹھے ہیں۔ یہ مقدونیہ کے پہاڑ، یہ تنگ سمندر جنھوں نے اس زمین کو گھیر رکھا ہے۔ وسیع ربع مسکون کا محض ایک چھوٹا سا گوشہ ہیں۔ ہو سکتا ہے یہ قابلِ آبادی زمین فلسفیوں کے تصور سے بہت زیادہ وسیع ہو، ان دور افتادہ خطوں میں بربری گروہ آباد ہوں گے جن پر کسی یونانی کی نگاہ اب تک نہیں پڑی۔ اگر سکندر

مقدونیہ کی نصف آبادی کو مشرق کی طرف لے گیا تو ہو سکتا ہے بربری گروہ اُسے کھا جائیں یا وہ اُن سرزمینوں میں ختم ہو جائے جو نقشے پر جگہ نہیں پا سکیں۔

شاید ارسطو کو اس وجہ سے مہم کی مخالفت ضروری محسوس ہوئی تھی کہ اُسے سکندر کی میراث کے بارے میں پوری آگاہی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ اولمپیاس میں جنون کی ابتدائی علامتیں نمودار ہیں وہ ایک لمحے کے لیے بھی چین سے نہیں بیٹھتی اور ہر وقت گردوپیش کے لوگوں پر رعب جمانے کی کوشش کرتی رہتی ہے فیلقوس شراب کا متوالا تھا اور اُس نے ایک مجہول بچہ پیدا کر دیا سکندر کی عمر اگرچہ بیس سال کی ہو چکی تھی تاہم وہ عام لوگوں سے میل جول کو پسند نہ کرتا تھا اور اُس کا رجحان یہی تھا کہ اپنی خیالی دنیا میں مگن رہے لیکن یونان کے سپہ سالارِ اعظم نے مہم کے متعلق اپنا ارادہ تبدیل کرنے سے انکار کر دیا۔ ارسطو کو خود اس امر کا اعتراف تھا کہ جانوروں کی طرح آدمی بھی طبعی ماحول کی بنا پر بدل جاتے ہیں۔ پھر کیا وجہ ہے کہ اہلِ مقدونیہ اس طرح اپنے نشوونما کا راستہ بہتر سرزمین میں پیدا نہ کر لیں۔ یونانیوں نے مشرق میں نوآبادیاں قائم کر کے اپنے پھیلاؤ کا انتظام کر لیا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ پیلا کے بنجر ڈھلانوں کے بجائے زرخیز پہاڑیوں کے اطراف میں نئے شہر آباد نہ کیے جائیں۔ سکندر نے پوچھا "آبادکار کون ہوں گے؟ مقدونی؟" ارسطو نے جواب دیا "یقیناً" ساتھ ہی یہ بتایا کہ ابھی تک مقدونی قوم معرضِ وجود میں نہیں آئی۔ تمھارے باپ نے مقدونیہ کا خیال پیدا کر دیا۔ اُس خیال کو مرکز بنا کر قبائل سے ایک فوج تیار کر دی۔ اب مقدونیہ جو کچھ بھی ہے۔ اس فوج کی شکل میں ہے۔ یقیناً فیلقوس نے فتوحات کیں لیکن وہ مفتوحہ علاقوں کا نظم و نسق صحیح اصول پر نہ چلا سکا اور قومیت کا جو تصور اُس نے اپنے ذہن میں قائم کیا تھا عملی صورت پذیر نہ ہو سکا۔ اِس بارے میں نشوونما کے قوانین اٹل ہیں وہ انسان کے بنائے ہوئے نہیں۔ انسان جس طرح پرندوں کا شکار کرتے ہیں اُس طرح راحت کا شکار نہیں کر سکتے۔ سکندر نے ہنس کر کہا کہ یہ تو حقیقت ہے کہ ملاح سمندروں میں اور قافلے صحراؤں میں پرندوں کی پرواز سے رہنمائی حاصل کرتے ہیں۔

جب سماک رامح طلوع ہوا اور موسمِ اعتدال پر آیا تو سفر کا جذبہ سکندر کے تمام جذبات پر غالب آ گیا۔ اب اُس کی آرزو یہ تھی کہ مطلعِ آفتاب کی طرف روانہ ہونا چاہیے خواہ نرد مال ملے۔

خواہ شان و عظمت خواہ نئی سرزمین مل جائے۔ رات کے وقت وہ ٹرائے کی کہانی ضرور پڑھتا اور ہیلن کے حسنِ تاباں کا تصویر اُس کے دماغ میں ضرور قائم ہوتا۔ وہ کہتا کہ اہلِ ٹرائے کو ملزم نہ قرار دینا چاہیے۔ انھوں نے جس عورت کے لیے اتنی لمبی مدت تک مصیبتیں برداشت کیں وہ یقیناً ویسی ہی غیر فانی تھی۔ جیسے دیویاں ہوتی ہیں بطلیموس بولا کہ یہ عجیب بات ہے لوگ عورتوں میں غیر فانی حسن تلاش کرنے کے لیے نکلتے ہیں اور باغ میں شوخ چشم لڑکیوں کے شکار ہو جاتے ہیں۔ اچھا یوری پائیڈیز نے ہیلن کے متعلق کیا کہا تھا۔ کچھ ایسی بات تھی کہ ٹرائے کی ندی کے کنارے مر گیا۔ ایک چہرے کے تخیل میں ایک نام کے سائے کے پیچھے ــــ سکندر بہرحال اپنے ارادے پر قائم رہا۔

جانے کا فیصلہ ہو چکا۔ تو فوجی افسروں کو یہ دیکھ کر بڑی حیرت ہوئی کہ سکندر نے سر و سامان کی ایک ایک چیز کو دیکھا اور جانچنا شروع کیا۔ صاف معلوم ہوتا تھا کہ فوج کو جو جو مرحلے پیش آنے والے تھے اُس کی نگاہوں کے سامنے ہیں۔ ہیروڈوٹس کے سفرنامے کو اُس نے پوری طرح پڑھ لیا۔ ہیکاٹائیس کا نقشۂ عالم بھی دیکھ لیا۔ جو جاسوس ایشیا کے راستے دیکھ چکے تھے اُن میں سے ایک ایک کو بلا کر لاتعداد سوالات کیے۔ غرض وہ نئی سرزمینوں کا پورا نقشہ اپنے دماغ میں قائم کر لینا چاہتا تھا اور تمام جزئیات پر برابر غور کرتا رہتا۔ دیادس نے جو نئی مشینیں تیار کی تھیں اُن کے ساتھ لمبی اور بھاری سیڑھیاں بھی تھیں۔ یہ سیڑھیاں گاڑیوں پر لد کر چلتی تھیں۔ اُن کے ساتھ بھاری اور ہلکے رسّے بھی تھے۔ سکندر نے سوچا کہ ایسی سیڑھیوں کو ندیاں عبور کرتے وقت ساتھ لے جانا مشکل ہوگا۔ لہٰذا دیادس سے کہا کہ ان کی جگہ کوئی دوسری چیز تیار کرو؛ پھر خود ہی تجویز کر دیا کہ رسوں کو گانٹھیں دے کر سیڑھیاں کیوں نہیں بنا لیتے۔

اُس نے کاہن اریسٹانڈر کو بھی حکم دے دیا کہ مہم کے ساتھ چلنے کے لیے تیار ہو جائے۔ بطلیموس کو ایک فوج کی کمان دے دی۔ نیز ہر فوج کے ساتھ دو سردار کے لیے جنھیں ہر روز کا راستہ تجویز کرنا تھا۔ ایک ایک موسم شناس رکھا۔ حیوانات اور نباتات کے متعلق پورے حالات مرتب کرنے کے لیے سائنس داں ساتھ لے لیے۔ یہ بھی طے کیا کہ میں اپنا روزنامچہ خود لکھا کروں گا۔ بطلیموس سے کہا کہ تم بھی لکھا کرو۔ بطلیموس نے جواب دیا کہ آپ تو ایسی باتیں کر رہے ہیں جیسے

درس گاہ کو ساتھ لے چلیں گے۔ عورت تو کوئی ساتھ لے جا نہیں رہے۔ لیکن بڑے آدمیوں اور گویّوں کا جھنڈ تیار کر لیا ہے۔

مقدونیہ کے تجربہ کار جرنیلوں کا احساس یہ تھا کہ یہ فوجی مہم نہیں بلکہ چھان بین کی مہم ہے۔ وہ کہتے تھے کہ بھلا کونسا جرنیل ہے جو اپنا روزنامچہ لکھتا ہے سکندر نے یہ بھی طے کر دیا تھا کہ ہم کم از کم ایک سال باہر رہیں گے یا ممکن ہے زیادہ وقت لگے۔ اُس نے بڑے بڑے فوجی افسروں اور امراء کے ذاتی معاملات کا جائزہ لیا اور سرکاری زمینیں اُن کے حوالے کر دیں۔ ضرورت مندوں کو دینے کے لیے اُس کے پاس روپیہ نہ تھا۔ ساتھیوں میں پرڈکاس بھی تھا جس کے زخم اچھے ہو چکے تھے۔ اُس نے پوچھا: "سب کچھ تو بانٹ رہے ہو۔ اپنے لیے کیا رکھا؟" سکندر نے جواب دیا: "جو قسمت سے میرے ہاتھ آئے گا۔" پرڈکاس نے اس جواب پر تھوڑی دیر غور کیا اور کہا میں بھی قسمت ہی پر انحصار رکھتا ہوں۔

سکندر نے جس طرح یہ حکم دیا تھا کہ سب احکام میری طرف سے جاری ہوں گے اسی طرح ہر تفصیل کی ذمہ داری بھی اپنے اوپر لے لی تھی۔ اولمپیاس کو وہ انٹی پیٹر کی حفاظت میں چھوڑ رہا تھا۔ وہ سخت غصّے میں آگئی اور بولی خاندانی زمینیں ان کے حوالے کر رہے ہو۔ گویا انھیں بادشاہوں کے برابر رتبہ دے رہے ہو۔ یہ کیا بات ہے؟ سکندر نے سنی ان سُنی کر دی۔ اس پر اولمپیاس نے رونا شروع کر دیا اور چیخ چیخ کر بولنے لگی۔ سکندر بولا میں نے تمھارے بطن میں جو وقت گذارا ہے اُس کے لیے بہت بڑا خراج ادا کر چکا ہوں۔

یہ حیرت انگیز جملہ سنتے ہی اولمپیاس خاموش ہو گئی اور اُس کے آنسو خشک ہو گئے صرف اتنا کہہ سکی تم جہاں بھی جاؤ گے میرے خط تمھیں ملتے رہیں گے۔ یوں اولمپیائی کھیلوں کو شروع ہوئے چار سو بیالیس سال گزر چکے تھے۔ سماک رامح طلوع ہو چکا تھا۔ اُس وقت مقدونیہ کی فوج نے شاہراہِ اعظم پر قدم رکھا اور درۂ دانیال کی طرف روانہ ہوئی۔ سکندر بھی اپنی فوج کے ساتھ گرد و غبار میں سے پیدل جا رہا تھا سیاہ بیوسی فالس ..... اُس کے پیچھے پیچھے آ رہا تھا۔ وہ روانہ ہو گیا۔ پھر اُسے واپس ہونا نصیب نہ ہوا۔

دُوسرا حِصّہ

چھٹا باب

غنیم کی سرحد میں داخلہ

یونانی فوج نے سمندر کو بڑی دلجمعی سے عبور کر لیا۔ موسم بڑا خوشگوار تھا۔ بادِ شمالی نے آبنائے کی ابھرتی ہوئی موجوں میں ایک گونا سکون پیدا کر دیا۔ مطلع صاف ہونے کے باعث ایشیائی ساحل کی سرخی مائل زمین صاف نظر آ رہی تھی۔ ٹرائے کی پہاڑی سامنے دکھائی دیتی تھی۔ اس کے پیچھے سلسلۂ کوہ کی وہ کیفیت تھی جیسے اُس زمین کے لیے ریڑھ کی ہڈی کا کام دے رہا ہو۔ بحری مرغابیاں سمندر میں جگہ جگہ اچھل کود رہی تھیں۔ دشمن کے جہاز بالکل ناپید تھے۔ یونانیوں کے وہ حلیف بھی جو اوہام میں ڈوبے ہوئے تھے اعتراف کر رہے تھے کہ شگون بڑے نیک ہیں۔ وہ کہتے تھے اطمینان کے ساتھ سمندر عبور کر لینے کا مطلب یہ ہے کہ دیوتا اس مہم میں ہمارے یاور ہیں اور اس امر کی علامت ہے کہ ضرور کامیابی حاصل کریں گے۔ چھوٹی چھوٹی ماہی گیر کشتیوں اور تجارتی جہازوں کا بیڑا دردانیال کی ابتدا میں فوج کو ایشیائی ساحل پر پہنچانے کا کام انجام دیتا رہا۔ اور جو فوجی یورپی ساحل سے ایشیائی ساحل پر پہنچتے تھے وہ مرحبا اور سلامت باشید کے نعرے بلند کرتے تھے۔ جس یورپی ساحل کے چپے چپے سے وہ واقف تھے اُس پر بھی وہ وداعی نظر ڈالتے جاتے تھے۔

سکندر نے زرہ بکتر پہن رکھا تھا۔ سر پر خود تھا جو سورج کی روشنی میں چمک رہا تھا۔ اُس پر سفید شپر لہرا رہے تھے۔ جب کشتی سے کود کر اُس نے ایشیائی ساحل پر قدم رکھا تو کسی نے عشق پیچاں کا ہار اُس پر سے نچھاور کیا۔ اُسی مقام پر انھوں نے سنگِ سرخ کے پتھر سے کر اپنے سب سے بڑے دیوتا زیوس کے لیے قربان گاہ بنائی جسے تمام راہرووں کا محافظ مانا جاتا تھا۔ ایک قربان گاہ ایتھینا دیوی کے لیے بھی بنائی جس سے مقصود یہ تھا کہ اُن اہلِ ایتھنز کی دلداری کی جائے جو اس مہم میں ساتھ دے۔ قربان گاہ پر چڑھاوے کے لئے انھوں نے سنہری پیالے سے

شراب لنڈھائی۔ پھر شادیانے بجاتے ہوئے ٹرائے پہنچ گئے جس کے بُرج کئی گزش روزگار کے گر چکے تھے۔ وہ سب کھنڈروں میں سے اپنے لیے یادگاریں تلاش کر رہے تھے۔ یہ دیکھ کر بڑے حیران ہوئے کہ اُن کے پیشروں نے ایک چھوٹی سی پہاڑی پر بے مثال زندۂ جاوید کارنامے انجام دیے۔

جو تاجر یا گیر اُس پہاڑی پر رہتے تھے وہ سب جمع ہو گئے تاکہ یونانیوں کو آثارِ قدیمہ دکھائیں۔ وہاں کے مندر میں سیاہ رنگ کی ایک ڈھال اور ایک ٹوٹا ہوا بربط پڑا تھا۔ مندر کے پجاریوں نے حلف اٹھا کر بیان کیا کہ یہ دونوں چیزیں ایکلیز کی ہیں۔ وہ اُنھیں، ایک نیک شگون سمجھ کر سکندر کے پاس لائے۔ سکندر نے چیزوں کو غور سے دیکھا پھر ڈھال رکھ لی اور کہا کہ یہ فوج کے ساتھ ساتھ جائے گی۔ اُس کی جگہ اپنی ڈھال مندر کے حوالے کر دی۔ شام کے وقت جشنِ عام منایا گیا۔ فوج کے ممتاز افسروں نے ایکلیز اور پٹیروکلوسؔ کی قبروں پر جا کر شراب پی۔ یہ دونوں شخص بہت گہرے دوست تھے۔ جب نشہ چڑھ گیا تو اُنھوں نے اپنے بالوں میں ہار اٹکائے۔ کپڑے اتار دیے اور رفتگانِ نام آور کے اعزاز میں رقص کرتے رہے۔ سکندر بنسری بجاتے اور رقص کرتے ہوئے تھک گیا تو مشعلوں کی روشنی میں ایک مقام پر بیٹھ کر ہفاسشن سے باتیں کرنے لگا۔ وہ کہتا تھا میں سوچ رہا ہوں کہ ایکلیز واقعی کوئی نامور جنگجو تھا یا ہومر نے اپنے زورِ تخیل سے ایک افسانوی کردار تیار کر دیا ہے۔ فرض کرو ہومر اپنی شہرۂ آفاق نظم ایلیڈ نہ لکھتا تو کیا ہمیں ایکلیز کے متعلق کچھ بھی معلوم ہو سکتا؟

ہفاسشن نے جواب دیا کچھ بھی نہیں۔ اگر کسی جواں مرد کے کارناموں کی مدح و ستائش کے گیت گانے کے لیے کوئی بلند پایہ شاعر موجود نہ ہو تو ہر کارنامہ دو ہی تین پشتوں میں فراموش ہو جائے گا۔ غرض ہم آج اہلِ یونان یا اہلِ ٹرائے کی یاد میں جشن نہیں منا رہے۔ اُن کی یاد میں رقص و مے نوشی نہیں کر رہے۔ بلکہ اُس کارنامے کی یاد میں سب کچھ ہو رہا ہے جسے ہومر نے شعر کا لباس پہنا کر زندۂ جاوید بنا دیا۔

بطلیموس نے اس سے شدت کے ساتھ اختلاف کیا اور کہا کہ محض زورِ خطابت کی بنا پر کسی واقعہ کو بقائے دوام کا لباس نہیں پہنایا جا سکتا۔ ہیلن جیسی شاندار عورت ہی کو لو، مجھے

ا۔ PATROCLUS

تو درختوں کے اِس جھنڈ میں اُس کی رُوح چلتی پھرتی معلوم ہوتی ہے اور اُس کے شانوں پر لمبے لمبے بال لہرا رہے ہیں۔ ہفاستشن نے بنا کر کہا کہ اگر تمھارا احساس درست ہے تو مہربانی فرما کر کپڑے پہن لیجیے۔

مقدونوی سپاہیوں نے شراب نوشی کے دوران میں زیادہ باتیں نہ کیں۔ انھوں نے اپنی انگلیوں سے نمکین اور سیاہ زمین کو محسوس کیا۔ دور ریوڑ میں بے شمار بھیڑوں کے بچے دیکھے اور بولے کہ یہ خطہ بڑا زرخیز ہے اور ہمارے پتھریلے دامنِ کوہ کے مقابلے میں اس کی زرخیزی بہت بڑھی ہوئی ہے۔

اہلِ مقدونیہ کو ٹرائے کے مختصر سے کھنڈر دیکھ کر بڑی مایوسی ہوئی تھی۔ وہ یہ بھی دیکھ چکے تھے کہ اُن میں کام کی کوئی چیز باقی نہیں۔ تاہم اپنے پرانے اکابر کی قبروں کے پاس اُن کا کیمپ لگا تو انھیں بڑی مسرت ہوئی۔ سکندر نے باشندوں کو حکم دے دیا کہ ٹرائے کی فصیل از سرِ نو بنا دیں اور انھیں ہمیشہ کے لیے ادائے خراج سے مستثنیٰ کر دیا جائے گا۔ جب ٹرائے سے اُس نے قدم آگے بڑھایا تو یہ قدم میدانِ جنگ کی جانب تھا۔

پارمینیو کے جاسوس اطلاعیں لے آئے تھے کہ مشرق کی جانب سے بھاری ایشیائی فوج کوچ کرتی ہوئی چلی آ رہی ہے۔ پارمینیو کو اِس اطلاع سے کوئی تشویش نہ ہوئی۔ وہ اطمینان سے سمندر کو عبور کر چکا تھا اور اپنی احتیاط کوشی کی بنا پر کسی کو عبور کی خبر نہ ہونے دی تھی اب وہ آہستہ آہستہ آگے بڑھ رہا تھا لیکن اسی نشیبی زمین میں سے جو سمندر کے چمکتے ہوئے پانی کے قریب واقع تھی۔ ایڈا پہاڑ اور ایشیائی اولمپس کی سفید چوٹیاں یوں نظر آتی تھیں جیسے سامنے روشنی کے مینار کھڑے ہوئے ہوں۔ جب طلایہ گرد سواروں نے بتایا کہ غنیم سامنے آ گیا ہے تو پارمینیو نے فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا اور دونوں حصے انتہائی دلجمعی سے دریائے گرینی کس[1] کی طرف بڑھنے لگے جو بارش کے پانی کی وجہ سے لبریز بہ رہا تھا۔ وہاں انھیں پہلی مرتبہ ایشیائی رسالہ نظر آیا۔

دریا کے کنارے پر پہنچ کر پارمینیو اور سکندر مقابل کے کنارے پر غنیم کے سواروں اور پیادوں کی تعداد کا اندازہ کرنے لگے۔ گھوڑے نہایت اچھے انتظام و ترتیب کے ساتھ چھوٹی چھوٹی رجمنٹوں میں بٹے ہوئے

---

[1] GRANICUS

تھے۔ سواروں نے ڈھیلا ڈھالا لباس پہن رکھا تھا۔ اُن کی ٹوپیاں رنگین تھیں۔ چھوٹی چھوٹی ڈھالیں اور چھوٹی چھوٹی برچھیاں اُن کے کولھوں پر لٹک رہی تھیں۔ وہ دریا کے کنارے کھڑے خاموش اہلِ مقدونیہ کی ہنسی اُڑا رہے تھے۔ پکار پکار کر کہہ رہے تھے: "یونانیو! یونانیو! تمھیں کس نے پیسے دے کر یہاں بھیجا ہے؟ تم عورتیں ہو کہ گھاگھرے پہن رکھے ہیں؟"

پارمینیو اس طعنہ و تشنیع سے بالکل متاثر نہ ہوا۔ اُس نے دیکھا کہ پیچھے سلسلۂ کوہ کی چوٹی کے ساتھ اور بہت سے سوار کھڑے ہیں، جنھوں نے تیر کمان سنبھال رکھے ہیں۔ ایک مقام پر بہت سے پیادے لمبی لمبی برچھیاں ہاتھ میں لیے استادہ تھے۔ یہ تنخواہ دار یونانی فوج تھی۔ سوار اور پیادے ملا کر بھی یونانی فوج سے کم تھے۔ نیز جنگی ترتیب بالکل طفلانہ نظر آتی تھی۔ ان میں سب سے اچھے ہتھیار ایرانی سواروں کے پاس تھے جو جوش و خروش سے بہنے والے دریا کے کنارے شیخیاں بگھار رہے تھے۔

پارمینیو نے حالات کا پورا جائزہ لے کر تمام تفصیلات خود رائے سکندر کے سامنے پیش کر دیں جو تشویش کا پیکر بنا کھڑا تھا۔ ساتھ ہی کہا کہ ان لوگوں کے طعنہ و تشنیع پر کان نہ دھرو۔ دریا کو عبور کرنے کی کوشش سخت نامناسب ہے۔ یہ بڑا خطرناک ہے۔ بعض جگہ اس کا پانی بہت گہرا ہے۔ وہ ہمارے مقابلے میں جو کچھ کرنا چاہتے ہیں کر لیں۔ ہم آگے بڑھیں گے تو صف بندی قائم نہ رہ سکے گی۔ پھر ہمیں پانی سے باہر نکل کر بلند کنارے کی چڑھائی طے کرنی پڑے گی۔ تمھاری اس بارے میں کیا رائے ہے؟

سکندر: ہیلس پانٹ (درۂ دانیال) کو عبور کرتے وقت تو تمھیں بال برابر بھی تشویش نہ ہوئی تھی۔ اب اس چھوٹی سی کمبخت ندی سے ڈر رہے ہو!

پارمینیو: موقع ایسا ہے کہ اس وقت کچھ نہ کرنا چاہیے۔ فوج جس صورت میں مرتب کھڑی ہے۔ اُسے کھڑی رہنے دو اور چپ چاپ خیمے میں جا بیٹھو۔ غنیم کے پاس پیادہ فوج کا صرف ایک اچھا جیش ہے۔ رات ہو جائے گی تو وہ کبھی ہمارے قریب نہ ٹھہریں گے۔ صبح تک وہ یہاں سے رخصت ہو جائیں گے۔ پھر ہم اطمینان سے دریا عبور کر لیں گے اور ایک آدمی کو بھی ضرر پہنچنے کا اندیشہ باقی نہ رہے گا۔

سکندر: پھر کیا ہو گا؟ وہ بدستور ہماری ہنسی اڑا رہے ہیں۔

پارمینیو کو ایشیائیوں کی روش کے خلاف جوش اور غصے کا یہ اظہار سراسر طفلانہ معلوم ہوتا تھا۔ وہ سمجھ رہا تھا کہ دریا کے اندر تجربہ کار مقدونی فوج کو رسالے کے مقابلے کی دعوت دینا ایک بالکل نئی بات ہے لیکن سکندر کو گوارا نہ تھا کہ ایشیائیوں کی دعوت کا بروقت جواب نہ دیا جائے اُس نے ہراول کو حکم دے دیا کہ فوراً دریا میں اتر پڑو اور خود فوج خاص میں سب سے آگے جا کھڑا ہوا جو دائیں بازو پر متعین تھی۔ اُس روز بیوسی فالس پر سوار نہ تھا۔ وہ تیزی سے فلوٹس کے پاس پہنچا اور یہ کہتا ہوا دریا میں کود پڑا کہ میرے ساتھ آؤ۔

اگلی ساعت میں وہ سب مصیبتیں ایک دم ہجوم کر کے آگئیں، جن کا خدشہ پارمینیو پہلے ظاہر کر چکا تھا۔ سکندر دریا میں اترا تو پانی گھٹنوں تک تھا، لیکن اتنا تیز بہ رہا تھا کہ وہ نیچے کی طرف جانے لگا۔ اسی طرف ایرانیوں کے رسالے کا "قلب" متعین تھا۔ اس افراتفری میں صف بندی ٹوٹ گئی۔ سکندر کی فوج کے آدمی قدم قدم پر ٹھوکریں کھاتے اور پانی میں بہتے چلے جاتے تھے اوپر سے تیروں کی بارش ہو رہی تھی۔ دریا کے پانی میں تیر گرتے ہی پھوار پیدا ہوتی جس سے آنکھیں چندھیا جاتیں۔ یونانی کیچڑ میں سے ہوتے ہوئے پتھروں کے سہارے آگے بڑھے اور مقابل کے کنارے پر پہنچے۔ وہاں سواروں سے مڈبھیڑ ہوئی جنھیں بڑی ہنرمندی سے اِدھر اُدھر دوڑایا جا رہا تھا۔ یونانیوں کی لمبی برچھیاں، ڈھالوں، پتھروں اور جھاڑیوں میں شیشے کی جھنجھناہٹ پیدا کر رہی تھیں۔ گھوڑے گرتے اور سوار پانی میں بہ نکلتے۔ اِس اثنا میں سکندر بھی گر گیا۔ اُس کے جو ساتھی زندہ تھے، وہ سفید شہپروں کو دیکھتے ہوئے اُس کے ارد گرد آ کر جمع ہو گئے اور اپنی تلواریں کھینچ کر اُس پر سائبان سا تان دیا۔ ایرانی سر عسکر سکندر کی طرف بڑھا! ایک برچھی سکندر کے سینہ بند کے جوڑ میں جا لگی اور اس کے شہپر نکل کر زمین پر گر گئے۔ اُس نے نئی برچھی لینے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ آدمی نے دستہ ہلا کر بتا دیا کہ وہ ٹوٹ چکی ہے۔

اسی اثنا میں سکندر کے خود پر تلوار کی ایک ضرب پڑی اور نیچے تک اتر گئی۔ اُس کے ہوش و حواس گم ہو گئے اور تھوڑی دیر تک آنکھوں کے آگے اندھیرا چھایا رہا۔ اس نے اپنا سر جھکا لیا۔ کلائی ٹس بالکل پاس کھڑا ہوا اُس پر سے وار روک رہا تھا لیکن سکندر کو وہ نظر آیا نہ ایک

ایرانی سردار نے جس کی زرہ چمک رہی تھی سکندر پر ایک اور ضرب لگانی چاہی لیکن کلائی ٹس نے تیزی سے اُس کا بازو کاٹ ڈالا اور سکندر کو اپنی ڈھال کی پناہ میں لے لیا۔ مقدونوی فوج نے اپنے سردار کو بچانے میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا۔ سکندر کی خاص گارد بے ترتیبی کی نذر ہو چکی تھی۔ کریٹ کے تیراندازوں نے اُس گارد کے بچاؤ کا بندوبست کیا۔ پارمینیو نے لمبی برچھی والی پیادہ فوج کو آگے بڑھایا۔ یہ لوگ ترتیب سے آگے بڑھتے ہوئے ایرانیوں کے مقابلے پر جا کھڑے ہوئے دفعتاً ایرانی سوار پیچھے ہٹے۔ گویا دریا میدانِ جنگ نہ رہا۔ کلائی ٹس نے پسینہ پونچھا اور سکندر کی طرف دیکھ کر کہا: "اچھا آپ وہیں ہیں۔"

اب سکندر سب کچھ دیکھ رہا تھا اور اُس نے اپنے ہاتھ پاؤں بھی ہلانے شروع کیے۔ زبان سے کچھ نہ کہا لیکن اپنے ساتھیوں کو دوبارہ فوجی ترتیب میں جمع ہوتے دیکھتا رہا پھر انھیں ساتھ لے کر تنخواہ دار یونانی فوج کے محکم مربع پر بجلی کی طرح جا گرا جس نے رسالے کے مقابلے میں بھی پیچھے ہٹنا گوارا نہ کیا تھا۔ تنخواہ دار یونانی اپنی برچھیوں کی باڑھ کے پیچھے پتھر کے پیکروں کی طرح جمے کھڑے رہے۔ ایک برچھی سکندر کے گھوڑے کے لگی۔ وہ گرا اور سکندر بھی بعد سے زمین پر آ رہا۔ بدن پر جگہ جگہ خراشیں آئیں۔ وہ دوبارہ سوار ہوا تو بچے کھچے کرایہ دار یونانی جن کی تعداد دو ہزار تھی ہتھیار ڈال کر اپنے آپ کو فاتح کے حوالے کر چکے تھے۔

اُس وقت تک تنخواہ دار یونانی رسالہ پہاڑیوں میں نگاہوں سے اوجھل ہو چکا تھا۔ اور مقدونوی سپاہی میدان میں پھر کر ہتھیار اور دوسری قیمتی چیزیں تلاش کر رہے تھے دریائے گرینی کس وادی میں سے اسی جوش و خروش سے بہ رہا تھا۔ سکندر کے آدمی سخت مصروف تھے۔ ایک گروہ کیمپ لگا رہا تھا۔ دوسرا زخمیوں کو اٹھا رہا تھا۔ تیسرا ہتھیار جمع کر رہا تھا۔ سکندر کو بڑی مشکل سے یاد آیا کہ جو گھوڑا اُس کی سواری میں تھا وہ مارا گیا اور اُسے نئے گھوڑے پر سوار ہونا پڑا۔ کلائی ٹس غائب تھا۔ فلوٹس کہہ رہا تھا کہ خاص محافظ فوج کے کم از کم ایک سو آدمیوں کو یہیں دفن کرنا پڑے گا۔

سکندر ندی پر پہنچا۔ خود اتار کر پھینکا۔ اور اپنا سر برفانی پانی سے دھویا۔ اب اُسے سخت بھوک لگ رہی تھی۔ وہ اپنے بال خشک کر رہا تھا کہ پارمینیو بھی چند افسروں کے ساتھ آ پہنچا۔

اور اُس نے نپے تلے لفظوں میں کہا کہ آپ نے بھاری خطرہ مول لیا لیکن دریا سے بڑے اچھے انداز میں گزرے۔ اس سے اُن آدمیوں کو بڑی تقویت ہوئی جو آپ کے ساتھ تھے۔ کیا آپ کو معلوم نہیں کہ تنخواہ دار یونانی جب تنہا رہ گئے تو انھوں نے صلح کی شرطیں طلب کیں۔ سکندر بولا اچھا تو وہ یونانی تھے اور پیسے لے کر یونانوں کے خلاف لڑے۔ پارمینیو: "اگر آپ یونانیوں کے مقابلے یونانیوں کو دیکھ کر حیران ہو رہے ہیں تو آپ کو ایسی بہت سی حیرانیوں سے سابقہ پڑے گا۔

پارمینیو نے بتایا کہ اُن تنخواہ دار یونانیوں میں سے بیشتر ایتھنز کے باشندے تھے۔ ان میں سے جو لوگ لاشوں کے پیچھے چھپے ہوئے تھے۔ اُنھیں بھاگ نکلنے کا موقع مل گیا۔ اُن کا سالار مارا گیا۔ بہت سے ایرانی امرا بھی کھیت رہے۔ میدانِ جنگ میں دیکھ بھال کی گئی تو جو لاشیں ملیں اُن میں سے ایک شاہنشاہِ ایران کے داماد کی تھی۔ اُس کا چچا اور بہت سے ساتھی بھی مارے گئے۔ صوبوں میں سے ایک کا گورنر، ایک کا نائب السلطنت اور بہت سے افسر مقتولین میں شامل تھے ایرانی رسالے کے سپہ سالارِ اعظم نے پسپائی کے وقت خودکشی کر لی۔

سکندر کو اس بات پر بڑی حیرت ہوئی کہ یہ سب کچھ واقع ہو چکا ہے اور اتنا لمبا وقت گزر چکا ہے، حالانکہ اُس کا احساس یہ تھا صرف چند لمحے گزرے ہیں۔ دریا پر تاریکی چھا رہی تھی اور پہاڑ کی چوٹیوں پر غروبِ آفتاب کی آخری جھلک ناپید ہو رہی تھی۔ پارمینیو نے کہا آج بڑا نقصان ہوا۔ بہت سے ساتھی دریا میں مارے گئے۔ سکندر دو مرتبہ جانی خطرے سے بچا۔ ایک مرتبہ کلائی ٹس کی چابک دستی نے اُسے بچا لیا۔ دوسری مرتبہ صرف خوش نصیبی اُس کی یاور ہوئی۔ اس نے اپنے محافظ رسالے کو خطرے میں ڈالا۔ شکست کا قوی اندیشہ پیدا ہو چکا تھا۔ اگر شکست ہوتی تو آغازِ مہم ہی پر یہ امر لوگوں کے لیے انتہائی حوصلہ شکنی کا باعث بن جاتا۔ لیکن پیادہ فوج کی رائے یہ نہ تھی۔ اُن کا نقصان رسالے کے مقابلے میں بہت کم تھا۔ وہ کہتے تھے کہ کائی رونیا کی طرح آج بھی سکندر نے خود فوج کی کمان کرتے ہوئے فتح پائی۔ ایسا معلوم ہوتا ہے کہ جنگ کے دیوتا اینالیوس[1] کی روح اُس میں سرایت کر گئی ہے۔ اِس لڑائی کے بعد فوج کی یہ حالت ہو گئی کہ سکندر جہاں بھی اُسے لے جاتا کوئی آدمی سرتابی کے لیے تیار نہ ہوتا

۱ؔ ENYALIOS

رات ہو گئی تو سکندر نے فوج میں گشت لگانا شروع کی جگہ جگہ الاؤ جل رہے تھے۔ وہ ہر الاؤ کے پاس پہنچتا۔ جہاں طبیب زخمیوں کی مرہم پٹی کر رہے تھے اُن کے علاج معالجے کی نگرانی کرتا۔ سپاہیوں کے حالات پوچھتا اور جو جو کارنامے انھوں نے دن بھر میں انجام دیے تھے انھیں توجہ اور محویت سے سنتا۔ اُس نے حکم دے دیا کہ محافظ دستے کے ایک ایک سپاہی کو ہتھیاروں کے ساتھ دفن کیا جائے اور ان کے کنبوں کو اطلاع بھیج دی جائے کہ آیندہ سے نہ فصل کا عشر وصول کیا جائے گا اور نہ کوئی خدمت لی جائے گی۔ ساتھ ہی اُس نے اپنے مجسمہ ساز لسی پَس[1] کو حکم دے دیا کہ جو لوگ میدانِ جنگ میں مارے گئے اُن میں سے ممتاز آدمیوں کی یادگاریں کانسی کے مجسمے ڈھالے جائیں اور اُن مجسموں کو اُس ستون کے آس پاس نصب کر دیا جائے۔ جو میدانِ جنگ میں بنایا جا رہا تھا۔ تاکہ اُن کی یاد تازہ رہے۔ اور لوگوں کے دماغوں سے اُن کے خدوخال محو نہ ہونے پائیں۔

اِن انتظامات سے فارغ ہوا تو سکندر نے مالِ غنیمت بھرا ہوا ایک جہاز اولمپیاس اور اینٹی پیٹر کے لیے بھجوا دیا۔ اُن میں سے تین سو ایشیائی زرہیں اِس غرض سے بھیجی گئیں کہ انھیں ایتھنز میں پارتھینان کے مندر میں چڑھاوے کے طور پر پیش کر دیا جائے اور یہ کتبہ لگا دیا جائے کہ فیلقوس کے بیٹے سکندر اور تمام یونانی بہ استثنائے اہلِ سپارٹا یہ چڑھاوا پیش کر رہے ہیں۔ جو انھوں نے ایشیائی اجنبیوں سے بزور چھینا۔ سکندر نے روپیہ بھی مقدونیہ بھیج دیا اور یونانیوں کی حبِ وطن کو خراج بھی پیش کیا۔ دریائے گرینی کس میں سرفروشانہ گھس پڑنے کی غلطی پھر اُس سے کبھی سرزد نہ ہوئی۔ فوجوں کی کمانداری کے اصول اُس نے بہت جلد سیکھ لیے۔

خاصا وقت گزر جانے کے بعد روما کے مشہور مؤرخ آریان[2] نے لکھا کہ سکندر کو بہت جلد اندازہ ہو گیا اُسے کچھ کرنا چاہیے۔ دوسرے لوگ تذبذب اور بے یقینی میں مبتلا رہے۔ سکندر میں یہ صلاحیت پیدا ہو چکی تھی کہ حقائق کے مشاہدے سے فوراً پیش آنے والے واقعات کا زیادہ سے زیادہ صحیح اندازہ کر لیتا تھا خطرے کا مقام ہوتا تو وہ اپنی بے باکی اور بے خوفی سے اپنے آدمیوں کا خوف زائل کر دیتا۔ بعد ازاں جو کچھ اُسے کرنا تھا بڑی تیزی اور جواں مردی سے انجام دینے لگا۔ اگرچہ بعض حالات میں اُسے نتیجے کے متعلق پورا یقین نہ تھا۔

---

[1] LYSIPPUS [2] ARRIAN

جنگ گرینی کس کے بعد سب سے ضروری کام یہ تھا کہ تیزی سے کوچ کیا جاتا۔ ایک جیش اُس مقام کی حفاظت کے لیے چھوڑ دیا گیا جہاں سے فوج نے سمندر عبور کیا تھا۔ باقی فوج ساحلِ ایشیا کے ساتھ ساتھ جنوب کی طرف روانہ ہو گئی۔ روزانہ کم و بیش بیس میل کا فاصلہ طے کیا جاتا۔ پارمینیو کو سکندر کی بے باکی پر بڑی تشویش تھی۔ اُسے یہ اطلاع مل چکی تھی کہ روڈز کے تنخواہ دار یونانیوں کا تجربہ کار کمانڈر میمنان گرینی کس کے میدانِ جنگ سے بچ کر نکل گیا ہے۔ جنگ سے پہلے ایرانیوں نے طریق کار کے متعلق مشورہ کیا تھا تو میمنان نے یہ رائے دی تھی کہ مقدونوی فوج آگے بڑھے تو ایرانیوں کو آہستہ آہستہ پیچھے ہٹنا چاہیے اور لڑائی سے احتراز کریں۔ جہاں جہاں سے گزریں فصلوں کو تباہ کرتے جائیں۔ غلوں کے ذخیرے جلا دیں، دیہات کو باشندوں سے خالی کر دیں تاکہ حملہ آوروں کو راستے میں نہ چارہ مل سکے، نہ خوراک اور نہ کسی قسم کی امداد۔ اِس طرح وہ ملک کے اندر پہنچ جائیں تو ایرانی فوج کی تیز نقل و حرکت سے اُن کا اپنے وطن کی طرف لوٹنے کا راستہ منقطع کر دیا جائے۔ پارمینیو کو سب سے بڑھ کر اسی تدبیر کا خطرہ تھا۔

ایرانی قوت ملک کے اندر بالکل محفوظ تھی اور اس پر مقدونویوں کو دسترس حاصل نہ تھی۔ ایرانی بیڑا پورے ساحل کی دیکھ بھال کر رہا تھا۔ قوی اندیشہ تھا کہ وہ دردِ دانیال میں گھس کر مقدونوی فوج کے وسائلِ مخابرت کاٹ دے گا یا اہلِ سپارٹا کی امداد سے یا امداد کے بغیر یونان پر حملہ کر دیگا اور پارمینیو کو معلوم ہو چکا تھا کہ روڈز کا میمنان اِسی غرض سے بحری بیڑے کی طرف چلا گیا ہے۔ مقدونوی فوج کو ایک طرف سے سمندر نے روک رکھا تھا اندرونِ ملک میں ایرانی فوج سے خطرہ تھا اور وہ چکر کاٹتی ہوئی ساحلی راستے سے نیچے کی طرف بڑھی چلی آ رہی تھی۔

ساتواں باب

پہلا گرما اور پہلا سرما

یونانی فوج پر رونق ساحل کی عمدہ سڑکوں پر تیزی سے بڑھتی چلی جا رہی تھی۔ اُس وقت سکندر کو اندازہ ہوا کہ وہ اپنے اوّلین اور واضح مقصد کو پورا کرنے میں ناکام رہا ہے۔ نئی جمعیت متحدۂ یونان کے سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت میں ایشیا پر حملے کا اصل مقصد یہ تھا کہ یونانی نوآبادیوں کو شہنشاہِ ایران کے جوئے سے نجات دلائے، لیکن سکندر پر واضح ہو گیا کہ یونانی نوآبادیاں قطعاً آزادی کی خواہاں نہیں۔ زرخیز ساحل کے ساتھ ساتھ اُسے بھوت نظر آ رہے تھے۔ کہیں کہیں باغ تھے اور نہایت عمدہ مرغزار۔ جنگل۔ کانیں اور صنعت گاہیں تھیں۔ اگرچہ اُس کے پاس جاسوسی کا نظام نہایت عمدہ تھا لیکن ان بھوتوں کے متعلق اُسے کوئی صحیح اطلاع نہ مل سکی اب اُسے معلوم ہو گیا بھوتوں کو مارنا بہت مشکل ہے۔ میزا کی درسگاہ میں ان کے متعلق اُسے کچھ معلوم نہ ہو سکا تھا۔

ٹائٹنوں[1] کے عہدِ زریں میں قدیم زمانے کے انسانوں کے اندر الوہیت کا شعلہ پیدا ہوا تھا۔ اُس کے بعد دھند لکے کا دور آیا تو یونانی قبیلے شمالی جنگلوں اور سطحِ مرتفع سے اُتر کر مسطح زمینوں میں پہنچے اور بحیرۂ روم کے ساتھ ساتھ ساحلی علاقوں میں آباد ہو گئے۔ مغربی سواحل کے خطّے زیادہ زرخیز نہ تھے۔ لہٰذا بہت قبیلے ہمت کر کے سمندروں میں اتر گئے۔ اور جزیروں میں پہنچ کر وہاں آباد ہوئے۔ انھیں "بحری لوگ" کہنے لگے جیسے قبیلہ "سردانہ"[2] جو انجام کار جزیرۂ سردانیہ میں آباد ہوا۔

ان میں سے جو لوگ مشرق کی طرف نکل گئے تھے۔ انھیں بہت اچھی زمینیں اور نہایت عمدہ جنگل مل گئے، جن کا سلسلہ لبنان کے دیوداروں تک پھیلا ہوا تھا۔ موسمِ سرما کی برف کے پانی سے خطّے سیراب تھے۔ دردانہ[3] قبیلہ آبنائے (دردانیال) کے دہانے پر مقیم ہو گیا۔ دوسرے یونانی

---

[1] TITAN یونانی افسانوں کے مطابق یہ زمین اور آسمان کے بچے تھے جن میں چھ لڑکے تھے اور چھ لڑکیاں تھیں۔

[2] SARDANA یہ لوگ جزیرۂ سارڈینیا میں آباد ہوئے جسے عرب سردانیہ کہتے تھے۔

[3] DARDANA ظاہر ہے کہ آبنائے دردانیال کا نام انھیں کے نام پر مشہور ہوا۔

قبیلے ترکِ وطن کر کے ایشیا کے اُس علاقے میں پہنچ گئے جو یونان سے قریب تر تھا۔ ان میں سے جنگجو سمریؔ[1] اُس سطحِ مرتفع سے آئے تھے جو کریمیا کے شمال میں واقع ہے (سمیریؔا) مشرق سمت کے تارکانِ وطن کو مغربی سمت کے تارکانِ وطن سے بدرجہا بہتر زمینیں مل گئیں۔

جو لوگ یونانی جزیرہ نما میں ٹھہرے رہے وہ تنگ وادیوں میں آباد ہوئے۔ اُن کے آس پاس جو درخت تھے وہ کٹتے رہے اور پہاڑیوں کے ڈھلان درختوں سے بالکل خالی ہو گئے۔ پہاڑی خطوں میں بھی پیداوار کا اوسط گھٹ گیا۔ پھر باشندوں نے سمندر پار جانے کی کوششیں شروع کر دیں چنانچہ جگہ جگہ نو آبادیاں قائم ہوئیں جن میں سے مشرقی ساحل کی نو آبادیاں بطورِ خاص قابلِ ذکر ہیں یونان میں یا زیتون ہوتے تھے یا انگور ان کے مقابلے پر نو آبادیوں میں انواع و اقسام کی فصلیں ہوتی تھیں۔ مٹی اتنی عمدہ تھی کہ اُس سے خوبصورت چیزیں بنائی جاتی تھیں۔ لکڑی اتنی اچھی تھی کہ جہاز تعمیر کیے جا سکتے تھے۔ ان آبادکاروں کی زندگیاں اصل یونانیوں کی زندگیوں سے بدرجہا بہتر گزرنے لگیں۔ یہاں تک کہ انھیں کا نعقہ تھینز، سپارٹا یا تھیبز کی یاد بھی باقی نہ رہی۔ وہ ایشیائے کوچک کے نئے شہروں کے شہری بن گئے۔

سکندر اپنے ساتھ اُس سمندر کے مفصل نقشے لایا تھا جو یونان اور ایشیائے کوچک کے مابین واقع تھا یعنی بحیرۂ ایجیہؔ[3]۔ یہاں ایشیائی ساحل پر یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ وہ یونان سے کس قدر

---

[1] CIMMERIANS یعنی ادمی۔

[2] مصنف کے بیان کے مطابق یونانی توسیعِ آبادی کی روائتی تاریخیں یہ ہیں: بسواحل پار اور جزیروں میں پہنچا سنہ ۱۱۰۰ ق م سے سنہ ۱۰۰۰ ق م تک۔ اسی دور کے اواخر میں ٹرائے کا محاصرہ پیش آیا۔ ہومر کی نظمیں غالباً آٹھ سو قبل مسیح میں لکھی گئیں۔ مغربی یونانیوں کی آبادکاری کی تاریخی توسیع سنہ ۷۵۰ ق م سے سنہ ۵۵۰ ق م تک رہی۔ ایرانیوں کے ساتھ پہلی اور دوسری جنگیں سنہ ۴۹۹ ق م سے سنہ ۴۷۹ ق م تک۔ خانہ جنگی سنہ ۴۳۱ ق م سے سنہ ۴۰۴ ق م۔ بلقان پر قبضہ جمانے، مقدونیہ کے ساحل کو آزاد کرانے اور یونانی شہری ریاستوں پر اقتدار حاصل کرنے کے لیے فیلقوس نے جن مہموں کا انتظام کیا ان کا زمانہ سنہ ۳۵۹ ق م سے ۳۳۶ ق م تک ہے۔ سکندر درِ دانیال کو عبور کر کے سنہ ۳۳۴ ق م میں ایشیا پہنچا۔

[3] AEGEAN SEA یعنی بحیرۂ روم کا وہ مشرقی حصہ جو یونان اور ایشیائے کوچک کے مابین واقع ہے اور اس میں بہت سے چھوٹے چھوٹے جزیرے ہیں۔

قریب ہے۔ ایک تیز جہاز موافق ہوا کی لہروں میں ایشیائی ساحل سے صرف تیس گھنٹے کے اندر ایتھنز پہنچ سکتا تھا۔ حالانکہ ایتھنز سے جو فوج خشکی کے راستے آئی تھی۔ اُسے یہ مسافت طے کرنے میں ایک مہینا لگ گیا تھا۔ پھر اس سمندر میں جگہ جگہ جزیروں کا زنجیرہ پھیلا ہوا تھا، یہاں تک کہ کوئی شخص سمندر کے راستے ایتھنز جانا چاہتا تو زمین اُس کی نظروں سے ہرگز اوجھل نہ ہوتی۔ جزیروں کے درمیان زیادہ سے زیادہ فاصلہ صرف پچیس میل کا تھا۔ بحیرۂ ایجیہ کے بعض جزیروں میں عظیم الشان شہر آباد ہو گئے تھے جو دنیا کے عجائبات میں شمار ہوتے تھے مثلاً جزیرۂ روڈز اور جزیرہ لس بوس[1] میں۔

یہ تمام نوآبادیاں پھیل کر اور ترقی پا کر درجۂ کمال پر پہنچ چکی تھیں اور بحیرہ بادرِ وطن کے شہروں سے انھیں رقابت تھی۔ ساحل پر نہایت اچھی بندرگاہیں بن گئی تھیں۔ خود یونان میں ایسی بندرگاہیں کہیں نہ تھیں۔ اندرونِ ملک سے جو مال آتا تھا اُس کا آخری تجارتی مرکز یہی بندرگاہیں تھیں آرمینیا اور عراق سے جو قیمتی جنسیں آتیں وہ انھیں بندرگاہوں سے مختلف سمتوں میں بھیجی جاتیں۔ ان میں جتنے جہاز چلتے پھرتے نظر آتے تھے وہ سب انھیں بحرپیما یونانیوں کی ملکیت تھے جنھوں نے ایشیا میں توطن اختیار کر لیا تھا، کارنتھ سے جو سنار وطن چھوڑ کر ان نوآبادیوں میں بس گئے تھے انھیں بافراط یہاں سونا مل رہا تھا۔ ملیٹس کی بندرگاہ میں جو ناٹک دکھائے جاتے تھے اُن کے ایکٹروں کو کارنتھ کے تھیٹر کے مقابلے میں تماشائیوں کی بہت بڑی تعداد دیکھنے آتی تھی۔

نقلِ وطن کے ان نیم فراموش شدہ واقعات کے ثبوت اُن دو دنیا کے ساحل پر موجود تھے۔ ارسطو نے ایک مثالی شہر کے لیے جو جو چیزیں ضروری قرار دی تھیں وہ بھی یہاں موجود تھیں مثلاً امراء کا طبقہ بڑا دولت مند تھا۔ اُس کے پاس مطالعے کے لیے فرصت کا خاصا وقت تھا۔ اندرونِ ملک سے جو غلام لائے گئے تھے۔ وہ محنت و مشقت کا کام کرتے تھے۔ تنخواہ دار سپاہی شہروں کی حفاظت کا فرض انجام دیتے تھے ان نوآبادیوں میں ایک کثیر الافراد طبقہ پیدا ہو چکا تھا جس نے اعلیٰ تعلیم پائی۔ دامنِ کوہ کی خشکی میں باغات لگائے گئے۔ جن کے کناروں پر دیودار کے درخت کھڑے تھے۔ باغوں کے اندر سنگِ مرمر کے کوشک بنے ہوئے تھے۔ ان میں

---

[1] LESBOS

یہ لوگ رہتے، افسانوی سیمی رمیس[1] کی طرح اس طبقے کی عورتیں شہروں پر اکثر حکومت کرتیں۔ ان لوگوں نے مقدونوی افسروں کے اعزاز میں نہایت عالی شان دعوتوں کا انتظام کیا۔ ان دعوتوں میں سبز مند غلام بربط اور بانسری بجا کر سامع نوازی کرتے تھے۔ ارسٹوفینز کے ہجویہ اشعار اکثر پڑھے جاتے لیکن انھوں نے اپنے دلی خیالات کسی پر ظاہر نہ ہونے دیے۔ اُن میں بڑے بڑے دولت مند بادشاہ گزر چکے تھے مثلاً مائی ڈاس، کروئی سس۔ گارڈیس[2] اور خود ان کی دولت کا یہ حال تھا کہ قمار کی ایک ایک بازی میں بارہ بارہ ٹیلنٹ بے تکلف لگا دیتے۔ ان کی عورتوں نے ایک وضع کے موتیوں کے ہار اور سنگِ یشب کی زنجیریں پہنی ہوئی تھیں۔ یہ عورتیں جزیرہ لس بوس اور جزیرہ چی اوس[3] کی تھیں۔ نہایت عمدہ اور دلکش خوشبوئیں لگا کر باہر نکلتیں۔ غرض یہ لوگ دولت کی لہروں پر بہتے چلے جا رہے تھے۔ اپنے خاندانی روابط پر انھیں بڑا فخر تھا۔ دل کے بھید کسی پر ظاہر نہ کرتے انھیں نو آبادیوں میں راحت و آسائش کی فراوانیوں کا صحیح احساس تھا۔ مقدونوی بربریوں نے وہ راحت و آسائش کبھی خواب میں بھی نہ دیکھی تھی۔

بندرگاہوں میں رہنے والا یہ طبقہ، امرا خالص یونانی زبان بولتا تھا۔ اندرون ملک کے ایرانی مادری زبان بھول چکے تھے۔ بندرگاہوں میں حالات کے تقاضے کی وجہ سے ایک نئی ملی جلی زبان پیدا ہو چکی تھی۔ مشرق میں بسنے والے ان یونانیوں کو میراتھان اور سلیمیس کے شاندار کارناموں کا محض خفیف سا احساس تھا۔ وہ اعتراف کرتے تھے کہ یونان کا اتحاد اور اُس کی قوت و طاقت کا احیاء ضرور مطلوب ہے جس میں بحیرۂ ایجیہ کی پوری دنیا کو شامل ہو جانا چاہیے یہ بھی کہتے تھے کہ آزاد جمہوریتوں کا وجود ہر اعتبار سے قابلِ قدر ہے۔ لیکن ساتھ ہی یہ بھی سمجھتے تھے کہ دولت کی ریل پیل تجارت پر موقوف ہے اور تجارت کی ترقی کا انحصار اُن علاقوں سے آنے والی جنسوں پر منحصر ہے۔ جن پر شہنشاہِ ایران حکمران تھا۔ یونانیوں کے ساتھ شاہنشاہِ ایران

---

[1] SEMIRAMIS زمانۂ قدیم کی مشہور ملکہ جسے نینوی کی اشوری سلطنت کا بانی قرار دیا جاتا ہے۔ در اصل وہ بابل کی رہنے والی تھی۔ بیالیس سال کی حکومت کے بعد اُس نے سلطنت اپنے بیٹے کے حوالے کر دی۔

[2] GORDIUS

[3] CHIOS یہ جزیرہ ایشیائے کوچک کے ساحل سے قریب سمرنا کے سامنے واقع ہے۔

کا برتاؤ بہت اچھا تھا کم از کم اُن یونانی افسروں کے مقابلے میں یقیناً قابلِ قدر تھا جو اس کے پاس ملازم تھے مثلاً ان کا سا محصول وصول کیا جاتا اور کبھی کبھی جنگی جہازوں میں خدمت کی جاتی۔

سکندر کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ آئی رونیا میں رہنے والے یہ یونانی حبِ وطن سے اتنے ہی بے بہرہ ہیں جتنے کہ اجنبی ہو سکتے ہیں۔ وہ یونان کی آزادی اور عظمت و شوکت کی خاطر کوئی قربانی کرنے پر آمادہ نہیں۔ وہ خود اس کے نقشۂ عمل کو اس وجہ سے قبول کر رہے تھے کہ اُس کے پاس بھاری جنگی قوت موجود تھی اور انہیں کچھ معلوم نہ تھا کہ کل تقدیر کا پانسا کیا صورت اختیار کرے گا۔ نیارکس نے کہا یہ لوگ اہلِ کارنتھ سے بھی زیادہ جھوٹے ہیں لیکن ان کے پاس جو جہاز ہیں وہ بڑے شاندار ہیں۔ اس ظاہری اطاعت اور خفیہ مخالفت کی فضا میں سکندر پھونک پھونک کر قدم اٹھا رہا تھا۔ اُسے حد درجہ مایوسی ہوئی اس لیے کہ ایشیائی یونانیوں کی جو کیفیت تھی اس کا صاف مطلب یہی تھا کہ بدنی اور مادی نہیں تو کم از کم فکری و اخلاقی اعتبار سے جنگ کی حالت قائم تھی۔

ابتدا میں اہلِ مقدونیہ کی پیش قدمی سراسر فاتحانہ تھی اور انھیں یقین ہو رہا تھا کہ وہ وقت کی اس دوڑ میں کامیاب ہو جائیں گے۔ مشرقی سمت میں یونانیوں کی آخری منزل سارڈس تھی جہاں ایرانی حکومت کا ایک مرکز قائم تھا۔ سارڈس میں جو ایرانی فوج تھی وہ گورنر کے ساتھ شہر چھوڑ کر چلی گئی اور اہلِ شہر کے مشیروں نے پھولوں اور گیتوں سے سکندر کا استقبال کیا۔ وہ اس شہر کی سہ گانہ فصیلوں میں سے گزرتا ہوا بالا حصار کی چوٹی پر پہنچ گیا۔ وہاں اُس نے اپنی یادگار میں ایک نئے مندر کی تعمیر کا انتظام کر دیا۔ اس شہر میں جو ایرانی خزانہ موجود تھا، اُسے بدستور محفوظ چھوڑا۔ افی سوس میں غنیم کا جو لشکر موجود تھا وہ جہاز پر سوار ہو کر بھاگ نکلا۔ مقامی یونانیوں نے جلدی میں ایک جمہوری حکومت کا انتظام کر دیا۔ سکندر نے اس شہر کے محاصل ارٹی مس دیوی کے نئے مندر کو دے دیئے۔ یہاں کا پرانا مندر اس رات جل گیا تھا جس رات سکندر پیدا ہوا تھا۔ کاہن ایرسٹانڈر کا یہ پرانا وطن تھا۔ اُس نے سکندر کو یقین دلایا کہ شگون بڑے نیک ہیں۔ شہروں میں فتح کے مینار تعمیر ہو رہے ہیں اور اُن پر متحدہ یونان کے سپہ سالارِ اعظم کے ساتھ اتفاق و اتحاد کے کتبے لگائے جا رہے ہیں۔ اُس نے کسی شہر پر کوئی محصول نہ لگایا۔ اعلان

کردیا کہ وہ سب آزاد ہیں اور اس عہد کی پابندی کی لیکن جب وہ آگے بڑھا تو قدم قدم پر رکاوٹیں حائل ہوئیں۔ سکندر پر واضح ہو گیا کہ جنوبی سمت میں رہنے والے یونانیوں کو آزادی سے استفادے کا اتنا خیال نہیں جتنا اپنے حقوق کے لیے سودا بازی کا خیال ہے۔ رضاکاروں کی کوئی قابلِ ذکر جمعیت مقدونوی فوج میں شامل نہ ہوئی۔ ملِٹس کی نوآبادی سب سے پرانی تھی۔ یہاں کے شہریوں نے دروازے بند کر لیے تاکہ بہتر شرطیں حاصل کر سکیں۔ اِس اثنا میں ساحل پر بیڑا نمودار ہوا۔ وہ لوگ اُس بیڑے کی نقل و حرکت پر بھی نظریں جمائے بیٹھے تھے۔ پارمینیو نے سکندر کو بتایا کہ روڈز کا میمنان اِس بیڑے کا کمانڈر ہے۔

اہلِ مقدونیہ صرف چند جہازوں کو جنگی جہازوں کی شکل میں تبدیل کر چکے تھے۔ ان کے ذریعے سے بندرگاہ میں داخل ہونے کا تنگ دہانہ روک لیا۔ شہریوں کے ساتھ گفت و شنید جاری رہی۔ اِن شہریوں نے سکندر کے ساتھ اُنھیں شرطوں پر معاملہ طے کرنا چاہا جن کی بنا پر وہ ایرانیوں کی اطاعت قبول کیے بیٹھے تھے۔

فوجیوں کے حوصلے بڑھے ہوئے تھے۔ وہ چاہتے تھے کہ انھیں یورش کی اجازت دے دی جائے۔ ویادس نے اپنی منجنیقیں مناسب مقامات پر نصب کر دیں۔ پارمینیو نے اصرار کیا کہ بندرگاہ میں جو جہاز کھڑے ہیں اُن پر چند رجمنٹیں سوار کرا دینی چاہئیں تاکہ وہ سمندر میں نکل کر میمنان کے بیڑے سے جنگ کریں۔ وہ کہتا تھا کہ ہمارے لیے کامیابی کا موقع ہے اور اگر ہم ایرانی بیڑے کو شکست دے سکے تو پورے ساحلی علاقے پر دھاک بندھ جائے گی۔ بالفرض ہمیں شکست بھی ہوئی تو تھوڑا سا جانی نقصان ہو جائے گا۔ وہ خود اپنے بیڑے کی کمان کے لیے تیار تھا۔ غالباً پارمینیو کی رائے درست تھی لیکن سکندر کے دل میں صورتِ حال کے متعلق اطمینان نہ تھا، لہٰذا وہ سراپا احتیاط بن گیا تھا اور اس نے مذکورہ بالا رائے قبول نہ کی۔

پارمینیو نے اپنی رائے پر اصرار کرتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ہمیں ایک نیا نیک شگون ملا ہے۔ ہمارے آدمیوں نے دیکھا کہ ایک عقاب بلندی پر اڑتا ہوا نیچے اترا اور اُس چٹان پر آ بیٹھا جس کے نیچے ہماری ایک جنگی کشتی کھڑی تھی۔ یوں عقاب نے فتح کی پیش گوئی کر دی۔ سکندر نے جواب دیا کہ اگر عقاب سمندر کے کنارے پر ٹھہر گیا تو اس کا مطلب یہ ہوا کہ ہمیں خشکی پر ہی قدم جمائے رہنا چاہیے۔

بہرحال سکندر نے جو طریقہ اختیار کیا اُس سے نتیجے اچھے نہ نکلے۔ ہفتے جھپقلشوں میں گزر گئے۔ مقدونیوں نے اب نوشیدنی کے اُن تمام ذخیروں پر قبضہ کر لیا جو قریب واقع تھے۔ میمنان کا بیڑا پانی کے بغیر ناکہ بندی قائم نہ رکھ سکا اور اِس غرض سے روانہ ہو گیا کہ جزیرہ لسبوس پر قابض ہو جائے۔ جنگی بیڑے کے اس پہلے مقابلے نے سکندر کے لیے غور و فکر کا خاصا ذخیرہ فراہم کر دیا۔

ملیٹس کی کیفیت دیکھ کر آئی اوبنا میں مزاحمت نے شدّت اختیار کر لی۔ میمنان یونانی تنخواہ داروں اور ایرانیوں کا جیش لے کر اپنے بیڑوں کے ساتھ ہیلی کارنیس پہنچ گیا جسے اپنے آثار کی وجہ سے خاص شہرت حاصل تھی۔ سکندر اپنے سالاروں کی رائے کے مطابق شہر کے اردگرد کی بلندیوں پر مورچے قائم کرنے کے لیے مجبور ہو گیا۔ ان فوجیوں کو موسولس کا بلند مقبرہ نظر آ رہا تھا جو مسولیم[1] کے نام سے موسوم تھا۔

حقیقت یہ ہے کہ سکندر نے محاصرے کا محض تماشا دیکھا نے پر اکتفا کی۔ اُس نے بڑے بڑے برج بنا لیے۔ منجنیقوں کے ذریعے سے فصیل کے مختلف حصّے توڑ ڈالے۔ شہر پر سخت حملہ تو نہ کیا لیکن ایسے طریقے ضرور اختیار کیے جن سے شہریوں کو یقین ہو جائے کہ سخت حملہ ہونے والا ہے۔

ایک واقعہ ایسا پیش آ گیا جس سے بھیپز کی تباہ کاری کے اعادے کا اندیشہ پیدا ہو گیا تھا۔ پرڈکاس کی فوج کے دو سپاہی بے سود مظاہروں سے تنگ آ گئے۔ وہ شراب پی رہے تھے اور بدمستی کے عالم میں دونوں ڈینگیں ہانکنے لگے۔ دونوں میں سے ہر ایک کا دعویٰ یہ تھا کہ مجھ ایسا بہادر کوئی نہیں۔ اس بارے میں فیصلے کی صورت یہ قرار پائی کہ دونوں ہتھیار پہن کر فصیل کے پاس پہنچ گئے تو نعرہ لگایا کہ شہریوں میں سے جسے اپنی جواں ہمتی پر ناز ہے۔ باہر نکلے اور مقابلہ کر دیکھے۔ یہ نعرہ سنتے ہی اندر سے سپاہیوں کا ایک سیل اُبل پڑا۔ دونوں سپاہیوں نے ایک چٹان کے پیچھے مستحکم مقام پر قدم جما لیے اور دشمن کے حملوں کو روکنے لگے۔ اب تماشائی بھی ان آدمیوں کے ساتھ ہو گئے۔ دوسرے سپاہیوں نے سنا تو وہ بھی اپنے ساتھیوں کو خطرے کے مقام سے باہر نکالنے

---

[1] MAUSOLEUM انگریزی زبان میں اس کا ترجمہ محض مقبرہ ہے لیکن اس کی اصل یہ ہے کہ موسولس بادشاہ کا جو عالی شان مقبرہ اُس کی ملکہ نے ہیلی کارنیس میں بنوایا تھا وہ عہدِ قدیم کا سب سے زیادہ عالی شان مقبرہ تھا۔ اس کا نام مسولیم رکھا گیا یعنی وہ قبر یا عمارت جس میں موسولس دفن ہوا۔ بعد میں اس سے مقبرہ مراد لیا جانے لگا۔

کے لیے موقع پر پہنچ گئے۔ اِس طرح ہیلی کارنیس کے دروازوں پر چھوٹی سی جنگ کا سامان ہو گیا۔ آخر کار دونوں سپاہیوں کو صحیح سلامت واپس لے آئے۔

جب میمنان نے یہ فیصلہ کر لیا کہ شہر خالی کر دینا چاہیے اور اُس نے منجنیقوں اور ذخیروں کو آگ لگانی شروع کی تو سکندر بزور شہر میں داخل ہوا۔ میمنان بھاگ کر اپنے جہاز میں پہنچ گیا۔ محصور فوج دو مستحکم گوشوں میں قدم جما کر بیٹھ گئی جہاں یونانی نہ پہنچ سکتے تھے۔ سکندر نے حکم دے دیا کہ آگ بجھا دی جائے اور کوئی فوجی گھروں میں داخل نہ ہونے پائے۔ اُس کی خواہش یہ تھی کہ ہیلی کارنیسس کو بالکل محفوظ رکھا جائے لیکن اس میں وقت بھی صرف ہوا اور جانیں بھی تلف ہوئیں۔ اُس نے تھوڑی سی فوج پیچھے چھوڑی جو محصورین کو مستحکم مقامات میں سے نکالنے میں لگی رہی۔ شہر کی ہر عمارت گزند سے محفوظ رہی۔ مسولس کی ایک بہن کو مسندِ حکومت پر بٹھا دیا جس کا نام آڈا[1] تھا۔ مقدونوی فوج نے آڈا کے اعزاز میں مظاہرہ کیا اور آڈا نے سکندر کو بیٹا بنا لیا۔

سکندر ہیلی کارنیسس سے آگے بڑھا تو آس پاس کے قصبوں سے خراج کی پیشکشیں ہونے لگیں۔ ایک قصبے کے نمائندے اپنے ساتھ سنہری تاج لائے۔ ملکہ آڈا نے میوے اور بہت لذیذ کھانے سکندر کی خدمت میں پیش کیے بلکہ اپنے باورچی ساتھ کر دیے تاکہ وہ اچھے کھانے تیار کرتے رہیں۔ سکندر ان کھانوں میں اپنے سالاروں کو بھی شریک کرتا تھا اور اپنی منہ بولی ماں کو اُس نے بتایا کہ میرے اتالیق لیونی دس نے کبھی ایسے لذیذ کھانے چکھنے کا موقع نہ دیا۔ میری حقیقی ماں بھی اچھے کھانے بھیجتی تو اتالیق انھیں روک لیتا۔

آئی اونیا کے تمام شہروں میں سکندر نے اپنے قاصد بھیج دیے کہ یونانی نو آبادیاں آزاد ہو گئیں۔ اب جس طرح وہ چاہیں اپنے معاملات کا انتظام کر لیں۔ جمعیت متحدہ یونان نے اسے سپہ سالارِ اعظم کا لقب دیا تھا۔ سکندر نے اگرچہ بظاہر اسے قبول کر لیا تھا لیکن دل میں اسے یہ لقب پسند نہ تھا۔ یونانی شہر آزاد ہو چکے تھے لیکن انھیں شہنشاہ ایران کے خلاف متحد کر دینے کی کوئی امید باقی نہ رہی تھی۔ شاید یہ احساس ہو چکا تھا کہ ان علحدگی پسند شہروں کو ملا کر ایک قوم بنانے کی کوشش کی گئی تو وہ انفرادی جمہوری خصوصیتیں کھو بیٹھیں گے۔ ان خصوصیتوں سے

۱؎ ADA

شہر صد درجہ وابستہ تھا۔ اور اِس امر پر قانع کہ کوئی مستبد یا ڈکٹیٹر اُن کا نظم ونسق سنبھال لے لیکن اُسے شہر کا باشندہ ہونا چاہیے سکندر میں ایسی کوئی بھی خصوصیت نہ تھی۔ یونانی فکر و نظر کی اِن پیچیدگیوں نے اُسے بہت پریشان کر دیا تھا۔

سکندر اِن دولت مند ایرانی شہریوں کو لوٹنا نہیں چاہتا تھا لیکن اُسے روپے کی سخت ضرورت تھی۔ روپے کے سوا قدم آگے نہ بڑھایا جا سکتا تھا۔ اُس نے شہروں کی حفاظت کا ذمہ اُٹھا لیا تھا۔ اُن کی بندرگاہوں کے بغیر وہ یونان سے روابط قائم نہ رکھ سکتا تھا، مگر وہ پیش قدمی میں ساحل کا دامن نہ چھوڑا اور پختہ ارادہ کر لیا کہ کسی نہ کسی شکل میں اپنی مشکلات کا حل نکال لے گا۔ اب آگے بڑھا تو بہر حال اُسے مزاحمت کا ہی اندیشہ ہو سکتا تھا۔

اُس نے پہلا کام یہ کیا کہ اپنے چھوٹے سے بیڑے کو ختم کر دیا جہاز بندرگاہوں میں ٹھہرا دیے۔ ملاحوں سے کہا تمھاری خدمت کی ضرورت نہیں۔ اِس لیے کہ تمھیں تنخواہ دینے کے لیے میرے پاس روپے نہیں۔ اگرچہ اُسے اطلاع مل چکی تھی کہ دشمن بیڑے کے کماندار ممنان نے مٹی لین میں وفات پائی۔ تاہم وہ اپنے فوجیوں کو کسی بحری لڑائی کے خطرے میں ڈالنے کے لیے تیار نہ تھا لیکن خود سمندر اُس کی فوج کے لیے خطرہ بن گیا اور یہ خطرہ ایسی شکل میں نمایاں ہوا کہ اہلِ مقدونیہ نے اُسے شگونِ بد سمجھ لیا جس ساحلی سڑک پر وہ اب تک چلے جا رہے تھے۔ وہ سمندر کے ساتھ ساتھ چکر لگاتی ہوئی جا رہی تھی۔ ایک کھاڑی پر پہنچ کر سڑک غائب ہو گئی یہاں زمین اوپر ابھر آئی تھی۔ اور راستہ ایک چھوٹی سی چٹان پر سے جاتا تھا۔ سمندر کی لہریں اس چٹان سے ٹکرا رہی تھیں اور اُن کا پانی وقتاً فوقتاً اس تنگ گزرگاہ تک بھی آ جاتا تھا مقامی لوگ اس مقام کو سمندر کی سیڑھیاں کہتے تھے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ یہاں سمندر بہت گہرا ہے اور گہرا پانی بلند ہو کر خشکی تک آ جاتا ہے کہ رہرووں کو اپنے دامن میں سمیٹ لے۔ قدرت جسے چاہے بچا سکتی ہے۔ سمندر کی اِن سیڑھیوں پر سے فوجی دستوں کو گزارنا حد درجہ خطرناک معلوم ہوتا تھا۔ لیکن سکندر نے یہ خطرہ قبول کر لیا۔

جب اُس نے دیکھا کہ ہوا کا رُخ خشکی سے سمندر کی جانب ہے تو اپنی فوج کو بار برداری کی گاڑیوں اور دوسری چیزوں کے ساتھ تیزی سے گزار کر لے گیا۔ سمندر کا پانی فوجیوں کی ٹانگوں

کو بوسہ دیتا تھا لیکن وہ ڈوبے نہیں بعض لوگوں نے کہا یہ سکندر کی خوش نصیبی ہے سمندر نے بھی دشمنی کے بجائے دوستی کا اظہار کر دیا۔ نیارکس جانتا تھا کہ جب تک بادِ شمال موافقت میں چلے گی، اُس وقت تک کوئی خطرہ نہیں بطلیموس بولا کہ ہوا کا رُخ بدل گیا تو تم دوسرا گیت گانے لگو گے۔ بہرحال ہم پانسا پھینک چکے ہیں اب جو ہو سو ہو۔ غرض سمندر کی سیڑھیوں سے گزرتے ہی دشمن کی سرگرمیوں کے آثار نمودار ہوئے۔

حقیقت یہ ہے۔ ایرانیوں نے مال و دولت کے ذریعے سے ساحلی علاقے کو اپنے ساتھ ملا لیا تھا اور تنخواہ دار فوجیں خشکی پر اتر کر اندرونِ ملک کی طرف جا رہی تھیں۔ محافظ گارد کے آدمیوں میں سے ایک کے پاس اشرفیاں پائی گئیں تو معلوم ہوا کہ وہ یونانیوں کی نقل و حرکت کے متعلق دشمنوں کو خبریں بھیج رہا تھا۔ سکندر نے اُس کی گرفتاری کا حکم دے دیا لیکن کوئی سزا دینی مناسب نہ سمجھی اِس لیے کہ فیلقوس کی موت پر یہ شخص سب سے پہلے ہتھیار دے کر سکندر کے پاس پہنچا تھا اور اپنی خدمات پیش کی تھیں۔ اس سے پیشتر اس کی غداری کا کوئی واقعہ علم میں نہ آیا تھا۔ پارمینیو نے سکندر کو آگاہ کر دیا کہ دشمن نے تمھارے قتل کے لیے اندھا دھند روپیہ تقسیم کر دیا ہے

عقدِ ثریا کے غروب پر موسمِ خزاں کی سردی آگئی تو یونانی فوج نے ایشیائے کوچک کے ساحل پر پڑاؤ کا انتظام کیا تاکہ جتنا علاقہ فتح ہو چکا تھا اُس کا انتظام درست کر لیا جائے۔ نوشادی شدہ فوجیوں کو رخصت پر وطن جانے کی اجازت مل گئی۔ کوئی نس[1] نام ایک شخص کو اُن کا سالار بنا دیا گیا۔ وہ خود بھی نوشادی شدہ تھا۔ فوجیوں نے اِس رعایت کا پُرجوش خیر مقدم کیا اُنھیں تاکید کر دی گئی کہ مقدونیہ اور یونان میں سے جتنے بھی رنگروٹ مل سکیں آئندہ موسمِ بہار میں اُنھیں ساتھ لے کر واپس آجائیں۔ سکندر نئے آزمودہ کار پیادہ فوج کے ساتھ اندرونِ ملک کی طرف روانہ ہو گیا تاکہ کوہستانی سطحِ مرتفع میں گشت کرے۔

اہلِ آئی رونیا کو یہ اقدام جس درجہ خطرناک معلوم ہوتا تھا حقیقت میں اتنا خطرناک نہ تھا۔ سطحِ مرتفع کے سلسلہ ہائے کوہ میں جو قبائلی لوگ آباد تھے وہ فریجیا[2] اور

۱۔ COENUS ۲۔ PHRYGIA

پسیڈیا[1] کے باشندے تھے۔ وہ ہیٹیوں اور سمیریوں کے اسلاف سمجھے جاتے تھے۔ انھوں نے ایک منظم فوج کو موسمِ سرما میں بلندیوں پر چڑھتے دیکھا تو حیرت زدہ رہ گئے۔ اہلِ مقدونیہ خود پہاڑی باشندے تھے۔ پہاڑوں پر راستے پیدا کر لینا اُن کے لیے ہرگز مشکل نہ تھا۔ سکندر پر یہ حقیقت منکشف ہو چکی تھی کہ موسمِ سرما میں پہاڑی باشندوں کو مسخر کر لینا سہل ہے۔ اِس لیے کہ برفباری کے باعث وہ گھر چھوڑ کر چوٹیوں پر نہیں جا سکتے۔ اُس نے ساحلی علاقے میں سے گزرتے وقت کشمکش سے حتی الامکان احتراز کیا تھا، اب بھی وہ اُسی مسلک پر کاربند رہا۔ وہ اُن بربری لوگوں کو پھسلاتا اور بُری لڑائی سے بار بار پہلو بچاتا ہوا بڑھتا گیا۔ راستے میں اُس نے عجیب و غریب مذاہب کی بڑی بڑی خانقاہیں دیکھیں۔ ایک صورت یہ پیدا ہوئی کہ فریجیا کے باشندے اور اہلِ مقدونیہ ہم نسل تھے۔ وہ آپس میں ملتے تو بڑے پیار اور محبت کا اظہار کرتے۔ دیوداروں کے جھنڈوں اور بھیڑ بکریوں کے ریوڑوں میں پہنچتے ہی اہلِ مقدونیہ کو اپنے وطن کی یاد تازہ ہو جاتی۔ بہرحال انھوں نے یہ دن بڑے اطمینان سے گزارے۔ ایک شہر کے باشندے گھر بار چھوڑ کر ایک ایسی چٹان پر جا بیٹھے جسے مسخر کرنا سہل نہ تھا۔ تجربہ کار مقدونیوں نے اُس چٹان کو گھیر لیا پھر اُن لوگوں کے پاس پیغام بھیجا کہ احمق نہ بنو، نیچے آؤ اور معاہدہ کر لو۔ اُنھوں نے جواب دیا کہ ہم احمق نہیں۔ دو دن میں ہمارے پاس کمک آ جائے گی۔ پیغام بھیجا گیا کہ اگر کمک دو دن میں نہ پہنچی تو پھر کیا نیچے آ جاؤ گے؟ انھوں نے اثبات میں جواب دیا۔ دو دن گزر گئے تو وہ نیچے اترے اور صورتِ حال کے متعلق بات چیت کے بعد فیصلہ کر لیا۔ ان لوگوں سے سکندر کو بہت زیادہ رضاکار مل گئے اتنے آئی مودیا کے اسیروں سے نہ ملے تھے۔

یہ لوگ اہلِ مقدونیہ سے بھی زیادہ اوہام پرست تھے۔ اس پہاڑی علاقوں کے شہروں میں گارڈیم[2] سب سے بڑا تھا۔ سکندر نے سنا کہ وہاں ایک گاڑی مدت سے اپنے اصل مقام پر محفوظ ہے۔ شہر کا بانی اسی گاڑی پر پہنچا تھا۔ مرورِ زمانہ سے یہ گاڑی مقدس قرار پائی۔ گارڈیم

---

[1] PISIDIA زمانہ قدیم میں ایشیائے کوچک چھوٹی چھوٹی ریاستوں میں بٹا ہوا تھا۔ ان میں سے دو یہ تھیں یعنی فریجیا اور پسیڈیا

[2] GORDIUM ایشیائے کوچک کی متعدد ریاستوں میں سے ایک ریاست کا ؟ تھی جو فریجیا کے مشرق میں واقع تھی۔ گارڈیم اسی ریاست کے شمالی و مغربی گوشے میں تھا۔

کے پروہتوں اور پجاریوں نے کہہ دیا کہ گاڑی جہاں ٹھہری ہے وہیں ٹھہری رہے گی۔ پھر ایک آدمی آئے گا جو جوئے کی گانٹھ کھولے گا۔ اور جو آدمی یہ گانٹھ کھولے گا وہ ایشیا کا بہت بڑا بادشاہ بن جائے گا۔ پہاڑی لوگ سوچ رہے تھے کہ آیا یہ بلند ہمت مقدونوی گانٹھ کھولنے کا حوصلہ کرے گا۔؟

اس گاڑی کے متعلق گردونواح کے علاقے میں بہت سی کہانیاں مشہور تھیں مشہور رومی مؤرخ آریان لکھتا ہے کہ جب سکندر گارڈیم پہنچا تو بالا حصار میں جانے کا بڑا مشتاق تھا تاکہ وہ گاڑی اُس کے رسّے اور جوئے کو دیکھے۔ اس لیے کہ سمجھا جاتا تھا جو شخص جوئے کا بندھن کھول دے گا۔ وہ ایشیا پر حکومت کرے گا۔ رسّے کی گانٹھ اس طرح لگائی گئی تھی کہ دونوں سرے گانٹھ کے اندر آ گئے تھے اور کسی کو نظر نہ آتے تھے۔ سکندر گانٹھ کو ڈھیلا کرنے کی کوئی تدبیر نہ سوچ سکا۔ اور اُسے اندیشہ تھا کہ اگر ناکام رہا تو تماشائیوں پر بہت برا اثر پڑے گا۔ بعض لوگ کہتے ہیں کہ اُس نے تلوار نکالی اور گانٹھ کاٹ دی۔ لیکن جو شخص موقع پر موجود تھا اُس نے بتایا کہ سکندر نے گاڑی میں سے لکڑی کی ایک میخ نکال دی۔ اس وجہ سے وہ رسا ڈھیلا پڑ گیا، جس سے جوا بندھا ہوا تھا۔ غرض کوئی بھی صورت پیش آئی ہو۔ خود سکندر اور اُس کے ساتھیوں کو یقین ہو گیا کہ پیشگوئی پوری ہو چکی ہے اور اس رات لوگوں نے شدید گرج کی آواز بھی سنی۔

اس موسم سرما میں برف سے ڈھکی ہوئی سطح مرتفع میں ہر طرف یہ افواہ پھیل گئی کہ مقدونیہ کے سنہرے بالوں والے نوجوان کو آسمانی حمایت حاصل ہے۔ اور وہ ایشیا کا بادشاہ بن جائے گا۔ کسانوں کا خیال یہی تھا اور سپاہی اس خیال سے متفق تھے۔ اس افواہ سے ایک غیر متوقع نتیجہ پیدا ہوا۔ بعد ازاں سکندر جہاں کہیں بھی خود جاتا۔ لوگ بے حد متاثر ہوتے اور ان پر دہشت سی چھا جاتی۔

جو مقدونوی گارڈیم میں مقیم تھے۔ ان کے پاس بڑی خوشگوار خبریں پہنچیں۔ موسم سرما میں ہواؤں کی تیزی ختم ہو گئی تو ایرانی بیڑے نے اس صورتِ حالات سے فائدہ اٹھا کر بحیرہ ایجیہ کے اکثر جزیروں پر قبضہ کر لیا اور ٹینی ڈوس کو اپنا مرکز بنا لیا جو دردانیال کے دہانے پر واقع تھا۔ کوئی نوس جو رخصت پر گیا ہوا تھا، برفیں پگھل جانے کے موسم میں لوٹا تو اُس کے ساتھ نئی فوج تھی ــــ تین ہزار پیادے اور تین سو مقدونوی سوار مقدونی کمپنیاں تھسلی کی بھی تھیں ــــ

سکندر کو بتایا گیا کہ غنیم کا بیڑا یونان کے قریب نمودار ہوگیا تھا۔ انیٹی پیٹر نے عجلت میں چند جہاز تیار کر کے مقدونوی ساحل کی نگہبانی شروع کر دی تاہم اُسے خوف تھا کہیں ایرانی بیڑا اہلِ سپارٹا کو ساتھ ملا کر یونان پر حملہ نہ بول دے۔ اہلِ مقدونیہ اس امر پر یقیناً پریشان تھے کہ سکندر کی فوج کے ساتھ وسائل حمل و نقل محفوظ نہ رہے تھے اور وہ فوج وطن سے منقطع ہو چکی تھی۔

اگرچہ حالات نازک تھے تاہم فیصلہ خواہ کسی نے کیا ہو سکندر نے اعلان کر دیا کہ یونانی فوج مراجعت نہ کرے گی۔ وہ آگے بڑھتی جائے گی۔ اور ساحلِ ایشیا کی بندرگاہوں پر ابھی قبضہ نہیں ہوا۔ ان پر قابض ہو کر ایرانی بیڑے کے خطرات زائل کر دے گی۔ ایرانی بیڑا تین دن سے زیادہ سمندر میں نہ رہ سکتا تھا۔ اس کے لیے لازم تھا کہ کسی بندرگاہ پر پہنچے۔ پینے کا پانی لے۔ نیز کھانے اور رسد کا انتظام کرے۔ اگر بندرگاہوں پر قبضہ ہو جاتا تو بیڑہ خود بخود معطل ہو جاتا بلکہ باہر رہ ہی نہ سکتا تھا۔

آریان لکھتا ہے: سکندر ایرانی بیڑے کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا مگر اُسے یقین تھا کہ بندرگاہوں پر قابض ہو کر بیڑے کو توڑ دیا جا سکتا ہے۔ اس لیے بندرگاہیں چھن جانے کے بعد نہ نئے رنگروٹ مل سکتے تھے اور نہ رسد ہاتھ آ سکتی تھی۔

بہرحال ایک اور خطرہ بھی سامنے تھا یعنی یہ کہ ایرانی فوج سے مڈبھیڑ ہو جاتی جو اندرونِ ملک میں نقل و حرکت کے لیے جنوبی حصے میں تیار ہو رہی تھی۔ اگر مقدونوی فوج جنگ میں ہار جاتی تو اس کے لیے بچ کر دردانیال پہنچنا سخت مشکل تھا۔ یہ تمام امور فوج کی مجلس شوریٰ کے روبرو واضح کر دیے گئے۔ جو بڑے بڑے افسروں اور امیروں پر مشتمل تھی۔ ان سب نے بالاتفاق رائے دی کہ پیش قدمی جاری رہنی چاہیے۔

---

[1] TENEDOS چھوٹا سا جزیرہ ایشیائے کوچک کے ساحل سے قریب اس مقام کے سامنے واقع ہے جہاں زمانۂ قدیم میں ٹرائے آباد تھا۔

آٹھواں باب

جنگِ اسوس

یونانی فوج آگے بڑھی اور جنوبی حصوں کی زمینیں دیکھیں تو دل پر ایک حد تک ناگوار اثر پڑا۔ ایک جگہ گھاٹی کا راستہ اتنا تنگ تھا کہ بمشکل ایک گاڑی اُس میں سے گذر سکتی تھی۔ یہ پہاڑ کا آخری گوشہ تھا۔ اِس سے آگے دور تک میدانی علاقہ چلا جا رہا تھا جس کی زمین کا رنگ سُرخی مائل تھا۔ ہر طرف گرد و غبار نظر آتا تھا۔ کہیں کہیں گرم علاقوں میں پیدا ہونے والے درختوں کے سبز جھنڈ نظر آتے تھے۔ اب اُن کے سامنے ایک طرف سیاہی مائل چٹانیں تھیں جن کی چوٹیاں برف سے ڈھکی ہوئیں تھیں اور موسمِ گرما میں بھی اُن کے اندر برفانی ہوا چل رہی تھی۔ سامنے نشیب میں وہ خطہ پھیلا ہوا تھا، جسے اُنھوں نے کبھی نہ دیکھا تھا۔ اِس گھاٹی کا نام عوام میں بابِ سلیشیا[1] مشہور تھا۔ سکندر کو انتہائی خوش نصیبی سے اِس پر قبضہ جما لینے کا موقعہ مل گیا اور آئندہ چل کر خوش نصیبی کے بہت سے مواقع ایسے پیش آئے۔ اِس گھاٹی کی حفاظت پر ایک فوج موجود تھی۔ سکندر نے اپنی بڑی فوج اور بار برداری کے قافلے کو ایک مناسب مقام پر روک دیا۔ اور پہاڑی علاقے کے مقدوفوں کی چند کمپنیاں لے کر رات کے پچھلے حصّے میں اِس خیال سے آگے بڑھا کہ غنیم کی فوج پر اچانک جا پڑے اور اُسے دم لینے کی مہلت نہ دے۔ یہ تدبیر کارگر نہ ہو سکی۔ غنیم نے مقدونیوں کو دیکھ لیا لیکن جب سکندر آگے بڑھا اور دھندلکے میں اُس کے خود کے سفید پھریرے دور سے نظر آئے تو غنیم کی فوج جگہ چھوڑ کر ہوا کی طرح رفوچکر ہو گئی۔

---

[1] CILICIAN GATE یعنی سلیشیا کا دروازہ۔ سلیشیا زمانۂ قدیم میں ایشیائے کوچک کی اُس ریاست کا نام تھا جو جزیرہ قبرص کے قریب سمندر کے کنارے سے آباد تھی طرسوس اور اسوس اسی ریاست کے شہر تھے توضیح کے لیے یہ بتا دینا مناسب معلوم ہوتا ہے کہ سکندر نے ہیلس پونٹ پر سمندر عبور کیا اور وہ ساحلی علاقہ کے ساتھ ساتھ لیسیا تک آیا۔ پھر شمال کی طرف مڑ گیا اور فریجیا کی ریاست میں سے ہوتا ہوا گارڈیئم پہنچا۔ وہاں سے سلیشیا میں داخل ہوا۔ بابِ سلیشیا دونوں ریاستوں کے درمیانی پہاڑی علاقے میں ہونا چاہیے۔

یونانیوں کو ایسا معلوم ہوتا تھا کہ سامنے جو سُرخی مائل میدان موجود ہے۔ یہ جہنم کا پہلا خطہ ہے۔ گویا وہ جتنا آگے بڑھیں گے، زمین کے اندر بڑھتے چلے جائیں گے۔ گورڈیم کے کاہن نے انھیں بتا دیا تھا کہ میدانی علاقوں میں عجیب و غریب دیوتاؤں کو اقتدار حاصل ہے مثلاً داغون[1] اور بعل[2] جن کے سامنے بچوں کو قربان کیا جاتا تھا۔ راتوں کو سمندر کے کنارے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فرشتے پروں کے تین تین جوڑوں سے ہر لحظہ اڑتے پھرتے ہیں۔ اور کرنوس دیوتا موجود ہے جس کی چار آنکھیں ہیں۔ دو سو جاتی ہیں تو دو دیکھ بھال میں لگی رہتی ہیں۔ سوئی ہوئی آنکھیں کھل جاتی ہیں تو بیدار آنکھوں میں نیند اتر آتی ہے۔ اسی حصے میں سمندر کے سینے پر فونیقیہ والوں نے صور نام ایک شہر ایسا بسایا جو چٹانوں کے سہارے کھڑا تھا۔ وہ لوگ اپنے مُردوں کو جلاتے تھے اور فلکیاتی پتھروں کی پرستش کرتے تھے جو آسمان سے جلتے ہوئے گرے اور سب سیاہ لوہے کی مانند زمین پر پڑے تھے۔ ان میں سے ایک شہابی پتھر یروشلم میں بھی موجود تھا۔ اس کے نیچے ایک خشگاف تھا جو زمین کے اندر چلا جاتا تھا[3]۔ یروشلم کی فصیلیں نحمیاہ نبی نے بنائی تھی۔ پاس ایک ایسا زمین بند سمندر[4] موجود تھا جس کے اردگرد اُگنے والی نباتات زہریلی تھی۔ زمین شور اور ہر پتھر سیاہ تھا۔

مقدونی فوج بابِ سلیشیا سے گذرتی ہوئی نیچے سُرخی مائل میدان میں پہنچی تو سورج کی حدت میں نمایاں اضافہ ہو گیا، اور وہ لوگ پسینے میں شرابور ہو گئے۔ وہاں انھیں ایک چٹان نظر آئی

---

[1] DAGON یہ فلسطینیوں کا قومی دیوتا تھا۔ اشدود اور غزہ میں اس کی پرستش ہوتی تھی۔

[2] BAAL بابل اور شام کا مشہور دیوتا۔ دراصل اُسے سورج کا دیوتا سمجھا جاتا تھا۔ شام میں ایک اس کی عبادت کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ یہ مقام دمشق اور بیروت کے درمیان اوّل الذکر سے ۳۵ میل کے فاصلے پر ہے۔

[3] یہ اشارہ بظاہر اُس چٹان کی طرف ہے جو الصخرا کے نام سے مشہور ہے۔ اب یہ چٹان یروشلم کے حرم شریف میں آگئی ہے اور اس پر نہایت خوبصورت قبہ بن گیا ہے۔ یہودیوں کے دورِ عروج میں یہ مقام ہیکل کی قربان گاہ تھا۔ قربانیوں کا خون نیچے بہتا ہوا زمین دوز راستے سے باہر نکل جاتا تھا۔ یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ اس چٹان کا رنگ ہرگز سیاہ نہیں جیسا مصنف نے لکھا ہے اور اُسے شہابی پتھر قرار نہیں دیا جا سکتا۔

[4] زمین بند سمندر سے مراد بحیرۂ لوط ہے، جسے بحیرۂ مُردار بھی کہتے ہیں۔

جس پر نوکدار اور خانہ نما انداز میں کوئی کتبہ کندہ تھا۔ ایک مقامی عالم کو بلا کر یہ کتبہ پڑھوایا گیا تو معلوم ہوا کہ اشوری زبان کا کتبہ ہے اور الفاظ یہ ہیں۔

سارداناپالس[1] . . . . نے شہر شوس ایک دن میں تعمیر کر دیا لیکن اے اجنبی تو کھا پی اور عیش و عشرت میں مشغول رہ۔ انسانی زندگی کا بہترین مشغلہ یہی ہے۔

یہ کتبے کی عبارت تھی۔ اس کے اوپر ایک انسانی شکل بنی ہوئی تھی جس نے شاہی لباس پہن رکھا تھا۔ اور ہاتھ اِس طرح اُٹھائے ہوئے تھے جیسے دعا کر رہا ہو۔ اہلِ مقدونیہ دیکھ کر ہنسے بھی اور اس کے فلسفے پر بحث بھی کرنے لگے۔ موضوعِ بحث یہ تھا کہ آیا سارداناپالس کا کا قول درست ہے یا عمل۔

فوج بابِ سلیشیا سے گزر کر آگے بڑھی اور نادیدہ دشمنوں کے خطّے میں پہنچ گئی تو اس کی طرز و روش میں بھی فرق آ گیا۔ معلوم ہوتا تھا کہ سکندر تشویش میں مبتلا ہے اور پارمینیو کی قوتِ ضبط جواب دے رہی تھی۔ وہ سب ہر قدم پر انتہائی احتیاط سے کام لے رہے تھے اور جو خبریں ملتی تھیں، اُن کے جھوٹ سچ ہونے کا پورا اندازہ کر لیتے تھے۔ گذشتہ موسمِ سرما میں انھوں نے مخابرت کا ایک نہایت عمدہ سلسلہ مرتب کر لیا تھا۔ اُن کے پاس جاسوس بھی تھے اور طلایہ گرد سوار بھی لیکن ہم یہ نہیں بتا سکتے کہ اس نظام کا تفصیلی طریقِ کار کیا تھا۔ شاید تاجر یا مقدس مقامات کے زائر یا ملاح آگے آگے جا رہے ہوں اور انھیں جو خبریں ملتی ہوں، اکٹھی کر کے جگہ جگہ فوج کے لیے چھوڑتے جا رہے ہوں۔

اہلِ مقدونیہ پیش قدمی کے ساتھ ساتھ گرد و پیش کی چیزوں کے معائنے اور مشاہدے کا بھی خاص اہتمام کرتے تھے۔ مثلاً رات کے وقت ستاروں کے جھرمٹ پر اُن کی نظریں ہوتیں۔ جتنا راستہ طے کرتے اُس کی پیمائش کرتے جاتے۔ فوج کے ساتھ جو طبیب تھے، وہ ہر علاقے میں نئی نئی بیماریوں کا حال معلوم کر لیتے۔ سکندر اور بطلیموس دونوں روزانہ واقعات تفصیل سے لکھ لیتے۔ جو جو نئی چیزیں ملتیں، مثلاً نئے پودے، گھونگھے، جانوروں کی کھالیں، کیڑے مکوڑے

---

[1] SARDANAPALUS نینوا کا بادشاہ تھا۔

یا پرندے اُن کے نمونے جمع کر کرکے ارسطو کی تجربہ گاہ کے لیے وطن جاتے جس مقام سے گزرتے باشندوں سے ہر قسم کے سوالات کرتے جاتے۔ مثلاً یہ کہ سڑکیں کیسی ہیں؟ غذائی اجناس کا کیا حال ہے؟ لوگ کس قسم کے ہیں؟ ایک طلایہ گرد جیش پہلے بھیج دیا گیا تھا۔ وہ تیزی سے طرسوس کے قریب دریائے سدنوس؎ پر پہنچ گیا اور دشمن کو طرسوس کی حفاظت یا بربادی کا موقع نہ دیا۔

یہاں پہنچتے ہی سکندر بیمار ہو گیا اور ہفتوں سخت بخار میں مبتلا رہا۔ یہ بیماری اُس کی اپنی بے احتیاطی کا نتیجہ تھی۔ وہ ایک گرم اور طیریانی وادی میں سے گھوڑا دوڑاتا ہوا جا رہا تھا۔ خوب پسینہ آیا ہوا تھا۔ اچانک کپڑے اتارے اور پہاڑی ندی میں کود پڑا جس میں پگھلی ہوئی برف کا پانی آ رہا تھا۔ اُس کا جسم اینٹھ گیا۔ اور پھر سخت بخار آ گیا۔ ساتھیوں کا خیال تھا کہ اُسے زہر دے دیا گیا ہے۔

جب طبیبِ خاص بخار کو زائل کرنے میں ناکام رہے تو اُس نے ارکانیا کے ایک طبیب کو بلایا جس کا نام فلیقوس تھا۔ فلیقوس نے تجویز کیا کہ تیز جلاب لینا چاہیے۔ عین اُس موقع پر پارمینیو کی طرف سے ایک قاصد خط لایا جس میں مرقوم تھا کہ فلیقوس پر بھروسا نہ کرنا چاہیے معلوم ہوا ہے کہ اُس نے شاہنشاہ ایران سے رشوت لے کر سکندر کو مار ڈالنے کی سازش کر رکھی ہے کہا جاتا ہے کہ سکندر نے خط پڑھا اور کچھ نہ کہا۔ اس اثنا میں فلیقوس دوا کا پیالہ لے کر آ گیا۔ سکندر نے پیالہ لے کر دوا پینی شروع کی اور تکیے کے نیچے سے پارمینیو کا خط نکال کر فلیقوس کے ہاتھ میں دے دیا۔ اُدھر فلیقوس نے خط ختم کیا اِدھر سکندر دوا پی چکا تھا۔ جو لوگ خیمے میں موجود تھے انھوں نے بعد ازاں بتایا کہ سکندر یا فلیقوس کسی کے چہرے پر تشویش کی کوئی علامت نمودار نہ ہوئی۔ فلیقوس نے خط واپس دیتے ہوئے کہا کہ اگر آپ میری ہدایات پر عمل کرتے رہیں گے تو بیماری جاتی رہے گی۔ عمل نہ کریں گے تو ذمہ داری مجھ پر نہ ہوگی۔

جلاب نے سکندر کو بہت کمزور کر دیا لیکن اُس نے فلیقوس کا علاج جاری رکھا اور جو لوگ اس کے گرد و پیش تھے اُن پر پورا بھروسا کیا۔ ہرپالوس فوجی خدمات سے تنگ آ گیا تھا

؎ CYDNUSUS

سکندر نے اُسے سارڈس میں مال و زر کا انتظام سونپ دیا۔

سکندر کی بیماری نے طول کھینچا تو ایسا معلوم ہونے لگا کہ فوج کی خوش نصیبی میں بھی فرق آگیا ہے۔ سکندر کو پالکی میں سوار کرا کے لے جا رہے تھے۔ اِس وجہ سے فوج کی رفتار میں کمی آگئی اور انھیں اُس میدان کو عبور کرنے میں خاصی دیر لگی جو طرسوس سے خلیج اسوس تک پھیلا ہوا تھا۔ اور وہاں موسمی بخار کا زور تھا۔ فوج کے اور بھی بہت سے آدمی بیمار ہو گئے۔ ساحلِ شام کے باشندوں نے یونانی فوج کی ہنسی اڑانی شروع کر دی جو دلدلی علاقے میں مشکل راستہ تلاش کرتی ہوئی آگے بڑھ رہی تھی۔ دشمن ابھی تک نمودار نہ ہوا تھا۔ تاہم اُس کے خفیہ کارندے قصبوں میں ہنگامے بپا کر رہے تھے۔ یہ سب علامتیں ایسی تھیں جنھیں خوش نصیبی پر محمول نہ کیا جا سکتا تھا اور فوج کی ہمت خاصی پست ہو گئی تھی۔

پارمینیو نے فوج کے بہترین جیش ساتھ لے لیے اور وہ اُن پہاڑیوں میں چلا گیا جو سمندر کے کنارے واقع تھیں۔ یہ اطلاع تو مل چکی تھی کہ ایرانی فوج صرف دو دن کی مسافت پر پہنچ گئی ہے لیکن اُس کا کوئی نشان نظر نہ آتا تھا۔ سکندر نے بات چیت سے فوج کا حوصلہ بڑھانا چاہا۔ اُس نے کہا کہ دیکھو شمالی علاقے سے بڑی خوشگوار خبریں آئی ہیں۔ بطلیموس نے رپورٹ بھیجی کہ دشمن کے جو دستے ہیلی کارنوسس میں لڑ رہے تھے۔ انھوں نے ہتھیار ڈال دیے پھر اُس نے ایک دن مقرر کر کے گانے بجانے کا انتظام کیا اور فوجیوں کو اجازت دے دی کہ دن بھر اپنی پسند کے کھیلوں میں مصروف رہیں۔ رات کے وقت مشعلوں کی روشنی میں گھڑ دوڑ کا انتظام کریں اور جشن منائیں۔ پھر بیماروں کو اسوس میں ٹھہرا دیا اور فوج لے کر آگے بڑھا۔ اُس کے دائیں ہاتھ سمندر تھا۔ بائیں ہاتھ پہاڑیوں کا سلسلہ سمندر سے بالکل قریب آ پہنچا۔ عین اُس حالت میں بارش شروع ہوئی۔ جو لگا تار ایک رات اور ایک دن جاری رہی۔ مطلع صاف ہوا تو ناقابلِ یقین خبریں پہنچیں یعنی جس ایشیائی فوج کی تلاش میں تیزی سے پیش قدمی کرتے آ رہے تھے وہ مقدونوی فوج کے عقب میں نمودار ہوئی۔ گویا اُس نے پیچھے سے مقدونیوں کا راستہ کاٹ دیا تھا اور انھیں گھیرے میں لے لیا تھا۔ جن لوگوں کو بیماری کے باعث اسوس میں چھوڑ دیا گیا تھا معلوم ہوا کہ ایرانیوں نے انھیں قتل کر دیا ہے۔ مقدونوی افسروں کو یقین

نہ آتا تھا کہ یہ خبر درست ہے۔

فوراً محافظ فوج کے چند منتخب آدمیوں کو تین چپوؤں والے جہاز میں بٹھا کر روانہ کر دیا گیا۔ تاکہ وہ خود وادی اسوس کے حالات دیکھ کر صحیح اطلاعات لائیں۔ وہ گئے اور یہ رپورٹ لائے کہ غنیم کی فوج اسوس کے اردگرد بھاری تعداد میں جمع ہے۔ ساحلی علاقے میں سمندر سے پہاڑیوں تک آدمی ہی آدمی نظر آتے ہیں۔ واپس جانے کی کوئی صورت باقی نہیں رہی۔

سکندر نے فوراً سپہ سالاروں کو بلایا۔ باہم مشورہ کیا پھر خود رجمنٹوں کے افسروں کے ساتھ جا کر آدمیوں کو یہ خبر پہنچائی۔ تشویش نے اس کے اعصاب پر بہت بڑا اثر ڈالا تھا لیکن اسے دور کرنے کا یہ طریقہ اختیار کیا کہ تیزی سے باتیں کرتا اور مسلسل بولتا جاتا۔ خود اسے یقین تھا یا نہ تھا لیکن فوج کو یقین دلا دیا کہ جس دلیری کو تم اپنے لیے بہت بڑی مصیبت سمجھ رہے ہو، وہ حصول کامیابی کی سب سے بڑی کلید ہے۔ اس نے کہا اب تک تمہیں کوئی قوت شکست نہیں دے سکی یقین رکھو کہ اب بھی تم شکست نہ کھاؤ گے۔ وہ مسلسل باتیں کرتا ہنستا۔ فوج کی بلند حوصلگی کی تعریف کرتا۔ غرض اس میں مردانگی کی جو روح موجود تھی اس سے ایک ایک قلب معمور ہو گیا۔

اس نے کہا کہ دیکھو گرینی کس میں تمہیں صرف ایک رسالے سے سابقہ پڑا تھا اور بادشاہ کے نائب السلطنت تمہارے مقابلے پر آئے تھے۔ اب ایران اور ماده[1] کی پوری فوج مقابلے کے لیے آگئی ہے۔ اور شاہنشاہِ ایران خود اس میں موجود ہے یقین رکھو کہ تمہارا نصیبہ یاور ہو گا۔ بے شک اس فوج کی تعداد بہت زیادہ ہے لیکن محاذ تنگ ہے جس میں بڑی تعداد کوئی کام انجام نہیں دے سکتی۔ تمہاری تعداد تھوڑی ہے۔ لہٰذا اپنی قوت سے پورا فائدہ اٹھا سکو گے۔ بازوؤں کے بارے میں پریشانی کی کوئی وجہ نہیں۔ ایک طرف سمندر تمہارا محافظ ہو گا دوسری طرف پہاڑ۔

اس نے اپنے ساتھیوں کو سابقہ کارنامے یاد دلائے اور کہا کہ اہل مقدونیہ اور ان کے ساتھی آزاد ہیں اور اپنی خوشی سے لڑ رہے ہیں۔ جن لوگوں سے مقابلہ درپیش ہے وہ تنخواہ دار

---

[1] MEDES

ہیں اور پیسے کے لئے جنگ کر رہے ہیں۔ غنیم کے ساتھ جو یونانی ہیں اُن کی حالت بھی یہی ہے۔ وہ ایک شہنشاہ کے ملازم ہیں۔ اس جنگ میں کامیابی حاصل کر لو گے تو محنت و مشقت کا دور ختم ہو جائے گا پھر ایشیا کی سرزمینوں پر قبضہ جما لینے کا کام باقی رہ جائے گا۔

اس سپاہ کے لیے کھانے کا انتظام کر دیا۔ جب اندھیرا چھا گیا تو پیچھے کی طرف لوٹ پڑا۔ اس تنگ گزرگاہ میں فوجی ترتیب قائم رکھنے کی بھی کوشش نہ کی۔ آدھی رات کے وقت مقدونوی اُس درے میں پہنچ گئے جو خلیج اسّوس کے سامنے واقع تھا۔ وہاں ٹھہر کر سکندر نے سپاہیوں کو سو جانے کی مہلت دے دی۔ صبح کی روشنی نمودار ہوئی تو پھر پیش قدمی شروع ہو گئی۔ آگے پہاڑیاں تدریجاً سمندر سے دور ہٹتی جا رہی تھیں اور میدان کھلتا جا رہا تھا۔ اب پیش قدمی اُس ترتیب کے ساتھ جاری تھی جو میدانِ جنگ میں اختیار کی جاتی تھی۔ مقدونیوں کو بہت جلد معلوم ہو گیا کہ غنیم کی قوت اُن سے کم از کم تین چار گنا زیادہ ہے۔[1]

اسّوس کے میدان میں غیر متوقع طور پر جو کچھ پیش آیا، اُسے سمجھنے کے لیے یہ مان لینا ضروری ہے کہ مقدونوی فوج ایک خاص نقشۂ عمل پر کاربند تھی۔ وہ مدت سے لڑائیوں میں مشغول چلی آتی تھی اور اُسے جنگوں کا وسیع تجربہ حاصل تھا۔ فوج کا ہر جیش ہم قبیلہ یا ہم گروہ آدمیوں پر مشتمل تھا جو مختلف خصوصیات میں ممتاز چلے آتے تھے۔ مثلاً اگریانی کے پہاڑی باشندوں کو بے قاعدہ چھاپے مارنے میں کمال حاصل تھا۔ ہر جیش کو اپنا مقام معلوم تھا۔ یہ بھی معلوم تھا کہ اُسے کیا کام انجام دینا ہے اور مسلسل وہ کام انجام دیتے رہنے سے خاصا تجربہ حاصل کر چکے تھے۔ اس اعتبار سے یونانی فوج دراصل موجودہ زمانے کے تجربہ کار اور منظم لشکروں کی حیثیت اختیار کر چکی تھی۔

اس وقت سے پہلے جو لڑائیاں ہوتی رہی تھیں، اُن کی کیفیت یہ تھی کہ جنگجو انسانوں

---

[1] مستند تاریخوں کا بیان ہے کہ ایرانیوں نے تین لاکھ سوار بیس ہزار پیادے دریا کے بائیں کنارے پر بھیج دئیے تھے۔ تاکہ یونانیوں کو پیش قدمی سے روکا جائے۔ ساٹھ ہزار منتخب ایرانی اور تیس ہزار تنخواہ دار یونانی دریا کے دائیں کنارے پر کھڑے تھے۔ اسے مرکزی فوج کی حیثیت حاصل تھی۔ گویا فوج کی مجموعی تعداد یونانیوں سے بہت زیادہ تھی۔

کے دو گروہ آپس میں گتھم گتھا ہو جاتے اور پھر ان میں سے کوئی ایک گروہ جگہ چھوڑ بھاگ نکلتا۔ یا اینٹی گونس کے الفاظ میں یوں کہہ لیجیے کہ کوئی ایک گروہ دوسرے سے مرعوب و دہشت زدہ ہو کر راہِ فرار اختیار کر لیتا۔ ایسے منظم گروہوں کو خارپشت کی مانند ترتیب دے کر ایک زبردست قوت بنا لیا جاتا۔ اہلِ سپارٹا نے اس فن میں کمال حاصل کر لیا تھا۔ وہ لوگ انفرادی جوانمردی میں سب سے زیادہ بڑھے ہوئے تھے اور اُس وقت تک نہ رُکتے تھے جب تک مارے نہ جائیں، لیکن پیادہ فوج کی ترتیب ٹوٹ جاتی تو وہ بالکل بیکار ہو جاتی۔ تھیبیز کے رئیس اپی سی نانڈس نے دشمن کی صف بندی کو توڑنے کا ایک خاص طریقہ دریافت کر لیا تھا۔ وہ اپنے دائیں بازو کو دشمن کے مقابلے میں بدرجہا مضبوط بنا دیتا۔ ایک خاص وقت تک اہلِ تھیبیز کی یہ تدابیر یعنی دائیں بازو کی طرف سے حملہ، جنگ میں کامیابی کا سب سے بڑا حربہ مانا جاتا تھا۔

مقدونیہ کے بادشاہ فیلقوس نے اہلِ تھیبیز کی اس تدبیر کا مطالعہ خوب غور سے کیا۔ اور اس میں چند اصلاحات بھی کر لیں۔ پیادہ فوج حملہ کرتی تو اس کی رفتار زیادہ تیز نہ ہو سکتی تھی۔ اور برچھیوں کے ذریعے سے دشمن کو پیچھے دھکیلتی۔ فیلقوس نے مقابل کی صفوں کو توڑنے کے لیے رسالہ استعمال کیا۔ اُس کے سوار بھاری ہتھیاروں سے مسلح ہوتے تھے۔ وہ ان سواروں کو خاص مقام پر چھپا دیتا تاکہ دشمن کی نگاہوں سے اوجھل رہیں۔ پھر وہ اچانک گھات سے نکلتے اور دشمن کی صفوں پر عقب سے حملہ آور ہو کر اُس کی قوتِ مزاحمت کو درہم برہم کر ڈالتے۔

مقدونی فوج کی یہی خفیہ چالیں تھیں۔ جن کی بنا پر وہ ہر میدان میں کامیابی حاصل کرتی رہی۔ سکندر نے صرف اتنا اضافہ کیا کہ نیزہ بازوں کے حملے سے پیشتر دشمن کی فوج میں ایک راستہ پیدا کر لیتا۔ یہی اسباب تھے جن کی بنا پر پارمینیو بے تکلف کہا کرتا تھا کہ رسمی جنگ میں کوئی فوج اہلِ مقدونیہ پر بازی نہیں لے جا سکتی۔ اس تدبیر پر عمل پیرائی کا طریقہ یہ تھا کہ مقدونی فوج کے بائیں بازو کی آخری حد پر تھوڑی فوج رکھی جاتی تھی۔ اس کی بنا پر دشمن کو وہ بازو بے حد کمزور نظر آتا یعنی کچھ تیر انداز بٹھا دیے جاتے۔ اور کچھ چھاپے مارنے والے لیکن ان کے پیچھے اصلی رسالہ موجود ہوتا جس کے سوار بڑے آزمودہ کار اور گھوڑے بے حد تیز رفتار تھے۔ رسالے کو اس طرح چھپا دیا جاتا تاکہ دشمن کو نظر نہ آتا۔ فیلقوس

کی جنگی تدبیروں کے مطابق بائیں بازو سے کوئی خاص کام لینا مقصود نہ ہوتا تھا۔ اُسے صرف بازو کی حفاظت کا فرض سونپا جاتا تھا البتہ یہ ضروری تھا کہ وہ کسی بھی حالت میں پیچھے نہ ہٹے۔ لمبی برچھیوں والے پیادہ جیش ہا مقدونی فوج میں روحِ رواں کی حیثیت رکھتے تھے۔ یونان کے بھاری ہتھیاروں والے سپاہی تھسلی کے رسالے سے قریب تر تھے۔ زیادہ تر نیزہ باز جفاکش مقدونی کسان تھے۔ یہ قطار در قطار کھڑے ہوتے تو عموماً قطاریں بن جاتیں۔ سب سے پچھلی قطار کی برچھیاں سب سے لمبی ہوتیں۔ قریباً سولہ فٹ لیکن بالکل سامنے کی قطار کی برچھیاں چھوٹی ہوتیں۔ یہ آٹھوں قطاریں برچھیاں تان کر آگے بڑھتیں تو کوئی ان کے مقابلے پر ٹھہر نہیں سکتا تھا پیادہ فوج عموماً رجمنٹوں میں تقسیم ہوتی۔ ہر رجمنٹ میں جنگجوؤں کی تعداد ایک ہزار پانسو چھتیس ہوتی۔ پھر یہ چھوٹی چھوٹی ٹولیوں میں تقسیم ہوتی۔ سب سے کم ٹولی آٹھ آدمیوں پر مشتمل ہوتی)

استوس کے میدان میں لمبی برچھی والی پیادہ فوج چودہ ہزار سے کم نہ تھی۔ اس پر کوئی حملہ کارگر نہ ہو سکتا تھا۔ ان کے سینوں پر فولادی آئینے بندھے ہوئے تھے۔ سر پر فولادی خود تھے اور چھوٹی چھوٹی ڈھالیں تھیں۔ نیز ہر آدمی کے پاس چھوٹی مگر بھاری تلواریں بھی تھیں تاکہ دست بدست جنگ کی نوبت آجائے تو ان سے کام لیا جا سکے۔ کوچ کے وقت ہر آدمی اپنا سامان خود اٹھاتا تھا۔

نیزہ بازوں نے ایک غیر معمولی کارنامہ انجام دیا جس کا اندازہ دشمن نہ کر سکا، یعنی وہ پوری فوجی ترتیب کے ساتھ دائیں بازو کی طرف بڑھ گئے پھر معاونوں کا ایک جیش نمودار ہوا۔ وہ لوگ بھی پیادہ تھے لیکن بھاری ہتھیاروں سے لیس تھے اور ان کی تعداد تین ہزار ہوگی۔ یہ پیش قدمی میں ویسی ہی تیزی دکھا سکتے تھے جیسی کہ سوار۔ یہ معاون جیش آگے بڑھا تو تھریس کے سوار بھی ان سے آگے آگے جا رہے تھے۔ تھریس کے سواروں سے ذرا آگے اگریانی پہاڑیوں کی دو رجمنٹیں تھیں۔ جنھوں نے سواروں کو چھپا رکھا تھا۔ ان کے ساتھ کریٹ کے تیرانداز تھے۔ بعد ازاں یہ لوگ سکندر کی خاص فوج بن گئے۔ اس طرح مقدونیہ کی فوج نے اپنی جنگی تدبیر کو کامیاب بنایا۔ ہر جیش دوسرے جیش کے لیے تقویت کا سامان تھا اور انھوں نے دائیں بازو سے حملہ کر کے دشمن کی صفوں میں بھاری خلا پیدا کر دیا۔

اُس خلا میں محافظ فوج کا رسالہ سرپٹ دوڑتا ہوا گھس گیا اور دشمن کے عقب کو درہم برہم کر ڈالا۔ محافظ فوج کے ہتھیار سب سے اعلیٰ تھے اور گھوڑے بھی بہت اچھے تھے۔ ان کی تعداد دو ہزار کے قریب ہوگی۔ عام دستور یہ تھا کہ دشمن کے بائیں بازو میں خلا پیدا کر کے یہ لوگ قلب پر حملہ آور ہوتے۔ یہی انھوں نے کیا۔ معاون فوج کے سپاہی اور تھریس کا تجربہ کار رسالہ بھی اُن کے ساتھ ساتھ جاتا۔ پھر نیزہ باز پیادہ فوج آگے بڑھتی تو جنگ کا پانسا پلٹ جاتا۔ دشمن بھاگ نکلتا اور صرف تعاقب کا کام باقی رہ جاتا۔ گانی رونیا کے میدان میں اِس تدبیر پہ قبل از وقت عمل ہوا۔ دریائے گری کس میں یہ تدبیر اگرچہ پوری طرح کارگر نہ ہو سکی تاہم یونانیوں کو فیصلہ کن فتح حاصل ہوئی۔

پوری فوج میں سے صرف کریٹ کے تیر انداز تنخواہ دار تھے۔ اگرچہ یہ معلوم ہے کہ حلیف یونانی فوجیں اپنی رضامندی سے نہ آئی تھیں بعض معاون دستے بھی شامل تھے۔ مثلاً قابل انجینیر جو دیادس کی منجنیقوں سے کام لیتے تھے۔ نیز طبیب اور سائنس دان بعض بربری سوار ضرورت کے وقت گاڑیاں بھی ہانک لیتے تھے اور جن چھاپے مار سواروں کے پاس ہلکے ہتھیار تھے اُن میں محافظ فوج کے ملازم بھی بوقت ضرورت شامل ہو جاتے تھے۔ پوری فوج ساڑھے سینتالیس ہزار افراد پر مشتمل تھی۔ سکندر کی ذاتی فوج کے لیے تمام جیشوں سے مختلف کمپنیاں منتخب کر لی جاتی تھیں۔ بڑے بڑے سپہ سالار تعداد میں سات تھے۔ وہ عموماً سکندر کے پاس رہتے لڑائی پیش آتی تو اپنے لشکروں کی کمان سنبھال لیتے۔

جس روز جنگ اسوس پیش آئی۔ اُس روز صبح کے وقت سکندر معمول کے مطابق حملہ آور فوج کے ساتھ دائیں جانب کے پہاڑ پر چلا گیا۔ پارمینیو نے بایاں بازو سنبھال لیا وہ عین سمندر کے پاس مقیم تھا معلوم ہوتا ہے کہ سکندر رات کے وقت ایک لمحے کے لیے بھی نہ سویا تھا اور اُس پر خاصی تشویش طاری تھی۔ ہلال نما خلیج پر پہلی نظر پڑتے ہی اُسے آدمیوں کے ایسے جھنڈ نظر آئے جو شاید خواب میں بھی نہ دیکھے ہوں۔ اِس فوج میں مختلف قوموں کے افراد شامل تھے مثلاً تنخواہ دار یونانی جیش اور کردستان کے پیادے جو دریا کے دور افتادہ کنارے پر استادہ تھے۔ باقی فوجیں دائیں جانب پہاڑی کے ڈھلان پر پھیلی ہوئی تھیں۔ رسالے کا دل اس انتظار

میں کھڑا تھا کہ مقدونوی فوج قدم بڑھائے تو حملہ کرے خطِ جنگ کے عقب میں بھی شہر اسوس تک ایشیائی فوج ہی نظر آ رہی تھی۔

خلیج کے کناروں نے ایک بڑے تھیئٹر کی حیثیت حاصل کر لی تھی جس کے ایک تنگ دروازے سے یونانی فوج داخل ہو رہی تھی اور ویسے ہی دوسرے تنگ دروازے کے پرے شہر اسوس واقع تھا۔ سکندر کو اندازہ ہو گیا کہ اُس کے پاس سوار بہت کم ہیں اور اس کی پیادہ فوج پیچھے نہ ہٹ سکتی تھی۔ اس میدان میں ایسی لڑائی نہ لڑی جا سکتی جس میں آخری فیصلہ معرضِ التوا میں ڈالا جاتا یا محض دشمن کی پیش قدمی کو روکنے پر اکتفا کیا جاتا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ جس فوج کو پیچھے ہٹایا جائے گا وہ نہایت تنگ گزرگاہ سے جانے پر مجبور ہو گی۔ بظاہر یہ معلوم ہوتا تھا کہ ایرانی فوج ساحل والی سڑک پر اُس کا تعاقب کر رہی تھی۔ اور رات کی تاریکی میں وہ تیزی سے لوٹ آیا تو ایرانی فوج خلیج کے کنارے ہی پر رکی رہ گئی۔ سمندر کا کنارا سکندر کے بائیں جانب تھا صرف اُس کے آس پاس ہی زمین ہموار تھی جس پر رسالے کو حملے کے لیے کھڑا کیا جا سکتا تھا۔

ایک گھنٹے تک سکندر اور پارمینیو کھڑے یہ مشاہدہ کرتے رہے کہ بالائی کنارے کے دور افتادہ حصے میں کیا سرگرمیاں جاری ہیں۔ اِس اثنا میں مقدونوی فوج کا بڑا حصہ ایسے مقام پر ٹھہرا ہوا تھا کہ ایرانی اُسے بخوبی دیکھ نہ سکتے تھے۔ سکندر اور پارمینیو نے دیکھا کہ ایرانی رسالے کا جو قلب دامنِ کوہ میں تھا وہ پیچھے ہٹا اور دریا کو عبور کر گیا۔ بظاہر وہ رسالے کو کنارے کے پاس کی ہموار زمین پر لے جا رہے تھے۔ ساتھ ہی ساتھ دریا کے ڈھلوان کنارے پر لکڑی کے مورچے بنا کر انھوں نے اپنے آپ کو مضبوط کر لیا۔

اب یہ سوال سامنے آ گیا کہ جو ایرانی رسالہ کنارے کے پاس کھڑا تھا اور وہ یونانی فوج کے بائیں بازو کے سامنے تھا، اُس کے مقابلے اور روک تھام کا مناسب بندوبست ہو جانا چاہیے۔ سکندر نے تھریس کے سواروں کو اپنے پاس سے ہٹا کر پارمینیو کی کمان میں بھیج دیا۔ ساتھ ہی تاکید کر دی کہ نقل و حرکت دشمن سے خفیہ رہنی چاہیے۔ پھر کریٹ کے تیر انداز بھی وہیں بھیج دیے۔ اِس لیے کہ پارمینیو کی فوج ساحل کی ہموار زمین پر یونانی فوج میں مرکزِ پرکار کی حیثیت رکھتی تھی۔ تھریس اور تھسلی کے سواروں کا فرض تھا کہ وہ یونانی فوج کے بائیں بازو کو پیچھے نہ ہٹنے دیں۔ اگر انھیں کمک مل جاتی

میں مقابلہ کرنا پڑے۔

یہ انتظامات ہو چکے تو سکندر نے حملے کے منصوبے پر عمل شروع کیا۔ جس حد تک ممکن تھا رسالے کو پیادہ فوج کے پیچھے دشمن کی نگاہوں سے مخفی رکھا۔ جب پیادہ فوج آگے بڑھتی ہوئی دریا کے کنارے پہنچ گئی اور دشمن کی فوج کے تمام حصّے سامنے نظر آنے لگے۔ تو سکندر بھی بیوسی فلس پر سوار ہو کر اپنی فوج میں چلا گیا۔ جاتے جاتے تمام کمپنیوں کے کمانداروں کو جلدی جلدی ہدایات دیتا گیا۔ فوجیوں نے اُسے دیکھتے ہی پُرجوش نعرے لگائے اور کہا کہ ہمیں پیش قدمی کی اجازت دی جائے۔ لیکن سکندر نے بھاری ہتھیاروں والے چار ہزار یونانیوں کو محفوظ فوج کی حیثیت میں ایک جگہ ٹھہرائے رکھا۔ محاذ بہت تنگ تھا اور وہ نہیں چاہتا تھا کہ چھوٹی سی جگہ میں اُس کے بہادر یونانیوں کو تنخواہ دار یونانیوں سے مقابلہ پیش آئے۔ اِس اثنا میں اُس کی نظر اپنی اُس فوج کی طرف جمی ہوئی تھی جو پہاڑ کے دامن میں کھڑی تھی۔ وہ لوگ تیزی کے ساتھ ایرانی فوج سے آگے نکل گئے، جو چوٹیوں کے نیچے ٹھہری ہوئی تھی۔ یقین ہے کہ سکندر نے پہاڑی ڈھلوانوں کے چھوٹے چھوٹے دروں اور دریا کے طول و عرض کا خوب اندازہ کر لیا ہوگا۔ اُس نے اگریانی جیش کو حکم دیا کہ پہاڑی ڈھلوانوں کو دشمن سے پاک کر دیا جائے۔ تیر انداز اُن کے ساتھ بھیج دیے۔ چنانچہ انھوں نے ایرانی فوج کو بلندیوں پر سے ہٹا دیا۔

ڈھلوان عارضی طور پر فوج سے خالی ہو گئے تو سکندر نے ہر چیز کا خوب مشاہدہ کر لیا۔ دوپہر ہو چکی تھی اور اُس نے فوجیوں سے کہہ دیا کہ تھوڑی دیر کے لیے ٹھہر کر کچھ کھا پی لو۔ راشن اُن سب کے ساتھ تھا۔ اِس اثنا میں ایرانی کچھ کھا پی نہ سکے۔ سکندر نے اگریانیوں کو بالائی ڈھلوانوں سے واپس بلا لیا تھا اور پیادہ فوج کے دائیں جانب جو معاون دستے تھے انھیں اگریانیوں میں شامل کر دیا۔ اُس کا خیال تھا کہ سواروں کے دو یا تین جیش چوٹیوں والے ایرانیوں کی روک تھام کے لیے کافی ہوں گے۔ اب اُسے اطمینان ہو گیا کہ رسالہ دامنِ کوہ میں بے تکلف نقل و حرکت کر سکے گا۔ یہ دیکھتے ہی دائیں بازو کی فوج کو ترتیب کے ساتھ پیش قدمی کا حکم دے دیا۔

اِن رجمنٹوں نے دریا کو عبور کیا جو پائینِ کوہ بہہ رہا تھا اور اُس کے کنارے بہت گہرے تھے۔ وہ دریا سے گزر کر اگلے کنارے پر جا پہنچے۔ دشمن نے انھیں روک دیا تو سکندر نے معاون

فوج کو دائیں جانب سے آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔ اُن کی پیچھے پیچھے قدم بہ قدم محافظ فوج آگے بڑھی۔ حملہ آور فوج کا سب سے اگلا حصہ دریا کو عبور کر گیا۔ اِس فوج کا مرکزی حصہ اُن چوبی مورچوں پر جا کر رُک گیا جس کے پیچھے تنخواہ دار یونانی جمع تھے لیکن وہ فوجی معمول کے مطابق دائیں جانب سے ہوتے ہوئے آگے بڑھ گئے۔

اب وہ خطرہ پیش آگیا جس سے سکندر گھبرا رہا تھا یعنی بھاری ایرانی رسالے نے دریا میں اُتر کر حملہ کر دیا اور دریا سے گزر کر وہ تھسلی اور تھریس کے سواروں پر جا گرے جن کی تعداد بہت کم تھی۔ محافظ فوج رُکی کھڑی تھی اور پیادہ فوج قدم بہ قدم آگے بڑھ رہی تھی، سواروں پر تیروں اور برچھیوں کی بوچھاڑ شروع ہو گئی۔ گھوڑے تیر اور برچھے کھا کر اُچھلنے لگے۔ اب رُکے رہنا سخت خطرناک تھا۔ سکندر نے محافظ سواروں کو اُس خلا میں سے آگے بڑھنے کا حکم دے دیا۔ جو پہاڑ کے دامن کے ساتھ پیدا ہو چکا تھا۔ وہ مزاحمت کی ہر تدبیر کو ناکام بناتے ہوئے آگے بڑھے۔ پھر انھوں نے بائیں جانب کا رُخ کر کے دامنِ کوہ سے تیز حملہ شروع کر دیا۔ جب وہ پیادہ ایرانی فوج کے عقب میں پہنچے تو معاون فوج بھی ساتھ تھی۔ تنخواہ دار یونانی اور ایرانی ایک جگہ جمے کھڑے تھے۔ انھوں نے از سرِ نو صف بندی کی کوشش کی لیکن حملے کی تندی نے انھیں پیچھے دھکیل دیا۔

عین اُس موقعے پر اُس شخص نے شکست قبول کر لی جس پر ایرانیوں کی مقاومت کا انحصار تھا حالانکہ ابھی شکست نہ ہوئی تھی۔ یہ ایران کا شہنشاہ دارا تھا۔ وہ ایرانی فوج کے قلب کے پیچھے جنگی رتھ پر بیٹھا ہوا تھا جب دیکھا کہ محافظ فوج کے سواروں نے اُس کے قلب کی صف بندی توڑ دی ہے تو حکم دے دیا کہ میرے رتھ کو پیچھے ہٹاؤ ــــ افراتفری میں ایک جگہ رتھ کو راستہ نہ ملا تو وہ نیچے اُترا، اپنے گھوڑے پر سوار ہوا اور محافظ فوج کو ساتھ لے کر اسوس کے قریب سے بھاگ گیا۔

یہ اتفاق تھا کہ دارا نے بزدلی کا ثبوت دیا لیکن جس تباہ کن حملے نے اُسے ہراس زدہ کر دیا تھا۔ وہ اتفاق یا کرشمہ نہ تھا۔ اگر وہ اپنی جگہ جما رہتا اور اپنی زبردست محفوظ فوج سے جلد کی اختیار نہ کرتا تو کیا ہوتا؟ اس سوال کا صحیح جواب ہمیں کبھی معلوم نہ ہو گا جو حالت پیش آئی وہ یہ تھی کہ دارا نے راہِ فرار اختیار کی تو اُس کی محفوظ فوج جو اسوس تک پھیلی ہوئی تھی، افراتفری کا شکار

ہوگئی۔ فوج کے بعض دوسرے حصے بھی پیچھے ہٹے جب قلب کا نصف سے زیادہ حصہ یونانیوں کے زغے میں آچکا تھا وہ کنارے کی طرف پیچھے ہٹنے لگا۔ وہاں ایرانی سوار بڑے کامیاب حملے کر رہے تھے لیکن جب انھوں نے اپنے عقب میں انتشار و ہراس کی کیفیت دیکھی تو باگیں موڑلیں اور خود بھی بھاگ کھڑے ہوئے۔ وہ قلبِ فوج کے پاس سے گزرے جو پیچھے ہٹ رہا تھا اور پیادوں کو پامال کرتے ہوئے نکل گئے۔

سکندر نے اپنے محافظ سواروں کی پیش قدمی روک دی تھی تاکہ پارمینیو کی فوج کے بارے میں پورا اطمینان حاصل ہو جائے۔ اُسے یقیناً نقصان پہنچ چکا تھا لیکن بچاؤ کا بندوبست ضروری تھا ایرانی بھاگ نکلے تو یونانی سواروں نے دامنِ کوہ کے ساتھ ساتھ اُن کا تعاقب شروع کر دیا۔ باقی ایرانی فوج ان کے پیچھے پیچھے نکلی۔ خلیج کے آخری حصے میں ایک چھوٹا سا درہ تھا۔ مفرور (یونانی تنخواہ دار) اس میں جمع ہو گئے۔ بطلیموس نے اپنے روزنامچے میں لکھا ہے کہ بھاگنے والے سواروں اور بھاگنے والے پیادوں، دونوں کو اس مقام پر سخت نقصان پہنچا۔ جب یونانی سوار وہاں گئے تو کشتوں کے پشتے سے گزرنا پڑا۔

تعاقب غروبِ آفتاب کے بعد تک جاری رہا تاکہ اندازہ ہو سکے ایرانی آئندہ کیا کریں گے۔ یونانی سپاہی دارا کی ڈھال، کمان اور شاہی بالاپوش سکندر کے پاس لائے۔ یہ چیزیں دارا اپنے جنگی رتھ میں چھوڑ گیا تھا۔

بہر حال اسّوس کے میدانِ جنگ میں سکندر نے یونانی فوج کو ایک ایسے خطرے سے نکال لیا جو بڑا ہی ہولناک تھا۔ یہ کارنامہ کسی ایسی قمار بازی کا نتیجہ نہ تھا جس کے لیے پانسا پھینکتے وقت کوئی خاص اتفاق ہوا ہو، لیکن یہ بڑی محنت و مشقت اور لاانتہا کوششوں کا نتیجہ تھا۔ اُس نے صبح سے دوپہر کے قریب تک انتہائی محنت سے محافظ فوج کے رسالے کو دامنِ کوہ میں اُس مقام پر پہنچایا تھا جہاں سے کامیاب حملہ ہو سکتا تھا۔ لطف کی بات یہ ہے کہ صبح کے وقت اُس مقام پر ایرانی رسالہ جما کھڑا تھا۔ پہاڑ کے ڈھلوان سے سواروں کا حملہ جنگی ہنرمندی کا ایک غیر معمولی کارنامہ تھا۔ رسالہ اس طرح دشمن پر جا گرا جیسے پہاڑ کا کوئی بہت بڑا حصہ برسات

میں نیچے اُگ آتا ہے۔ لیکن رسالے سے صحیح کام لینے کی یہی ایک ممکن صورت تھی۔ اسی پر سکندر کو بھروسا تھا۔ اسی سے اس نے کام لیا اور عین وقت پر کام لیا۔[1]

گرینی کس کی جنگ میں سکندر پر خاصا اضطراب انگیز جوش جاری رہا تھا لیکن اسوس کی جنگ میں ایسی کوئی چیز پیش نہ آئی۔ اس نے دیر تک اپنی حملہ آور فوج کی پیش قدمی روکے رکھی۔ محافظ رسالہ اِس باب میں معاونوں اور اگریانیوں کا موید رہا۔ جب سکندر کو یقین ہو گیا کہ

[1] جو لوگ جنگی امور و معاملات پر لکھتے رہتے ہیں، اُن میں سے اکثر نے جنگِ اسوس پر تبصرہ کرتے ہوئے لکھا ہے کہ دارا نے اپنی بے شمار فوج کو ایک تنگ محاذ پر جمع کرنے میں مہلک غلطی کی۔ اُدھر زمین ناہموار تھی۔ اس لیے رسالہ آسانی سے وہاں نقل و حرکت نہ کر سکتا تھا اور اُس کے پاس آتش بازی کی قوت بے پناہ تھی۔ وہ قوت تنگ محاذ کی وجہ سے پوری طرح کارگر نہ ہو سکی۔

یہ درست ہے لیکن دارا کو کبھی امید نہ ہو سکتی تھی کہ اسوس کے پاس سمندر کے کنارے ایسی تنگ مقام پر بہت بڑی جنگ پیش آئے گی۔ اُس کے جرنیل جن عوامل سے متاثر ہوئے، اُن کے متعلق ہمیں تھوڑی سی معلومات حاصل ہیں۔ جنگِ اسوس سے تین دن پیشتر فیصلہ کر لیا گیا تھا کہ شام کے کھلے میدانوں میں دفاعی جنگ نہ کرنی چاہیے بلکہ دشمن پر حملہ آور ہونا چاہیے۔ ایرانی کمانداروں نے یونانیوں کے خطوطِ رسل و رسائل پر بہت بڑی فوج جمع کر لینے میں ایک شاندار کارنامہ انجام دیا جسے انجام دینا سہل نہ تھا۔ وہ یونانی فوج کو تیزی سے نرغے میں لے رہے تھے۔ سکندر دفعتاً لوٹا اور اُن کے مقابلے پر آ گیا۔ ایرانی فوج ابھی کوچ کی حالت میں تھی کہ سکندر نے اپنی ہنرمندی سے تدبیر کی اور شکست کو ایک فیصلہ کن فتح بنا دیا۔

باقی رہی یہ دلیل کہ ایرانی کمانداروں نے کھلے میدان کو چھوڑ کر کامیابی کے بہترین مواقع زائل کر دیے تو اس بارے میں صرف گاگامیلا کی جنگ مثال کے طور پر پیش کی جا سکتی ہے جو بعد ازاں ہوئی۔ اُس جنگ میں زمین نہ صرف کھلی تھی بلکہ رسالے کے لیے اُسے خوب ہموار کر لیا گیا تھا۔ بایں ہمہ یونانیوں نے فتح پائی۔

حقیقت یہ ہے کہ یونانی فوج نے ڈسپلن میں نہایت اعلیٰ درجہ حاصل کر لیا تھا، نیز کمانداری کی بلندی میں اُس کا کوئی مقابلہ نہ ہو سکتا تھا۔ سکندر کی قیادت سے قطع نظر کرتے ہوئے یونانیوں کے کماندارانِ جیش کا درجہ بہت بلند تھا۔ سکندر پہاڑیوں کے بازو میں حد درجہ مشکل نقل و حرکت کبھی پوری نہ کر سکتا۔ اگر پارمینیو نہایت زبردست دباؤ کے مقابلے میں استقامت کا ثبوت نہ دیتا۔ پارمینیو کبھی اِس مشکل کام سے عہدہ برآ نہ ہو سکتا اگر تھسلی کے سوار کھلے ساحل پر کامیاب دفاعی جنگ کا ثبوت نہ دیتے جس کی حیثیت ایک چھوٹے سے معجزے سے کم نہ تھی۔

سمندر کے کنارے تک اُس کی فوج کے تمام بادوانی جگہ جمے کھڑے ہیں تو پھر حملے کا حکم دیا، لیکن اسوس کی جنگ میں ایرانی فوج کے نظم و نسق کو درہم برہم کرنے کا کارنامہ مقدونیوں نے تیز اور بے پناہ تعاقب میں انجام دیا۔ مشرقی افواج کو اس سے پیشتر ایسے سخت تعاقب سے کبھی سابقہ نہ پڑا تھا۔ اِس سے پہلے اُن کا تجربہ بھاری ہتھیاروں والے چھوٹے چھوٹے یونانی دستوں تک محدود تھا، یعنی زینوفن کے دس ہزار فوجی۔

اسوس میں ایرانیوں کا تمام ساز و سامان برباد ہو گیا اور فوج اس طرح بکھری کہ اسے دوبارہ جمع نہ کیا جا سکا۔ دارا کے اپنے اسلحہ، خیمے، افرادِ خاندان اور خدامِ خاص غرض ہر شے چھن گئی۔ اور وہ صرف چار ہزار منتظم فوجیوں کے ساتھ مشرقی جانب بھاگا۔ یہ فرار جاری رہا۔ یہاں تک کہ وہ دریائے فرات کو عبور کر گیا۔ مقدونیوں نے اُس پر ایک خاص دہشت طاری کر دی تھی۔

جنگ اسوس کے بعد نوجوان مقدونوی بادشاہ نے کسی ایسے ہیجانی ردِ عمل کا ثبوت نہ دیا جیسا، مثلاً گرینی کس کی جنگ کے بعد نمایاں ہوا تھا۔ وہ بالکل تھکا ہوا معلوم ہوتا تھا اور اُس کے کولھے پر تلوار کا ایک زخم لگ چکا تھا جو خاصی تکلیف دے رہا تھا۔ اسے اٹھا کر جگہ جگہ پھرایا گیا اور کئی روز تک وہ بوسی فالس پر سوار بھی نہ ہو سکا۔

دوسرے روز مقتولین کی دفن کا انتظام کیا گیا۔ جو افسر مارے جا چکے تھے اُن کی جگہ نئے آدمی مقرر ہوئے۔ اور سکندر نے فوج کو جشن منانے کی اجازت دے دی۔ اِس شادمانی میں اسوس کے باشندوں کو بھی شامل کر لیا گیا۔ جو خراج اُن کے ذمے عاید ہوا تھا اور ادا نہ کیا گیا تھا۔ اُسے معاف کر دیا گیا۔

ایران کے شاہی کیمپ میں خزانے کا بھی خاصا بڑا حصّہ رہ گیا جس کی مقدار تین ہزار ٹیلنٹ سے کم نہ تھی۔ سکندر نے یہ مال اُن افسروں میں تقسیم کر دیا جو جنگِ اسوس میں ممتاز کارنامے انجام دے چکے تھے۔ جب اُسے معلوم ہوا کہ ایرانیوں کا بہت سا ساز و سامان جس میں خزانہ اور نوکر چاکر شامل ہیں، دمشق کے مرکز میں رہ گیا ہے جو

ساحل سے ہٹا ہوا تھا تو اُس نے پارمینیو کو حکم دے دیا کہ تھسلی کے سوار ساتھ لے کر فوراً دمشق جائے اور مالِ غنیمت پر قبضہ کرے۔ تھسلی والوں کو اِس بات پر بے حد خوشی حاصل ہوئی کہ انھیں سب سے پہلے لوٹ کا موقع دیا جا رہا ہے۔

پارمینیو دمشق پہنچا تو وہاں اُسے یونانی سفیروں کا ایک گروہ ملا۔ وہ لوگ اِس غرض سے آئے تھے کہ شاہنشاہ ایران کے ساتھ گفت و شنید کریں۔ سکندر نے اُن کا جرم نظر انداز کر دیا اور پارمینیو نے اُن پر غداری کا جو الزام لگایا تھا اُسے قبول نہ کیا۔ اُن کی معافی کے لیے سکندر نے نہایت دلچسپ دلیلیں پیدا کر لیں۔ اُس نے کہا دو سفیر تھیبز کے ہیں۔ اُنھیں اِس لیے مجرم نہیں سمجھا جا سکتا کہ اہلِ مقدونیہ نے تھیبز کو برباد کر ڈالا تھا، یعنی وہ حبِّ وطن کے جوش میں شہنشاہِ ایران سے مدد لینے آئے تھے بعض دوسرے کارندوں کو اِس بنا پر معاف کر دیا گیا کہ وہ اولمپیائی کھیلوں میں امتیاز و اعزاز حاصل کر چکے تھے۔ اسیروں میں سے ایک شخص افی کریٹیز[1] بھی تھا جو تنخواہ دار یونانیوں کے سپہ سالار کا فرزند تھا۔ سکندر نے اُسے اپنا مشیر بنا لیا۔ سپارٹا کے سفیر کو بھی کوئی گزند نہ پہنچایا البتہ اُس کی نگرانی کا حکم دے دیا۔

معلوم ہوتا ہے کہ سکندر ایشیائی ساحل پر مزید دشمن پیدا کرنے کا خواہاں نہ تھا اور اُس نے انتہائی فراخدلی کی پالیسی اختیار کی۔ اسوس کی خوفناک جنگ کے بعد جس میں مقدونوی فوج تباہی کے کنارے پر پہنچ چکی تھی، سکندر سے ایسی فراخدلی کے برتاؤ کی قطعاً اُمید نہ تھی۔ لوگوں پر اِس سے بہت ہی اچھا اثر پڑا چنانچہ جزیرہ قبرص سے جہاز سازوں کا ایک قافلہ آ پہنچا۔ اِن لوگوں نے نئے حالات دیکھے اور اپنی خدمات پیش کر دیں۔ جزیرہ ارادوس[2] کے قدیم مندروں کے محافظ یہ درخواست لے کر آئے کہ ہمیں اپنی قربان گاہوں پر قربانیوں کی اجازت دی جائے۔ بیروت کی تجارتی کوٹھیوں کے کارندے عمدہ تحفے لے کر حاضر ہوئے اور اپنے شہر میں تشریف آوری کی درخواست کی۔ جو لبنان

---

[1] IPHICRATES

[2] ARADUS کریٹ کے پاس ایک چھوٹا سا جزیرہ ہے۔

کے کنارے پر آباد تھا۔ انھوں نے بتایا کہ یہ شہر بیروئی[1] بحری پری یا اسٹارٹی[2] دیوی نے تعمیر کیا تھا جو شیر پر سوار ہو کر جنگل سے نمودار ہوئی تھی (بیروت سامی نام ہے جس کے لفظی معنی کنوئیں کے ہیں) ان مشرقی لوگوں کا خیال یہ ہو گیا تھا کہ سکندر کو دیوتاؤں نے خاص قوت عطا کر رکھی ہے۔ اُن کا یہ اندازہ بھی تھا کہ سکندر کم از کم دو سال تک تجارت کے وسائل کو متاثر رکھے گا۔

[1] BEROE

[2] ASTARTE یہ ایک فونیقی دیوی تھی، جسے زرخیزی کی دیوی مانا جاتا تھا، صیدا اُس کا مرکز تھا اور اُسے بعل کی زوجہ مانا جاتا تھا۔

نواں باب

خاتونانِ دمشق

نوجوان سکندر کا طرزِ عمل نہایت ہی نرم اور شکر گزارانہ تھا۔ جب رات ہوئی اور فوجی افسروں کو معلوم ہوا کہ ایرانی فوج بے طرح شکستِ فاش کھا چکی ہے تو اُن کا جوش و خروش جنون کے قریب پہنچ گیا۔ سکندر جائے قیام کی طرف لوٹ رہا تھا تو اس کے بہت سے افسر شاہنشاہِ ایران کی خیمہ گاہ کا جائزہ لے رہے تھے۔ وہاں انھیں بہت سے خیمے ملے جن میں کھانا تیار رکھا تھا۔ وہ سکندر کو ایک احاطے میں لے گئے جہاں کوئی پہرہ دار موجود نہ تھا۔ وہاں شامیانوں کا ایک جھنڈ تھا اور رنگین فانوسوں کے اندر چراغ جل رہے تھے۔ فرش پر اعلیٰ درجے کے قالین بچھے ہوئے تھے۔ افسروں نے سکندر کو سنگِ سلیمانی کا ایک چھوٹا سا حوض دکھایا جس کے پانی سے نہایت عمدہ خوشبو آ رہی تھی۔ اُس نے فوراً اپنی آستینیں چڑھالیں تاکہ منہ ہاتھ دھوئے اور کہا تو ہم اپنا گرد و غبار دارا کے حمام میں دھوتے ہیں۔ ایک افسر بولا: یہ حمام اب دارا کا نہیں سکندر کا ہے۔

اُس نے چاندی کے آفتابے دیکھے جن ڈبوں میں اوبٹنا رکھا ہوا تھا۔ ان پر سنہری گلکاری کا کام تھا۔ گلاب دان شیشے کے تھے۔ سکندر حوض میں بیٹھ گیا۔ اُس میں تازہ پانی ڈالا گیا۔ بال چھڑ سے مالش کی گئی۔ ہوا گلاب کے عرق سے معطر تھی۔ وہ بولا: واہ یہ بادشاہی کی شان ہے۔ تو یے ایسے نرم تھے جیسے بطخ کے بچے کے روئیں نرم ہوتے ہیں۔ رنگین روشنیوں میں اپنے رفیقوں کے چہرے بڑے دلکش معلوم ہوتے تھے۔ وہ اِک بڑے تولیے میں لپٹا ہوا باہر نکلا اور کہا کہ "کھانا لاؤ"۔ رفیق اُسے پاس کے خیمے میں لے گئے۔ وہاں ارد گرد پردے پڑے ہوئے تھے۔ خیمے کے بیچ میں لکڑی کی میزیں لگی ہوئی تھیں۔ جن پر ہاتھی دانت کی نہایت خوبصورت گلکاری کی گئی تھی۔ اور سنہری قابوں میں میوے، مسالے والے گوشت اور چاول چنے تھے۔

میزوں کے ارد گرد نہایت عمدہ رضائیاں رکھی تھیں سکندر نے بہت سا کھانا دوسرے افسروں کے لیے بھیج دیا۔ کارنتھ کے اجتماع میں بھی اُس نے ایک جگہ اتنا کھانا نہ دیکھا تھا۔ وہ ایک رضائی اوڑھ کر بیٹھ گیا جس پر سوزن کاری سے وحشی جانوروں کی لڑائیوں کے منظر دکھائے گئے تھے۔ اُس کا زخمی کولھا سوج گیا تھا۔

اُس کے رفیق شراب پیتے، گندے مذاق کرتے اور اپنی چوٹوں کو سہلا رہے تھے۔ اب اُن کے دل میں اپنے لیڈر کے لیے ایک خاص احترام پیدا ہو گیا تھا جس کی حالت میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی اور اُس کی نیلگوں آنکھیں ہر لحظہ مستفسر نظر آتی تھیں۔ وہ کبھی اسے ایکی لیز قرار دیتے اور کبھی ہرقل۔ انھیں اشرفیوں کی بھری ہوئی تھیلیاں مل گئی تھیں اور سنہری قابوں میں نہایت عمدہ کھانا کھا رہے تھے۔ جو شخص تمبیے میں لیٹا ہوا تھا وہ شہنشاہ کو جسے رُبعِ ارض کا مالک سمجھا جاتا تھا، سر توڑ راہِ فرار اختیار کرنے پر مجبور کر چکا تھا۔ دارائے اوّل نے میراتھان کی جنگ کے بعد یونان کے خلاف جنگ کا ارادہ ترک کر دیا تھا اور وہ اپنا بیڑا لے کر واپس آ گیا تھا۔ زرکسیز جنگ سلمیس کے بعد ٹوٹے بیڑے کے ساتھ لوٹ آیا تھا لیکن یہاں اس رات ایشیا کی سرزمین میں . . . . .

وہ سکندر کو دیوتا قرار دیتے۔ اس کے رخسار چومتے اور آفریں باد کہتے۔ خیمہ گاہ میں بہت سی ایشیائی عورتیں ملیں جن میں اکہرے بدن کی شامی لڑکیاں بھی تھیں۔ سجی سجائی قبرص کی عورتیں بھی اور ممفس کی نیم حبشی نژاد دوشیزائیں بھی۔ ایسی عورتیں بھی جن کے قوم و وطن کا کوئی اندازہ نہ تھا۔ سکندر فوجیوں سے وعدہ کر چکا تھا کہ اس جنگ کے بعد کوئی تکلیف پیش نہ آئے گی۔ جنگ ہو چکی تھی فوجی کہتے تھے کہ اب اپنا وعدہ پورا کرو۔

سکندر آہستہ آہستہ شراب پی رہا تھا اور اُن کی باتیں سُن رہا تھا۔ شراب سے اسے چنداں دلچسپی نہ تھی لیکن اُن کی شادمانیوں کے باعث وہ بڑی راحت محسوس کر رہا تھا۔ عین اس موقع پر قریب سے آہ و فغاں کی صدائیں بلند ہوئیں۔ سکندر نے پوچھا، یہ کیا ہے؟ رفیقوں نے بتایا کہ پاس کے خیمے میں شاہنشاہِ ایران کی خواتین موجود ہیں۔ انھیں معلوم ہو چکا ہے کہ دارا کی ڈھال اور کمان آ گئی ہے اور وہ سمجھ رہی ہیں کہ دارا مارا گیا۔ لہٰذا رو رہی ہیں۔ سکندر نے پوچھا کون کون عورتیں ہیں، بتایا گیا کہ ایک دارا کی والدہ ہے، ایک ملکہ جس کا نام سٹیٹرا[1] سے ملتا جلتا ہے۔ وہ

۱۔ STATIRA

تھائیس سے بھی زیادہ خوبصورت ہے جشن اُس پر ختم ہوگیا۔ دارا کی دو بیٹیاں ہیں اور ایک شیرخوار بیٹا۔

سکندر نے سفاکستن کو بلایا (بعض کہتے ہیں کہ یہ لیونیٹیس[1] تھا) اور شاہی خواتین کے بارے میں یوں ہدایات دیں۔ جاؤ اور اُن کو بتاؤ کہ میرے پاس دارا کی صرف ڈھال اور کمان ہے وہ زندہ ہے۔ انھیں یقین دلا دو کہ جس شان سے پہلے رہتی تھیں، اُسی شان سے اب رہیں گی۔ اگر اُن کے ساتھ ملازم ہیں تو وہ سب بدستور اُن کے ساتھ رہیں گے۔" ایک شخص بولا: "خواجہ سرا بھی؟" سکندر نے جواب دیا: "ہاں سب، جتنے رُوپے انھیں پہلے ملتے تھے وہ سب بدستور ملتے رہیں گے اور جیسے اعزاز کا برتاؤ پہلے ہوتا تھا ویسا ہی برتاؤ اب ہوگا۔"

اُس مجلس میں جو سب سے بڑا شرابی تھا یہ سُن کر دم بخود رہ گیا۔ اُس کا مطلب یہ تھا کہ سکندر خاصی لمبی مدّت تک شاہی خواتین کو یرغمال کے طور پر اپنے پاس رکھے گا اور کوئی مقدونوی افسر ان کی قیام گاہ کے پاس نہ پھٹک سکے گا۔ اِس لیے کہ بلند منزلت ایشیائی لوگ اپنی خواتین کو یونانیوں سے بھی زیادہ پردے میں رکھتے تھے۔ اِس سے یہ بھی ظاہر ہوگیا کہ سکندر کسی جسمانی استراحت کا خواہاں نہ تھا حالانکہ خدا نے دشمن کی بیوی اور بیٹیوں کو اُس کے قبضے میں دے دیا تھا۔ ایک سپاہی نے کہا: سچ یہ ہے کہ ایرانی عورتیں بڑی ہی خوبصورت ہیں۔ سکندر نے جواب دیا کہ اُن کی خوبصورتی میری آنکھوں کے لیے اذیت کا باعث ہے۔

یہ الفاظ رفیقانِ خاص کے لیے تسلی کا باعث نہ ہو سکے۔ وہ جانتے تھے کہ مشرقی عورتوں کی جسمانی خوبصورتی اذیت کا سامان نہیں۔ اُن میں سے اکثر کو گھر بار سے الگ ہوئے ڈیڑھ سال کا عرصہ گزر چکا تھا۔ صرف تھوڑے سے آدمیوں نے شادیاں کر لی تھیں۔ باقی سب رفاقت کے آرزومند تھے۔ سکندر کی بات اُن کی سمجھ میں نہ آئی۔

معلوم ہوتا تھا کہ سکندر پر راہبی کی خواہش غالب تھی۔ وہ رات دن قربانیوں کے خیال یا فاقہ کشی یا مطالعے میں مصروف رہتا۔ اگرچہ وہ جانتے تھے کہ اُس کی بدنی صحت راہبی کی مقتضی نہیں اور فوج میں سے کوئی بھی راہب بننے کے لیے تیار نہ تھا۔ چند روز بعد سکندر نے

---

[1] LEONNATUS

ایک اور قانون جاری کر دیا۔ اُس کے پاس اطلاع پہنچی کہ دو افسرانِ فوج نے ایک اتحادی افسر کی بیوی کی آبروریزی کی ہے۔ پارمینیو کو حکم بھیجا کہ فوراً اِس معاملے کی تفتیش کی جائے اور اگر جرم ثابت ہو جائے تو مجرموں کو قتل کی سزا دی جائے۔ ساتھ ہی ہدایت کر دی کہ اتحادی خواہ بربری ہوں یا ایشیائی یا یونانی اُن کی عورتوں کا پورا احترام کیا جائے اور جو افسر دوسروں کی آبرو کا خیال نہ رکھیں اُن کے ساتھ جنگلی درندوں کا سا برتاؤ کیا جائے۔

پارمینیو کو فوجیوں کی گفتگو کا علم ہوا تو وہ خود اِس معاملے پر بات چیت کے لیے سکندر کے پاس پہنچا۔ اُس نے کہا کہ آپ کی شادی نہیں ہوئی۔ کوئی عورت بھی اپنے پاس نہیں رکھی کوئی یونانی طوائف بھی ساتھ نہیں لی۔ میرے بیٹے ہیں۔ اُن کی اولاد موجود ہے۔ فلوٹس اور نکانور[1] خود فوج میں ملازم ہیں۔ ہارپالوس کا بیٹا[2] فوج میں ایک افسر کی حیثیت رکھتا ہے۔ اگر آپ کے بیٹا نہ ہوا تو وفات کی حالت میں جانشیں کون بنے گا؟ یہ صورتِ حال غیر طبعی ہے اور اِس سے صحت پر اچھا اثر نہ پڑے گا۔ پھر جانشینی کا مسئلہ بڑا اہم ہے۔ آپ کہتے ہیں کہ یہ بربری عورتیں بے روح گڑیا ہیں۔ آپ نے مقدونیہ میں شادی نہ کی۔ اب مناسب ہے کہ ایک بربری لڑکی کو پاس رکھ لیں بے شک ایشیا کے شاہی خاندان کی کوئی عورت نہ رکھیں۔

سکندر عورتوں سے گریزاں رہتا تھا۔ اِس کی وجہ یہ معلوم ہوتی ہے کہ بڑی دیر کے بعد اپنی ماں کے ناخوشگوار تحکّم سے اُس نے آزادی حاصل کی تھی اور ہر عورت میں اُسے اپنی ماں کا تحکّم نظر آتا تھا۔ وہ بڑا حسّاس تھا۔ ہو سکتا ہے کہ قلوپطرا کے بچے کی موت اور باپ کی عیاشیوں نے بھی اِس پر اثر ڈالا ہو۔ اُسے یہ بات بھی پسند نہ تھی کہ بڑے بڑے افسروں کی خیمہ گاہوں میں طوائفیں رہیں۔ البتہ کسی کو بیوی بنا کر رکھ لینا قابلِ اعتراض نہ سمجھا جا سکتا تھا۔ چنانچہ پارمینیو کی رائے کے مطابق اُس کے پاس عورتیں قید ہو کر آئیں تو ایک کو اُس نے اپنے لیے چن لیا۔ یہ

---

[1] NICANOR

[2] یونان میں لڑکوں کی شادی پندرہ سولہ سال کی عمر میں ہو جاتی تھی اور وہ چھوٹی عمر ہی میں فوجی خدمات انجام دینے لگتے تھے پچیس سال کی عمر تک پہنچتے پہنچتے وہ تجربہ کار فوجی بن جاتے تھے۔ دس سال کی فوجی خدمت تجربہ کاری کے لیے بڑی کافی تھی۔ مقدونیہ کے زیادہ تر کماندار جوان تھے اور سب خاصی لمبی مدّت سے خدمات انجام دیتے آ رہے تھے۔

روڈز کے میمنان کی بیوہ برسین تھی جو دمشق میں گرفتار ہوئی تھی۔ برسین خاموش اور حلیم الطبع تھی نسلی اعتبار سے اُس کا تعلق ایران کے ایک امیر گھرانے سے تھا لیکن اُس نے یونانی درسگاہ میں تعلیم پائی تھی۔ قیاس یہ ہے کہ عمر میں وہ سکندر سے چند سال بڑی ہوگی۔

برسین نے سکندر کے معاملات میں کبھی دخل نہ دیا۔ وہ اپنی خیمہ گاہ میں بیٹھی رہتی اور ملازموں کے ذریعے سے ضروری کاروبار انجام دیتی۔ اُس پاس جو گفتگوئیں ہوتیں اُنھیں سن لیتی لیکن سکندر سے کبھی کچھ نہ مانگا۔ وہ خلوت پسندی پر قانع تھی۔ سکندر کی رفیقہ بن جانے کو نہ اُس نے اپنے لیے باعثِ عزت سمجھا اور نہ موجبِ سزا۔ دوسرے آدمیوں کے نزدیک وہ ایک پردہ دار سایہ تھی جو اپنے شامیانے کے اندر رہتا۔ سکندر کو اُس کی صحبت میں خاص آرام حاصل ہوتا فوج اس بات پر بہت خوش ہوئی کہ سکندر نے برسین کو اپنے خیمے میں داخل کر لیا ہے لیکن فوج کی خیمہ گاہ میں عورتوں کے مسئلے کا حل اُس کے لیے آسان نہ تھا۔

غالباً سکندر برسین کے مزاج کو کبھی نہ سمجھ سکا۔ سکندر کے پاس پہنچنے سے پیشتر وہ میمنان کی بیوی تھی، جو بڑا بہادر اور دور اندیش مانا جاتا تھا۔ وہ سلطنت کا ایک رکن تھا۔ اگرچہ اُس نے شاہنشاہِ ایشیا کی وفاداری قبول کر لی تھی۔ اہلِ مقدونیہ میمنان کا بہت احترام کرتے تھے۔ دارا کے لیے اُن کے دل میں کوئی احترام نہ تھا جس نے ڈر کر اپنی فوج، اپنی عورتوں اور اپنے ہتھیاروں کو چھوڑا اور بھاگ گیا۔ سکندر بھی کسی زمانے میں ڈرتا تھا لیکن ہجومِ کار کے خنک اضطراب میں وہ جان گیا تھا کہ اب بچ نکلنے کے لیے نہ میں پیچھے ہٹوں گا اور نہ بھاگوں گا۔ جو قوت اُسے خطرے کی جانب لیے جا رہی تھی وہ بے پناہ تھی۔ یہ قوت اُس کے خوف سے بدرجہا قوی تر تھی۔

برسین کو سکندر کے خیالات کا کوئی علم نہ تھا۔ اُسے سکندر کے کسی کام سے بھی سروکار نہ تھا۔ وہ صبح کے وقت اُٹھتا تو شامیانوں سے باہر جا کر اُن چٹانوں پر قربانی کرتا جو سمندر پر واقع تھیں۔ جب خیمہ گاہ میں واپس آکر جو کی روٹی اور انگور کھاتا تو فوجی افسر اردگرد بیٹھے ہوئے اُس سے بات چیت کرتے رہتے۔ جب وہ ننگے سر اپنی فوجِ خاص کے پاس دھوپ میں کھڑا ہوتا تو سپاہیوں کے جھنڈ یا دیہاتی لوگ اپنی درخواستیں وغیرہ لے کر آجاتے۔ سکندر کی عادت ہی یہ

تھی کہ جس علاقے میں داخل ہوتا اس میں فوجی اور دیوانی مقدمات کو لازماً سنتا۔ اُس کا خیال تھا کہ افراد کے حالات سن کر مجھے ملک کی ضرورتیں معلوم کرنے کا موقع مل جائے گا۔ ایسے موقعوں پر نہ وکیل ہوتے تھے اور نہ ترجمان۔ لوگ خود اپنے حالات بیان کرتے۔ اکثر یونانی زبان بولتے یا وہ ملی جلی زبان جسے بآسانی سمجھا جا سکتا۔ جو لوگ آرامی یا سامی بولیوں کے سوا کچھ نہ جانتے تھے وہ اپنے ترجمان ساتھ لاتے۔

جب افسر یا درخواست گزار شاہی خیمے کے سامنے موجود نہ ہوتے تو سکندر اُس وقت بھی بے کار نہ بیٹھتا۔ وہ ایک نوجوان یونانی محرر کو اُسی تیزی سے خط لکھواتا جس تیزی سے مقدموں کا فیصلہ کرتا۔ جب کسی معاملے کا فیصلہ کر لیتا تو پھر اُسے بھلا دیتا، لیکن ضروری معلومات کی تمام تفصیلات اُس کے ذہن میں تازہ رہتیں۔ دمشق میں جو خزانہ اُس کے ہاتھ لگا۔ اُس میں سے آٹھ سو ٹیلنٹ اُس نے ارسطو کے پاس بھیج دیے۔ تاکہ اپنے لیے نئی درس گاہ تیار کرا لے اور خوشبوؤں کا بہت بڑا انبار لیونی دس کے پاس بھیج دیا۔ ساتھ ہی خط لکھا کہ "لیونی دس یہ اس لیے بھیج رہا ہوں کہ دیوتاؤں کی قربانی میں ناپ تول کر خوشبوئیں استعمال نہ کرو۔" یاد ہوگا کہ دس سال پیشتر قربانی کے وقت سکندر نے مٹھیاں بھر بھر کر خوشبوئیں ڈالی تھیں تو لیونی دس نے اُسے ٹوکا تھا۔

سکندر کا ایک اور اتالیق لیسی میخس[1] خاصا بوڑھا ہو چکا تھا۔ وہ سائنس دانوں کے ہمراہ آیا تھا، اگرچہ یونانی زبان کے مخطوطے پڑھنے کے سوا اُسے کسی کام میں مہارت نہ تھی۔ سکندر کی خواب گاہ میں مخطوطوں سے ایک صندوق بھرا ہوا تھا۔ یہ بوڑھا اتالیق انھیں کے مطالعے میں غرق رہتا۔ بعض اوقات سکندر استراحت کی غرض سے لیٹ جاتا اور لیسی میخس اسے ایسچیلس[2] کے ڈرامے سناتا۔ وہ عموماً آدھی رات گزر جانے کے بعد سوتا۔ کبھی ایسا بھی ہوتا کہ سکندر صبح کے وقت اُٹھتا اور سر اپنے بازوؤں میں رکھ کر چپ چاپ بیٹھ جاتا، یہاں تک کہ دوپہر ہو چلتی۔ برسین پر واضح ہو گیا کہ خود فراموشی کے ایسے موقعے اُسی وقت آتے ہیں۔ جب کوئی کام نہیں ہوتا فوج کوچ کی حالت میں ہوتی یا کوئی اہم مسئلہ در پیش ہوتا تو ایسی صورت کبھی پیش نہ آتی۔ خود فراموشی

---

۱ LYSIMACHUS

۲ AESCHYLUS مشہور یونانی ڈراما نگار

کے اوقات میں برسین سکندر کو کبھی نہ جگاتی۔ کوچ میں سکندر سایہ دار پالکی کبھی استعمال نہ کرتا۔ وہ عموماً پیدل چلتا۔ کبھی ایک جیش میں ہوتا کبھی دوسرے میں۔ تمام لوگوں سے بے تکلف بات چیت کرتا۔ کبھی کمان اٹھا لیتا اور کسی طرف شکار کے لیے نکل جاتا۔ جب وہ جنگی رتھ میں بیٹھ جاتا تو گھوڑوں کو سرپٹ دوڑاتا۔ لیکن کھیلوں میں اُسے تیزی و تندی ہرگز پسند نہ تھی۔

برسین نے یہ بھی معلوم کر لیا کہ جب مقدونیہ سے خطوں کے بنڈل اُس کے پاس آتے ہیں تو سب سے پہلے وہ اینٹی پیٹر کے خط کھولتا ہے۔ جیسے جیسے وہ پڑھتا ہے چہرے پر مسکراہٹ طاری رہتی ہے۔ اولمپیاس کے خط کبھی کسی کو نہ دکھاتا تھا۔ گاہے گاہے یہ دیکھا گیا کہ ہفاسشن خاموش سایہ کی طرح اُس کے پیچھے آکھڑا ہوتا اور خط کا کچھ حصہ پڑھ لیتا۔ پھر سکندر اپنی مہر ہفاسشن کے لبوں پر لگا دیتا۔ یہ اس بات کی علامت تھی کہ خط کا ذکر کسی سے نہ کیا جائے لوگوں کی گفتگو سے برسین کو معلوم ہو گیا کہ اینٹی پیٹر خطوں میں اولمپیاس کی ویسی ہی شکایتیں کرتا تھا جیسی اولمپیاس اینٹی پیٹر کی۔ سکندر بعض اوقات اچانک پھوٹ پڑتا: کیا اُس احمق کو معلوم نہیں کہ ماں کے ایک آنسو کے مقابلے میں اُس کی تمام دلیلیں بے کار و بے سود ہوں گی۔

لوگوں کے متعلق سکندر کی بے صبری اور اضطراب نے یقیناً برسین کو ایک حد تک پریشان کر دیا تھا۔ وہ حوادث یا ناکامیوں پر کبھی غصے میں نہ آتا۔ معاملات بگڑ جاتے تو صبر و استقلال کا پیکر بنا رہتا۔ لیکن جن کاموں کا وہ متوقع تھا اُن کے سرانجام میں خلل پیدا ہو جاتا تو بے طرح بگڑ جاتا۔ بگڑ جانے کی حالت بڑی ہی عجیب تھی۔ اس کی نیلگوں آنکھیں سراپا سوال بن جاتیں۔ نہ ان میں خوشی کی جھلک ہوتی اور نہ حیرت کی۔ ایسا معلوم ہوتا کہ آنکھیں آدمیوں کے گوشت کا پردہ نوچ پھینکنے کی خواہاں ہیں۔ وہ اُن کے الفاظ پر متوجہ نہ ہوتا، یہ دیکھتا کہ الفاظ کی تہ میں کیا کچھ مستور ہے۔ بشاشی اور استادی سے جھوٹ بول کر اُسے بہ آسانی فریب دیا جا سکتا تھا۔ لیکن جب وہ لوگوں سے دوچار ہوتا تو ان میں سے کوئی بھی اپنی اندرونی فطرت کے بارے میں اُسے دھوکا نہ دے سکتا تھا۔

تیز فہم، طعن دوست اور بے اصول بطلیموس نے بار بار دھوکا دے کر سکندر سے کام کرا لیے اور یقین ہے کہ سکندر کو حقیقت کا علم ہو گا لیکن وہ بطلیموس کی گردن پر زیادہ سے زیادہ

ذمہ داریوں کا بوجھ ڈالتا جا رہا تھا۔ اس کے برعکس پارمینیو کا بیٹا فلوٹس بہترین کماندار تھا، وہ معاونوں اور ماہروں کا جیش لے کر اِس طرح کوچ کرتا، جیسے کوئی چھوٹا سا بادشاہ ہو۔ سکندر کے تمام احکام کی حرف بہ حرف تعمیل کرتا۔ تاہم جب وہ ملاقات کر کے جاتا تو برسین دیکھتی کہ سکندر پر بے یقینی اور غصہ طاری ہے۔ بہ ظاہر وہ بطلیموس اور فلوٹس سے یکساں سلوک کرتا تھا لیکن معلوم ہوتا ہے دل میں بطلیموس کے متعلق سمجھتا تھا کہ اس سے غلطی ہو ہی نہیں سکتی اور فلوٹس کوئی بھی کام صحیح طریق پر نہیں کر سکتا۔ برسین کا خیال تھا کہ بطلیموس زیادہ خطرناک رقیب ہے۔ جیسے جیسے سکندر کی طاقت و قوت بڑھتی جا رہی تھی، وہ خطرناک تر ہوتا جا رہا تھا لیکن فلوٹس پارمینیو کا بیٹا تھا جس کی وفاداری محض کوئی پاگل اور فاتر العقل ہی معرضِ بحث میں لا سکتا تھا۔ برسین کو خود بھی سکندر کے سلیم العقل ہونے میں شبہ تھا۔ ایک مرتبہ اس نے ایک معمولی زیور پہن لیا۔ دراصل وہ تانبے کا سانپ تھا۔ جسے خاص انداز میں موڑ رکھا تھا۔ یہ زیور ایک غلام نے اُسے دیا تھا۔ سکندر نے اُسے دیکھتے ہی اس زور سے اُتارا کہ برسین کے بازو کو صدمہ پہنچا۔ پھر اسے دور سمندر میں پھینک دیا اور اپنے اس فعل کے لیے کوئی عذر بھی پیش نہ کیا۔ بعد ازاں برسین کو ہر وقت تشویش رہتی کہ کہیں سکندر اس کا راز معلوم نہ کر لے۔ یہ راز ہاتھی دانت کے چھوٹے سے ڈبے میں تھا۔ جس میں جواہرات رکھے جاتے تھے۔ اِس ڈبے میں قفل نہ تھا بلکہ اس کی بندش کے لیے خاص خفیہ گرفت کا انتظام تھا۔ اِس ڈبے کو برسین ہمیشہ اپنی خاص چیزوں میں رکھتی اور جب تک بالکل اکیلی نہ ہوتی کبھی نہ کھولتی۔ عموماً چاندنی راتوں میں اُسے دیکھتی جب کسی دوسرے کو معلوم نہ ہو سکتا کہ اندر کیا ہے۔

سانپ والا زیور پھینک دینے کے بعد سکندر برسین کے لیے ایک سنہری کنگن لایا جس پر سفید رنگ کے جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ برسین سکندر کو خوش کرنے کے لیے روزانہ یہ زیور پہنتی۔ اگرچہ وہ جواہرات میں سے اور کوئی چیز استعمال کرنے کی عادی نہ تھی جس بندھن سے وہ اپنے سر کے بال باندھتی تھی وہ بھی بالکل معمولی حیثیت کا تھا۔ سکندر کو اس کا علم تھا۔

ایک روز سپاہی سکندر کے پاس ایک قیمتی صندوقچہ لائے اور تحفے کے طور پر پیش کر دیا۔ اس پر بڑی خوبصورت تصویریں منقش تھیں اور انھوں نے اسے بادشاہ کے لیے شایاں تحفہ قرار دیا۔ سکندر نے پوچھا بھلا بتاؤ اِس قیمتی صندوقچے میں کون سی قیمتی چیز رکھی جا سکتی ہے؟ ان میں

سے کوئی کچھ بتاتا اور کوئی کچھ۔ سکندر نے ہومر کی نظم ایلیڈ کا ایک عمدہ نسخہ اٹھایا جو اس کے پلنگ کے پاس پڑا تھا اور کہا کہ میرے پاس اس سے زیادہ قیمتی چیز کوئی نہیں اور وہ نسخہ صندوقچے میں بالکل ٹھیک آ گیا۔ برسین کو اس امر پر بڑی تشویش ہوئی کہ خود اس کی طرح سکندر بھی کوئی قیمتی چیز اپنے پاس نہ رکھتا تھا۔ جواہرات یا سنہری مورتیاں غرض جو کچھ بھی اُس کے پاس آتا وہ عموماً دوسروں میں بانٹ دیتا۔ دارا کے مزین شامیانوں یا سنہری پلیٹوں سے بھی اُس نے کوئی فائدہ نہ اٹھایا۔ البتہ سنگِ سلیمانی کا حوض اپنے پاس رکھا۔ وہ کہتا تھا کہ یہ حوض میرے دل میں اسوس کی یاد تازہ کرتا رہتا ہے۔

جب سکندر چاندی کا صندوقچہ اپنے پلنگ کے پاس رکھ رہا تھا تو برسین نے جواہرات کے ڈبے کو اس کی نظروں سے چھپانے کی کوشش کی۔ جو کچھ اس کے اندر تھا وہ برسین کے لیے بے حد بیش بہا تھا۔ کچھ معلوم نہیں کہ آیا سکندر نے اُسے ڈبے کو چھپاتے ہوئے دیکھ لیا تھا لیکن ایک شام شمعیں روشن ہو گئیں تو اس نے دیکھا کہ سکندر برسین کی خواب گاہ کے پاس کچھ تلاش کر رہا ہے جہاں اُس کے کپڑوں کا صندوق، شالے، آئینے اور جوتے دھرے تھے۔ برسین کے پاس اور کوئی خاص چیز نہ تھی۔ وہ اب پہلے کی طرح بہت چیزیں اپنے گرد جمع نہ کرنا چاہتی تھی۔ اس سے اُس کے دل میں ماضی کی تلخ یادیں تازہ ہو جاتیں۔ لیکن ڈبے کے اندر جو چیزیں تھیں، انھیں وہ الگ نہ کرنا چاہتی تھی۔

سکندر نے ہاتھی دانت کا ڈبہ اٹھا لیا۔ اُس کا پردہ اتارا اور غور سے دیکھنے لگا کھولنے کے لیے اسے جگہ جگہ سے دبانا شروع کیا۔ برسین نے کہا "یقین رکھیے اس میں میرے لیے یا آپ کے لیے زہر نہیں۔" سکندر اُسے غور سے دیکھتا رہا۔ نگاہیں صاف بتا رہی تھیں کہ وہ جاننا چاہتا ہے۔ اس کے اندر کیا ہے۔ برسین کا احساس یہ تھا گویا اُس کی نقاب اُتر گئی اور سکندر کی نظریں جسم کے اندر پہنچ رہی تھیں۔ اُس نے وہ الفاظ سوچے جو کہنا چاہتی تھی۔ پھر آگے بڑھی، ڈبے کی ایک سمت ذرا دبائی اور وہ کھل گیا۔ اندر چند چیزیں درخشاں تھیں، جو بڑی ترتیب سے لگی ہوئی تھیں، مثلاً بازوبند، ایک چھوٹا سا سہ گوشہ تاج، کانوں کی بالیاں۔ انھیں کو عورت اپنی خاص چیزیں سمجھتی ہے۔ ہر شے پر باریک حروف میں یہ عبارت کندہ تھی: "روڈز کے میمنان کی طرف سے

تحفۂ محبت: سکندر نے ایک چوڑی اٹھائی جو چاندی کی بنی ہوئی اور بڑی سبک تھی۔ دو لمحے اسے دیکھا۔ پھر بدستور رکھ دیا۔ ڈھکن بند کر کے ڈبہ برسین کے حوالے کر دیا۔ ساتھ ہی کہا "مجھیں سکندر مقدونوی کی دی ہوئی چوڑیاں نہ پہننی چاہئیں۔" پھر اُسے اس واقعے کے متعلق سب کچھ فراموش ہو گیا۔ مہینوں بعد وہ مشرق کی طرف روانہ ہوا تو برسین کو اپنے ساتھ نہ لیا۔ بایں ہمہ اس سے انکار نہیں کیا جا سکتا کہ یہ عورت سکندر پر اثر انداز ہوئی۔ اور یہ مشرقی عورت تھی۔ مقدونوی نہ تھی۔

سکندر نے دوسرے موسمِ سرما کے کئی مہینے شام کے ساحل پر گزار دیے۔ وہ سمندر کا معائنہ کرتا رہتا۔ جانتا تھا کہ سمندر پر سواری کا کوئی ذریعہ اس کے پاس نہ تھا۔ تاہم اس کے حالات کی دیکھ بھال میں لگا رہتا۔ ماہی گیر جال لے کر مچھلیاں پکڑتے، تجارتی اور جنگی جہاز اس کے سینے پر سے گزرتے۔ لیکن ساحل سے دور دور رہتے۔ اِس لیے کہ بندرگاہوں پر سکندر کا قبضہ تھا۔ شام کا ساحل اس کی ملکیت میں آ چکا تھا۔ سامنے برف پوش پہاڑ کھڑے تھے۔ ان میں سے ندیاں بہتی ہوئی آ رہی تھیں جو سمندر میں گرتیں۔ ان پر قصبے آباد تھے۔ ساحل کے ساتھ ساتھ سڑک بنی ہوئی تھی جس سے اونٹوں، خچروں اور گاڑیوں کے قافلے گزرتے۔ سواریاں ہانکنے والے موسمِ سرما کے گرم سورج کی مدح کے گیت گاتے۔

مقدونیہ کے ساحل پر ہمیشہ کہر کا پردہ پڑا رہتا۔ وہاں بہت کم آدمی نظر آتے۔ شام کا ساحل دنیا کا باغ بھی تھا اور دنیا کا دروازہ بھی۔ مقدونوی ساحل کے پیچھے جنگلوں اور بربری لوگوں کے سوا کیا تھا۔ شام کے ساحل پر لاکھوں انسان سرگرمِ عمل تھے۔ تجارتی راستے قافلوں سے پُر رونق، ہزاروں لوگ اِن مندروں میں جاتے جو پہاڑیوں کی چوٹیوں پر بنے ہوئے تھے۔ ہزاروں اپنے بچوں کو ان گلیوں میں سے لے جاتے جن میں بہت قدیم زمانے سے چہل پہل چلی آتی تھی۔ جن جن لوگوں پر وہ قربانیاں کرتا تھا ان پر ایسی تصویریں کندہ تھیں جیسی یونانیوں نے کبھی نہ بنائی تھیں۔ اِس ساحل کے آقا و مالک بدلتے رہے لیکن یونانی سواحل کی طرح اس کی فطرت و طبیعت کبھی نہ بدلی۔

چٹانوں سے لوگ پتھر نکالتے تھے۔ دریاؤں کی تہ سے برتن بنانے کی مٹی لیتے تھے۔ لبنان

کے جنگلوں میں لمبے اور سیدھے درخت کھڑے تھے۔ وہ طبعی نشو و ارتقا کی بنا پر لمبے جہازوں و عالی شان عمارتوں کے کام آسکتے تھے۔ سکندر کے کارکن پتھر اور شہتیر صنوبر سے جا رہے تھے۔ سکندر کے آبا و اجداد کی حیثیت کیا تھی؟ وہ قبائلی سردار تھے۔ فصلیں بونے اور مویشی پالنے کا انتظام کرتے۔ بیماروں کو دوائیں دیتے۔ کوئی کسی کے ہاتھ سے مر جاتا تو اس کا خون بہا دلا دیتے۔ سکندر اس عجیب و غریب ساحل کو انتہائی غور سے دیکھ رہا تھا، سوچ رہا تھا کہ یہاں کیا کچھ بنایا جا سکتا ہے۔ کیا کچھ اگایا جا سکتا ہے۔ اُس کے آبا و اجداد کو انہی کسی چیز سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ وہ نقشوں منصوبوں اور قوانین پر نہیں بلکہ انسانی ضرورتوں کی چیزوں کے استعمال پر غور کرتا۔ بلاشبہ وہ خود بری تھا لیکن ارسطو کی درسگاہ میں تعلیم پائی تھی اور جانتا تھا کہ قدرت کی عطا کی ہوئی قوتوں کو بہترین مقاصد کے لیے استعمال کرنا چاہیے۔ فکر و نظر ہی میں گم نہ رہنا چاہیے۔ طبیعیات کی دنیا میں کوئی بھی شے بے مقصد پیدا نہیں ہوئی۔ یہ مقصد معلوم کرنا چاہیے۔ اگر معلوم ہو جائے تو ....

اسوس کی جنگ نے اُسے مہینوں کے لیے تشویش سے نجات دلا دی۔ دمشق میں سونے اور جواہرات کے جو ذخیرے تھے اُن میں سے خاصے ذخیرے یونان بھیج دیے اور مہم کے مصارف کے لیے ایک سال کا خرچ اپنے لیے رکھ لیا۔ اب یونان سے مزید رضاکار آگئے اور جانی نقصان کی تلافی ہو گئی۔ اب وہ جمعیت متحدہ یونان کا سپہ سالارِ اعظم نہ تھا۔ عین اس زمانے میں قاصد شاہنشاہ ایران کا خط لے کر آئے جس میں بڑی لجاجت کا اظہار کیا گیا تھا اور کہا گیا تھا کہ صلح کی شرطیں طے کر لی جائیں۔ قاصدوں نے خود بھی معذرتوں میں کوئی کسر اٹھا نہ رکھی۔ انھوں نے کہا کہ ایشیائی ممالک کو نقصان نہ پہنچائیے۔ مصالحت پر تیار ہو جائیے اور شاہی خاندان کی عورتوں کو واپس بھیج دیجیے۔ سکندر نے جواب میں لکھا:

'میں تمام یونانیوں کا سپہ سالارِ اعظم ہوں۔ مجھے اس لیے یہاں آنا پڑا کہ تیرے کارندوں نے میرے باپ کے قتل کی سازش کی اور میرے دوستوں کو رشوت دے کر ساتھ ملایا۔ تم نے سپارٹا کو روپیہ دے کر میرے خلاف عداوت کی آگ بھڑکائی اور اس جمعیت متحدہ میں انتشار پیدا کیا جس کا سر عسکر در حقیقت میں ہوں۔ تو کہتا ہے کہ لڑائی کا فیصلہ خدا کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے تو پھر

سمجھ لے کہ میں خدا کی مرضی کے مطابق تیرے علاقوں پر قابض ہونے کے لیے آگیا ہوں۔ میں تیرے اُن آدمیوں کی حفاظت کر رہا ہوں جو اپنی خوشی سے تیرے پاس چلے آئے۔ میرا باپ مارا گیا۔ یہاں اس زمین کے حاکم ارسیز[1] کو تو نے مارا۔ تو غاصب ہے اور تیرا یہ فعل ایران و مادہ کے تمام ضوابط کے خلاف تھا۔

تو میرے پاس آ۔ اپنی ماں، اپنی بیوی اور اپنے بچوں کو مجھ سے مانگ تو جو مانگے گا، دوں گا۔ اور تیری حفاظت کا ذمہ اٹھاتا ہوں۔ البتہ تجھے اگر اس شاہنشاہ ایشیا سے سوال کرنا چاہیے جواب تیرا ہمسر نہیں بلکہ تیرا آقا ہے۔ اگر میرے اس منصب کو قبول نہیں کرتا تو ایک اور لڑائی کر دیکھو لیکن میدان چھوڑ کر بھاگنے کی کوشش نہ کرنا۔ اس لیے کہ تو جہاں جائے گا میں ضرور تیرے پیچھے وہیں پہنچوں گا۔

اس نے اپنے سفیروں سے کہہ دیا کہ یہ خط حوالے کر دینا اور خود کچھ نہ کہنا۔ اس کا خیال تھا کہ وہ کچھ کہیں گے تو دارا کے دل میں اضطراب پیدا ہو جائے گا۔ سکندر کے ساتھیوں نے دارا کے قلب کی حالت پر غور کیا۔ انھیں معلوم تھا کہ جنگ میں رحم خارج از بحث ہے۔ یہ بھی جانتے تھے کہ جنگ محض فوجوں کے تصادم تک محدود نہیں ہوتی۔ انسانی قلب جنگ کو کنٹرول کرتے ہیں اور اس میں کامیابی و ناکامی انسانی قلوب ہی پر موقوف ہوتی ہے۔ مراد ہے قلب کے خاص اوصاف سے ٹھنڈا عزم مزاحمت، عزم یورش اور عزم مقاومت۔ ایرانیوں نے عیش و راحت کی چیزیں مہیا کر کے یونانیوں کے عزم میں ضعف پیدا کر دیا تھا۔ دارا کو ابھی تک سمندروں پر کنٹرول حاصل تھا۔ اس لیے کہ اس نے بحری تجارت فونیقیوں، قبرصیوں، اہل روڈز کے لیے فائدہ مند بنا کر اپنے ساتھ ملا لیا تھا۔ اور وہ اپنی آزادی سے دست بردار ہو چکے تھے۔ یونانی جرنیلوں کو غداری اور دغابازی کی قدر و قیمت بھی معلوم ہو چکی تھی۔ جس چوبی گھوڑے کو اہل ٹرائے خود کھینچ کر اپنے شہر میں لے گئے تھے، وہ آخر دغابازی اور دھوکے کے سوا کیا تھا؟[2]

---

[1] ARSES

[2] جب یونانی فوجیں ٹرائے کو فتح نہ کر سکیں تو انھوں نے ایک چال چلی۔ لکڑی کا ایک بہت بڑا گھوڑا بنایا،

(بقیہ حاشیہ ۱۹۹ پر)

دشمن کے قلب کی حالت بگاڑ کر مطلب پورا کر لیتا اس کے سواروں کے ساتھ لڑنے سے بہتر تھا۔ اینٹی گونس نے دھوکے اور فریب کا پورا نسخہ تیار کر لیا تھا۔ اور بطلیموس اُس کا شاگردِ رشید بن رہا تھا۔ صرف سکندر جنگ کے اِس نئے طریقے کو سمجھنے سے قاصر تھا۔ سکندر کا طریقہ یہ تھا کہ پیشِ نظر تعمیری کاموں کے متعلق خوابوں میں غرق رہتا۔ ایک ایک شے کی چھان بین کرتا۔ جب مشکلات اسے گھیر لیتیں تو لڑ بھڑ کر اُن میں سے راستے پیدا کر لیتا۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ اس کا انحصار صرف تقدیر پر ہے . . . .

دارا کی قلبی حالت کے خلاف اس جنگ میں فلسفیوں نے ساحلِ شام کے باشندوں کی دوستی حاصل کر لینے کا خاص خیال رکھا۔ اس حصے میں کسی غدار کو موت کی سزا نہ دی گئی۔ کسی قیدی سے بیگار نہ لی گئی۔ دولت مند شہروں پر خراج عائد نہ کیا گیا بلکہ انھیں اپنا نظامِ حکومت خود مرتب کر لینے کی اجازت دے دی گئی۔ جو لوگ فوج میں رضاکارانہ بھرتی ہونے کے لیے آتے اُن کا خیر مقدم کیا جاتا۔ دارا کے اہل و عیال سے بھی اعزاز کا وہی سلوک کیا جاتا جس کے وہ حقدار تھے۔ البتہ دارا کے خلاف نفرت کا اظہار کیا جاتا۔ چنانچہ خط میں نفرت و حقارت ہی کا انداز اختیار کیا گیا۔ سفیروں نے خط دے دیا لیکن اِس بارے میں گفتگو سے انکار کر دیا۔ دارا کے سامنے دو راستے تھے۔ ایک یہ کہ وہ نئی فوج لے کر ساحل پر آتا اور دوبارہ جنگ کرتا۔ دوسرا یہ کہ ساحل سے ہمیشہ کے لیے ہاتھ دھو بیٹھتا اور اس طرف کبھی رُخ نہ کرتا۔ سکندر نے خط کی عبارت سے اتفاق کیا تھا بلکہ عبارت خود اُس کی بتائی ہوئی تھی

پارمینیو، اینٹی گونس اور بطلیموس قیاس کرتے رہے کہ دارا کون سا راستہ اختیار کرے گا۔ وہ کہتے تھے کہ ایشیا کا یہ شاہنشاہ اعظم مقدونیوں کے سامنے بہت بُری طرح بھاگا اور اہل و عیال کی اسیری اس کے لیے سخت تکلیف دہ ہو گی۔ لہٰذا اُن کا خیال

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۱۹۸) اس کے پیٹ میں مسلح آدمی چھپا دیے۔ اور خود اِدھر اُدھر چھپ گئے۔ اہلِ ٹرائے نے گھوڑا دیکھا تو اُسے ایک عجوبہ سمجھ کے کھینچتے ہوئے شہر لے گئے۔ رات کے وقت گھوڑے کے پیٹ سے یونانی سپاہی نکلے۔ انھوں نے اچانک حملہ کر دیا۔ شہر کے دروازے کھول دیے۔ دوسری یونانی فوجیں بھی آگئیں اور ٹرائے فتح ہو گیا۔ مصنف کا مطلب یہ ہے کہ آخر یونانیوں نے ٹرائے کو بھی تو دھوکے ہی سے فتح کیا تھا۔

تھا کہ اہل و عیال کی واپسی کے لیے وہ پورے ساحلی علاقے سے دست بردار ہو جائے گا۔ اور مقدونیہ سے اعتراف کرائے گا کہ وہ ان مشرقی سرزمینوں کا شاہنشاہ ہے جو ساحلی علاقے چھوڑ دینے کے بعد بھی خاصی وسیع تھیں۔ واقعات نے اُن کی رائے درست ثابت کر دی۔ لیکن صور کے دانش مندوں کی رائے دوسری تھی اور اب صور مزاحمت کے لیے تیار ہو چکا تھا۔

دسواں باب

سمندر کے دروازے

صُور کے باشندے مشرقی بحیرۂ روم کی دنیا میں سیاست و تدبر کے نقطۂ نگاہ سے سب پر فائق تھے۔ وہ ایک ہزار سال سے خطرات کا موازنہ کرتے ہوئے فائدے اٹھاتے رہے تھے۔ اسی طرح انھوں نے اقبال مندی کا درجہ حاصل کیا اور طاقت ور بن گئے۔ لوگ اُن کے شہر کو ملکۂ بحر — نہ کہ ملکِ بحر — قرار دیتے تھے۔ وہ لوگ فونیقی تھے اور اُن کے شہر کو باب البحر کی حیثیت حاصل تھی۔ اہلِ مقدونیہ نے اُن کے متعلق عجیب و غریب روایات سُن رکھی تھیں۔ مثلاً زمانۂ قدیم ہی میں انھوں نے "زمینِ سُرخ" کی تجارتی شاہراہوں کا کنٹرول سنبھال رکھا تھا۔ زمینِ سُرخ سے مراد عرب کا وہ صحرائے عظیم[1] ہے جو بحیرۂ احمر کے سامنے ہے۔ انھیں تجارتی قافلوں کے ساتھ وہ سواحلِ بحر پر پہنچے۔ پھر جہاز سازی اور جہازوں کے ذریعے سے ساحلی تجارت شروع کر دی۔ آہستہ آہستہ وہ بڑے بڑے جہاز بنانے لگے اور سمندر کو چیرتے ہوئے پہلے قبرص پھر شمالی افریقہ پہنچ گئے۔ موسمِ سرما کے طوفانوں سے اپنے جہازوں کو بچانے کے لیے ماہی بندرگاہیں، تجارتی کوٹھیاں، مال اسباب کے گودام اور ان کی حفاظت کے لیے قلعے تعمیر کر لیے۔ ان کے ارد گرد نو آبادیاں قائم ہو گئیں اور یہ نو آبادیاں اُن شہروں پر بھی فوقیت لے گئیں جو اُن کے اصلی وطن تھے۔ صرف صُور کو مستثنیٰ کیا جا سکتا ہے جس نے مادا کے آغوش میں پرورش پائی۔ یہ پہلا باب البحر تھا، جہاں دمشق کی طرف سے آنے والے تجارتی راستے جبل الشیخ[2] کے پاس سے گزرتے ہوئے ساحل پر ختم ہوتے تھے۔ اب صیدا اور اُس کے بالغ مولود صُور کے درمیان

---

[1] یہ بیان بڑا ہی عجیب ہے۔ شمالی عرب کا بڑا صحرا النفود یا بادیۂ شام ہے۔ یہ بحیرۂ احمر کے سامنے واقع نہیں۔ بلکہ بیچ میں آبادی کا ایک خط قائم ہے اور صحرا اندرونِ ملک میں واقع ہے۔

[2] MOUNT HERMON اس پہاڑ کا عربی نام جبل الشیخ ہے۔

ہلاکت خیز رقابت جاری تھی۔ ایسی ہی رقابت صور اور اُس کے نومولود قرطاجنہ کے درمیان برپا تھی۔

صور کے ان فنیقی اور کنعانی باشندوں نے بے اندازہ دولت جمع کر لی تھی۔ انھوں نے اپنے تمام رقیبوں کو پچھاڑ دیا اور اب ارغوانی رنگ، شیشے کے آلات، خوشبوؤں، جواہرات ...... اور غلاموں کی تجارت میں بحیرۂ روم کے اندر اجارہ حاصل کر لینے کے درپے تھے صحرائی علاقوں میں ایل اُن کا دیوتا تھا۔ جسے وہ زمین پر واحد خالق حیات سمجھتے تھے (مقدونیوں کے نزدیک ارسطو کا غیر متحرک محرک ـــ لیکن اب وہ ایل کی پرستش کو بعل اور دواغون کی پرستش کا لباس پہنا چکے تھے ان دیوتاؤں کے دیو ہیکل مجسموں کے روبرو وہ سوختنی قربانیاں کیا کرتے تھے۔ جو عام روایت کے مطابق قابیل اور ہابیل نے کی تھی۔)

صیدا کے فونیقیوں نے مقدونوی فوج کی اطاعت شکریے کے ساتھ قبول کر لی، سکندر نے اس شہر کی عقبی پہاڑی پر ایک بہت بڑا اسٹیڈیم بنانے کا حکم دے دیا لیکن اہلِ صور نے یوں سوچنا شروع کیا کہ یونانی فوج بہت تھوڑی ہے۔ ضروری ہے کہ وقت گزرنے پر وہ آگے بڑھ جائے۔ بے شک وہ اسوس کی جنگ میں نمایاں کامیابی حاصل کر چکی ہے لیکن جنگی نقطہ نگاہ سے اُس کا موقف چنداں مستحکم نہیں۔ وہ صرف تنگ سے ساحلی علاقے پر قابض ہے۔ اُس کے ایک طرف شہنشاہِ اعظم کی سلطنت واقع ہے اور دوسری طرف سمندر ہے جس پر صور کا بحری بیڑا مسلط ہے۔ قبرص اور مصر کے بیڑے اُس کا ساتھ دینے کے لیے تیار ہیں۔

علاوہ بریں شہرِ صور ساحل سے ذرا ہٹ کر ایک چھوٹے سے جزیرے پر واقع تھا۔ جہاں بری فوج اُس کا محاصرہ نہ کر سکتی تھی۔ پہلے جتنے محاصرے ہو چکے تھے، وہ سب ناکام رہے تھے۔ یہ حقیقت بھی واضح تھی کہ اہلِ صور کو شہر کے دروازے یونانیوں کے لیے کھول دینے میں کسی خاص فائدے کی امید نہ تھی۔ اس کے برعکس انھیں صاف نظر آ رہا تھا کہ مقابلہ ہی حقیقی فائدے کا موجب ہے۔ خشکی اور تری کے درمیان انھیں اہم حیثیت حاصل تھی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ اگر مقابلہ کیا تو یونانیوں کی عارضی کامیابی کے بجائے اندرونِ ایشیا کی مستقل فاتح قوت کا ساتھ اُن کے لیے نفع بخش ہو گا۔ شہنشاہ اعظم کا جو بیڑا بحیرۂ روم میں تھا اُس کی حفاظت کا فرض انجام دے کر اہلِ صور کو امید تھی کہ صیدا کے مقابلے میں زیادہ حقوق، زیادہ اجارہ داریاں

اور زیادہ انعامات حاصل کر سکیں گے جیسا کہ پیچھے رہ جائے گا، اس لیے کہ وہ یونانیوں سے مل گیا تھا۔

اِن حالات میں اہلِ صور نے سودا بازی شروع کر دی۔ سکندر کا غصہ اس پر آگ کی طرح بھڑک اُٹھا۔ سودا بازی اُس کے لیے ناقابلِ برداشت تھی۔ وہ چاہتا تھا کہ فریقِ مقابل یا تو پُر خلوص دوستی کا اظہار کرے یا کھلم کھلا دشمنی پر آمادہ ہو جائے۔ درمیانی حالت کو وہ ہرگز پسند نہ کرتا تھا۔ ابتدا میں دونوں فریق فریب کاری سے کام لیتے رہے۔ مقدونوی گماشتوں نے کہا ہم صرف اِس غرض سے صور میں داخل ہونا چاہتے ہیں کہ ہرقل کے اُس مندر کی زیارت کر لیں جو شہر کے اندر واقع تھا۔ اہلِ صور نے یہ رائے دی کہ شہر کے اندر کا مندر دیکھنے کے بجائے خشکی کے اُس مندر کی زیارت کر لو جو بہت پرانا ہے اور یہ بھی کہا کہ ہم نہ ایرانی کارندوں کو اندر آنے دیں گے نہ یونانی سپاہیوں کو۔

آخر یونانیوں کی فوجی کونسل منعقد ہوئی اور اُس میں صور کے محاصرے کا فیصلہ کر لیا گیا۔ رومی مؤرخ آریان نے اس کے مندرجہ ذیل وجوہ پیش کیے:

"مصر کی جانب پیش قدمی اُس وقت تک سلامتی کے منافی تھی جب تک ایرانیوں کو سمندر پر اقتدار حاصل تھا۔ اندرونِ ملک کی طرف بڑھنا بھی خطرے سے خالی نہ ہوتا۔ یونان میں صورتِ حال غیر یقینی تھی۔ اہلِ سپارٹا مقدونیہ کے خلاف اُٹھنے کے لیے تیار تھے اور اہلِ ایتھنز صرف خوف کے باعث رُکے ہوئے تھے۔ اگر یونانی فوج صور پر قبضہ کر لیتی تو فونیقی بیڑے پر اُسے پورا اقتدار حاصل ہو جاتا کیونکہ اُس کے لیے کوئی بندرگاہ باقی نہ رہتی جس میں وہ پناہ لے سکتا۔ قبرص خود اپنا بیڑا یونانیوں کے استعمال کے لیے دے دیتا اور وہ بے تکلف مصر پہنچ جاتے۔ مصر پر قبضہ ہو جاتا اور پورا سمندر زیرِ اقتدار آ جاتا تو یونان کے متعلق کسی تشویش کی گنجائش باقی نہ رہتی۔ اس کے بعد یونانی فوج زیادہ اطمینان و دلجمعی سے بابل کی جانب پیش قدمی کر سکتی تھی۔ اس لیے کہ تمام بحری مقامات اور دریائے فرات تک کا علاقہ اُن کے

قابو میں ہوتا اور اُن کا اقتدار بہت بڑھ جاتا۔"

عمل کا یہ نقشہ ــــ اگر یہ واقعی مقدونیوں کا نقشہ تھا جیسا کہ اَریان اور بعض دوسرے لوگوں نے بتایا ہے ــــ دو وجہ سے بڑا حیرت انگیز تھا۔ اوّل اُنھوں نے یہ پہلو نظر انداز کر دیا کہ صور پر قبضے سے پیشتر محاصرے کے دوران میں دارا حملہ آور ہو سکتا تھا۔ دوم اسی نقشے پر قدم بہ قدم عمل ہوا۔ اگرچہ آخری قدم پارمینیو اور بعض دوسرے کمانداروں کی مخالفت کے باوجود اُٹھایا گیا۔ اس میں پے در پے ایسے خطرات تھے جنھیں قمار بازی کے سوا کچھ نہیں کہا جا سکتا۔ لیکن یہ جوا نہایت اہم مقاصد کے لیے کھیلا گیا۔ آئندہ دور میں سکندر اکثر ایسے ہی تحیّر خیز اقدامات کرتا رہا۔ وہ زیادہ سے زیادہ فائدے کے لیے انتہائی خطرات قبول کر لیتا۔ اور چھوٹے چھوٹے فائدوں کے لیے اگرچہ وہ کتنے ہی یقینی ہوتے وقت یا کوشش یا آدمی ضائع کرنے سے احتراز کرتا۔

سپاہیوں کو محاصرے میں کامیابی کے متعلق شبہ تھا۔ وہ سوچ رہے تھے کہ فیلقوس کبھی لمبے محاصروں کے چکر میں نہ پڑتا اور کاہنوں نے پہلے سے بتا دیا تھا کہ سمندر سکندر کے لیے خطرناک ہوگا۔ عین اس زمانے میں سکندر نے ایک خواب بیان کیا کہ ہرقل میرے سامنے نمودار ہوا اور میرا ہاتھ پکڑ کر آہستہ آہستہ ساحلِ بحر تک پہنچ گیا۔ یہ بتانا مشکل ہے کہ سکندر نے واقعی یہ خواب دیکھا تھا یا سابقہ پیش گوئی کا اثر زائل کرنے کے لیے یہ خواب وضع کر لیا گیا تھا۔ بہرحال ایرسٹانڈر کو بلایا گیا۔ تاکہ اس خواب کی تعبیر بیان کرے۔ اُس نے تھوڑی دیر غور کیا پھر اعلان کر دیا کہ یونانی فوج صور کے محاصرے میں کامیاب ہوگی لیکن محاصرے میں بڑی محنت و مشقت اٹھانی پڑے گی۔ اس لیے کہ ہرقل نے جو معجز نما کارنامے انجام دیے تھے۔ وہ محنت و مشقت ہی کا نتیجہ تھے۔

یونانیوں کے سب سے بڑے انجینئر دیادس کو کنعانیوں نے بتایا تھا کہ ایک مرتبہ بابل کے بادشاہ بخت نصر[1] نے خشکی کی جانب سے صور کا محاصرہ کیا تھا اور طویل محاصرے کے بعد شہر کو جوں کا توں چھوڑ کر واپس چلا گیا تھا۔ دیادس نے پوچھا، کتنے سال کے بعد؟ جواب ملا:

---

[1] NEBUCHADNAZZAR (نیوکدنزار) بابل کا مشہور بادشاہ جس نے پہلی مرتبہ یہودیوں کے ہیکل کی اینٹ سے اینٹ بجا دی اور یہودیوں کو قید کر کے بابل لے آیا۔ عرب اُسے بخت نصر کہتے تھے۔

پندرہ سال کے بعد

مستحکم شہر پر قبضے کے صرف تین ذریعے تھے۔ یا تو چند آدمی شہر کے اندر پہنچ کر کوئی دروازہ کھول دیتے یا فصیل کے کسی حصے پر قابض ہو کر دوسروں کو اندر داخل ہونے کا موقع دے دیتے جیسا کہ یونانی گھوڑے کے پیٹ میں ٹرائے کے اندر داخل ہوئے تھے یا غداری کے ذریعے سے شہر پر قبضہ کیا جا سکتا تھا۔ یونانیوں کو پہلا طریقہ سب سے اچھا معلوم ہوتا تھا۔ اس لیے کہ دروازہ کھول دینا اُسے توڑنے کے مقابلے میں زیادہ آسان معلوم ہوتا تھا۔ دوسرا طریقہ یہ تھا کہ فصیل پر پے در پے ضربیں لگا کر اس کے اتنے حصے کو توڑ دیا جاتا جس میں سے فوج کے حملہ آور جیش کا ہراول داخل ہو سکتا، لیکن اس میں قباحت کا بھی ایک پہلو موجود تھا اور وہ یہ کہ محصورین فصیل کے شکستہ حصے کے اندر عموماً نئی فصیل تیار کر سکتے تھے۔ اس کے بعد شہر کے بازاروں اور گلیوں میں جگہ جگہ باڑھیں کھڑی کر سکتے تھے۔ تیسرا طریقہ یہ تھا کہ شہر کے گرد خشکی کے حصے میں گھیرا ڈال کر اس وقت کا انتظار کیا جاتا کہ محصورین کے پاس خوراک ختم ہو جاتی یا وہ ہار مان کر حوالگی کے لیے آمادہ ہو جاتے۔ لیکن صور کے تعلق میں کوئی بھی طریقہ موزوں نظر نہ آتا تھا۔

موقع اور محل کی طویل چھان بین کے بعد مقدونوی انجینیروں پر یہ حقیقت منکشف ہوئی کہ جس چٹان پر شہر صور آباد ہے۔ اس کی حیثیت ایک جزیرے کی سی ہے۔ اور اسی چٹان میں سے پتھر کی فصیلیں اٹھائی گئی تھیں۔ یہ مستحکم جزیرہ کنارے سے کوئی نصف میل کے فاصلے پر ہو گا۔ درمیانی فاصلے کے بڑے حصے میں پانی کم تھا، سمندر کی سطح چٹانی اور سنگستانی تھی۔ شہر کے قریب پہنچ کر پانی کی گہرائی اٹھارہ فٹ ہو جاتی تھی۔

صور کی دو بندرگاہیں تھیں، اور دونوں بڑی ہی مستحکم تھیں۔ ایک جنوبی سمت میں جسے مصری بندرگاہ کا نام دے دیا گیا تھا۔ یہ پانی کی ایک تنگ سی کھاڑی تھی جو خشکی کے اندر چلی آئی تھی۔ اس کا مدخل بھی بہت تنگ تھا اور اُسے شہتیروں سے بند کیا گیا تھا۔ جو بندرگاہ شمالی سمت میں تھی۔ اسے صیدائی بندرگاہ کہتے تھے۔ یہ نسبتہً وسیع تھی لیکن یہ بھی کھاڑی کی شکل میں اندر کی طرف آ گئی تھی۔ اس کے دہانے پر تین جنگی کشتیاں ایک دوسری کے متوازی ٹھہرا دی گئی تھیں۔ بندرگاہوں کو اس طرح محفوظ کر لینے کے بعد صور کا جنگی بیڑا بے حد مفید کام انجام دے سکتا تھا۔

ان جنگی جہازوں میں پیتل کی نوکدار چونچیں لگی ہوئی تھیں نیز پتھر پھینکنے کے لیے منجنیقیں نصب تھیں۔ صور کا تجارتی بیڑا معمول کے مطابق کاروبار میں لگا ہوا تھا۔ وہ باہر سے ہر قسم کی مطلوبہ چیزیں لے آتا بلکہ قرطاجنہ سے محاصرے کے ماہر انھیں جہازوں پر صور پہنچائے گئے۔

اہلِ صور کے برعکس یونانیوں کے پاس کوئی بیڑا نہ تھا۔ للذا قرار پایا کہ تین طریقوں میں سے پہلے اور تیسرے پر عمل پیرا ہونے کی کوئی صورت نہ تھی۔ بلاشبہ پہلا طریقہ بہترین تھا یعنی چند آدمیوں کو رات کی تاریکی میں فصیل کے قریب پہنچایا جا سکتا تھا۔ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ کسی کو غدّاری پر آمادہ کر کے دروازہ کھلوا لیا جاتا۔ لیکن یہ دونوں طریقے اسی حالت میں مفید مطلب ہو سکتے تھے جب حملہ آور فوج پانی میں سے گزرتی ہوئی شہر کے دروازے پر پہنچ جاتی۔

اب ایسی کوئی دستاویز موجود نہیں جس سے معلوم ہو سکے کہ اہلِ مقدونیہ نے ان غیر ممکن طریقوں میں سے کسی ایک کو آزمایا بھی تھا یا نہیں۔ بلاشبہ مقدونوی فوج نے موسمِ سرما میں برف پوش پہاڑ عبور کیے۔ موسمِ گرما میں بڑے بڑے صحراؤں کو طے کیا۔ دریاؤں کو نہروں کے ذریعے سے ملا دیا۔ بحری بیڑے تعمیر کیے اور اُن پانیوں پر چلائے جہاں پہلے کوئی کشتی نہ چلی تھی۔ بڑے بڑے دریاؤں پر طغیانیوں کے موسم میں پل تعمیر کر لیے جہاں کھانے پینے کا کوئی سامان نہ تھا۔ وہاں جنگلی پودوں یا جانداروں سے خوراک حاصل کر لی۔ غرض اُس نے ایسے کئی ناقابلِ یقین کارنامے انجام دیے۔ یہ سب دائرۂ امکان میں تھے لیکن صور میں امکانی طریقہ صرف ایک تھا اور وہ یہ کہ فصیل کا کوئی حصہ گرا کر فوج کو اندر پہنچا دیا جاتا۔ یہ کام اُسی صورت میں انجام پا سکتا تھا کہ خشکی کے حصے کو کسی نہ کسی صورت میں فصیل تک پہنچا دیا جاتا، یعنی شہر کی فصیل تک پتھروں کے ذریعے سے ایک راستہ تیار کر لیا جاتا۔ جو صور بظاہر ناقابلِ تسخیر نظر آ رہا تھا۔ اُس میں کمزوری کا ایک پہلو بالکل آشکارا تھا یعنی وہ اپنی جگہ سے اِدھر اُدھر حرکت نہ کر سکتا تھا۔

غرض سمندر کے مقابلے میں خشکی کی یہ جنگ شہر صور کے اندر انجینئری کے کمالات کی جنگ بن گئی۔ اور اُس میں مشینوں کے خلاف مشینیں استعمال ہوئیں۔ بھاری چٹانوں کو آگے بڑھایا جاتا۔ لکڑی کے اونچے برج تعمیر کیے جاتے۔ پھر اس سلسلے میں نفط اور رال کے ذریعے سے آتش باری کا سلسلہ بھی جاری ہوا۔ ہجوم اور مزاحمت کے سامان استعمال کرنے میں بھی کوئی

دقیقہ سعی اُٹھا نہ رکھا گیا۔ اس کشمکش کے دوران میں سکندر گھوما تھوڑے سے آدمی لے کر اندرونِ ملک کی طرف نکل جاتا۔ وہ جبل الشیخ کی برف پوش چوٹیوں کے پاس سے ہوتا ہوا بحیرہ طبریہ[1] تک چلا جاتا۔ یونانی اس اندرونی علاقے کو عرب کہنے لگے۔

ایک مرتبہ وہ رات کی تاریکی میں نکلا اور اُن پہاڑیوں میں سے جا رہا تھا جہاں سمت فنا دریائے اُردن کا منبع واقع ہے۔ اس اثنا میں تاریکی بہت بڑھ گئی۔ سکندر کے ساتھ اگرچہ یونانیوں کا چھوٹا سا جیش تھا۔ وہ سامریوں کی پہاڑیوں میں رات نہ گزارنا چاہتا تھا۔ سامری بے شک دِن کے وقت اُس کے ہاتھ رسد فروخت کرتے تھے لیکن اِکّا دُکّا یونانی مل جاتا تو اُس پر حملے کرتے اور اُسے لوٹ لیتے۔ خاصی بلندی پر چلے جا رہے تھے کہ سکندر نے دیکھا لیسی مچس غائب ہے سکندر کا یہ یونانی اتالیق ملک کی کیفیت دیکھنے کے لیے ساتھ آ گیا تھا۔ سکندر نے اسے غائب دیکھا تو ساتھیوں کو اطلاع دیے بغیر پیچھے ہٹ گیا اور اتالیق کو اِدھر اُدھر دیکھنے لگا۔ لیسی مچس دور پیچھے ایسے مقام پر ملا، جہاں اردگرد سامریوں کے الاؤ جل رہے تھے۔ نہ یہ ممکن تھا کہ لیسی مچس اور سکندر جلد سے جلد یونانی جیش کے ساتھ جا ملتے اور نہ یہ ممکن تھا کہ سامریوں کو اُن کا پتا نہ چل سکتا۔ اس نازک صورتِ حال میں سکندر نے حد درجہ حیرت انگیز قدم اُٹھایا۔ وہ گھوڑا دوڑاتا ہوا اُس الاؤ کی طرف گیا جو بہت قریب نظر آتا تھا۔ تھکا ماندہ اتالیق ذرا آہستہ آہستہ اُس کے پیچھے جا رہا تھا۔ سکندر نے قریب پہنچتے ہی پکار کر کہا: "لو کچھ تو مل گئے۔" سامریوں نے ایک یونانی سپاہی کو اسلحہ سے لیس تاریکی میں سے نمودار ہوتے دیکھا تو سراسیمہ وار بھاگ نکلے۔ سکندر نہایت اطمینان سے الاؤ کے پاس بیٹھ گیا۔ لیسی مچس کو بھی بٹھا لیا اور ہومر کی شاعری کے متعلق اُس سے بات چیت شروع کر دی۔ اُسے کوئی تشویش نہ ہوئی۔ آخر سپاہی تلاش کرتے کرتے اُس الاؤ کے پاس پہنچ گئے۔

شہرِ صور تک راستہ تیار کرنے کا کام دل جمعی سے جاری رہا۔ دیادس اور دوسرے انجینیروں نے اُس پرانے شہر کے کھنڈر ڈھا دیے جو ساحل پر واقع تھا۔ اُسی مسالے سے راستے کی تعمیر ہوتی رہی۔ اردگرد بڑے بڑے شہتیر گاڑ دیے گئے تاکہ وہ دونوں جانب سے حفاظت کا کام دیں۔

---

[1] اس کا انگریزی نام بحیرہ گلیلی SEA OF GALILEE ہے۔

اور اُن کے اندر پتھر بھر بھر کر مستحکم بنیاد اٹھائی گئی۔ یہ راستہ کوئی دو سو فٹ چوڑا ہو گا۔ جیسے جیسے تعمیر ہوتا گیا خشکی کی ایک تنگ راہ قریب شہر کے گہرے پانی کی طرف بڑھتی گئی۔ یہاں تک کہ صور کی بلند دیواریں قریباً ایک سو گز پر رہ گئیں۔ وہاں پہنچ کر تعمیر رُک گئی۔ اِس لیے کہ فصیل کے اوپر سے شدید آتش باری ہونے لگی اور مزدوروں کے لیے ہر قسم کی حفاظتی تدبیریں کر لینے کے باوجود کام جاری رکھنا ممکن نظر نہ آیا۔ یہ بھی ظاہر تھا کہ سمندر کی اٹھارہ فٹ گہرائی کو پاٹ کر راستے کی تعمیر سہل نہ تھی۔

مقدونی انجینیروں نے راستے کے آخری سرے پر دفاعی بُرج تعمیر کر لیے جو اتنے ہی اونچے تھے جتنی فصیل اونچی تھی۔ مدعا یہ تھا کہ اِس طرح اندر کی آتش باری کو روکنا ممکن ہو گا یہ دیکھ کر صور کے جنگی جہاز راستے کے دونوں جانب نمودار ہوئے۔ انھوں نے تیروں، نیزوں اور منجنیقوں کی سنگ باری کے ذریعے سے برجوں اور کنارے کے درمیان نقل و حرکت حد درجہ خطرناک بنا دی۔ یونانی انجینیروں نے دفاع کی غرض سے راستے کے اطراف میں لکڑی کی مضبوط باڑھیں کھڑی کر دیں۔ اہلِ صور نے فصیل پر سے آتش باری شروع کر دی۔ لکڑی کی باڑھ کو آگ سے محفوظ رکھنے کے لیے یونانیوں نے اُس پر چمڑا منڈھ دیا۔

یکایک اہلِ صور نے راستے کے برجوں کو تباہ کرنے کے لیے ایک عجیب تدبیر سوچی۔ بندرگاہ میں ایک بڑی کشتی نمودار ہوئی۔ جسے بظاہر جہاز سے کوئی مناسبت نہ تھی۔ اُس کے عقبی حصے میں بہت بڑا بوجھ رکھا ہوا تھا۔ اِس وجہ سے اگلا حصہ اوپر کو اُٹھ گیا تھا۔ اگلے حصے میں فالتو مستول بھی کھڑے تھے۔ جن کے ساتھ بڑی بڑی دیگیں لٹک رہی تھیں۔ اِن میں تارکول، گندھک اور تیل بھرا ہوا تھا۔ مستولوں کے نیچے لکڑی اور خس و خاشاک کے گٹھے بندھے ہوئے تھے۔ جن پر خوب تارکول مل دیا گیا تھا۔ آتش گیر مادوں سے لدی ہوئی اِس کشتی کے ملاح موافق ہوا سے فائدہ اٹھاتے ہوئے اسے برجوں کے سامنے لے آئے۔ انھوں نے اگلے حصے میں مشعلیں پھینکیں۔ کشتی کو دونوں برجوں کے درمیان خشکی کے ساتھ لگایا۔ خود سمندر میں کود پڑے اور تیرتے ہوئے محفوظ مقام پر پہنچ گئے۔ اُدھر یونانیوں کے تعمیر کیے ہوئے برجوں میں آگ کے شعلے اِس طرح بھڑکنے لگے جیسے بادل گرج رہا ہو۔ کشتی کے ہر شے کو بھی آگ لگ گئی۔ سامنے

کے مستول گر کر برجوں سے ٹکرائے۔ دیگیں اُلٹ گئیں۔ اُن سے آتش گیر مادے نکل کر آگ میں جا پڑے۔ یونانی فوج کنارے پر کھڑی یہ منظر دیکھ رہی تھی۔ تھوڑی دیر کے بعد معلوم ہوا کہ برج دھواں بن کر ناپید ہو گئے۔

یونانیوں نے اس عجیب و غریب تدبیر کے بعد مناسب یہ سمجھا کہ راستے کو اور چوڑا کر لیا جائے تاکہ برج ایک دوسرے سے خاصے فاصلے پر رہیں اور مزید منجنیقیں لگائی جا سکیں۔ جس زمانے میں توسیع کا عمل جاری تھا۔ بندرگاہوں سے چھوٹی چھوٹی کشتیاں رات کے وقت نکلتیں۔ مزدوروں اور انجنیئروں پر حملے کرتی رہتیں۔ غرض ان وجوہ سے توسیع حقیقتاً ترک کر دی گئی۔ لیکن دکھاوے کے لیے توسیعی سرگرمیاں جاری رکھی گئیں۔

سکندر اور اس کے مشیر بہت پہلے فیصلہ کر چکے تھے کہ شہر پر قبضہ جمانے کے لیے تیرتے ہوئے پلیٹ فارم استعمال کیے جائیں۔ انھوں نے ساحل پر رہنے والے تمام آدمیوں، ملاحوں اور مالکانِ کشتی کے لیے عفوِ عام کا اعلان کر دیا۔ اس کا اثر بہت اچھا پڑا۔ ماوا کے فونیقیوں اور جزیروں کی بحری قوت کے مالکوں پر واضح ہو گیا کہ سکندر صور کی تباہی کا فیصلہ کر چکا ہے چنانچہ رودڈزا اور جوبیل[1] سے جہاز سازی کے ماہر آ گئے۔ قبرص کا جنگی بیڑا جو ایک سو بیس جہازوں پر مشتمل تھا۔ غیر متوقع طور پر صیدا پہنچ گیا۔ چنانچہ تمام جہازوں پر منجنیقیں لگا دی گئیں بڑے بڑے جہازوں پر برج تعمیر کر لیے گئے۔ ایک جہاز مقدونیہ کے ساحل سے بھی آ گئے۔

کریٹ کا نیارکس اور دوسرے افسر جنھیں بحریات کا تجربہ تھا۔ مقدونیہ کے سپرداروں اور صیدا کے انجنیئروں کو اسلحہ اور منجنیقیں جہازوں پر استعمال کرنے کی تعلیم روزانہ دیتے تھے۔

سنہ ۳۳۲ ق م کے موسم گرما کا آغاز تھا۔ جب یونانیوں نے محض جنگی جہاز ہی تیار نہ کر لیے بلکہ ایک ایسا زبردست بیڑا بروئے کار آ گیا جس میں محاصرے کا سامان، رسد رسانی کا انتظام اور منجنیقیں غرض ہر شے موجود تھی۔ یہ ایک عجیب بحری قوت تھی جس نے کناروں کے آس پاس اور یونانیوں کے بنائے ہوئے راستے کے اطراف میں کوئی جگہ خالی نہ چھوڑی۔ یہ منظر دیکھ کر اہلِ صور دم بخود رہ گئے۔

---

[1] اس کا نام BYBLUS ہے لیکن آج کل اسے جوبیل کہتے ہیں۔

بے شک انھوں نے اپنے عمدہ جنگی جہازوں سے حملوں کا سلسلہ جاری رکھا۔ کچھ جہاز ڈبوئے اور بعض کو نقصان پہنچایا۔ لیکن بیڑا بہت بڑا تھا لہٰذا اہلِ صور مقابلے پر ٹھہرے نہ رہ سکتے تھے۔ وہ چھاپے مارتے پھر بھاگ کر اپنی پناہ گاہوں میں پہنچ جاتے۔ انھوں نے اپنی تیاریوں کو پھیلانے کے لیے بندرگاہِ صیدا کے مدخل کے سامنے پردہ سا تان دیا۔ سکندر دانش و تدبیر کی اس کشمکش کے مختلف مناظر سے خوب لطف اندوز ہوتا۔ وہ خود راستے کے دونوں جانب بہترین جنگجوؤں کو لے کر پھرتا رہتا اور جزیرۂ صور کے اردگرد پھر کر ان کے جنگی جہازوں کو بھاگنے سے روکنے کی کوشش کرتا۔

اب یونانیوں کی فصیل شکن منجنیقیں جہازوں کے ذریعے سے فصیل کے پاس پہنچ گئیں۔ (اہلِ صور نے فصیل کے اس حصے کو جو راستے کے سامنے تھا بہت مستحکم کر لیا تھا۔ لہٰذا یونانیوں نے اس پر حملے کا خیال ہی ترک کر دیا) یونانیوں کی منجنیقیں استعمال کرنے کے لیے جہازوں کے لنگر ڈالے بغیر چارہ نہ تھا۔ صور کے غوطہ خور تیرتے ہوئے آئے اور لنگروں کے رسّے کاٹ دیئے۔ یونانیوں نے رسّوں کی جگہ لوہے کی زنجیریں استعمال کیں۔ اہلِ صور کی منجنیقوں نے ان تمام مقامات پر بھاری شہتیر پھینک دیے جہاں یونانی لنگر انداز ہونا چاہتے تھے۔ یونانیوں نے چھوٹی چھوٹی کشتیوں میں ایسے آلے لگا دیے جو شہتیروں کو اٹھا کر ایک طرف پھینک سکتے تھے تاکہ منجنیقوں والے جہاز مناسب مقامات پر لنگر انداز ہو جائیں۔ جن لوگوں کو حملے کے لیے آگے بڑھنا تھا ان کے استعمال کے لیے عارضی پل تعمیر کر دیے گئے تاکہ وہ جہازوں سے اترتے ہی فصیل پر چڑھ جائیں۔ اہلِ صور نے اس کے مقابلے کی تدبیریں کیں لیکن بھاری منجنیقوں نے فصیل میں جگہ جگہ رخنے ڈال دیے اور بندرگاہ کے مدخلوں کے قریب دو مقامات پر فصیل بالکل ٹوٹ گئی۔ اب مقابلہ مشینوں تک محدود نہ رہا اور آدمیوں کے خلاف آدمی لڑنے لگے۔ یوں صور کی تقدیر پر آخری مہر لگ گئی۔

اس وقت یونانی بالکل بے تاب تھے۔ مزاحمت کی شدّت اور وحشت نے غصے کا پارہ آخری درجے پر پہنچا دیا تھا۔ اہلِ صور نے جو قیدی پکڑ رکھے تھے فصیل پر لے جاتے، اور ٹکڑے ٹکڑے کر کے سمندر میں ڈال دیتے۔ لیکن ایک زبردست یورش نے مدافعت کو ختم کر دیا۔ ایک روز سمندر ساکت تھا۔ ہر طرف حملہ آور جہازوں نے حلقہ بنا لیا۔ مسلح یونانی اٹھا دیل سے

فصیل پر پہنچ گئے۔ آٹھ ہزار اہلِ شہر مارے گئے۔ تیس ہزار اسیر ہوئے جنھیں غلام بنا کر بیچ دیا گیا۔

اب یونانیوں نے اپنے بنائے ہوئے راستے کو بڑھا کر جزیرے کی چٹان کے ساتھ ملا دیا۔ وہ بڑی بڑی منجنیقوں کو کھینچ کر اندر کے مندر میں لے گئے تاکہ ان کی تقدیس کی رسم پوری ہو۔ بڑے بڑے جنگی جہاز مندر کے چوک میں بطور یادگار رکھ دیے گئے۔ پھر انھوں نے ہرقل کے مندر میں قربانی کی رسم ادا کی اور فتح کا جشن منایا جس میں کھیلیں بھی ہوئیں اور جلوس بھی نکلے۔ ویادس نے بعد میں کہا میں نے سکندر کی امداد سے صور کو فتح کیا۔ صور کا محاصرہ سات مہینے جاری رہا۔ یہاں سے سکندر آگے بڑھا اور غزہ پہنچا۔ اُسے بھی دو ماہ کے محاصرے کے بعد فتح کیا۔

فلسطین سے سرزمین فراعنہ تک کی ساحلی شاہراہ پر غزہ بہت مستحکم مقام تھا۔ اس کے لیے قطعاً مناسب نہ تھا کہ اپنے دروازے اہلِ مقدونیہ پر بند کرتا خصوصاً صور کا انجام دیکھ چکنے کے بعد تو مزاحمت مصلحت شناسی سے سراسر خلاف تھی۔ کم از کم اُس وقت کے حالات پر نظر ڈالی جائے تو دل پر اس کے سوا کچھ اثر نہیں پڑتا۔ اہلِ غزہ نے جب مزاحمت کا فیصلہ کیا ہوگا تو اغلب یہ ہے کہ انھیں شاہنشاہِ ایران کی قوت قریب تر نظر آ رہی ہو اور مقدونیوں کو قرب کا ویسا احساس نہ ہو۔

غرض غزہ کی مزاحمت نے ویادس اور اُس کے رفیق انجینیروں کو سب سے بڑا کارنامہ ہندسی انجام دینے کا موقع بہم پہنچا دیا۔ چنانچہ انھوں نے باہر کے میدان سے فصیل کے بالائی حصے تک ایک سنگ بستہ راستہ بنایا جو سطحِ میدان سے اڑھائی سو فٹ بلند تھا۔ اس عظیم الشان ڈھلان کی تعمیر ہی اصل کارنامہ نہ تھی بلکہ اس کے نیچے سرنگیں کھودی گئیں، جنھیں نیچے ہی نیچے فصیل تک پہنچا دیا گیا۔ ادھر سنگ بستہ راستہ فصیل کے سر پر پہنچا۔ ادھر فصیل زمین بوس کر دی گئی۔ جو عرب اس شہر کی حفاظت پر مامور تھے، ان میں سے ایک ایک مردانہ وار لڑتا ہوا مارا گیا۔ عورتوں اور بچوں کو غلام بنا کر فروخت کر ڈالا گیا۔ لیکن غزہ نے سکندر سے ہرجانہ وصول کر لیا۔ ایک منجنیق سے پتھر کا گولہ یونانی بادشاہ کی ڈھال پر گرا اور ڈھال کو دو لخت کرتے ہوئے اُس نے مونڈھے کی ہڈی توڑ ڈالی۔ فتح غزہ کے بعد سنگ بستہ راستہ توڑ دیا گیا۔ لیکن جو سنگ بست راستہ خشکی سے صور کی چٹان تک بنایا گیا تھا، وہ بدستور باقی رہا اور یہ اب تک باقی ہے۔ معلوم ہوتا ہے کہ

مقدونوی افسر ساحلی شاہراہ کے ساتھ ساتھ ہر اہم مقام پر قلعہ بنا کر ان میں تھوڑی تھوڑی فوج چھوڑ جانے کا ارادہ کیے بیٹھے تھے لیکن صُور جیسے کسی بحری قلعے کو اس حال پر چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔

جس زمانے میں صور کا محاصرہ جاری تھا سکندر جہازوں کی دیکھ بھال بڑی توجہ سے کرتا رہا۔ اُس نے جو جہاز تعمیر کرائے ان میں تبدیلیاں تجویز کیں مختلف نمونوں کے جہاز بنوا بنوا کر تجربے کرتا رہا۔ یہاں تک کہ ہر ایک کے اوصاف و خصائص سے پوری طرح واقف ہو گیا۔ اس پر یہ راز بھی آشکارا ہو گیا تھا کہ بادبان کھولنے کے بہترین طریقے کیا ہیں اور جہازوں کے تختوں کی درمیانی درزیں کیونکر بند کی جاتی ہیں۔ نیارکس کے علاوہ مختلف جزیروں سے بہتیرے ماہرینِ فن اس کے پاس پہنچ گئے تھے سکندر ان کے ساتھ مختلف کاموں میں لگا رہا۔ بایں ہمہ یہ بھی واقعہ ہے کہ صور پر آخری یورش کے وقت کشتی میں بیٹھ کر جزیرے کے ارد گرد گھومنے کے سوا اس نے سمندر کا سفر کبھی نہ کیا۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ بحیرہ ایجہ کے جزیروں میں سے بھی کسی پر اس کا قدم نہ پڑا تھا۔

بحیرہ ایجہ کے جزیروں نے اور ان جزیروں نے جو سائیکلیڈس کے نام سے مشہور ہیں سکندر کی اطاعت قبول کی۔ یہ جزیرے ایسی جگہ واقع تھے کہ جنوبی یونان سے ایشیا پہنچنے کے لیے مسلسل قدم گاہوں کا کام دیتے تھے۔ جزیرہ ڈوس اور جزیرہ چیوس نے اپنی بندرگاہیں سکندر کے لیے کھول دیں۔ شاہنشاہ ایران کی بحری قوت میں سے تھوڑے سے جہاز باقی تھے جنھیں مختلف افسر یا یونانی سنبھالے بیٹھے تھے لیکن ان کی حیثیت بحری قزاقوں کی سی تھی۔ وہ کسی بڑی بندرگاہ میں گھسنے نہ پاتے تھے۔

یونانی فوج نے سمندر کے گھیرے کے ساتھ ساتھ کوہ ایتھوس سے مصر تک پندرہ سو میل کا سفر پیدل طے کر کے مشرقی بحیرہ روم پر تصرف حاصل کیا تھا۔ بعد ازاں بحیرہ مذکورہ کے کسی مستحکم شہر نے کسی مقدونوی افسر کی مزاحمت نہ کی۔ سمندر میں یونانیوں کا کوئی بیڑا نہ تھا۔ وہ صرف ساحل کی حفاظت کر رہے تھے لیکن جب سکندر مصر گیا تو اس کے ساتھ جنگی اور بار بردار جہازوں کا ایک بیڑا بھی گیا تھا۔ یہ بیڑا رات کے وقت ساحل کے پاس آجاتا اور ملاح خشکی پر اتر کر بری فوج

کے ساتھ قیام کرتے سکندر نے روڈز، قبرص، فونیقیا اور مصر کے ماہر جہاز سازوں کا ایک نیا یونٹ بنا دیا۔ چند اعلیٰ درجے کے ملاح ان کے ساتھ کر دیے۔ جو ریں جو تجربات حاصل ہو چکے تھے۔ انھیں پیشِ نظر رکھتے ہوئے یہ یونٹ اجنبی سمندروں کے لیے نئے بیڑے تیار کر سکتا تھا، جن میں جہاز رانی کا کوئی ریکارڈ موجود نہ تھا۔

آریان لکھتا ہے :

"وہ دریا کے راستے سمندر تک گیا۔ پھر اس نے جھیل مائی اوٹس[1] کا چکر لگایا اور خشکی پر اتر گیا۔ اس مقام کو اس نے ایک شہر کی تعمیر کے لیے موزوں قرار دیا۔"

دریا سے اشارہ دریائے نیل کی طرف ہے یا کینا چاہیے۔ نیل کی مغربی شاخ کے دہانے تک۔ جو شہر تعمیر کرایا، وہ سکندریہ تھا۔ سکندر نے اس کام کے تیرہ یا اس سے زیادہ شہر آباد کیے ان میں سے پہلا ہی مصر کا سکندریہ تھا۔ یہ بات بڑی عجیب نظر آئے گی کہ ۲۳ سالہ مقدونی نے ساحلِ بحر اور کھاری پانی کی جھیل کے درمیان، جو سرکنڈوں اور مرغابیوں سے بھری ہوئی تھی ایک شہر اور گھاٹ تعمیر کرنے کا حکم دیا لیکن واقعے کو عجیب سمجھنے کے بجائے ناگزیر سمجھنا چاہیے یہ مقدونوی لوگ آباد کاری کے علمدار تھے۔ وہ ہر مقام کی چھان بین کرتے اور تعمیر کا کوئی نہ کوئی نشان چھوڑتے۔ سکندر خود پیلا میں پرورش پا کر جوان ہوا تھا۔ جہاں فیلقوس برابر تعمیرات میں لگا رہتا تھا لیکن خود سکندر نے پیلا میں مویشی کے لیے ایک سائبان بھی نہ بنایا اور نہ وہ اس کا خواہاں تھا۔ پھر وہ دیکھ چکا تھا کہ یونانیوں نے وطن سے باہر نکل کر کس طرح نو آبادیاں قائم کیں جنھوں نے آہستہ آہستہ بڑے شہروں کی حیثیت اختیار کر لی۔ وہ مہینوں سمندر کے کنارے کنارے سفر کر چکا تھا جس کے ساتھ جھاگ کے انبار نظر آتے اور وہ نیارکس نیز دوسرے ماہرینِ تجربات کے ساتھ جہازوں کے چلنے کی بابت باتیں کرتا رہتا۔

اب اس کا سفر ختم ہو چکا تھا اور بحری تجارت کو اپنی خواہش کے مطابق چلانے کا اختیار اس کے قبضے میں آ چکا تھا۔ نیز مصر پہنچ کر بحیرۂ روم کی مہم پایۂ اتمام پر پہنچ چکی تھی۔ مصر

---

[1] MAEOTIS

بالکل خاموش اور مطمئن سرزمین تھی جس کے لیے مسلسل بہنے والے دریا نے زندگی کا سر و سامان مہیا کیا تھا اور اسے ایسا معلوم ہو رہا تھا کہ صحراؤں سے پانی کو اس انداز میں بہانے کا کام یقیناً نادیدہ دیوتاؤں نے انجام دیا ہے۔ ہیلیو پولس¹ اور ممفس میں اس نے پتھر کے بنے ہوئے شہر دیکھے جن میں سیاہ سماق اور چمکیلا نیلا پتھر استعمال ہوا تھا۔ نیز پتھروں کو تراش کر دیوتاؤں اور شہنشاہوں کے بڑے بڑے مجسمے تیار کیے گئے تھے۔ سورج کی روشنی ان پر پڑتی تو ایسا معلوم ہوتا کہ وہ زندہ ہیں اور سانس لے رہے ہیں۔ ایتھنز کے بالاحصار کا سنگ بنیاد رکھنے سے کم و بیش ایک ہزار سال پیشتر مصر کے بعض مندر تعمیر ہو چکے تھے۔

اسی زمانے سے یہ لوگ آباد چلے آتے تھے۔ ان میں کوئی تبدیلی پیدا نہ ہوئی تھی۔ وہ اپنے رسم الخط اور تصویروں کے ذریعے سے اپنی سرگزشتیں مندروں کی دیواروں پر کندہ کرتے جاتے وہ اپنی جگہ قائم تھے اور جو عمارتیں بنا چکے تھے۔ انھیں بازار کا شور و شغب یا کسی حملہ آور کا درد تباہ نہ کر سکتا تھا۔ سکندر نے بہت سے مشاہدات کیے اور بیشتر چیزیں حافظے میں محفوظ کر لیں اس کی وسعت فکر قلب کے کسی بے قابو جذبے کا کرشمہ ملکہ اس وسیع مطالعے اور غور کا نتیجہ تھی جس میں اس نے خاصا وقت گزارا تھا۔ آئی اونیا والے ساحل کی چھان بین کے بعد وہ خشکی پر چلنے والے قافلوں کے راستے بھی دیکھ چکا تھا۔ اسے یقین تھا کہ دریائے نیل کے راستے آنے والے لوگ ساحل پر مل سکتے ہیں۔ بہر حال نیل کا دہانہ کریٹ نیز یونانی بندرگاہوں سے قریب تھا۔ اور جانتا تھا کہ جہاز اگر کھاری پانی جھیل میں ٹھہرا کریں گے تو سمندر کی لہروں سے محفوظ رہیں گے۔

معلوم ہوتا ہے کہ سکندر، سکندریہ کو بندرگاہ سے زیادہ وسیع مقاصد کا مرکز بنانا چاہتا تھا۔ نئے نمونے کے دارالحکومت کی یہ پہلی تعمیر تھی ــــ اگرچہ متعدد پہلوؤں کو پیش نظر رکھتے ہوئے اسے کارتھج سے خاصی مشابہت حاصل تھی۔ مثلاً کارتھج کی طرح سکندریہ بندرگاہ بھی تھی بین الاقوامی نوآبادی بھی اور مذہب و علم کا مرکز بھی۔ جزیرہ فراس کے آخری گوشے پر روشنی کا ایک چھوٹا سا مینار بنا ہوا تھا۔ سکندر نے اس کی جگہ اور بہت بڑا اور بلند مینار بنانے کی تجویز سوچی

---

¹ HELIOPOLIS جسے آج کل عین الشمس کہتے ہیں۔ یہ قاہرہ کا ایک حصہ ہے۔

جو رصد گاہ کا بھی کام دیتا۔ وہ بلندی میں اُن اہرام سے کم نہ تھا جو دریائے نیل کے بالائی حصے میں واقع تھے اور اس کے سامنے ہیلی کارنیسس میں مسوسس کا مقبرہ تھا، جو وضع قطع میں مربع تھا اور بلندی میں آسمان کو بوسہ دے رہا تھا۔

سکندریہ میں سکندر نے بہت بڑی درسگاہ تعمیر کرنے کا حکم دیا۔ جو میزا کی درسگاہ سے بدرجہا وسیع تھی لیکن اُس کے ساتھ نہ باغ تھا اور نہ پریوں کے مجسمے۔ سارڈس جیسے ایک مندر کی بنیاد رکھی گئی۔ نیز ایک جمنیزیم اور کھیلوں کا میدان آراستہ کیا گیا۔ صیدا میں وہ دیر تک ٹھہرا ہوا تھا تو وہاں بھی کھیلوں کے لیے ایک اکھاڑا بنایا۔ پھر ایک کتب خانے کی بھی تجویز تھی۔ یہ پوری عمارت کتابوں سے لبریز ہوتی۔ ایسا ہی کتب خانہ اس نے ممفس میں دیکھا تھا۔

ویادس نے صور کا محاصرہ سکندر کی امداد سے کیا تھا، سکندر نے دارالحکومت کا نقشہ ویادس کی امداد سے تیار کیا۔ انجنیئر فوج کے ساتھ اس لیے آئے تھے کہ جنگی امور میں مدد دیں اور مختلف مقامات پر ان سے بربادی کا کام لیا گیا۔ لیکن سکندر چاہتا تھا کہ بربادی کے بجائے ان سے زیادہ مفید کام لے۔ لہٰذا اس بات پر متعجب نہ ہونا چاہیے کہ سکندر نے سکندریہ تعمیر کرایا اور اس کے لیے مصر کا ساحل تجویز کیا۔

بیان کیا جاتا ہے، سکندر رخصت ہونے سے پیشتر شہر کی فصیل کا نشان قائم کر دینا چاہتا تھا لیکن نشان لگانے کے لیے کوئی موزوں چیز موقع پر موجود نہ تھی۔ اس وجہ سے سپاہیوں کی [illegible] منگائے گئے اور سکندر جیسے جیسے بتاتا گیا فصیل کے مقام پر جو کے ذریعے سے نشان لگائے گئے۔ یکایک دلدلی علاقوں سے جانوروں کے جھنڈ کے جھنڈ اڑے اور تھوڑی ہی دیر میں سارے جو چٹ کر گئے۔

سکندر اور معماروں کو یہ بدشگونی محسوس ہوئی چنانچہ اریسٹانڈر کو بلایا گیا کہ حقیقت واضح کرے وہ خود سراسیمہ اور حیران رہا پھر بولا: شہر ضرور ترقی کرے گا لیکن زمین کی پیداوار کے بل پر۔ دوسروں نے کہا کہ شہر بڑے بڑے گروہوں کے گزارے کا سامان مہیا کرے گا۔ بہرحال سکندریہ تعمیر ہوا اور اُس نے بڑی ترقی کی۔ بڑھتا اور ترقی کرتا گیا۔ آج بھی جبکہ اس تعمیر پر دو ہزار دو سو ستر سال گزر چکے ہیں؛ یہ بہت بڑا بحری مرکز اور ایک بین الاقوامی شہر ہے۔ لیکن مذہب و علم کا عالمگیر مرکز قطعاً نہیں رہا۔

گیارھواں باب

رُو در مشرق

اہلِ مقدونیہ کو سامی دیوتاؤں سے سابقہ پڑتا رہا لیکن ان میں کوئی دلچسپی انھوں نے ظاہر نہ کی۔ صُور میں جو سامی شہر تھا انھوں نے ہرقل کو سب سے بڑا دیوتا بنا دیا، لیکن مصر میں انھوں نے نہایت عظیم الشان اور پُر ہیبت دارالاصنام دیکھے جو دریائے نیل کے ساتھ ساتھ پھیلے ہوئے تھے۔ خصوصاً آمن رع[1] جسے وہ نیل کا دیوتا سمجھتے تھے۔ اُس کے لیے ایک ہی پتھر کے اونچے اونچے مینار بنے ہوئے تھے، جنھیں عرفِ عام میں سنگی مینار[2] کہا جاتا ہے۔ یہ مینار اُس مسطح وادی میں ایک روز کی مسافت تک نمایاں نظر آتے رہتے تھے۔ آمن رع کی تصویریں دیواروں پر بھی کندہ تھیں وہ اس طرح جہاز پر بیٹھے ہوئے آمن رع آسمان کی طرف جا رہا تھا۔

یہ منظر اہلِ مقدونیہ کی نگاہوں سے پوشیدہ نہ رہ سکتا تھا اور انھوں نے آمن رع کے متعلق گفتگو شروع کر دی۔ وہ سوچ رہے تھے کہ آمن رع واقعی سب سے بڑا دیوتا ہے اور اُسی نے انسانوں میں ملکوتی خصلتیں پیدا کیں تو کیا یہ وہی دیوتا نہیں جسے یونانیوں نے زیوس قرار دے رکھا ہے؟ یقیناً آسمانی جہاز میں آمن رع کے نام سے جو بے ریش ہیئت دکھائی گئی ہے وہ اُس زیوس سے نہیں ملتی جس کا بت ایتھنز کے سنگ تراشوں نے تیار کیے تھے لیکن اُن کو اس بات میں کوئی شبہ نہ تھا لیکن اگر یونان میں زیوس کی ہیئت سنگ تراشوں نے ایک دوسرے سے الگ الگ تیار کی تو کیا یہ نہیں سمجھا جا سکتا کہ مصریوں نے اصلی زیوس کو اپنے تصور کے مطابق دکھانے کی کوشش کی۔ ہم جانتے ہیں کہ سکندر نے اس بارے میں مصر کے ایک عالمِ دین سامن[3] سے

---

[1] AMMON-RE مصریوں کے نزدیک یہ سب سے اونچا دیوتا تھا۔ وہ اسے سورج دیوتا قرار دیتے تھے۔

[2] OBELISK یعنی ایک ہی پتھر کے گاؤدم مینار یا لاٹھیں۔

[3] PSAMMON

بات چیت کی تھی۔ وہ کہتا تھا کہ تخلیق ایک الٰہی قوت ہے جس کا منبع ہمارا سب سے بڑا دیوتا ہے سکندر کو یہ سکھایا گیا تھا۔ کہ اعلیٰ درجے کے انسانوں میں ملکوتیت کا جو شعلہ ہوتا ہے، وہ زیوس سے پیدا ہوا اور ٹائٹن اُسے زمین پر لے آئے لیکن عام لوگوں کو وہ شعلہ نصیب نہیں ہوتا پھر کیا زیوس دراصل آمن رع ہی نہیں؟ جس طرح اپالو اوزی رس[1] ہو سکتا ہے۔ وہ اِس لیے قتل ہوا کہ دوبارہ زندگی حاصل کرے۔ اِس طرح یہ امر فانی انسانوں میں ملکوتی قوت کا ابدی نشان بن گیا۔

سکندر اس بارے میں یقینی علم حاصل کرنے کا خواہاں تھا جب اُسے معلوم ہوا کہ آمن رع کا قدیم ترین مقدس مندر نیل کے کنارے پر نہیں بلکہ وہ مغربی صحرا میں واقع ہے یعنی سیوہ[2] کے نخلستان میں، اور وہیں مصر کے سب سے بڑے اور راست باز کاہن بھی رہتے تھے تو یہ سنتے ہی سکندر نے وہاں جانے کا فیصلہ کر لیا جب اسے بتایا گیا کہ سیوہ تک سفر خاصا خطرناک ہے تو اس کا ارادہ اور بھی پختہ ہو گیا۔ جس مقام پر سکندریہ کی آبادی کا فیصلہ ہوا تھا وہاں سے رہبر اسے ایک سو اسی میل مغربی جانب لے گئے۔ پھر انھوں نے بنجر صحرائی علاقے میں سے جنوب کا رُخ اختیار کیا گویا سمجھنا چاہیے کہ وہ پہلے موجودہ زمانے کے مشہور مقام العلمین کی طرف گئے پھر مشہور بندرگاہ مطروح کے پاس سے اندرونِ ملک کی طرف مڑ گئے۔ چونکہ سردی کا موسم تھا اس لیے پانی کی دقّت محسوس نہ ہوئی۔ پہاڑیوں میں جگہ جگہ جوہڑ ملتے گئے جن میں پانی بھرا ہوا تھا لیکن آندھیوں نے انھیں بہت پریشان کیا۔ ایک مقام پر راستہ گم ہو گیا۔ پھر کوّوں کو اُڑتے ہوئے دیکھ کر انھوں نے جنوبی سمت کا سُراغ لگایا۔ غرض وہ نخلستان میں پہنچ گئے، جہاں زیتون اور تاڑ کے درخت تھے۔ چشموں کا پانی بہت ٹھنڈا تھا اور حیرت انگیز بات یہ ہے کہ انھیں وہاں نمک کی شفاف چٹانیں نظر آئیں۔ وہاں پہنچ کر آمن رع کے چھوٹے سے سنگی مندر کی تاریکی میں سکندر کو جو کچھ پیش آیا اور اُس نے اپنے مستقبل کے متعلق جو کچھ پوچھا اُس کے باب میں روایات مختلف ہیں۔ خود سکندر نے صحیح حالات لکھ کر اپنی ماں اولمپیاس کے پاس بھیج دیے تھے۔ لیکن تاکید کر دی تھی کہ وہ خط

---

[1] OSIRIS مصریوں کے نزدیک یہ عالمِ آخرت کا دیوتا تھا۔

[2] نخلستانِ سیوہ جسے آج کل واحۂ سیوہ کہتے ہیں مصر کی مغربی حد پر لیبیا کے قریب واقع ہے۔ یہاں آمن رع کا مندر تھا اور اِس مقام کو یونانی ابونیم کہتے تھے۔

کسی کو دکھایا نہ جائے۔ مندر کے پروہتوں نے لمبے چُغے پہن رکھے تھے، نوجوان مقدونی بادشاہ کا انھوں نے پرجوش خیر مقدم کیا اور اُسے دیوتا کے سامنے لے گئے۔ ایک روایت یہ ہے کہ سکندر نے پوچھا: "آیا میں نے اپنے باپ کے قاتلوں کو پوری سزا دے دی ہے؟" پجاریوں نے کہا کہ اس سوال کا جواب لینا چاہتے ہو تو خوب سوچ بچار کر اپنے باپ کا صحیح نام بتاؤ۔ جب سکندر نے بتایا کہ میرے باپ کا نام فیلقوس تھا تو مندر کی طرف سے جواب ملا: ہاں فیلقوس شاہِ مقدونیہ کے قاتل ٹھیک ٹھیک کیفرِ کردار کو پہنچ گئے۔ پھر سکندر نے سوال کیا کہ میں نے جس کام کا بیڑا اٹھایا ہے اُس میں مجھے کامیابی حاصل ہو گی؟ جواب ملا کہ ضرور حاصل ہو گی۔ سکندر نے مزید کوئی بات نہ کی، پروہتوں کو سنہری سکّوں سے نوازا۔ جو لوگ اُس کے ساتھ گئے تھے انھوں نے بعد میں بتایا کہ مندر کے کاہن نے سکندر کو آمن رع یا زیوس کا بیٹا قرار دیا تھا۔

سکندر نے واپسی کے وقت وہ راستہ اختیار کیا جس کی مسافت کم تھی۔ رہبروں نے ہر چند کہا کہ اس راستے سے جانا ممکن نہیں لیکن سکندر نے اسی پر جانے کے لیے اصرار کیا۔ وہ عموماً وہی طریقہ اختیار کرتا تھا جسے زیادہ سے زیادہ دشوار بلکہ غیر ممکن بتایا جاتا تھا۔ ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ وہ سیوہ تک نئے راستے کی چھان بین کرنے کا خواہاں تھا۔ اِس راستے میں وہ خوفناک قطارہ کے جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا بحیرۂ فیوم[1] کے پاس سے گزرا ہو گا لیکن مشکلات کے باوجود وہ ممفس پہنچ گیا۔ یہاں سے مشرق کی طرف طویل اور ناقابلِ تصوّر سفر کا آغاز ہوا۔

مصر میں دو چیزیں ہو رہی تھیں جو ابتدا میں زیادہ نمایاں نہ تھیں۔ سکندر اپنی فوج کے بڑے حصّے سے الگ تھا۔ بحیرہ روم کے ساحلی علاقے پر قبضہ جمانے کے لیے جو مہم شروع ہوئی تھی اِس مفتوحہ علاقے کے ساتھ ساتھ طرسوس تک بے شمار نوآبادیاں، جہاز سازی کے کارخانے اور تجارتی مرکز قائم ہو چکے تھے۔ فوج کے مختلف جیش اِن مرکزوں میں بٹے ہوئے تھے۔ مقدونیہ کے بعض کسان ساحلی علاقوں میں نئی فصلوں کے تجربے کر رہے تھے۔ سائنس دان اپنی جانچ

---

[1] FIUM یہ قاہرہ کے جنوب میں دریائے نیل کے مغربی جانب ایک نہایت زرخیز خطّہ ہے۔ دریائے نیل سے ایک نہر یہاں پانی لاتی ہے اور اس کا نام بحرِ یوسف یا نہرِ یوسف ہے۔ پرانے زمانے میں یہاں بہت بڑی جھیل تھی اب پہلے جیسی نہیں رہی۔ یہ فیوم سے شمال مغرب میں چند میل پر واقع ہے اسے برکۂ قارون کہتے ہیں۔ نہرِ یوسف حضرت یوسفؑ نے بنوائی تھی۔

پرکھ کے لیے حیوانات، نباتات اور جمادات کے مختلف نمونے فراہم کرنے میں مشغول تھے طبیبوں نے موزوں مقامات پر شفاخانے قائم کر لیے تھے۔ سکندر ضرورتاً فوج سے الگ ہوا تھا۔ لمبے نیزوں والی پیادہ فوج نے مدت سے اُسے نہ دیکھا تھا۔ صرف محافظ فوج سکندر کے ساتھ ساتھ تھی۔ جب وہ اپنے سیاہ گھوڑے پر سوار ایک نوآبادی کے سامنے نمودار ہوا تو فوجی اُس کی پیشوائی کے لیے بیتابانہ باہر نکل آئے۔ اُس کے زانو چھوئے اور پوچھا کہ اب ہمیں کس کام کا حکم دیا جائے گا۔ وہ ممفس کے سایہ دار بازاروں میں گزرتا تو لوگ سر جھکائے پیچھے ہٹ جاتے یا کورنش کے لیے گھٹنوں کے بل جھک جاتے۔ اس لیے کہ وہ سکندر کو فرعونِ مصر سمجھ رہے تھے۔

اس منصب سے اُسے مفر نہ تھا۔ مصر تجارت میں یا چاول اور غلّے کی کاشت میں یا جہاز سازی میں بہت ترقی کر چکا تھا۔ لیکن شاہی روایات میں وہ قدیم زمانے ہی کے آداب و رسوم پر قائم تھا مصریوں کے دل میں اپنے مطلق العنان فرمانرواؤں کے اِس عالی شان گھرانے کا بڑا ہی احترام تھا۔ جن کے عہدِ حکومت میں سائنس نے غیر معمولی تیزی سے ترقی کی تھی۔ نیل کے پانیوں کو کھیتی باڑی کے لیے استعمال کرنے کی تدبیریں عمل میں لائی گئی تھیں اور وقت کا تعین ستاروں کو دیکھ کر کیا جاتا تھا۔ نیز نہایت عالی شان عمارتیں قائم ہوئی تھیں۔ مندر اور مقبرے شاہی محلات سے کہیں زیادہ پُرشکوہ تھے۔ یہ عمارتیں عہدِ حاضر کے لوگوں کے لیے بھی باعثِ فخر ہیں اور حیاتِ بعد الموت کی ایک بدیہی شہادت پیش کر رہی ہیں۔ مصر پر جو شخص بھی حکمران ہوتا اُس کا فرعون ہونا لازم تھا اور فرعون کو غیر فانی دیوتاؤں سے گہرا تعلق تھا۔ سکندر، فرعون کی حیثیت میں لوگوں کے درمیان گھومتا تو وہ اس کے قریب نہ آ سکتے تھے۔ وہ دریا کے چمکیلے تار کو دیکھنے کے لیے کسی ہرم پر چڑھ جاتا۔ بے شک یہ حرکتیں عام انسانوں کی تھیں لیکن حکمران کی حیثیت میں وہ مطلق العنان تھا اور عام عقیدے کے مطابق اُس میں ملکوتی خصائل پیدا ہو گئے تھے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو مصریوں کو اور خصوصاً حد درجہ بااثر پجاریوں کو فرعونوں کے متعلق پرانا تصور بدلنا پڑتا۔

نگوس کے بیٹے بطلیموس اور بعض دوسرے لوگوں کے لیے اِس معاملے نے غور و فکر کا نیا سامان بہم پہنچا دیا۔ انھیں یہ صورتِ حال ناقابلِ تصوّر اور مہمل معلوم ہوتی تھی۔ بایں ہمہ اس کے وجود سے انکار نہیں کیا جا سکتا تھا۔ انھوں نے اپنے روزنامچوں کا مقابلہ کیا بعض امور پر سب

کی تحریروں میں ہم آہنگی تھی۔ مثلاً سکندر، مقدونیہ کا بادشاہ تھا۔ ایک قبیلے کا سردار جسے کونسل نے چنا اور ٹلیفی شمندر کے برہنوں نے مہرِ تصدیق ثبت کی۔ ساتھ ساتھ وہ متحدہ یونان کا سپہ سالارِ اعظم بن گیا۔ پھر اُس نے ساحل اُئی اونیا کے شہر فتح کر لیے۔ اور وہ رئیسِ اعظم تسلیم کر لیا گیا۔ صور، ساحلِ شام اور جزیروں نے اُس کی فوجی حکومت قبول کر لی۔ مصر پہنچتے ہی اُسے فرعون مان لیا گیا جس کی حیثیت ایک دیوتا سے کم نہیں۔ بطلیموس سے یونان کے سوفسطائی انگزارکس سے بات چیت کرتے ہوئے کہا: ان واقعات کی تفصیل چنداں مشکل نہیں لیکن جب معرضِ تحریر میں نے آئیں تو ان میں عقل کا کوئی پہلو نظر نہیں آتا۔ انگزارکس نے جواب دیا: عقل کی بات پوچھتے ہو تو خود اس مہم میں عقل کا کونسا پہلو ہے؟

بطلیموس نے دل میں اس بات سے اتفاق کیا۔ مقدونیہ کے کماندار بڑے فہیم اور حقیقت پسند لوگ تھے۔ وہ ہر موقع سے فائدہ اٹھانے کے لیے سرگرم رہتے تھے۔ اُن کی رائے تھی کہ مصر پہنچ کر مختلف مقامات کو دیکھنا یا دیوی بخشیں کرنا یا شہر اور عمارتیں بنانا محض وقت ضائع کرنا ہے حالانکہ یہاں بے شمار مالِ غنیمت ہے جس پر بلا تکلف قبضہ کیا جا سکتا ہے لیکن سکندر نے حکم دے دیا تھا کہ مصریوں کے ساتھ آئی اونیا والوں سے بھی بڑھ کر احترام کا سلوک کیا جائے۔ اگرچہ آئی اونیا والے اہلِ مقدونیہ سے قریب تر تھے۔ کم از کم وہ یونانی زبان ضرور بولتے تھے۔

ایک شخص نے کہا: مجھے تو خود سکندر کا معاملہ عقل سے بعید تر معلوم ہوتا ہے۔ بھلا اُس کے خطابات اور القابات لکھنے کی کوشش تو کرو۔ دوسرے نے کہا: بھئی، اس بات کو چھوڑ، اس حقیقت سے کون انکار کر سکتا ہے کہ تین سال میں اُس نے معجزہ کر دکھایا۔ پہلا بولا: واقعی؟

بطلیموس کی رائے تھی کہ معجزے شاعر بروئے کار لاتے ہیں۔ ہم زیادہ سے زیادہ یہ کہہ سکتے ہیں کہ اہلِ مقدونیہ نے تین سال میں بحیرۂ روم کے مشرقی ساحل کے ساتھ وہ کارنامے انجام دیے جو قریباً غیر ممکن معلوم ہوتے تھے لیکن یہ کارنامے سکندر نے انجام نہیں دیے۔ ہاں ہم یہ ماننے کے لیے تیار ہیں کہ سکندر کی وجہ سے یہ سب کچھ انجام پایا۔

ہفاستشن نے بطلیموس اور انگزارکس کو یہ کہہ کر کھانے کی دعوت دی کہ آج سکندر کی طرف سے مجھے ایک خاص تحفہ ملا ہے۔ وہ کھلاؤں گا۔ یونانی سوفسطائی کھانے کے لیے گیا

تو یہ معلوم کر کے بے حد مایوس ہوا کہ تحفہ دریائی مچھلیوں کی ایک ٹوکری کے سوا کچھ نہ تھا۔ یونانی سوفسطائی مایوس ہو کر بے اختیار بولا کہ ہفائسٹشن تم نے وہ کارنامے انجام دیے جو مشاہیر سے بھی انجام نہ پاتے مجھیں ان بے سری مچھلیوں سے بدرجہا بہتر تحفہ ملنا چاہیے تھا۔ یہ سُن کر ہفائسٹشن نے جواب دیا کہ سکندر کی میز پر بھی اس سے بہتر کھانا موجود نہیں بطلیموس نے مچھلی کھا کر شراب پیتے ہوئے کہا کیا تمھارا خیال یہ ہے کہ سکندر صرف انسان ہے؟

ایرسٹانڈر نے غزہ میں پیش گوئی کر دی تھی کہ اگر سکندر خود حملے میں شریک ہوا تو اُسے سخت نقصان پہنچے گا چنانچہ وہ کچھ دیر تک خطرے کے حلقے سے باہر رہا لیکن جب سنگ بستہ راستے پر اُس کے فوجیوں اور محصورین کے درمیان جرح و قتل کا ہنگامہ گرم ہو گیا تو وہ رُک نہ رہ سکا اور اپنا مونڈھا تڑوا کر واپس آیا۔ زخم سے خون بہ رہا تھا اور مقامِ ماؤف میں سخت درد تھا جو لوگ اُس کے آس پاس تھے اُن سے کہا دیکھو یہ انسانی خون ہے۔ وہ سیال مادہ نہیں جو غیر فانی دیوتاؤں کی رگوں میں بہتا ہے۔ سوفسطائی نے اس پر تبصرہ کرتے ہوئے کہا: بے شک خون ہو گا لیکن کیا سکندر نے یہ بھی بتایا کہ اُس کا خون کس باپ کا تھا؟ کیا یہ حقیقت بھی واضح کی

ہفائسٹشن نے یہ پوری گفتگو سکندر کو بتائی تو اُس نے یونانی سوفسطائی کو اپنے خیمے میں بلوا لیا۔ وہ کچھ لکھنے میں مصروف تھا اور کاغذات کا ایک صندوق اُس کے بازو میں رکھا تھا شمع کی دھیمی روشنی میز پر پڑ رہی تھی لیکن سکندر نے شمع کو قریب تر لانے کی تکلیف نہ کی خیمے کے ایک گوشے میں سیاہ رنگ کی ڈھال پڑی تھی جسے اکلیز کے نام سے موسوم کیا جاتا تھا۔ صاف نظر آ رہا تھا کہ وہ ڈھال کبھی جنگ میں استعمال نہیں ہوئی۔ سکندر نے کہا: اہلِ ایتھنز کو میرا سلام پہنچاؤ اور یہ ساتھ لے جاؤ۔" یہ کہتے ہی اُس نے ایک کاغذ پر دستخط کیے۔ موم کا ٹکڑا ایک منٹ کے لیے شمع کے لو پر گرم کیا موم پگھلنے لگا تو اپنے لعابِ دہن سے کاغذ کو تر کر کے موم لگایا اُس پر مہر ثبت کر دی اور کاغذ سوفسطائی کے حوالے کیا۔ انگزارکس نے روشنی کے قریب لے جا کر پڑھا تو لکھا تھا کہ ساموس کا جزیرہ شہر ایتھنز کے حوالے کیا جاتا ہے اور سکندر نے یونان کے سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت میں دستخط کیے تھے۔

انگزارکس نے اس شاہی عطیے پر شکریہ ادا کرنا چاہا۔ سکندر نے کہا۔ یہ میرا عطیہ نہیں ہے

خداوندا دِ میرے باپ فیلقوس شاہِ مقدونیہ کا عطیہ ہے۔ میں نے ایک دفعہ اپنے والد کی زبان سے سنا تھا کہ جزیرہ ساموس اہلِ ایتھنیز کو مل جانا چاہیے۔

سوفسطائی نے جواب میں عرض کیا۔ اہلِ ایتھنیز شکر گزاری کے آداب وضوابط سے خوب واقف ہیں۔ سکندر کا سر ایک طرف جھکا ہوا تھا۔ اُس نے اپنی لمبی ٹانگیں ڈھال کی طرف پھیلا رکھی تھیں۔ سوفسطائی کی بات کے دوران میں کچھ نہ بولا معلوم ہوتا تھا کہ اُس نے سنا ہی نہیں۔ پھر کہا: "ڈیماستھنیز کیا کر رہا ہے؟" انگزارکس کی رائے یہ نہ تھی کہ ڈیماستھنیز کا نام تعریض کی شکل میں لیا گیا ہے۔ بلکہ صرف استفسار کیا گیا تھا۔ بے شک ڈیماستھنیز از سرِ نو عوام کا محبوب بن چکا تھا اور وہ مقدونوی استبداد کے خلاف بدستور خطبے دے رہا تھا۔ انگزارکس کا خیال تھا کہ سکندر اس حقیقت سے واقف ہے۔ اُس نے معذرت کے طور پر صرف یہ کہا کہ خطیب اب ویسا جوان نہیں رہا جیسا کہ پہلے تھا۔ اب صرف چند آدمی اُس کے ہم رائے ہیں۔

یہ آخری قول سراسر غلط تھا۔ لیکن سکندر نے ایسے انداز میں سر ہلایا گویا وہ مطمئن ہو گیا۔ پھر سوفسطائی کو رخصت ہو جانے کا اشارہ کیا۔ وطن واپس آتے وقت اُس کے دل میں بھی بدستور یہ خیال چکر لگاتا رہا کہ شاید سکندر نے مچھلیوں کے متعلق تبصرہ سُن لیا تھا اور وہ اُسے آزمانا چاہتا تھا لیکن سکندر کو ایسا کوئی احساس نہ تھا۔ اُس نے ساموس کا عطا نامہ حوالے کیا اور ڈیماستھنیز کے متعلق پوچھ لیا۔

پارمینیو صور سے سکندر کے پاس پہنچا، تو پرڈکاس نے اُسے بتایا کہ اب میرے پاس کوئی فوج نہیں اور میرے سپرد یہ کام ہوا ہے کہ فوجیوں کو جا بجا آباد کروں۔ وہ مشرقی عورتوں سے شادیاں کر کے بچے پیدا کریں نیز نئے نئے پھل اور غلّے کی نئی نئی جنسیں کاشت کرتے رہیں۔ الخیبں وطن سے جو انگور ملے ہیں اُن کے باغات بھی لگا رہے ہیں لیکن پارمینیو کے لیے خود اپنی تشویشات کافی تھیں۔ ہرپالوس کو سارڈس کے خزانے کا منتظم بنایا گیا تھا۔ وہ بدبخت خزانہ لے کر بھاگا اور ایک جزیرے میں جا کر پناہ لی۔ تھوڑی سی کشمکش کے بعد اُسے گرفتار کر کے لایا گیا تو سکندر نے کوئی سزا دینے سے انکار کر دیا اور کہا کہ اُسے دوبارہ خزانے کا منصرم بنایا جائے۔ وجہ یہ پیش کی کہ ہرپالوس دوبارہ ایسی غلطی کا مرتکب نہ ہوگا اور اگر دوسرے شخص کو

اس عہدے پر فائز کیا گیا ہے تو ہو سکتا ہے وہ خزانہ لے کر بھاگ جائے۔

بطلیموس نے تبصرہ کرتے ہوئے کہا کہ فوجی کیمپ سے باہر نظم و نسق ناپید ہو چکا ہے۔ ہر کسان اور دلال جو جی چاہتا ہے کرتا ہے۔ یہ لوگ اطمینان سے چشمے پر طہارت کے لیے بیٹھ جاتے ہیں اور مقدونوی سپاہی پانی بھرنے کے لیے انتظار میں کھڑے رہتے ہیں۔ اگر کوئی نو بیتی لڑکی چشمے سے پانی بھر رہی ہو تو مقدونوی سپاہی کو اُس سے چھونے کی بھی ممانعت ہے۔ اگر کسی مقدونوی کو گھوڑے کی ضرورت ہو تو قیمت دیے بغیر مل نہیں سکتا۔ کوئی شخص چوری کا گھوڑا بھی لیے بیٹھا ہو تو اُس کی قیمت ادا کرنی پڑتی ہے۔ یہاں اچھے اور خالص سنہری سکوں کی افراط ہے لیکن اُن کی قدر کچھ نہیں۔ سکندر نے ایتھنز کے سکوں کو کاروبار کا معیار قرار دیا ہے۔ لیکن یہاں کے کاروباری آدمی ہمارے سنہری سکّے کو تولتے ہیں اور ایک سنہری سکّے کے معاوضے میں چاندی کے گیارہ سکّے نہیں دیتے۔

پارمینیو اور دوسرے افسروں پر یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ سکندر باشندوں کے کسی کام میں مداخلت کا خواہاں نہیں اور فوجیوں کو تربیت دے رہا ہے کہ ہر مداخلت سے باز رہیں۔ اُس نے دیسی باشندوں کے طور طریقے بدلنے کی کوئی کوشش نہیں کی۔ ممفس میں امن رع کی قربان گاہ پر اُسی طرح قربانی کی جس طرح پہلا بیل زیوس کی قربانی کرتا تھا۔ ممفس میں تاڑ کے جو درخت تھے انھیں بھی نہیں کٹوایا البتہ وہاں نیل پر پل بنا دیا اور ایک نیا عظیم الشان دار الحکومت سکندریہ کے نام سے ایسے مقام پر بنوایا جہاں ریت اور دلدل کے سوا کچھ نہ تھا اور ایک جزیرے میں روشنی کا نیا مینار کھڑا کرا دیا۔

قاصد اُس کے خیمے میں اسی طرح ہجوم کر کے آتے جس طرح عقاب شکار دیکھ کر گرتے ہیں۔ سکندر ہر ایک کی درخواست منظور کر لیتا۔ اُس نے تمام قیدی چھوڑ دیے اور انھیں غزّہ اور صور میں آباد کیا۔ اندرونِ ملک کے عرب قبائل نے ایک گورنر مقرر کر دینے کی درخواست کی تو اُس نے مشرقی علاقے کے ایک یونانی کو گورنر نامزد کر دیا اور اُسے تاکید کر دی کہ دیکھو ان کی رسموں میں کوئی تبدیلی نہ کرنا۔

واقعہ یہ ہے کہ سکندر نے ٹائر سے ممفس تک کسی بھی مقامی حکومت میں تغیر نہ کیا تھا

اگرچہ وہ نیل کی نہایت زرخیز اور دولت مند سرزمین کا فرعون سمجھا جاتا تھا لیکن اُس نے پورے ملک کو دو مصریوں کی تحویل میں دے دیا۔ البتہ دو مقدونوی افسروں اور ایک بحری کپتان کو اس غرض سے ساتھ لگا دیا کہ نظم و نسق میں مشورے دیں اور حفاظت کا انتظام کرتے رہیں۔ لیبیا میں اُس نے مالیات کا ایک افسر مقرر کر دیا۔

سکندر نے بحیرۂ روم کے حلقے میں جو طریقے اختیار کیے تھے اُن میں دور اندیشی اور تجربہ کار پارمینیو کو صرف ایک چیز نئی معلوم ہوئی یعنی اُس نے ہر جگہ خراج وصول کرنے کے لیے ایسے آدمی مقرر کیے جن پر فوج کا کوئی کنٹرول نہ تھا۔ جو معمولی رقمیں یہ لوگ وصول کرتے انھیں سڑکوں، پُلوں، ہسپتالوں وغیرہ یا آبی گھڑیوں کے لیے استعمال کیا جاتا۔ پورے ساحلی علاقے میں فوجی افسروں کو روپیے سے کوئی سروکار نہ تھا اگر انھیں روپے کی ضرورت ہوتی تو سارڈس کے خزانے سے منگاتے۔ پارمینیو کو اِس غیر معمولی طور طریقے سے اختلاف کی ضرورت نہ تھی لیکن اُس پر آشکارا ہو چکا تھا کہ سکندر اگر زیادہ دیر کے لیے ساحل چھوڑ کر کسی دوسرے مقام کی طرف گیا تو فتنہ پیدا ہو جائے گا۔ اُس کے سامنے ارسطو کا یہ زریں قول تھا کہ جنگ میں فتح پانے سے صلح کا انتظام بدرجہا زیادہ مشکل ہے۔ اگر صلح کا انتظام اچھے پیمانے پر نہ کیا گیا تو جنگ میں فتح کے ثمرات زائل ہو جائیں گے۔

لیکن سکندر نے بحیرہ روم کی نو مفتوح دنیا میں جو نظم و نسق جاری کیا تھا وہ کسی معلوم نظام یا حکمرانی کے طور طریقوں سے کوئی مشابہت نہ رکھتا تھا۔ پارمینیو جانتا تھا کہ ارسطو نظامِ حکومت کے تمام نمونوں کی ایک فہرست مرتب کر چکا ہے۔ اُن نمونوں کی کیفیت یہ تھی۔

۱۔ شہری ریاست: اِس میں تعلیم یافتہ شہری نمائندے نظامِ حکومت چلاتے ہیں

۲۔ جمہوریت: اِس کا نظامِ حکومت بے جائیداد عوام کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

۳۔ حکومتِ رؤسا: اس میں بہترین آدمیوں کی ایک مختصر سی جماعت کارِ بارِ حکومت چلاتی ہے۔

۴۔ حکومتِ امراء: اس میں نظامِ حکومت دولت مندوں اور ممتاز آدمیوں کے ایک چھوٹے سے گروہ کے ہاتھ میں ہوتا ہے۔

۵۔ ملوکیت: اس میں ایک حد درجہ جوہر قابل فرد حکومت کرتا ہے۔

۶۔ استبداد: ایک فرد کی حکومت جو فوجی قوت کے بل پہ کاروبار چلاتا ہے۔

پارمینیو کو سکندر کی حکومت مذکورہ بالا نمونوں میں سے کسی کے بھی مطابق نظر نہ آتی تھی۔ ارسطو کی یہ رائے بھی یاد تھی کہ سب سے بڑھ کر قابلِ عمل نظام وہ ہوتا ہے جو حکومت، امرا اور جمہوریت کے بین بین ہو۔ نیز ارسطو کے نزدیک مثالی حکومت قائم کرنے کی کوشش بالکل بے سود اور بے نتیجہ تھی۔ اس کا عقیدہ یہ تھا کہ خاص احوال و ظروف میں جو نظامِ حکومت چلایا جا سکے، اسے جاری کر دینا چاہیے۔ پھر اسے ذرائعین کے ذریعے سے نہیں بلکہ اجزائے ترکیبی کی اصلاح و درستی کے ذریعے سے بہتر بنانے کی سعی کرتے رہنا مناسب ہے۔ اس نظریے سے پارمینیو کو اتفاق تھا، مگر اس پر عمل اسے بہت مشکل نظر آتا تھا۔ اس کا خیال تھا کہ فیلقوس کبھی ایسا نہ کرتا۔ اس نے اہلِ مقدونیہ کے لیے زیادہ سے زیادہ فوائد حاصل کرنے کا اہتمام جاری رکھا، مثلاً چاندی کی کانیں۔ بندرگاہیں فوجی کنٹرول۔

پارمینیو کے نزدیک زیادہ مصیبت خیز اور ہراس انگیز امر یہ تھا کہ سکندر جس نظامِ حکومت کی بنیاد رکھ رہا تھا، اسے مندرجہ بالا نمونوں میں سے کسی ایک کا نام نہ دیا جا سکتا تھا اور یقیناً سکندر کی تمام سرگرمیاں بے مقصد و بے مدعا معلوم ہوتی تھیں۔ تین سال میں وہ اہلِ مقدونیہ کے نوجوانوں میں سے نصف کو وطن سے باہر لا چکا تھا۔ اس دوران میں اس نے خود کیا بھیجا؟ خطوط یا میدانِ جنگ میں کامیابی کے نشانات یا ایتھنی تھیٹر کے مصارف پورا کرنے کے لیے سونا۔ شرقی ساحل پر وہ سڑکیں اور جہاز سازی کی کارگاہیں بنا رہا تھا، شفاخانوں کے لیے دوائیں بہم پہنچا رہا تھا، آئندہ کے لیے تھیٹر، دل خزانوں اور درسگاہوں کے منصوبے تیار کر رہا تھا۔ وہ اجنبی لوگوں کے درمیان بیٹھ کر ان احوال و ظروف کی اصلاح و درستی میں لگا ہوا تھا، جو ان کی زندگیوں کی تشکیل کا باعث ہو سکتے تھے۔ وہ بحیرۂ روم کی پوری دنیا کے حالات بدل کر اُسے ایک خاص سانچے میں ڈھال رہا تھا۔۔۔۔

پارمینیو کے نزدیک اس میں عقل کا کوئی پہلو نہ تھا، بلکہ یہ سراسر مہمل سرگرمی تھی۔ یہ سرگرمی تو افلاطونی جمہوریت کا نظام جاری کرنے سے بھی زیادہ مہمل تھی، جس میں انسان علم حاصل کر کے

خیر و نیکی کو تقویت پہنچا سکتے تھے۔ پارمینیو کو تجربے کی بناء پر معلوم تھا کہ انسان زیادہ علم حاصل کر لیتے ہیں تو وہ خیر و نیکی کو تقویت نہیں پہنچاتے بلکہ ان میں برائیاں پرورش پانے لگتی ہیں۔ سکندر بھی اس حقیقت سے واقف تھا جس لائحہ عمل کے مطابق وہ کام کر رہا تھا اس کے بارے میں صحیح تصور قائم نہ کر سکنے سے پریشان ہو کر پارمینیو، سکندر کے پاس چلا گیا۔ ایسے مواقع پر اس کا عام دستور یہی تھا اس نے ایک محکم نکتہ سامنے رکھ لیا۔ جو سمجھ میں آ سکتا تھا اور جس پر بات چیت ہو سکتی تھی۔ جاتے ہی سکندر سے پوچھا کہ متحدہ جمعیت یونان کا شیرازہ تو اسی روز بکھر چکا تھا جس روز ہم نے درۂ دانیال کو عبور کیا تھا۔ پھر کیا وجہ ہے کہ آپ اب تک اس جمعیت کے سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت میں فرمانوں پر دستخط کر رہے ہیں؟

سکندر: اس لیے کہ رسمی طور پر میں اب تک سپہ سالارِ اعظم ہوں۔

پارمینیو: لیکن یونانیوں میں سے تو ایک فرد بھی پیش نہیں کیا جا سکتا۔ جسے نظریۂ اتحاد پر اعتقاد ہو۔ وہ تو ایسی کوئی بات آج تک زبان پر نہیں لائے بلکہ ان کے خطبوں میں شہری حقوق پر بار بار زور دیا جاتا ہے۔

سکندر: مجھے یہ سب کچھ معلوم ہے۔

پارمینیو: پھر حقیقت کو چھوڑ کر سراب کے پیچھے دوڑتے رہنے سے حاصل کیا ہے؟ فیلقوس نے حقائق سامنے رکھے تھے۔ وہ مقدونوی بادشاہی کو پورے یونان پر مسلط کر دینے کا خواہاں تھا۔ یونان صرف مقدونوی حکمرانی ہی کے ماتحت متحد رہ سکتا ہے۔

سکندر: یہ کام مختلف شہروں یعنی شہری ریاستوں کی آزادی کچلے بغیر پورا نہیں ہو سکتا اگر تم یونان کو متحد کرو گے تو شہری ریاستیں ختم ہو جائیں گی۔ شہری ریاستوں کی کمزوری یہ ہے کہ ان میں یونان کی حفاظت کے لیے پھیلاؤ کی گنجائش نہیں۔ یہ کام انھوں نے متحدہ جمعیتوں کے ذریعے سے انجام دینا چاہا اور جمعیتیں بن بن کر ٹوٹتی رہیں۔ اگر بیرونی حملے کی طرف سے حفاظت کا انتظام کر دیا جائے۔ تو شہری ریاستیں بہ اطمینان باقی رہ سکتی ہیں۔ مثال کے طور پر ایتھنز کو لے لو۔ ایتھنز اگر ایتھنز رہے اور متحدہ یونان کا ایک شہر بن جائے تو یہ امر بحد درجہ تکلیف و اذیت کا باعث ہوگا۔

پارمینیو: تکلیف و اذیت؟ تکلیف و اذیت کس کے لیے؟ آپ کے لیے جو فیلقوس کا محض سایہ ہیں؟

سکندر: ڈیماستھنیز کے لیے۔

پارمینیو نے سکندر کی ذہنیت کی اِس خطرناک سطح پر پہنچ جانے کے بعد مزید تحقیق اور چھان بین کا سلسلہ ختم کر دینے کا فیصلہ کر لیا، لیکن کہا:

"ڈیماستھنیز نے فیلقوس کے خلاف خطبوں کا سلسلہ اس لیے ترک کیا کہ سکندر اسے نفرت انگیزی کے لیے اچھا موضوع مل گیا ہے اگر آپ انفرادیت پسند بننا چاہتے ہیں تو ڈیماستھنیز کو آپ کا ساتھی بن جانے میں تامل نہ ہوگا۔"

سکندر نے اِس بات کا جواب نہ دیا تو پارمینیو نے تعریض کا طریقہ اختیار کرنے کی کوشش کی اور کہا:

"چند روز ہوئے آپ نے مجھ سے مشورہ کرنے کے بعد ایک حکم جاری کیا تھا کہ فوج کے جنگی بیڑے کا کماندار ایک سو جہازوں کے ساتھ یونان کے جنوبی سواحل کی طرف بڑھے اور سپارٹا کے ساحلی علاقے کا چکر لگائے۔ بظاہر یہ کرے کہ بحری قزاقوں کی دیکھ بھال میں مصروف ہے لیکن دراصل اسے معلوم کرنا چاہیے کہ آیا اہلِ سپارٹا اپنا بیڑا جمع کر رہے ہیں؟ وہ اب تک شاہنشاہ ایران سے وابستہ ہیں۔ میں نے سنا ہے آپ نے یہ حکم جمعیتہ متحدہ یونان کے سپہ سالارِ اعظم کی حیثیت میں جاری کیا تھا حالانکہ آپ سپہ سالار نہیں اور ابھی میرے سامنے اعتراف کر چکے ہیں کہ جمعیتہ متحدہ یونان نہ حقیقت میں موجود ہے اور نہ وجود پذیر ہو سکتی ہے۔ اِس حکم پر عمل کیوں نہ ہوا؟

سکندر: اِس لیے کہ اہلِ سپارٹا حماقت کی حد تک مغرور ہیں۔ اگر انھیں خیال ہو گیا کہ بیڑا اُن کے خلاف بھیجا گیا ہے تو ہتھیار باندھ کر ساحل پر آ کھڑے ہوں گے اور لا متناہی مدت تک وہیں ٹھہرے رہیں گے کیا آپ کے نزدیک اس کام کو انجام دینے کا کوئی بہتر طریقہ نہیں؟

پارمینیو نے یہی مناسب سمجھا کہ چھان بین ترک کر دے۔ اسے صاف معلوم ہو رہا تھا کہ سکندر کے سامنے عمل کا کوئی نقشہ نہیں اور سب کچھ ایک موقع سے دوسرے موقع کی طرف، ایک مہلت سے دوسری مہلت کی طرف بہے چلے جانے کے انداز میں ہو رہا ہے۔ جو کچھ خاص وقت پر مناسب معلوم ہوتا ہے۔ اس کے مطابق عمل کر لیا جاتا ہے۔ نیارکس جیسے آدمیوں کے لیے یہ صورتِ حال بڑی موزوں تھی۔ اِس لیے کہ وہ غور و فکر کا عادی نہ تھا لیکن بطلیموس ذی رائے

تھا۔ اس کا خیال تھا کہ سکندر اپنے آپ کو اس لیے تکلیفوں اور مشقتوں میں ڈال رہا ہے کہ شاید فیلقوس کے حادثۂ قتل کی تلافی ہو جائے۔ ہرقل کی پیروی میں ان کا کمانڈر اعظم (سکندر) بھی محنت و مشقت اٹھا رہا ہے یقیناً اس کی روش سے یہ ظاہر نہیں ہوتا کہ وہ اپنے آپ کو دیوتاؤں کی اولاد سمجھتا ہے مصیبت یہ ہے کہ اب وہ اپنے آپ کو کسی وجود کا کارندہ سمجھ رہا ہے لیکن کس کا؟ اس امر کا علم دیوتاؤں کے سوا کسی کو نہیں ہو سکتا سپاہیوں کے دل میں ایسا کوئی وسوسہ نہ تھا۔ وہ جب سکندر کو دیکھتے تو بے اختیار پکار اٹھتے۔ "اینالیوس، جنگی دیوتا۔"

بطلیموس بادل ناخواستہ ممفس سے رخصت ہوا۔ جب وہ سوار ہو کر نئے پل کو عبور کرنے لگا تو اس نے اپنے پیچھے اونچے اونچے مندروں کے میناروں اور اہرام کی چوٹیاں دیکھیں ممفس کو سکون کی حالت میں دیکھ کر اس پر یہ اثر ہوتا تھا کہ نہایت حسین و جمیل عورت محو خواب ہے ممفس میں اس نے تھائس کو بھی دیکھا۔ اس کا چہرہ معصوم دوشیزہ کا سا تھا۔ روحانیت مندر کی پجارن کی سی تھی اور ہنرمندی طوائف جیسی۔

موسم بہار کے آغاز میں حکم جاری ہو چکا تھا کہ یونانی فوج صور میں جمع ہو جائے۔ صور ہی میں سکندر، پارمینیو اور بہت سے دوسرے سالاروں کے درمیان پہلی مرتبہ تلخ کشمکش کی نوبت آئی۔ موسم سرما میں شاہنشاہ ایران نے صلح کی شرطیں پیش کر دی تھیں۔ وہ بالکل واضح تھیں اور بظاہر خلوص پر مبنی معلوم ہوتی تھیں۔ شرطیں یہ تھیں:

۱۔ میں اپنے اہل و عیال کے بدلے میں دس ہزار ٹیلنٹ کی رقم پیش کر دوں گا۔
۲۔ اپنی ایک بیٹی کو سکندر سے بیاہ کر باہم دوستی اور حلیفی کے رشتوں کو مستحکم کر دوں گا۔
۳۔ دریائے فرات سے یونانی سمندروں تک تمام علاقوں سے دست بردار ہو جاؤں گا۔

اس پر سکندر اور پارمینیو کے درمیان جو جھگڑا ہوا، اس کی کیفیت مؤرخوں نے مکالمے کی شکل میں یوں پیش کی ہے۔

پارمینیو: سکندر کی جگہ میں ہوتا تو ان شرطوں پر صلح قبول کر لیتا۔
سکندر: میں بھی قبول کر لیتا بشرطیکہ میں پارمینیو ہوتا۔

بہرحال یہ حقیقت ہے کہ ۳۳۱ق م کے موسم بہار میں جو یونانی مدبرین صور کے

اندر موجود تھے۔ ان کے درمیان رائے کا واضح اختلاف موجود تھا۔ قدامت پسندوں کا کہنا یہ تھا کہ فلپّوس ـــ نیز اسوکریٹیز ـــ نے جو خواب دیکھا تھا۔ وہ پورا ہو چکا ہے۔ بلکہ اس سے کچھ زیادہ کام انجام پا چکا ہے۔ بلقانی خطوں کو شامل کرتے ہوئے اہلِ مقدونیہ اپنی سلطنت کے ابتدائی حدود سے قریباً نو گنا زیادہ علاقے لے چکے تھے۔ اب وطن میں اتنے آدمی ہی نہ رہے تھے جنھیں میدانِ جنگ میں بلایا جا سکتا۔ ساحلی علاقہ ہر خطرے سے محفوظ تھا۔ اس لیے کہ اس کی پشت پر صحرا واقع تھا البتہ صرف شمال کا زرخیز خطہ اس حفاظت سے مستثنیٰ تھا جو دریائے فرات کے منبع سے قریب تھا انھیں بہت کچھ مل چکا تھا۔ اب مزید کے لیے خطرہ مول لینا کس بنا پر مناسب ہوتا؟

جو لوگ خطرات قبول کر رہے تھے اُن کا استدلال یہ تھا کہ جب تک ایرانی فوج اندرونِ ملک میں محفوظ ہے۔ اس وقت تک کسی بھی علاقے کو محفوظ نہ سمجھنا چاہیے۔ اس فوج کو شکست دے کر ختم کیے بغیر ساحلی علاقے کا تصرف محض ایرانیوں کی مرضی پر موقوف رہے گا۔ سکندر نے اس بارے میں جو کچھ کہا، وہ معلوم نہیں، جو کچھ کیا، وہ یہ ہے کہ فوج کو مشرق کی جانب کوچ کا حکم دے دیا۔ اس فیصلے سے مقدونوی معاملات میں تغیر پیدا ہوا۔ سکندر نے امرا اور کار دان جرنیلوں سے اپنی رائے بالجبر منوائی اور فوج نے اُس کے حکم کے مطابق کوچ شروع کر دیا۔

صور کی مجلسِ شوریٰ کے بعد پارمینیو کی روش میں بھی نمایاں تغیر پیدا ہو گیا۔ اب اس کا کام صرف یہ رہ گیا تھا کہ جو حکم ملتا اس کی تعمیل کر دیتا۔ مزید ایک سال گزرنے سے پیشتر ہی اسے ایک مرکز کی کمان سونپ دی گئی۔ اور سکندر کا انحصار صرف جواں سال مشیروں کی رائے پر رہ گیا، مثلاً ہفاسشن، بطلیموس، پرڈکاس، نیارکس۔

صور میں سکندر کو قطعاً اندازہ نہ تھا کہ مشرقی سمت میں اسے کس حد تک جانا پڑے گا اور فرات و بابل کے آگے کیا کچھ ہے۔ اس کے پاس ایسے نقشے بھی نہ تھے جن سے براعظم کے اس حصے کی وضع و ہیئت کا کوئی اندازہ کیا جا سکتا، جن علاقوں کو وہ پیچھے چھوڑ رہا تھا یونانی تاجروں اور آباد کاروں کو صرف انھیں کا علم تھا۔ دستاویزوں میں سے اس کے پاس یا تو ہیروڈوٹس کی کتاب تھی یا زینوفن کی کتاب یا ہیکاٹائیس کا نقشہ کرۂ ارض۔

جبل الشیخ کا چکر لگا کر وہ اندرونِ ملک گیا تو دمشق سے گزر کر شمال کی طرف مڑ گیا تاکہ اس

حاشیے کے ساتھ ساتھ چلے جہاں جانوروں کو چارہ مل سکتا تھا، نیز فوج وسطی شامی میدان کی گرمی سے محفوظ رہے۔ پل پہلے سے تیار کر لیے گئے تھے۔ ان کے ذریعے سے دریائے فرات کو عبور کیا۔ جہاں اس کا پانی بہت معمولی رفتار سے چل رہا تھا اور یہ جگہ منبع کے قریب ہی تھی۔ اب وہ اس شاہراہ پر پہنچ گیا جو سیدھی بابل جاتی تھی۔ فوج کے مختلف جیش الگ الگ جا رہے تھے۔ عبور دریا کے لیے انھیں پل پر جمع ہونا پڑا۔ وہاں سکندر کو اندازہ ہوا کہ فوج کی تعداد نئے رنگروٹوں کی آمد کے باعث کتنی بڑھ چکی ہے۔ باربرداری کی گاڑیاں بھی بہت زیادہ ہو چکی تھیں۔ اس لیے کہ انجینئروں نے بہت سی منجنیقیں بنالی تھیں اور کچھ عورتیں بھی ساتھ تھیں۔ ترجمانوں کے علاوہ صیدا سے جہاز ساز اور صنعت گر اور ممفس سے ریاضی دان بھی لے لیے گئے۔ کل تعداد شاید پینتیس ہزار سے کم نہ تھی اور طلایہ گر دستے فرات و دجلہ کے درمیانی علاقے میں مناسب راستوں کی دیکھ بھال کر رہے تھے۔

بارھواں باب

ملکۂ وحوش

شمالی حصے اُس میدان میں بھی موسم گرما کی حدت نے گھاس کو جلا ڈالا تھا۔ دیہات میں فصلیں کٹ رہی تھیں۔ دنوں تک فوج اُس زمین پر سے گزرتی رہی جس کی سطح سمندر کے برابر تھی۔ شدید گرمی اور خشک ہوا میں وہ آگے بڑھتی رہی۔ ہوا چلتی تو افق پر گرد و غبار سا رقص کرتا ہوا دکھائی دیتا۔ پھر پانی کی سفید لہریں نمودار ہوتیں، لیکن فوج قریب پہنچتی تو لہریں غائب ہو جاتیں۔ حقیقت میں یہ سراب کے جلوے تھے لیکن فوج بڑھتی گئی۔

یونانی مؤرخ کہتے ہیں کہ اس مقام پر فوج نے نئے دیوتا کے لیے قربانی کی۔ یہ خوف و دہشت کا دیوتا تھا۔ فوجیوں نے دو سال پیشتر ساحل کے ساتھ ساتھ اُس شاہراہ پر چلنا شروع کیا تھا جس پر جا بجا قدیم شہر آباد تھے۔ اُن کے دل پر خوف و ہراس کا کوئی اثر نہ تھا لیکن یہاں وہ مردہ گھاس کا سمندر عبور کر رہے تھے۔ اور اُس مقام کی طرف جا رہے تھے جس کے طبعی کار فرماؤں کے بارے میں اُنھیں کچھ علم نہ تھا۔ نئے یونانی رنگروٹوں میں سے بعض نے شکوہ شروع کر دیا۔ وہ کہتے تھے۔ اس طرف آنے میں ہمارے کماندار کا مدعا کیا ہے؟ وہ کیا چاہتا ہے؟ اس شخص نے اپنا وطن چھوڑا اور اپنے باپ سے پدری رشتے کا انکار کر دیا، لیکن جو مقدونوی سپاہی مدت سے جنگی کام انجام دے رہے تھے۔ انھوں نے نئے رنگروٹوں کا مذاق اڑانا شروع کیا۔ ہمیں سکندر کا نصب العین معلوم ہے۔ وہ خزانہ حاصل کرنا اور جنگ ختم کر دینا چاہتا ہے۔

بہر حال اس حقیقت سے انکار نہیں ہو سکتا کہ جس زمین میں وہ اب جا رہے تھے وہ بالکل نئے قسم کی تھی۔ ایسا میدان پہلے کسی یونانی نے نہ دیکھا تھا۔ طلایہ گرد دستے آگے بڑھ کر حالات معلوم کر رہے تھے لیکن کوئی بھی ٹھیک نہ بتا سکتا تھا کہ فوج کو کن حالات سے سابقہ پڑنے والا ہے۔ دریائے فرات کے ساتھ ساتھ چند ایرانی سوار نظر آئے انھیں قید کر لیا گیا۔ قیدیوں

نے بتایا کہ ایشیائی فوج اس سے اگلے دریا کے پار کسی مقام پر جمع ہو رہی ہے۔ قیدیوں نے جو کہانیاں سنائیں اُن سے سال خوردہ سپاہیوں نے اندازہ کر لیا کہ اب جو فوج مقابلے کے لیے جمع ہو رہی ہے وہ اسّوس والی فوج سے بدرجہا بڑی ہوگی۔ اس امر نے اُن میں تشویش پیدا کر دی۔ وہ حیران تھے کہ سکندر اس مسطح میدان میں سواروں کے بہت بڑے ہجوم سے کیوں کر مقابلہ کر سکے گا؟ ابھی تک اُن کے دل میں خوف پیدا نہ ہوا تھا لیکن تعجب ضرور پیدا ہو چکا تھا۔

دریائے فرات کو عبور کرنے کے بعد دریا کی طرف پیش قدمی کا رُخ ٹھیک مشرقی جانب ہونا چاہیے تھا لیکن سکندر فوج کو شمال مشرقی جانب لے گیا، جہاں زمین کا رنگ پھر سرخ ہو گیا۔ اس سے پیشتر جو دیہات ملے تھے اُن کے مکانوں کی چھتیں مسطح تھیں۔ لیکن اب پھر ایسے مکان نظر آنے لگے جو اگرچہ مٹی کے بنے ہوئے تھے۔ لیکن ان کی چھتیں شہد کے چھتوں کی طرح مخروطی تھیں۔ اسی طرح فوج دوبارہ پہاڑ پر پہنچ گئی۔ اور راستہ بلندی پر چلی گئی جہاں پہاڑوں کے دامن میں دیو دار کے درخت کھڑے تھے۔ جگہ جگہ چٹانوں میں سے ندی نالے بہہ رہے تھے۔ یہاں ہوا ٹھنڈی ہو گئی۔ پانی بلندیوں سے نشیب کی طرف تیزی کے ساتھ گرتا تھا۔ اور سپاہیوں کو یقین تھا کہ ان پہاڑوں میں کسی دشمن سے سابقہ نہ پڑے گا لہٰذا وہ اطمینان سے کوچ کر رہے تھے۔ بعض سال خوردہ سپاہیوں نے اندازہ کر لیا کہ وہ دوبارہ گارڈیم کی سطح مرتفع پر پہنچ گئے ہیں۔ چنانچہ انھوں نے اپنے ساتھیوں سے وہاں کے پہاڑوں کا تذکرہ بھی چھیڑ دیا۔ ان پہاڑوں پر پہنچ جانا اُن کے لیے بڑی تسلی کا باعث ہوا۔ جب انھوں نے ایک تیز رو دریا کو عبور کیا جس کا پانی گدلا تھا تو وہ اور بھی مطمئن ہو گئے۔ سرداروں نے انھیں بتا دیا کہ یہ دریائے دجلہ کا وہ مقام ہے جس کے قریب اس کا منبع واقع ہے۔ بہرحال فوج نے دریائے دجلہ کو عبور کیا۔ یہ دوآبۂ عراق کا دوسرا دریا تھا۔ لیکن ایشیائی فوج انھیں کہیں نظر نہ آئی۔ عین عبورِ دریا کے وقت چاند گرہن کے باعث بالکل سیاہ ہو گیا۔ یہ اس امر کا نشان تھا کہ بہت نازک صورتِ حال سے سابقہ پڑنے والا ہے۔ انجینیروں میں نجومی بھی تھے۔ اُن کے نزدیک چاند کے سیاہ ہو جانے کا مطلب یہ تھا کہ عالمِ اسفل کی ملکہ نمودار ہونے والی ہے۔ اسٹرٹی اس کا نام ہے اور دو دریاؤں کی درمیانی زمین پر اُسے بڑا اقتدار حاصل ہے۔ تین دنیاؤں کے وحوش اُس کے خدمت گزار ہیں۔ اوّل

آسمان کی دنیا دوم زمین کی دنیا سوم عالمِ اسفل' ——— ممکن ہے وہ کسی دیو ہیکر جانور، یا شیر یا بہت بڑے اژدھے پر سوار ہو کر آجائے ——— بہر حال اُس کی نمود مصیبت کا سامان ہوگی۔ یہ فونیقی جو اپنی بندرگاہوں سے دُور آگئے تھے۔ اُس ملکہ کے نمودار ہونے سے بہت ڈر رہے تھے۔

دریائے دجلہ کو بہ حفاظت عبور کر لیا گیا۔ تھوڑی دیر تک فوج کے تمام دستے دریا کے ساتھ ساتھ اکٹھے جنوب کی طرف چلتے رہے۔ پھر دریا کا کنارا چھوڑ کر کھلی وادی میں چلنے لگے۔ جہاں بادلوں اور گرد نے اردگرد کی بلندیوں کو چھپا رکھا تھا۔ وہ بادلوں کی بھی سطح سے نیچے اُتر آئے۔ تو سیاہی مائل بھینسے ملے جنھیں صرف بے عزر اور قوی ہونے کے لحاظ سے بیلوں کے ساتھ مشابہت تھی۔ ممکن ہے سرسئی[1] نے یا اس ملکہ وحوش نے بیلوں کی شکل بدل کر بھینسے بنا دیے ہوں۔ نیچے سیاہی مائل میدان نظر آیا۔ جو طلایہ گرد سوار اُس کا چکر لگا کر آئے انھوں نے نئے عجائبات کی کہانیاں سنائیں۔ طلایہ گرد سواروں کو پتھر کے بہت بڑے بڑے وحوش ملے جن کے پر اور سُم تھے۔ البتہ سر بادشاہوں کے سے تھے۔ یہ پہرے دار دیو ہیکر ایک خالی شہر کے دروازے کے دونوں جانب کھڑے تھے۔ وہاں مسلح جوان اور خواجہ سرا بھی کھڑے نظر آئے، لیکن اُن میں جان نہ تھی۔ اُن کے کچھ حصّے دیواروں سے باہر نکلے ہوئے تھے اور سب کے چہروں سے نمایاں ہو رہا تھا کہ کسی کا انتظار کر رہے ہیں۔

طلایہ گرد سواروں نے ایک پختہ نہر دیکھی جو بالکل خشک تھی۔ یہ ایک سنگ بست راستے پر بنی ہوئی تھی۔ اور پہاڑوں میں غائب ہو جاتی تھی۔ اگلے روز فوج ایک ٹیلے کے پاس سے گزری۔ جس پر دیو ہیکر بادشاہوں یا دیوتاؤں کی تصویریں کھدی ہوئی تھیں۔ تجربہ کار فونیقیوں نے ایسی کندہ تصویروں پر چنداں توجہ نہ کی۔ محض یہ کہہ کر معاملہ ختم کر دیا کہ یہ اشوری بادشاہ اور دیوتا ہیں۔ مدت ہوئی مر چکے ہیں۔ اب نہ کسی کو نقصان پہنچا سکتے ہیں اور نہ کسی کی مدد کر سکتے ہیں۔

جب طلایہ گرد سواروں کو نیچے میدان میں پہلا اجنبی رسالہ نظر آیا تو فوراً سوار بھیجے گئے۔ کہ

---

[1] CIRCE یونانی افسانوں کی ایک ساحرہ جس نے اوڈیسس کے ساتھیوں کو تبدیلِ ہیئت سے سؤر بنا دیا تھا

اس کے متعلق خبر لائیں۔ جو قیدی پکڑے گئے اُن سے معلوم ہوا کہ شاہنشاہ ایران کی فوج اُس مقام پر جمع ہے۔ جہاں پہاڑ کے دامن سے ملا ہوا کھلا میدان شروع ہوتا ہے۔ اس میں شہنشاہ کی محافظ فوج بھی ہے اور نیزہ بردار بھی جنھیں غیر فانی کا لقب دے دیا گیا ہے۔ مسلح رسالے بھی ہیں، تیر انداز سوار بھی۔ جو اندرون ملک سے آئے ہیں یعنی سستھی اور باختری — فوج میں سوار زیادہ ہیں اور پیادے کم۔[1]

اب سکندر کو سواروں کی ایک بہت بڑی قوت سے کھلے میدان میں مقابلہ درپیش تھا وہ تین روز تک پہاڑوں کے آخری حصے میں ٹھہرا رہا مقصد یہ تھا کہ فوج کو سستانے کا موقع مل جائے۔ ممکن ہے یہ اُمید بھی ہو کہ شاید ایرانی فوج بلندی پر چڑھ کر حملہ کرے۔ پھر اُس نے رات کی تاریکی میں کوچ کا حکم دے دیا اور تیزی سے چلاتے ہوئے طلوع آفتاب کے وقت پوری فوج کو اُس ٹیلے پر لے آیا جہاں سے دشمن کے لشکر کا ایک ایک حصہ نظر آ رہا تھا۔ مقدونویوں کو اُمید تھی کہ معاً فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کر دیا جائے گا تاکہ صف بندی کر کے جلد حملہ کر دیا جائے لیکن سکندر نے سب کو ٹھہرنے کا حکم دے دیا۔ صف بندی ہو چکی اور سب آرام کرنے لگے۔ انجینئروں نے فوج کے پیچھے کیمپ کا بندوبست کر لیا جسے چاروں طرف سے مورچوں کے ذریعے سے مستحکم کر لیا گیا تھا۔ افسر دن بھر موقع اور محل نیز فوج غنیم کی ترتیب کا معائنہ کرتے رہے۔ واقعہ یہ ہے کہ اب تک کسی مقدونوی نے سواروں کا اتنا بڑا ہجوم نہ دیکھا تھا جو اب اُن کے مقابلے پر گاگامیلہ[2] کے گاؤں کے پاس جمع تھا۔

---

[1] سمتھ نے تاریخ یونان میں بتایا ہے کہ ایران کی پیادہ فوج دس لاکھ تھی اور سوار چالیس ہزار۔ اس کے مقابلے پر مقدونوی فوج میں چالیس ہزار پیادے تھے اور سات ہزار سوار (صفحہ ۱۹۷) اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا نے مقدونوی فوج کی تعداد ۴۷ ہزار ہی بتائی ہے (چالیس ہزار پیادے سات ہزار سوار) اور ایرانی فوج کی تعداد اس سے کم از کم پانچ گنا قرار دی ہے (جلد ۱، صفحہ ۴۷) بہرحال یہ بیان صحیح معلوم نہیں ہوتا کہ ایرانی فوج میں سواروں کی تعداد پیادوں سے زیادہ تھی۔

[2] GAUGAMELA یا اربیل یا اربلہ (بتلفظ قدیم) سے آگے ایک گاؤں ہے جس کے لفظی معنی سمتھ نے "مکانِ شتر" بتائے ہیں۔ سمتھ کے نزدیک گاگامیلہ اربلہ سے بیس میل کے فاصلے پر تھا اور انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے نزدیک ۲۳ میل۔ خود مصنف کتاب نے آگے چل کر فاصلہ ساٹھ میل بتایا ہے۔ میرے نزدیک انسائیکلوپیڈیا کا بیان زیادہ قابلِ اعتماد ہے۔

کوچ کے دوران میں اہلِ مقدونیہ پر جو خوف طاری ہوا تھا وہ اُس دن بہت بڑھ گیا اور شام کے وقت اُس میں ادراضافہ ہو گیا۔ اس لیے کہ رات کی تاریکی میں انھیں اپنے سامنے مشعلوں اور الاؤ کی بہت لمبی قطار نظر آرہی تھی جس سے غیر مشتبہ طور پر واضح ہوتا تھا کہ تعداد بہت زیادہ ہے جب رو بہ زوال چاند طلوع ہوا اور زمین پر سائے پھیلے ہوئے نظر آئے، ہوا کی لہریں جھاڑیوں کو جنبش میں لے آئیں تو پہرے داروں کو محسوس ہونے لگا۔ کہ زمین پر دشمن قوتیں متحرک ہو رہی ہیں۔ رات اُن کے لیے وحشت کا سامان بن گئی۔ افسر بھی سہمے ہوئے تھے اور انھوں نے دفاعی تدبیریں اختیار کر لیں۔ کیمپ کے اردگرد مزید استحکامات کر لیے گئے لیکن ظاہر ہے کہ اگر مقدونوی فوج کی ترتیب میں خلل پڑتا تو کیمپ کے استحکامات قطعاً اُسے کوئی فائدہ نہ پہنچا سکتے۔ یہ خطرہ موجود تھا کہ غنیم کی فوج کہیں چکر لگا کر مقدونوی فوج کو نرغے میں نہ لے لے۔ اس سے بچاؤ کے لیے افسروں نے انتظامات کر لیے۔ چنانچہ پیادہ فوج کے عقبی حصے کو حکم دے دیا گیا کہ وہ ایسی ترتیب میں کھڑی ہو جس میں رُخ پھیر کر کامیاب مقابلہ کیا جا سکے۔

پارمینیو اور دوسرے بڑے افسروں کے قلوب بھی خوفزدہ تھے۔ انھوں نے اصرار کیا کہ فوج کو حرکت کا حکم دیا جائے اور رات کی تاریکی میں دشمن پر حملہ کر دیا جائے۔ اُن کی دلیل یہ تھی کہ سواروں کے مقابلے میں پیادہ فوج رات کی تاریکی میں بے تکلف حملہ کر دے گی۔ ممکن ہے اس چال سے مقدونوی فوج کے لیے کامیابی کے مواقع بڑھ جائیں۔ اور اُس بے درد ہجوم سے نجات مل جائے جو ہمیں تباہ کر دینے کے لیے تیار کھڑا ہے لیکن سکندر نے شبخون کا حکم دینے سے انکار کر دیا۔ اُس نے کہا کہ رات کی نقل و حرکت پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ دشمن کے کیمپ میں مشعلیں جل رہی ہیں۔ اُس کی روشنی ہمارے آدمیوں کی آنکھوں کے سامنے ہو گی۔ جب اس پر واضح ہو گیا کہ ایرانی فوج جنگی ترتیب میں کھڑی ہے اور جا بجا مشعلیں جل رہی ہیں تو اُس نے افسروں کو حکم دے دیا کہ آرام و استراحت کا جتنا موقع ہے اُس سے فائدہ اُٹھایا جائے۔ یہ بھی بتا دیا کہ اگلے دن جو جنگ ہو گی وہ آخری جنگ ہو گی اُسی دن فیصلہ ہو جائے گا کہ ایشیا پر مقدونوی حکمران ہوں گے یا ایرانی رہیں گے۔ افسروں کو یہ بھی تاکید کر دی کہ ہر حکم کی تعمیل فوراً کر دینے کا خاص خیال رکھا جائے ذرا سی تاخیر بھی شدید خطرات کا باعث ہو گی۔

سکندر کو محسوس ہو رہا تھا کہ اُس کے گرد و پیش خوف موجود ہے جو رات کی تاریکی میں انسانی قلوب کی طرف بڑھتا چلا آرہا ہے اور اس کا دباؤ واضح طور پر محسوس ہو رہا تھا لیکن اُس نے کوئی ایسی حرکت نہ کی جس سے تشویش ظاہر ہو۔ افسر آئندہ لڑائی کے متعلق بحث کر رہے تھے۔ سکندر اطمینان کے ساتھ اپنے چھوٹے سے خیمے میں پہنچا اور بے فکر سو گیا۔ جن لوگوں کو رات بھر نیند نہ آئی تھی۔ وہ صبح کی روشنی نمودار ہوتے ہی اُس کے خیمے کے پاس جمع ہو گئے لیکن سکندر مزے سے سو رہا تھا۔ پارمینیو بھی آ پہنچا تو سکندر بدستور سویا ہوا تھا۔ معلوم ہوتا ہے اُس نے معمول سے زیادہ نیند لے لی تھی۔ جب سورج کی کرنیں مشرقی جانب سے پہاڑوں کی چوٹیوں پر نمودار ہوئیں تو پارمینیو نے حکم دے دیا کہ سپاہی کھانا کھا لیں۔ پہاڑیوں کے نیچے اُس نے گرد و غبار کا پردہ دیکھا اور خود اندر جا کر سکندر کو جگایا۔ اس سلسلے میں دو مرتبہ اُس کا نام لیا۔ اُس نے گرد و پیش پر نظر ڈالی۔ ہلکی نمدے کی صدری پہنی جو اتفاق سے اُس کے ہاتھ آئی تھی۔ چلا۔ کیے ہوئے لوہے کی پتلی چادر کا ہلکا سا خود سر پہ رکھا۔

سیاہ جنگی گھوڑا بیوسی فالس خیمے کے دروازے پر موجود تھا لیکن آدمیوں نے دیکھا کہ سکندر اُس کے بجائے دوسرے گھوڑے پر سوار ہوا اگرچہ وہ لڑائیوں میں ہمیشہ بیوسی فالس [illegible] ہی پر سوار ہوتا تھا۔ لوگوں کو ایسا معلوم ہوا کہ وہ لڑائی کو ٹالنا چاہتا ہے۔ اگرچہ گزشتہ موسم بہار اور موسم سرما کے دوران میں اس کے لیے تمام ممکن تیاریاں ہوتی رہی تھیں۔ مقدونوی یقیناً ڈرے ہوئے تھے۔ اور فوج جب اپنی اور دشمن کی درمیانی زمین میں بڑھتی ہے تو یقیناً ہر آدمی پر یہ خوف طاری ہوتا ہے کہ شاید وہ مارا جائے یا ہڈی پسلی ٹوٹ جائے یا اُس کی بینائی ضائع ہو جائے۔ فوجی اس لیے آگے بڑھتے ہیں کہ بڑھنے کا حکم دے دیا جاتا ہے اور ہر لڑائی میں آگے بڑھنا اُن کا کام ہے۔ جب مدمقابل آگے بڑھ رہا ہو تو پیچھے ہٹنے کا کسی کو خیال بھی نہیں آسکتا۔ جیسے جیسے درمیانی فاصلہ گھٹتا جاتا ہے۔ خوف زائل ہو جاتا ہے یہاں تک کہ دل قوت پا کر فوجیوں کو حرب و قتال پر آمادہ کرتا ہے اور وہ خطرے سے بالکل بے پروا ہو جاتے ہیں۔

کچھ دیر گزر گئی تو سکندر بیوسی فالس پر سوار ہو کر بھاری ہتھیاروں والی رجمنٹ کے ساتھ آگے بڑھا۔ اُس کا دستور یہی تھا اور رسالہ بھی اسی مقصد کے لیے تربیت پا چکا تھا۔ اُن کے سامنے

جو بے پناہ ہجوم کھڑا تھا اُس میں کوئی خلا پیدا نہ ہوا تھا۔ دو مرتبہ سکندر کے پاس پیغام پہنچا کہ کمک بھیجی جائے۔ دشمن مقدونوی صفوں کو توڑتا ہوا اُلجھی کیمپ کے پاس جا پہنچا تھا۔ سکندر کی فوج کا بایاں بازو ٹوٹ چکا تھا اور پارمینیو نے ذاتی طور پر کمک کی التجائیں کی تھیں۔ رسالۂ خاص منتشر کھڑا رہا۔ چند قدم آگے بڑھا، پھر ٹھہر گیا۔ فوج کے جو یونٹ ان کے دائیں جانب تھے وہ نرغے میں آ گئے۔ بری طرح جھنجھوڑے گئے اور انھیں اٹھا کر پیچھے پھینک دیا گیا۔ رسالۂ خاص اس کے سوا کچھ نہ کر سکتا تھا کہ اُس وقت کا انتظار کرے جب پلٹنوں والے مقدونوی سپاہی جنگی ترتیب میں قدم بقدم آگے بڑھیں اور اُن کا سب سے اگلا حصّہ دشمن کے ہجوم میں پہنچ جائے۔ اگریانی سوار اور تھریس کے سوار خانے کے دوسرے حصّے کو آگے لے گئے۔ یکایک انھوں نے کیا دیکھا کہ سامنے انسانوں کا جو سمندر موجزن تھا اُس میں حرکت پیدا ہوئی۔ سواروں کا ایک گروہ اپنی جگہ سے چلا اور اُس نے چکر کھا کر دائیں جانب کا رُخ کیا۔ یوں ایک خلا پیدا ہو گیا تو رسالۂ خاص نے بجلی کی تیزی سے حملہ کر دیا۔ یہ لوگ ایرانی سواروں کی خالی کی ہوئی جگہ میں جا پہنچے اور اُس پاس کی فوج کے بیچ میں سے گزرتے ہوئے عقب پر حملہ آور ہوئے جہاں بادشاہ کی خاص گارڈ اور غیر یونانی نیزہ بردار کھڑے تھے۔ اس تیز حملے نے گارڈ کو درہم برہم کر ڈالا۔

ساتھ ہی شاہنشاہ دارا کے دل پر بے اندازہ خوف طاری ہو گیا۔ وہ یقیناً بزدل تھا۔ اپنے جنگی رتھ میں بیٹھا ہوا یونانی حملہ آوروں کے راستے میں جما نہ رہ سکا۔ یوں وہ دوسری دفعہ میدانِ جنگ سے بھاگا اور یونانی سواروں سے بچتا ہوا نکل گیا۔ شروع میں اُس کے فرار نے فوج کے بڑے حصّے کی ترتیب پر کچھ زیادہ اثر نہ ڈالا۔ البتہ جو آدمی اس کی گارد میں شامل تھے وہ تتر بتر ہو گئے۔ اس کا اثر فوج کے قلب تک جا پہنچا۔

وہ فوج اس لیے گاگامیلا میں جمع ہوئی تھی کہ شاہنشاہ کا حکم یہی تھا۔ اُس کے بعض حصّے بابل سے آئے تھے، بعض کردستان اور آرمینیا کے پہاڑوں سے اور بعض باختر، سُغد اور سیتھیا سے اس لیے کہ شاہنشاہ نے تمام صوبوں کے عاملوں کے نام یہی حکم بھیجا تھا۔ ارمنوں اور کُردوں کے سوا یہ مختلف جنگی گروہ پہلی مرتبہ ایک میدان میں جمع ہوئے تھے۔ اُن کے دل میں اجنبی مقدونویوں کے خلاف نہ نفرت کا کوئی خاص جذبہ موجزن تھا اور نہ وہ اُن کی مزاحمت

ضروری سمجھتے تھے۔ وہ صرف اپنے افسروں کے ساتھ اُدھر آ گئے تھے۔ جب سلطنت ایران کی فوج کے ایک ایک حصے میں دارا کے فرار کی خبر پہنچ گئی تو پوری فوج کو اکٹھا رکھنے کا کوئی مرکزی سلسلہ باقی نہ رہا۔ چنانچہ پوری فوج درہم برہم ہو گئی اور ہر افسر اپنے آدمیوں کو خطرے کے مقام سے باہر لے گیا۔ نہیں کہا جا سکتا کہ اس فوج کو شکست ہوئی۔ کہنا چاہیے کہ فوج باقی ہی نہ رہی۔

سکندر نے جب غنیم کی فوج میں شکست کے آثار دیکھے تو وہ اپنے رسالے کے ساتھ پارمینیو کے پاس پہنچ گیا جس کی فوج خاصی تکلیفیں اُٹھا چکی تھی۔ وہاں اُس نے تھسلی کے سواروں کو کمک پہنچائی جو زبردست عزبیں لگ جانے کے باوجود اپنی جگہ جمے کھڑے تھے۔ اُس وقت تک ایرانی لشکر نے میدان چھوڑنا شروع کر دیا تھا۔ چونکہ وہ لوگ سوار تھے اس لیے جلد سے جلد رخصت ہو گئے۔

گاگامیلہ کی یہ لڑائی جسے مدت تک اربیلہ کی لڑائی کہا جاتا رہا رومی مورخوں نے بڑی تفصیل سے بیان کی ہے لیکن یہ تفصیل اصل واقع کے بہت دیر بعد معرض ترتیب میں آئی رُومی مورخ کہتے ہیں کہ اس لڑائی میں کم تعداد والی فوج نے جو زیادہ تر پیادوں پر مشتمل تھی۔ بہت بڑی تعداد والی فوج پر جس میں سوار زیادہ تھے کھلے میدان میں حملہ کیا اور فتح پائی۔ اِس لحاظ سے گاگامیلہ کی لڑائی کو مثالی حیثیت حاصل ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ یہ سب کچھ مقدونی فوج کی اعلیٰ تنظیم اور سکندر کی فقید المثال قیادت کا کرشمہ تھا لیکن وہ اِس خوف کا قطعاً تذکرہ نہیں کرتے جو مقدونیوں کو ایرانی لشکر کی طرف کشاں کشاں لے گیا حالانکہ جنگ کے آغاز میں اُن پر بہت کم ہراس طاری تھا۔ مقدونی فوج گاگامیلہ سے پیچھے نہ ہٹ سکتی تھی۔ اِس کے لیے صرف ایک راستہ تھا کہ بکھر جاتی، اور یہ مقابل کے سواروں سے بہت دور ہو جاتی۔ اِسی طرح وہ بچ سکتی تھی۔ اُس کے برعکس

ے بعد میں چار رومی فوجوں نے مختلف اوقات میں شام کے میدانی علاقے میں ایرانی سواروں کے خلاف ناکام جنگ کرنے کی بے سود کوشش کے موقعے پیش کیے۔ مارک اینٹونی (جس کا نام قلوپطرہ کے ساتھ وابستہ ہے) اپنی فوج کے ایک حصے کو بچانے کے لیے پہاڑوں میں چلا گیا۔ ایک رومی فوج کرونی کے میدان میں تباہ ہوئی جہاں تین رومی حاکموں میں سے ایک یعنی کریسس مارا گیا۔ یہ لڑائی گاگامیلہ کے مقابلے میں ساحل سے قریب تر پیش آئی تھی۔ ایک اور رومی فوج ایڈیسہ کے قریب تباہ ہوئی اور رومی شاہنشاہ ویلیرین دشمن کے ہاتھ گرفتار

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۹ پر)

ایرانی سوار چنداں نقصان اٹھائے بغیر پیچھے ہٹ سکتے تھے۔ اہلِ مقدونیہ کے لیے دشمن کی صفوں کو بہت بُری طرح اور کاملاً توڑے بغیر چارہ ہی نہ تھا۔ خوف نے اُن کے اتحاد، نظم و نسق اور ترتیب میں زیادہ قوت پیدا کر دی۔ سکندر کی شخصیت کے محرک جذبے نے اس قوت میں اضافہ کر دیا۔ ایک رومی نے بعد کے دور میں اپنے سپاہیوں کے متعلق کہا تھا کہ جب اُن پر ہراس طاری ہو تو اُن سے بہت زیادہ ڈرنا چاہیے۔ یہی قول مقدونوی فوج پر بھی صادق آتا تھا۔

اُس روز مقدونیوں کے ہاتھ نہایت عجیب اور حد درجہ قیمتی مالِ غنیمت آیا، جس میں بکتر بند ہاتھی بھی تھے اور سینکڑوں جنگی رتھ بھی جن کے پہیوں کے ساتھ تیز تلواروں کے پھل لگے ہوئے تھے، وہ برچھیاں بھی تھیں جن پر سونے کا ملمع پھرا ہوا تھا۔ بہت سے قیدی ہاتھ آئے۔ ان میں پہاڑی لوگ بھی تھے، جو عجیب و غریب زبان بولتے تھے یعنی آرمن —— اور اعلیٰ درجے کے سوار بھی تھے جنھوں نے ڈھیلے پاجامے اور طرّے دار پگڑیاں باندھ رکھی تھیں یعنی کُرد۔

جب پارمینیو کی فوج غنیم کے دباؤ سے محفوظ ہو گئی تو سکندر نے اُن سواروں کو جمع کیا جنھیں جنگ میں زیادہ مشقت نہ اُٹھانی پڑی تھی اور وہ غنیم کے تعاقب میں انتہائی تیزی سے جنوبی شاہراہ پر روانہ ہو گیا۔ اُسے معلوم تھا کہ بڑے بڑے شہر اسی حصّے میں واقع ہیں اور یہ شبہ بھی تھا کہ دارا بھاگ کر اسی سمت گیا ہے۔ چند گھنٹے بعد پارمینیو بھی پوری فوج کے ساتھ سکندر کے پیچھے پیچھے روانہ ہو گیا۔ اُس نے صرف اِس لیے توقف کیا کہ زخمیوں کو گاڑیوں پر سوار کرا لے، نیز قیمتی مالِ غنیمت یعنی اسلحہ اور سونا ساتھ لے لے۔ اِس فتح کی یادگار میں کوئی جشن نہ منایا گیا۔ تاخیر کا موقع ہی نہ تھا۔ آفتاب غروب ہو گیا تو سکندر نے ایک ندی کے کنارے ٹھہر جانے کا حکم دیا، پانچ گھنٹے تک اپنے سپاہیوں کو آرام کا موقع دے دیا، پھر تعاقب میں چل پڑا۔ چالیس گھنٹے میں

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۳۸)

ہو گیا۔ چوتھی رومی فوج کا سالار شاہنشاہ جولیس، مدائن تک پہنچ گیا، پھر دجلہ کے ساتھ ساتھ مراجعت کرتے ہوئے اُس نے سخت تکلیفیں اٹھائیں۔ وہ راستے میں مر گیا اور اس کی فوج کا ایک بازو بالکل غائب ہو گیا۔ زینوفن اسی وادی سے سمندر کی طرف واپس ہوا تو اسے کسی مقام پر قابلِ ذکر فوج سے لڑنے کا موقع پیش نہ آیا اور جب تنخواہ دار یونانی تکلیفوں اور مصیبتوں میں سے گزرتے ہوئے سمندر کے سامنے پہنچے تو اتنی خوشی ہوئی کہ اُن کے آنسو نکل پڑے۔

ساٹھ میل کا فاصلہ طے کر کے وہ اربیل کے پہاڑی قلعے میں پہنچ گیا جو ایک پہاڑی پر واقع تھا۔ اس بلندی سے اُسے دور دور تک میدان نظر آ رہا تھا۔ کہیں کہیں گرد و غبار کے طوفان اُٹھ رہے تھے جو اس امر کی شہادت دے رہے تھے کہ دارا کی فوج کے مختلف حصّے بھاگے چلے جا رہے ہیں۔ بظاہر وہ جنوب اور مشرق کی سمت میں پہاڑوں کے اندر پناہ گزیں ہو رہے تھے۔

اربیل میں بھی اُسے دارا کا سنہری رتھ اور سنہری ترکش ملا۔ اُسے معلوم ہو گیا کہ دارا باختری سواروں، تنخواہ دار یونانی فوجیوں اور اپنے خاص نیزہ برداروں کے ساتھ ایک پہاڑی راستے سے مشرقی سمت چلا گیا۔ سکندر اِن پہاڑوں میں اُس کا تعاقب جاری نہ رکھ سکتا تھا۔

اربل پہنچ کر سکندر کو اُس عجیب و غریب اور پریشان کُن صورتِ حال کا اندازہ ہوا جو مشرقی عراق کے میدانی علاقے میں داخلے سے اُسے پیش آ گئی تھی۔ گاگامیلہ کی لڑائی نے جنگی نقطۂ نگاہ سے کسی بھی امر کا فیصلہ نہ کیا تھا۔ سکندر بدستور تھکے ماندے تیس ہزار سپاہیوں کے ساتھ ہر لحظہ توسیع پذیر میدان میں بڑھا جا رہا تھا۔ غنیم کی فوج جنوب اور مشرق میں بدستور موجود تھی۔ گاگامیلہ میں وہ فوج منتشر ضرور ہو چکی تھی لیکن اُسے تباہ نہ کیا گیا تھا

اُس نے سابقہ حالات پر غور کیا تو واضح ہو گیا کہ دریائے گرینی کس کی کشمکش میں جو فوج اُس کے مقابلے پر آئی تھی اُس میں رسالے کے چند افسروں کے سوا کوئی بھی جبش اِسوس کی جنگ میں موجود نہ تھا اور گاگامیلہ میں جس فوج سے سابقہ پڑا وہ تنخواہ دار یونانیوں یا چند بابلی جیشوں کے سوا اسوس کی جنگ میں موجود نہ تھی اس سے جو نتیجہ نکلا وہ بالکل غیر مشتبہ تھا۔ وہ اپنے تیس ہزار فوجیوں کو لاکھوں آدمیوں کے مقابلے پر لیے جا رہا تھا۔ یہ آدمی میدانوں میں، پہاڑوں کی چوٹیوں پر اور صحرائی علاقوں میں بکھرے ہوئے تھے۔ بحیرۂ روم کا ساحلی علاقہ ان کے مقابلے میں بہت تنگ تھا۔ اگر وہ اِسی طرح بڑھتا گیا اور اُس کے مقابلے میں نئی فوجیں آتی رہیں تو اُسے شکست کا سامنا کرنا پڑے گا۔ ہر جنگ میں اُس کی قوت گھٹتی جائے گی اور نئے علاقوں سے تازہ دم ایشیائی رنگروٹ فراہم ہوتے رہیں گے۔ یہ حقیقت واضح ہو چکی تھی کہ ایشیا

۱؎ جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے۔ انسائیکلوپیڈیا برٹانیکا کے نزدیک گاگامیلہ اور اربیلہ کا درمیانی فاصلہ ۳۲ میل سے زیادہ نہیں۔

کی سرزمینوں سے نئے لشکر بھی تیار کیے جاتے ہیں جو ہتھیاروں سے بخوبی لیس ہوں اور خطرناک رسالے بھی ترتیب دیے جاتے ہیں اور ہر دن کا سفر مقدونیوں کو بحیرۂ روم کے مرکز سے دور لے جا رہا تھا۔

ہفاستیشن نے کہا: معلوم ہوتا ہے ہم ایک عجیب الخلقت وجود سے لڑ رہے ہیں۔ اس کا ایک سر کاٹ دیا جائے تو دوسرا حملے کے لیے تیار ہو جاتا ہے جیسے درندے کے متعدد سر ہوں اُس سے نجات پانے کی صورت صرف یہ ہے کہ آخری سر کاٹ دیا جائے۔ بطلیموس نے کہا ہم عجیب الخلقت وجود سے نہیں لڑ رہے بلکہ ایک ایسے دیو سے لڑ رہے ہیں جس کا ایک ہی سر ہے اور وہ شہنشاہِ ایران ہے۔ البتہ اُس کے جسم بہت ہیں۔ زمانۂ قدیم کے بہادروں میں سے کسی کو ایسے دیو سے سابقہ نہ پڑا تھا۔ یہ صورتِ حال بالکل غیر طبعی ہے۔

لیکن حقیقت یہ ہے کہ کوئی بھی شے ہمیشہ کے لیے غیر طبعی نہیں رہ سکتی جب گردوپیش کی حالت کا پورا اندازہ ہو جاتا ہے تو شر کے خفیہ امکانات ختم ہو جاتے ہیں۔ سکندر نے اپنے نوجوان ساتھیوں کو پاس بٹھا کر صورتِ حال کا جائزہ لیا تاکہ فیصلہ کیا جا سکے۔ فائدے کے پہلو کیا کیا ہیں۔

فائدے کا ایک پہلو یہ تھا کہ وہ جوں جوں آگے بڑھے گا دشمن کی قوت کے متعلق اُسے زیادہ سے زیادہ صحیح حالات معلوم ہوتے رہیں گے۔ البتہ یہ معلوم نہ ہو سکے گا کہ دشمن نے اپنے پیچھے محفوظ قوت کس قدر جمع کر رکھی ہے۔ یہ بھی یقین تھا کہ سکندر کی فتح مندیوں کے حالات جگہ جگہ گہرا اثر پیدا کریں گے جو ایشیائی فوج مقدونیوں کے خوفناک حملے کا تجربہ کر چکی تھی، امید نہ تھی کہ وہ دوبارہ ایسا کوئی خطرہ مول لے گی۔ کم از کم یہ حقیقت سب پر آشکارا ہو چکی کہ مقابلہ تنخواہ دار یونانیوں سے نہ تھا جنھوں نے پیسے لے کر ایک فریق یا دوسرے فریق کی حمایت کو اپنا پیشہ بنا رکھا تھا۔ گاگامیلہ میں ایرانیوں پر جو معجزنما کامیابی حاصل ہوئی تھی اُس نے اطرافِ ملک پر فالج کی سی کیفیت طاری کر دی تھی۔ یونانیوں کے نقطۂ نگاہ سے یہ اثر کم از کم مہینے دو مہینے تو باقی رہے گا۔ اِس کے بعد نئے معجزے کا انتظام کر لیا جائے گا۔ یا زینوفن کے دس ہزار فوجیوں کی پیروی کرتے ہوئے ساحل کی طرف مراجعت اختیار کر لی جائے گی۔

مقدونیوں کو دارا پر ایک لحاظ سے غیر معمولی فوقیت حاصل تھی اور وہ یہ کہ بے پناہ

ایشیائی فوجوں کا سپہ سالارِ اعظم محض بزدل ہی نہ تھا بلکہ جو جرنیل اُس کے ماتحت تھے اُن میں سے کسی کے بھی دل میں اُس کا چنداں احترام نہ تھا اور اُس کی بزدلی یونانیوں کے مقابلے سے ہچکچاتی تھی اور یوں کسی متحدہ اقدام کا سروسامان نہ ہو سکتا تھا۔

یہ بھی معلوم ہو چکا تھا کہ ایشیائی جتھے اِس لیے دارا کی فرمانبرداری نہیں کرتے کہ اُسے محترم سمجھتے ہیں محض اِس لیے اُس کا حکم مان رہے ہیں کہ شہنشاہِ اعظم مالکِ ممالک روئے ارض، دارائے اول اور زرکسیز کے جانشین کے لیے اُن کے دل میں احترام ہے جس نے اشوری بادشاہوں کا طرزِ حکومت اختیار کیا وہی اشوری بادشاہ جن کی تصویریں چٹانوں یا محل کی سنگی دیواروں پر کندہ تھیں۔ وہ اُس اِنسانی وجود کے وفادار تھے جو شہنشاہ تھا اور جسے الوہی قوت کا پیکر سمجھا جاتا تھا یوں مقدونیوں کا مقابلہ اُس دارا سے نہ تھا جو انسان تھا ــــ یہ مقابلہ ان کے لیے بے حد فائدہ مند تھا ــــ اصل مقابلہ اُس تصوّر سے تھا جو تخت پر بیٹھنے والے حاکم کے لیے ایشیائی لوگوں کے قلوب میں جاگزیں تھا۔

یہ حقیقت واضح ہو گئی تو سکندر نے فوراً اس پر عمل شروع کر دیا۔ اُسے بہت تھوڑے وقت میں بڑی وسیع سرزمین کا چکر لگانا تھا۔ لہٰذا وہ انتہائی تیزی سے روانہ ہوا۔ اُس کے ایک طرف دریائے دجلہ تھا اور دوسری طرف پہاڑی دیوار ــــ اب وہ اپنی فوج کو مختلف حصوں میں تقسیم کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ خود مالِ غنیمت کے ایک رتھ میں سوار ہو گیا۔ شیر دل والا خود سر پر تھا سفید ریشمی لبادہ اوڑھ رکھا تھا۔ اسیرانِ جنگ کے وسیع گروہ اُس کے پیچھے پیچھے چل رہے تھے۔ جلوس کا یہ منظر ہر شخص کے دل پر خاص اثر پیدا کرتا تھا۔

اُس نے اپنے دو افسروں کو حکم دیا کہ تیزی سے قریب ترین دارالحکومتوں میں پہنچ جاؤ۔ چنانچہ ایک بابل چلا گیا اور دوسرا شوش[1]۔ اِن افسروں نے جا کر اطلاع دے دی کہ سکندر آ رہا ہے وہ دشمن نہیں بلکہ دوآبہ[2] کا نیا حاکم ہے۔ قدرت نے اُسے مغرور دارا کا جانشین بنایا ہے انھوں

---

[1] SUSA ایرانی اسے شوش کہتے ہیں۔

[2] MESOPOTAMIA دوآبے سے وہ سرزمین مراد ہے جو دجلہ اور فرات کے درمیان واقع تھی۔ میسوپوٹامیا کے لفظی معنی ہیں۔ دریاؤں کے بیچ کا علاقہ یعنی دوآبہ

نے دونوں شہروں کے لوگوں کو پیغام پہنچایا کہ تم سے محض اطاعت مطلوب نہیں بلکہ تمھیں نئے شہنشاہ کا استقبال کرنا چاہیے جو مندروں میں عبادت کی آزادی دے گا کسی صوبائی حکومت میں ردوبدل نہ کرے گا اور نہ کسی شخصی جائداد پر ہاتھ ڈالے گا۔

بہرحال سکندر بابل کے قریب پہنچا تو اُس نے حفاظت کی تمام تدبیریں کر رکھی تھیں وہ گھنے زرخیز باغوں میں سے گزرا جنھیں پانی کی ایک وسیع نہر سیراب کر رہی تھی۔ راستے میں کھجوروں کے جھنڈ، ہیر، لیموں اور سنگتروں کے بے شمار درخت دیکھے جو سڑک کے اردگرد کھڑے تھے۔ پروہتوں اور سرکاری افسروں کے ایک جلوس نے اُس کا استقبال کیا وہ اپنے ساتھ جواہرات، سونا اور کامدار پارچے لائے۔ سکندر نے ان کا خیرمقدم قبول کیا اور بڑی نہر کے ساتھ ساتھ آگے بڑھ گیا۔ اُس نے کنارے پر بہت اونچی دیواریں دیکھیں۔ جو منزل بہ منزل اُوپر اُٹھی ہوئی تھیں۔ اور مستحکم چھتوں پر درجہ بدرجہ باغ لگے ہوئے تھے۔

بہرحال وہ جلوس کی شکل میں محرابوں کے طویل حلقے میں سے گزرتا ہوا باب اشتر پر پہنچ گیا جس کے بُرج اتنے عظیم الشان تھے کہ ممفس کے مندر بھی اُن کے سامنے بے حقیقت معلوم ہوتے تھے۔ وہ محل تک چلا گیا۔ اُسے ہر طرف اونچی عمارتیں نظر آتی تھیں۔ نیچے سبز درختوں کے جھنڈ تھے اور سورج کی روشنی مندروں کے برجوں پر پڑتی تو اُن کے سنہرے، سیاہ اور فیروزہ گوں رنگوں میں چمک پیدا کر دیتی وہ اُس مقام پر جنگی رتھ سے اترا جہاں پہرے دار کھڑے ہوتے تھے یوں مقدونیہ کا سکندر اپنے دارالحکومت بابل میں پہنچ گیا۔

بابل نے مقدونیوں پر حد درجہ گہرا اثر ڈالا۔ یہ شہر اجنبی ہاتھوں نے بنایا تھا۔ حد درجہ عظیم الشان، پائیداری اور استحکام میں بے مثال نظر آتا تھا۔ یہاں یونانیت کی کوئی جھلک نہ پائی جاتی تھی۔ بُت تراش لسی لِس مختلف گیلریوں میں سے گزرا اُسے کہیں کوئی بت نظر نہ آیا لیکن ہر جگہ خوبصورت ٹائلیں لگی ہوئی تھیں اور عجیب و غریب جانوروں کے جلوسوں کی تصویریں نظر آتی تھیں دروازوں کی پیشانی پر ملکۂ وحوش کا نشان یعنی ہلال ہر مقام پر موجود تھا لیسی لِپس کو یہ دیکھ کر حیرت ہوئی کہ بابل کی عظیم الشان دیواریں اور اونچی اونچی عمارتیں مٹی سے بنائی گئی تھیں۔ غلاموں نے اینٹوں کے سانچے تیار کیے پھر یا تو اُنھیں بھٹوں میں پکا لیا گیا یا دھوپ میں خشک کر لیا گیا۔ آرائشی

ٹائلیں بھی مٹی سے بنائی گئی تھیں اور سبز مندی کے ذریعے سے اُن میں جلا پیدا کر دی گئی تھی۔ کلدانیہ کے عالموں نے سکندر کو مٹی کی تختیوں کا ایک کتب خانہ دکھایا۔ مٹی کی سب مربع تختیوں پر قوکدار خط میں کچھ لکھ کر خشک کر لیا گیا تھا اور زمانے کی کوئی گردش اس خط کو مٹا نہ سکتی تھی۔ ان تختیوں پر صدیوں پہلے کی شادیوں، قرضوں اور تحفوں کا ذکر تھا۔ محل دیواروں کی اینٹوں پر بخت نصر کی مہر لگی ہوئی تھی۔

مٹی سے عمارتیں بنا کر اہلِ بابل نے یہ کوشش کی تھی کہ اپنے آپ کو سطحِ ارض سے بلند کر لیں اور خشک تر ہوا میں پہنچ جائیں ایسی ہی ایک تعمیر کا نام بُرجِ بابِ ایل رکھا گیا۔ یہ اُس زمانے کی بات ہے جب یہودی دریائے بابل کے کنارے آباد تھے اور کوہِ صیہون کے سفر کا انتظار کر رہے تھے۔

ارسطو بھی اِس خطے کی زرخیزی دیکھ کر حیران رہ جاتا۔ یہاں دھوپ خاصی تیز تھی۔ نہروں کے ذریعے سے زمین کی آبیاری ہوتی تھی۔ ایک ایک چپے پر درخت اُگے ہوئے تھے یا لوگ آباد تھے غذائی اجناس کی افراط تھی۔ مقدونیوں کو زمین کے اِن پانیوں پر بہت حیرت ہوئی۔ انہیں یقین ہو گیا کہ بابل کے معلّق باغ ہیل کارنیسیس میں موسولس کے مقبرے یا دریائے نیل کے کنارے کے اہرام سے بڑھ کر دنیا کا عجوبہ ہے۔

سکندر نے صوبۂ بابل کی حکومت کا انتظام انتہائی تیزی سے کر دیا۔ اُس نے اپنے وعدے کے مطابق بیل اور مَردُوخ کے مندر از سرِ نو کھول دیے اور اُن کی افتتاح کی رسم میں خود شریک ہوا دارا کے اہل و عیال کو محل میں ٹھہرایا۔ ایرانی شہنشاہ کی حسین و جمیل بیگم دورانِ سفر میں بحالت زچگی فوت ہو چکی تھی۔ وہ اسّوس کی جنگ کے بعد گرفتار ہوئی تھی تو امید واری کی حالت میں تھی سکندر نے شاہی آداب کے ساتھ اُسے دفن کرایا۔

شہرِ بابل کے بیچ میں سے جو تنگ نہر گذرتی تھی اُس میں کشتیاں چلنے کا معائنہ کیا۔ یہ نہر دارالحکومت کو دریائے دجلہ سے ملاتی تھی۔ وہ اپنے ناظروں کو لے کر رات کے اوقات میں دیر تک بیٹھا رہتا اور کارندوں سے بابل کے نظامِ مالگزاری کی کیفیت سنتا۔ انھوں نے بتایا کہ ہماری زمینیں بڑی خلیج یا زمین بند سمندر تک پھیلی ہوئی ہیں اور سڑکیں مشرقی سمت میں پہاڑی دیواروں کے اندر تک چلی گئی ہیں۔

بابلیوں نے یہ بھی بتایا کہ ان پہاڑوں سے آگے سلطنت کے تین اور دارالحکومت ملیں گے جن میں شاہی خزانے رکھے جاتے ہیں۔ ایک شوش دوسرا پرسی پولیس[1] اور تیسرا اکبتانا[2] سکندر کے یونانی سکرٹری نے تینوں کے نام لکھ دیے۔

بابل میں جو شاہی خزانہ تھا اُسے قبضے میں لے لیا گیا۔ نظم و نسق کا فیصلہ چند لفظوں میں کر دیا۔ وائسرائے کے نائب کو وہاں کا حاکم بنا دیا۔ ایک مقدونوی افسر کو تھوڑی سی فوج کے ساتھ وہاں متعین کر دیا۔ دارالحکومت میں خود درس گاہیں اور مندر رکھے یا عشر یا خیرات کے جو انتظامات پہلے سے چلے آتے تھے، بدستور باقی رکھے گئے۔ گاگامیلہ میں جو مال غنیمت ملا تھا اُسے نیز فوج کے بھاری سادہ سامان اور عورتوں کو بابل ہی میں چھوڑ دیا۔ ایتھنز کی تھائس کو بھی وہیں رہنے کا حکم مل گیا جو بطلیموس کی رفیقہ تھی۔ پھر فرمان جاری کر دیا کہ جلد سے جلد روانگی کی تیاری کر لی جائے۔

گرم راتوں میں سرکاری کام ختم ہو جاتا تو سکندر کپڑے اتار ڈالتا اور دریا میں تیرتا رہتا پھر جسم کو خشک کر کے کسی اونچے ڈھلوان چبوترے پر جا بیٹھتا۔ بلند عمارتوں کی روشوں پر اس کی نظر ہوتی اور ترجمان اُسے بتاتے کہ کلدانیوں نے ستاروں کے متعلق اپنے نقشے کن اصولوں کے مطابق تیار کیے تھے۔ وہ شراب بہت کم پیتا۔ حالانکہ اُس کے افسر پی پی کر مدہوش ہو جاتے۔ اصل بات یہ ہے کہ افسر موسم سرما کی آمد کے ساتھ پہاڑوں میں سے کوچ کے اتنے مشتاق نہ تھے جتنا کہ سکندر مشتاق تھا۔ اُنہیں قطعاً یہ خیال نہ تھا کہ مشرقی سمت میں وہ بلند دیواریں موجود ہیں جو معلوم دنیا کا آخری کنارا ہیں۔

جس شخص کو بابل کا حاکم بنایا گیا تھا اُس کی نظر ہر لحظہ سکندر پر رہتی جو دارا کی رتھ میں بیٹھ کر آیا تھا اور شاہی محل میں رہنے لگا تھا۔ مقدونوی افسر اِس بات کا مذاق اُڑاتے کہ سکندر کس طرح شہنشاہِ ایران کے طور طریقے اختیار کر رہا ہے۔

جب وہ بابِ اشتر کے راستے بابل سے نکلے اور مشرقی شاہراہ پر پہاڑوں کی طرف

---

[1] PERSEPOLIS اس کے لفظی معنی ہیں شہر ایران یا شہر ایرانیاں۔ یہ موجودہ شیراز کے شمال مشرق میں تھوڑے فاصلے پر واقع تھا۔

[2] ECBATANA اکبتانا یہ ہمدان کا یونانی تلفظ ہے بعض لوگ ہگمتانا لکھتے تھے۔ اسی کا موجودہ اور مشہور نام ہمدان ہے۔

جا رہے تھے تو وہ افسر آملا جسے پہلے شوش بھیجا گیا تھا۔ اُس نے بتایا کہ شوش سکندر کی پیشوائی کے لیے تیار ہے اور شہر میں شاہی خزانے یا توشہ خانے میں جو کچھ موجود ہے اُس پر مہریں لگا دی گئی ہیں جو سکندر کے پہنچنے پر کھلیں گی۔ شوش کو پہاڑوں میں وہی حیثیت حاصل تھی جو ایتھنز میں بالائی شہر کو حاصل تھی۔ یہاں کا بالا حصار پہاڑیوں سے محصور تھا۔ اور اُس کے اطراف دریا تک پھیلے ہوئے تھے۔ دارا کو یہ جگہ بہت پسند آئی۔ بہار اور خزاں کا موسم وہ یہیں گزارتا۔ سردی کا موسم آتا تو بابل چلا جاتا۔ یہاں کے خزانے سے پچاس ہزار ٹیلنٹ نکلے۔ یہ رقم اتنی بڑی تھی کہ مقدونیہ کی کانوں سے پچاس سال میں اتنا سونا چاندی نکلتا۔[1] اسی مقام پر وہ بُت مل گئے جو زرکسیز نسلوں پیشتر ایتھنز سے اٹھا لایا تھا۔ یہ ہارموڈیس[2] اور ارسٹو جیٹن[3] کے کانسی کے بُت تھے۔ سکندر نے انھیں ایتھنز بھیج دیا۔

اہلِ مقدونیہ کو ان بتوں کا ملنا بہت نیک شگون معلوم ہوا۔ السی لپس انھیں دیکھ کر بے حد خوش ہوا۔ سکندر نے انھیں اجازت دے دی کہ یہاں جشن مناؤ، کھیلوں سے دل بہلاؤ اور مشعلوں کی روشنی میں گھڑ دوڑ کا انتظام کرو۔ فوجی چاہتے تھے کہ موسمِ سرما میں بھی آگے بڑھتے جائیں انھیں اس بات کا کوئی خیال نہ رہا تھا کہ آگے بڑھیں گے تو دور افتادہ ساحل کی طرف مراجعت کا آخری راستہ ہاتھ سے نکل جائے گا۔ شوش میں اگرچہ موسمِ خزاں تھا۔ لیکن گرمی اتنی زیادہ تھی کہ مقدونیہ کے پہاڑی لوگوں کو خوشگوار معلوم نہ ہوئی (شوش موجودہ شہر اہواز سے شمال میں زیادہ دور واقع نہ تھا) وہ کہتے تھے کہ جو چیز سائے میں نہ ہو اُسے سورج کی حدت پکا دیتی ہے۔ گرگٹ گلیوں میں سے گزرتے ہیں تو وہ ایک جگہ سے دوسری جگہ پہنچنے سے پیشتر جل جاتے ہیں۔ یہیں یہاں کھانے کی چیزیں پکانے کی ضرورت نہیں۔ انھیں صرف پتھروں پر پھیلا دینا کافی ہے۔

---

[1] سمتھ نے اپنی تاریخ میں پچاس ہزار ٹیلنٹ کی رقم ایک کروڑ دس لاکھ پونڈ کے برابر بتائی ہے۔

[2] HARMODIUS

[3] ARISTOGEITON

تیرھواں باب

پرسی پولس

شاہنشاہِ ایران کے چار دارالحکومت دراصل زمانۂ ماضی میں چار مختلف قومی حکومتوں کے مرکز تھے ان میں شوش غالباً سب سے زیادہ پرانا تھا۔ یہ عیلامیوں کا نہایت اہم مرکز تھا۔ اکبتانا (موجودہ ہمدان) مادی قبیلے کا سب سے بڑا مرکز تھا۔ بابل تو بابلیوں کا مرکز تھا۔ جا شوریوں کی طاقت تباہ ہونے کے بعد مادیوں کے ساتھ ساتھ بروئے کار آئے۔ پرسی پولس یعنی شہر ایرانیاں شہنشاہِ ایران نے خود اپنے وطن یعنی سطح مرتفع پر تعمیر کیا تھا۔

اب مقدونوی فوج انتہائی تیزی سے قلبِ ایران کی طرف بڑھ رہی تھی اور اسے امید تھی کہ دارا کو نئی فوجیں فراہم کر لینے کا موقع دیے بغیر اس پر جا پڑیں گے۔ شوش کے اردگرد جو نشیبی پہاڑیاں تھیں ان سے گزر کر وہ فوج پہاڑی دیوار کے ساتھ ساتھ ایک لمبی وادی میں داخل ہو گئی یہ راستہ چڑھائی کا تھا اور فوج کا رُخ جنوبی اور مشرقی جانب تھا۔ اس اثنا میں ایک دلچسپ واقعہ پیش آ گیا۔ پہاڑی علاقوں کے خود مختار قبیلوں کا گزارا بھیڑ بکریوں اور مویشی کی پرورش پر تھا۔ وہ ان تمام بڑے بڑے آدمیوں سے راہداری وصول کرتے تھے جنھیں ان کے علاقے میں سے گزرنے کی ضرورت پیش آتی تھی۔ ان میں سے ایک قبیلہ ہوزہا[ط] تھا۔ وہ لوگ اس علاقے کے دوسرے باشندوں کی طرح بیرونی دنیا کے حالات اور سیاسی تغیرات سے چنداں آگاہ نہ تھے۔ اور اپنے قدیم حقوق و مراسم کی پابندی میں کوئی خلل گوارا نہ کرتے تھے۔ انھوں نے سکندر کے پاس پیغام بھیجا کہ گزر کی اجازت اُس وقت تک نہ دی جائے گی جب تک راہداری کی رقم ادا نہ کی جائے گی۔ شہنشاہِ ایران خود باقاعدہ یہ رقم ادا کرتا تھا۔ سکندر نے پیغام کے جواب میں کہلوا بھیجا کہ "تم لوگ بلندیوں سے اُتر کر وادی میں آ جاؤ اور اپنی رقم لے جاؤ"۔ وہ لوگ بڑے اطمینان

ط HUZHA

سے سڑک پر جمع ہو گئے۔ اُن کے خواب و خیال میں بھی یہ بات نہ تھی کہ مقدونوی فوج عجلت میں کیا کچھ کر سکتی ہے۔ اگلے روز صبح کے وقت اُن کی آنکھیں کھلیں تو کیا دیکھتے ہیں کہ مقدونوی فوج کے دستے سڑک کے ساتھ ساتھ جگہ جگہ کھڑے ہیں اور سڑک کے اُس پاس قبیلے کے جتنے دیہات ہیں اُن سب پر مقدونوی قابض ہیں۔ گویا راتوں رات وہ بیچارے نرغے میں آ گئے۔

بعد ازاں افراتفری کی جو حالت پیدا ہوئی اُس میں زیادہ خونریزی کی نوبت تو نہ آئی البتہ بھاگ دوڑ بہت ہوئی۔ قبیلے کے لوگ گرتے پڑتے دور افتادہ بلند چوٹیوں پر پہنچ گئے اور بچے کھچے ریوڑ بھی ساتھ لے گئے۔ آریان ان بچے کھچے ریوڑوں کو سکندر کے تحائفِ احترام قرار دیتا ہے دارا کی والدہ ہر مناسب موقع پر سکندر کو مخلصانہ مشورے دیتی رہتی اور سکندر اُس کی بہت قدر کرتا تھا اب اُسی خاتون نے اِس قبیلے کے معاملے میں مداخلت کی اور اُن کی نفسیات واضح کرتے ہوئے سکندر کو بتایا کہ وہ مخالف نہ تھے بلکہ اُن کا گزارا ہی ایسی چیزوں پر ہے۔ سکندر نے انھیں ملکوکہ زمینوں پر آباد ہونے کی اجازت دے دی لیکن یہ شرط لگائی کہ ہر سال ایک سو گھوڑے پانچ سو مویشی اور تیس ہزار بھیڑیں بطور خراج دیا کریں۔ اُن کے پاس نہ روپیہ تھا نہ وہ کھیتی باڑی کرتے تھے۔ لہٰذا خراج جانوروں کی صورت میں لیے بغیر چارہ نہ تھا۔ وہ بیچارے اِس امر پر حیرت زدہ رہ گئے کہ یہ عجیب نرالی شہنشاہ ہے جو روپیہ ادا کرنے کے بجائے جانور لیتا ہے۔

اہلِ مقدونیہ پر واضح ہو گیا کہ سکندر مشرقی حصوں میں قیامِ امن کے لیے خاص جدوجہد کر رہا ہے۔ ہوتا قبیلے اور شوش کے رہبروں سے مشورے کے بعد اُس نے اپنی فوج کو دو حصوں میں تقسیم کر لیا۔ سارا ساز و سامان گاڑیوں میں سوار کرا کے پارمینیو کے حوالے کر دیا کہ وہ بڑی فوج کے ساتھ چکر کھاتا ہوا سڑک پر سے آہستہ آہستہ آئے۔ خود فوج کے منتخب دستے لے کر بلند راستے سے پرسی پولس کی جانب روانہ ہوا۔

راستے میں پھر مزاحمت کی صورت پیش آ گئی لیکن مقدونیوں نے اِس سے بھی بہت جلد چھٹکارا حاصل کر لیا۔ یہ مزاحمت اُس فوج کو پیش آئی تھی جو براہ راست سکندر کی کمان میں جا رہی تھی۔ راستے میں ایک تنگ گھاٹی آ گئی جس سے گزر کر درے میں پہنچنا تھا۔ اِس گھاٹی کو مزاحمت کرنے والوں نے بند سے مسدود کر دیا اور مقابلے پر فوج بٹھا دی۔ مقدونیوں نے بند کو

حملہ کیا لیکن پہلے دن انھیں پسپا ہونا پڑا۔ لہٰذا وہ ہٹ کر قیام گزیں ہو گئے تاکہ صورتِ حال پر غور کر کے تدبیر نکالیں۔ چند قیدی اُن کے ہاتھ آ گئے تھے۔ اُن سے معلوم ہوا کہ پہاڑوں کے دائیں بازو سے ایک راستہ گزرتا ہے جو درے کے اُس پار دریا پر پہنچا دیتا ہے۔ سکندر نے منتخب مقدونوی جیشوں کو ساتھ لے کر یہی راستہ اختیار کر لیا۔ قیدی رہبری کا فرض انجام دے رہے تھے جو کیمپ وادی میں تھا۔ اُسے بدستور چھوڑ دیا گیا اور کریٹیرس[1] کو اُس کا کماندار مقرر کر دیا گیا۔ یہ نیا سالار تھا جسے لوگوں کو رام کر لینے میں اک گونہ مقناطیسی قوت حاصل تھی۔ یہ دبلا پتلا کماندار اپنی خوش گفتاری سے فوجیوں کو خوش رکھتا اور جہاں چاہتا لے جاتا۔ اگرچہ وہ کماندار تھا لیکن اپنے ماتحتوں سے بات چیت اس طرح کرتا گویا حکم نہیں دے رہا بلکہ مشورے دے رہا ہے۔ اور تمام فوجیوں کو یقین دلاتا کہ ہم جنگ میں سب سے بڑھ کر عزت و احترام حاصل کریں گے۔

سکندر خود راتوں رات بارہ میل کا فاصلہ طے کر گیا۔ کریٹیرس کے پاس تھوڑی سی فوج چھوڑ دی۔ اُسے یقین تھا کہ مزاحمت کرنے والے ایرانی آگے بڑھ کر کیمپ پر حملہ کرنے کی جرأت نہ کریں گے۔ پہاڑوں کی بلندی پر پہنچ کر سکندر ایک روز ٹھہرا رہا۔ وہ چاہتا تھا کہ راستے کا باقی حصہ بھی رات کی تاریکی ہی میں طے کرے۔ دن کے وقت چلتا تو اندیشہ تھا کہ ایرانی اُسے دیکھ لیں گے۔ شام کے وقت اُس نے فلوٹس اور کوئینس[2] کو سواروں اور انجینئروں کے ساتھ آگے بھیج دیا کہ دریا پر پہنچ کر عبور کرنے کے لیے پُل تعمیر کریں۔

اب دونوں طرفیں مقدونویوں کو صاف نظر آ رہی تھیں۔ چوٹیوں پر برف جمی ہوئی تھی۔ سپاہیوں نے ایک چوٹی کا نام ایشیائی اولمپس رکھا اور درے کو ابواب ایران قرار دیا۔ انھوں نے سمجھ لیا کہ شگون بڑا اچھا ہے۔ عجیب امر یہ ہے کہ جو شخص اُن کی رہبری کر رہا تھا اُس کا نام ایرانی زبان میں بھیڑیا تھا۔ انھیں یہ پیش گوئی یاد آ گئی کہ بھیڑیا سکندر کو فتح دلائے گا۔ چنانچہ وہ نیچے کی طرف اُترے اور درے پر پہنچے۔ تو فتح نے اُن کے پاؤں چومے۔ درے کے پاس ایرانی پہرے داروں کی تین قطاریں کھڑی تھیں۔ یہ سب گرفتار ہو گئے اور جو ایرانی فوج نیچے کیمپ میں مقیم تھی اُسے خبر تک نہ لگ سکی۔ دن کی روشنی نمودار ہونے سے پیشتر یونانی فوج کیمپ کے عقب میں پہنچ چکی تھی۔ یکایک

---

[1] CRATERUS [2] COENUS

تُرّیاں بجیں۔ کریٹیرس کو سمجھا دیا گیا تھا کہ جیسے ہی تُرّیوں کی آواز کانوں میں پہنچے راستے کے بند پر حملہ کر دینا۔ ایک طرف سے کریٹیرس دوسری طرف سے سکندر نے ایرانیوں کو بُری طرح مارا۔ وہ بھاگے اور دریا پر پہنچے تو وہاں یونانی فوج کے مزید دستے کھڑے تھے۔ آریاں لکھتا ہے کہ اُن کے فرار نے بے حد خوفناک صورت اختیار کر لی۔ بعض آدمیوں نے اپنے آپ کو چٹانوں سے نیچے گرا دیا۔

اب سکندر ذرا بھی آرام لیے بغیر دریا کی جانب بڑھا۔ جہاں پل تیار ہو چکے تھے۔ عبورِ دریا کے بعد اترائی شروع ہو گئی۔ پرسی پولس وہاں سے صرف پینتالیس میل تھا۔ نیچے اُتر آئے تو گھنے جنگل شروع ہو گئے۔ پھر غلّے کے کھیت آ گئے۔ جہاں ہر گاؤں کے پاس سے کوئی نہ کوئی ندی نالہ بہتا تھا۔ سکندر سواروں کے ساتھ آگے بڑھتا گیا۔ یہاں تک کہ میدانی علاقے میں پہنچ گیا۔ اس علاقے کے کھیتوں میں غلام بھینسوں کے ذریعے سے کھیتی باڑی کر رہے تھے۔ اس زرخیز اور ہری بھری وادی کے سامنے پرسی پولس تھا جس کی پتھریلی دیواریں سورج کی روشنی میں چمک رہی تھیں۔ اپنی آمد کی خبر سے پہلے وہ اس شہر کے سامنے پہنچ گئے تھے۔

چار مرکزی شہروں میں سے جہاں شاہی خزانہ رہتا تھا پرسی پولس سب سے زیادہ دولت مند سمجھا جاتا تھا۔ یہی شہنشاہ ایران کا محفوظ ترین مقام تھا۔ یونانی بلندیوں سے اتر کر اس انداز میں پرسی پولس پہنچے گویا میراتھان کی دوڑ آخری منزل پر آ گئی تھی۔ انھیں جا بجا پانی کی چھوٹی چھوٹی نالیاں عبور کرنی پڑیں جن سے گیلاس کے باغ سیراب ہوتے تھے۔ پھر وہ اس راستے پر پہنچ گئے جس میں بھاری پتھر بچھے ہوئے تھے۔ اور ایرانیوں کے مخفی بالا حصار کا یہی راستہ تھا۔ انھوں نے دوڑنا شروع کیا تاکہ جلد سے جلد موقع پر پہنچ کر، اشرفیوں، سونے کے ورقوں، ارغوانی رنگ، خوشبوؤں اور دوسری قیمتی چیزوں پر قبضہ کر لیں اور ایرانی افسروں کو یہ چیزیں اِدھر اُدھر کر دینے کی مہلت نہ دیں۔

ایران کے مشہور کمانچی راستہ روک کر کھڑے ہو گئے تھے۔ یونانیوں نے انھیں چند لمحوں میں تتر بتر کر دیا۔ وہ تھکان سے چُور تھے بااین ہمہ جوشِ مسرت کا یہ عالم تھا کہ قہقہے مار رہے تھے۔ بہر حال وہ باب زاکسیز کے بند ہونے سے پیشتر اندر پہنچ گئے۔ انھوں نے صد ستون ایوان کے دروازے توڑ ڈالے اُن کے سامنے دہشت زدہ خدام کی ایک جماعت کھڑی تھی۔ اور وہ محل میں

سے پھر نکلے جس کی چمکدار روپہلی چھت کو لکڑی کے بھاری ستونوں نے تھام رکھا تھا۔

اب اُن کی یہ کیفیت تھی جیسے شکاری کتے خرگوشوں کے جنگل میں پہنچ جائیں۔ انھوں نے دارا کے محلات اور اردشیر کی چھوٹی سی عمارت کا گوشہ گوشہ چھان مارا انھیں احساس تھا کہ دوڑ میں کامیاب ہو چکے ہیں اور پرسی پولس کی پوری دولت اُن کے ہاتھ آگئی ہے۔ وہ ایوان کی خنک فضا میں بے ڈر شراب پینے لگے جس کے خم بھرے رکھے تھے۔

مشعلیں جل گئیں تو اُس وقت بھی دولت کی تلاش جاری تھی۔ یکایک ایک مشعل سے ذرکسیز کے تخت گاہ کے پردوں کو آگ لگ گئی اور شعلے تیزی سے آس پاس کی بارکوں اور زنان خانے تک پہنچ گئے۔ آگ بجھانے کا انتظام شروع ہونے سے پیشتر تخت گاہ جل چکی تھی۔ اور آگ کے شعلے اوپر اُٹھ رہے تھے۔ دروازوں اور چھتوں پر چاندی کے جو خول چڑھے ہوئے تھے وہ پگھل کر ندی کی شکل میں بہ نکلے سکندر بھی آگ بجھانے والوں میں چکر لگا رہا تھا۔ اُس نے ایک پتھر کی سِل دیکھی جس پر ذرکسیز کی تصویر بنی ہوئی تھی اور وہ تخت پر بیٹھا تھا۔ وہ تصویر اُلٹ گئی تھی۔ سکندر اس کے سامنے ٹھہر گیا اور پوچھا یہ کس کی تصویر ہے۔ تھوڑی دیر اُسے غور سے دیکھتا رہا۔ سب کو علم تھا کہ یہ اُسی شہنشاہ کی تصویر ہے جس نے چند نسل پیشتر ایتھنیز کو برباد کیا تھا۔ سکندر نے پوچھا کیا اسے سیدھا کر دیا جائے؟ پھر سل کو اُسی حالت میں چھوڑ کر آگے بڑھ گیا۔

دوسرے روز فارس کا حاکم سکندر سے ملنے کے لیے آیا۔ تو اُس نے اردشیر کے تخت پر بیٹھ کر ملاقات کی۔ جس پر دارا بیٹھا کرتا تھا۔ بعض سال خوردہ مقدونیوں کی آنکھوں میں خوشی کے آنسو اُمڈ آئے یا سمجھ لینا چاہیے کہ شراب کی خوشبو ابھی تک اُن پر اثر انداز تھی۔ کارنتھ کے ایک بوڑھے آدمی نے آنسو پونچھے اور کہا کہ آج ہمارا سالار ایران کے تخت پر بیٹھا ہے تو ہمیں اُن مقدونیوں اور ایرانیوں کی یاد تازہ ہو گئی جنھوں نے ہم سے پہلے جانیں دیں۔ سال خوردہ لوگوں کے نزدیک یہ جنگ اور لا متناہی نقل و حرکت کا اختتام تھا۔

یہ روایت اب تک بدستور چلی جا رہی ہے کہ سکندر نے پرسی پولس کو نذرِ آتش کرا دیا ایران میں سے گزریں تو ہر جگہ یہ روایت سننے میں آتی ہے۔ سب لوگ اسے دہراتے ہیں اور بار بار کے اعادے سے یہ ایسی حیثیت اختیار کر چکی ہے۔ گویا سکندر کی زندگی کے اس واقعے

پر ساری دنیا متفق ہے لیکن سکندر کی موجودگی میں جو کچھ پیش آیا اُسے سکندر کا فعل قرار دے لینا ایک خطرناک مفروضہ ہے۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ اگر سکندر نے پرسی پولس کے محلات جلانے کا حکم دیا تو یہ حکم کیوں دیا؟ یقیناً بابل یا شوش اور بعد ازاں اکبتانا میں اُس سے ایسا کوئی فعل سرزد نہ ہوا تھا اگرچہ اُس نے آگے چل کر مشرق میں تباہی کے حکم دیے خصوصاً اُن خطوں میں جو آج کل ترکستان اور ہندستان کہلاتے ہیں) یونانی اور بعد ازاں رومی وقائع نگاروں نے اِس آتش زنی کی کئی روایات بیان کی ہیں۔ اِن میں سے جو روایات خاص نمایاں حیثیت رکھتی ہے اُس میں تھائس کا ذکر بھی آیا ہے۔ یہ روایت پلوٹارک نے خوب بیان کی ہے جسے لڑائیوں کی کیفیت بیان کرنے کے مقابلے میں انسانی روح کی سرگرمیوں سے زیادہ دلچسپی ہے۔

پلوٹارک لکھتا ہے کہ دارا کا تعاقب دوبارہ شروع کرنے سے پہلے سکندر نے فوجی افسروں کو شراب نوشی کی دعوت دی۔ یہ اجازت بھی دے دی کہ ہر ایک افسر اپنی داشتہ کو پہلو میں بٹھالے۔ اِن میں ممتاز ترین ہستی تھائس کی تھی۔ اُس کا وطن ایتھنز تھا اور وہ بطلیموس کی محبوبہ تھی جو بعد میں مصر کا بادشاہ بنا۔ تھائس نے اِس دعوت میں بڑی بے باکی سے گفتگو کی اگرچہ یہ بے باکی قابلِ معافی تھی اِس لیے کہ ایتھنز اُس کا وطن تھا۔ اُس نے کہا کہ فوج کے ساتھ ساتھ ایشیا آنے میں جو مشقتیں مجھے اٹھانی پڑیں ان کا کچھ بدلہ آج مِل گیا میں ایرانی بادشاہوں کے محل میں بیٹھی شراب پی رہی ہوں۔ لیکن مزا جب ہے کہ میں مشعل اٹھاؤں اور زرکسیز کے ایوان کو آگ لگا دوں جس نے اپنے عہدِ حکومت میں ایتھنز کو آگ لگائی تھی۔ مجلس میں سے ہر ایک نے تھائس کے اِس خیال کی تحسین کی۔ بادشاہ نے خود ایک ہار اپنے سر پہ باندھا اور مشعل ہاتھ میں لے لی۔ وہ ہال میں پہنچا اور پردوں کو آگ لگا دی۔ جو مقدونوی ایوان کے باہر بیٹھے تھے۔ انھیں اندر کے حالات کا علم ہوا تو وہ بھی مشعلیں لے کر دوڑے ہوئے آئے۔ ان پر انتہائی خوشی طاری تھی۔ محلات کی بربادی سے انھوں نے یہ نتیجہ نکالا کہ سکندر ان بربریوں کے درمیان رہنے کا خواہاں نہیں بلکہ اپنے وطن واپس جانا چاہتا ہے۔

اِس منظر نے شاعروں اور ڈراما نگاروں کو صدیوں تک مسحور رکھا۔ تاہم یہ بالکل غیر اغلب ہے کہ اگر تھائس پرسی پولس پہنچی تھی تو اُس نے سکندر کے لشکر کے ساتھ بلندیاں عبور کی تھیں اور اگر سکندر نے ایک محل تھائس کو خوش کرنے کے لیے برباد کیا تو ہم جانتے ہیں کہ اپنے پرانے

دائرۂ حیات میں وہ ایسے کسی فعل کا مرتکب نہ ہوا۔

دوسرے لوگوں نے اسے معقول بنانے کی کوشش کی۔ وہ کہتے ہیں، سکندرؔ نے پرسی پولس کو اس لیے جلایا کہ ایرانیوں کے ہاتھوں یونان کو جو نقصان پہنچ چکا تھا اس کا بدلا لے یا پرسی پولس کو اس لیے جلایا گیا کہ اس سے ایشیائیوں پر اچھا اخلاقی اثر پڑے گا یا سکندرؔ کے نزدیک ایرانی بادشاہی کے خاتمے کا اعلان کرنے کی مؤثر صورت یہی تھی اور وہ یقین دلانا چاہتا تھا کہ اب پرانے شاہی خاندان کی طرف نہیں بلکہ نئے بادشاہ کی طرف دیکھنا چاہیئے۔ آریاں کہتا ہے کہ پارمینیو نے پرسی پولس کو جلانے کی تجویز سے اختلاف کیا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اگر سکندرؔ ایشیا کے اندرونی علاقے میں رہنے کا خواہاں ہے تو شہر کو جلانا ہرگز مناسب نہ ہوگا۔ حالانکہ تاریخی حقیقت اس کے خلاف ہے۔ پارمینیو اندرونِ ملک میں جانے کا خواہاں ہی نہ تھا۔ اس کے نزدیک صرف مغربی حصے پر قبضہ کر لینا کافی تھا۔

علاوہ بریں ہمارے سامنے واضح آثار موجود ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ زرکسیز کی تخت گاہ اس افراتفری میں جلی جو مقدونیوں کی بھاگ دوڑ سے پیدا ہوئی تھی۔ آگ نے ایوان میں سونے چاندی کی تمام تزئینات تباہ کر دی۔ بظاہر سکندرؔ اور اس کے افسروں نے آگ بجھانے کا حکم دیا۔ بہر حال آگ سے صرف محلات کا مرکزی حصہ تباہ ہوا۔ سارے محلات تباہ نہ ہوئے اور یہ یقینی امر ہے کہ سکندرؔ نے بعد ازاں کوروشؔ کے مقبرے کو محفوظ رکھنے کی انتہائی کوشش کی۔ جو پرسی پولس میں واقع تھا۔ اغلب ہے آگ اتفاقیہ لگی ہو اور جس قدر جلد ممکن تھا اسے بجھا دیا گیا۔

مقدونوی فوج پرسی پولس میں ایک یا دو مہینے ٹھہری رہی۔ اس اثنا میں موسمِ سرما ختم ہو گیا اور برف پگھل جانے کے باعث دروں میں سے گزرنے کی شکل نکل آئی۔ پارمینیو بھی سامان کی گاڑیاں اور فوج لے کر پہنچ گیا۔ رسد کا سامان انگرو کے علاقے سے حاصل کیا جاتا تھا۔ وہ اس وجہ سے بھی اطمینان سے بیٹھے رہے کہ اطلاع مل چکی تھی، دارا مادہ کے پہاڑوں میں بیٹھا ہے اور برف پڑ جانے کے باعث کہیں جا نہیں سکتا، نیز چوتھی مرتبہ فوج فراہم کرنے میں اسے مشکلات

لہ سائرس (CYRUS) کا فارسی نام اسی نام نے عربی میں خسرو کا لباس پہنا۔

پیش آرہی ہوں گی۔ مقدونوی سپاہیوں کے نزدیک استراحت کا یہ موقع ضرورت کی بنا پر پیش آگیا اور انھیں مہم کو ختم کرنے کے لیے آخری قدم لازماً اٹھانا تھا۔ پرسی پولس میں جو دولت اُن کے ہاتھ آئی اُس نے ہوش وحواس گم کر دیے۔ ششوش کے مالِ غنیمت کے بعد انھوں نے اپنے دل میں جو تصوّر قائم کیا تھا یہ دولت اُس سے کہیں بڑھی ہوئی تھی۔[1]

فوج کے ساتھ جو سروے‌یر آرہے تھے اُن کے نقشوں سے ایک نئی حیرت انگیز حقیقت آشکارا ہوئی۔ گزشتہ دس مہینوں میں فوج بہت بڑے علاقے سے گزر چکی تھی جس کا رقبہ تین لاکھ ساٹھ ہزار مربع میل سے کم نہ تھا۔ سرزمینِ مشرق کے اِن وسیع علاقوں میں آئی اونیا کا ساحل، جزیرے، مصر اور لیبیا شامل کیے گئے تو اندازہ ہوا کہ مقدونیہ جیسے بارہ ملک اِن علاقوں کے اندر سما سکیں گے۔ لیکن سروے‌یروں کو روئے زمین پر اپنی صحیح پوزیشن کے متعلق کچھ یقین نہ تھا۔ اُن کے سامنے ایسی متعارف خبریں نہ تھیں جن سے شناسائی ہو۔ البتہ میکاٹائس نے زمین کا جو نقشہ بنا رکھا تھا اُس کی غلطیاں واضح ہو گئی تھیں اور سروے‌یر ان غلطیوں کی تصحیح کر رہے تھے۔

جو افسر باقاعدہ روزنامچے لکھ رہے تھے مثلاً لگوس کا بیٹا بطلیموس وہ بھی تشویشات میں مبتلا تھے۔ وہ کہتے تھے فوج نے نو مفتوحہ علاقے میں سرکاری جاگیریں ضبط کر لیں، دولت سمیٹ لی۔ جگہ جگہ کے لیے خراج مقرر کر دیے۔ سڑکوں کی حفاظت کا بندوبست ہو گیا۔ بڑے بڑے شہروں اور تجارتی مرکزوں میں فوج کے دستے مقرر کر دیے گئے گویا تمام ذمہ داریاں اٹھالی گئیں لیکن سوال یہ ہے کہ اصل مقصد کیا ہے؟ سکندر کے آدمی اگرچہ خاصے تجربہ کار تھے لیکن نظم ونسق کا کام بڑا ہی مصیبت خیز تھا۔ فوج غیر محسوس طور پر بہت بڑھ گئی تھی جن عورتوں کو بابل میں ٹھہرے رہنے کا حکم دیا گیا تھا وہ باربرداری کی گاڑیوں میں بیٹھ کر پُراسرار طریقے پر پرسی پولس پہنچ گئیں۔ تھیسالس[2] بڑا ہردلعزیز ایکٹر تھا وہ بھی چلا آیا اور اُس نے پرسی پولس کے پاس کی پہاڑی پر چاندنی راتوں میں تماشے دکھانے شروع کر دیے۔ ملازموں کی تعداد میں بے حد اضافہ ہو گیا۔ فوج کے ساتھ ساتھ پہلوان اور گویے ہی نہیں محبوب انگوروں کی جڑیں بھی سفر کرتی چلی آرہی تھیں۔ مقدونیہ کے کاشتکار جہاں پہنچتے اور زمین کو نم آلود پاتے وہاں انگوروں کی جڑیں لگا دیتے۔ حالانکہ یہ سب کچھ کسی

[1] سمتھ کا بیان ہے کہ پرسی پولس سے سکندر کو ایک لاکھ بیس ہزار ٹیلنٹ ملے تھے یعنی دو کروڑ ساٹھ لاکھ پونڈ (صفحہ ۱۹۸)
[2] THESSLUS

اذن و حکم کے بغیر ہو رہا تھا۔ غرض پرسی پولس میں کامی وہ سب کچھ پیش آیا جو ممفس میں پیش آچکا تھا ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فوج کے ساتھ بعض مادی متعلقات وابستہ ہیں جنھیں الگ نہیں کیا جا سکتا اِن متعلقات میں اب بہت اضافہ ہو چکا تھا۔ مثال کے طور پر روپے کو لے لیجیے۔ سپاہی اپنا روپیہ چھوڑنے کے لیے تیار نہ تھے۔ اگرچہ انھیں یقین دلایا جاتا تھا کہ یہ روپیہ تمھارے لیے محفوظ رہے گا۔ ایک مرتبہ کوچ کے دوران میں سکندر نے ایک شخص کو دیکھا جس نے خچر پر بھاری گٹھے لاد رکھے تھے اور خچر بوجھ کے نیچے دبا جا رہا تھا۔ سکندر نے پوچھا یہ کیا لاد رکھا ہے؟ آدمی نے جواب دیا یہ آپ کی قیمتی چیزیں ہیں۔ سکندر بولا: تم انھیں کیمپ میں پہنچا دو۔

سکندر کیمپ میں پہنچا تو گٹھے کھول کر ہر چیز اُسی آدمی کے حوالے کر دی، جو خچر ہانک رہا تھا۔ یعنی ذاتی طور پر سکندر کو اس نئی دولت کا قطعاً کوئی خیال نہ تھا۔ جو دولت آتی اُس کے متعلق سوچے سمجھے بغیر فیصلے کرتا جاتا۔ البتہ خاص خاص لوگوں کو تحفے بھیجنے کا خیال ضرور رکھتا بہر حال اتنی دولت ہاتھ آگئی تھی کہ ہر شخص اُس سے من مانا فائدہ اٹھا سکتا تھا۔

لوگوں نے اندازہ کر لیا کہ سکندر سے عطیے مانگے جائیں تو بہت خوش ہوتا ہے۔ ایک ایکٹر نے شام کے وقت تماشا دکھایا تو بعد میں بڑے پُر تاثیر طریقے پر عرض کیا کہ مستحق تمثیل نگاروں کو رقم دی جائے۔ سکندر ہنس پڑا اور رقم دے دی۔ ایک نوجوان افسر ادائے فرائض کے سلسلے میں ہر وقت سکندر سے قریب رہتا تھا۔ اُس نے کبھی کچھ نہ مانگا۔ سکندر نے ایک مرتبہ پوچھا "تم کیوں کچھ نہیں مانگتے؟" افسر نے اُس وقت کوئی جواب نہ دیا۔ شام کے وقت وہ گیند اچھال اچھال کر کھیل رہے تھے۔ افسر سب آدمیوں کی طرف گیند پھینکتا رہا۔ سکندر کی طرف گیند نہ پھینکی۔ جب سکندر نے پوچھا ایسا کیوں کیا تو افسر نے جواب دیا آپ نے مانگی نہ تھی۔ سکندر بے اختیار ہنس پڑا اور فوراً اُسے خاصی رقم عطا کی۔

بے شک وہ روپے کے معاملے میں بے پروا ہو گیا تھا لیکن نظم و نسق میں ڈھیل نہ پیدا ہونے دی۔ وہ حتی الامکان فیصلے خود کرتا۔ لوگ کہتے تھے کہ مقدمات سنتے وقت وہ ایک کان پر انگلی رکھ لیتا ہے۔ مدعا یہ ہوتا ہے کہ اُسے دلیلیں نہ سننی چاہئیں صرف انصاف پر نظر رکھنی چاہیے۔ ایک مرتبہ اُس نے سُنا ایک مقامی مجرم بھاگ کر ایک مندر میں پہنچ گیا ہے جو ایرانیوں کے نزدیک مقدس

ہے۔ یونانی اُسے گرفتار کرنے کے لیے جا رہے تھے۔ سکندر نے یونانیوں کو تاکید کر دی کہ تم باہر ٹھہرے رہنا اور کسی تدبیر سے کام لے کر اُس آدمی کو مقدس مقام سے باہر نکال لینا۔ اہلِ مقدونیہ کا خیال تھا کہ مقامی مراسم کا یہ احترام سراسر غیر ضروری ہے اور وہ وقتاً فوقتاً ہخامنشیوں اور عقاب کے پروں پر الزام دھرتے رہتے تھے۔

پر عقاب کے تھے۔ جو مقبروں کے سنگلاخ در پر کندہ کر دیے گئے تھے۔ مصر میں بھی ایسے ہی پر دیکھے گئے تھے جنھیں سورج دیوتا اور زیریس کا نشان سمجھا جاتا تھا۔ بابل میں بھی یہ پر بھیانک دیوتا مردوخ کے کندھوں پر بنے ہوئے تھے۔ ایران میں یہ پر اہورا کے سر سے وابستہ تھے اہورا کو دانش کا دیوتا مانا جاتا تھا اور سورج کی قوت میں بھی اسے شریک سمجھا جاتا تھا۔ اگر اہورا نے قرصِ خورشید میں اپنے سہارے کے لیے ایک خیالی عقاب کے پر لے لیے تھے تو یونانی سپاہیوں کو اس سے کیا دلچسپی ہو سکتی تھی؟ وہ اب تک ایسے کئی اجنبی دیوتاؤں کی مورتیں دیکھ چکے تھے لیکن سکندر کو اس بات سے بڑی دلچسپی تھی۔ وہ جاننا چاہتا تھا کہ ایرانی بادشاہوں نے کیوں سورج دیوتا اور عقاب کے پروں سے خاص انتساب پیدا کیا۔

جب اُسے معلوم ہوا کہ ایران میں مندر نہیں البتہ اونچے مقامات پر پتھر کے ستون بنے ہوئے ہیں جن پر آگ جلتی رہتی ہے تو اُس نے آگ کے پاس رہنے والے زرتشتیوں سے اس کا سبب پوچھا انھوں نے بتایا کہ عقاب بہت بڑا جانور ہے جو سورج سے قریب رہتا ہے وہی انسانوں اور آسمان کے درمیان اتصالی کڑی ہے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ سیمرغ عقاب کی روح ہے جو انسانوں کی امداد کے لیے پہاڑی کی چوٹیوں سے اترتی ہے۔

ان زرتشتیوں کی رائے یہ تھی کہ انسانوں کی قسمت کا فیصلہ پہلے سے نہیں ہوا اور اس کا راز ستاروں کی گردش سے معلوم نہیں کیا جا سکتا۔ حالانکہ بابلیوں کا دعویٰ یہی تھا۔ زرتشتی کہتے تھے کہ انسانی روح کو دوام حاصل ہے۔ وہ اندھیرے سے روشنی کی طرف آنے کے لیے جدوجہد کرتی رہتی ہے جب وہ شر کے تصرف میں آجاتی ہے تو اپنی قوت کھو بیٹھتی ہے۔ خیر کی طرف پیش قدمی کرتی ہے تو اُس کی قوت عود کر آتی ہے۔ سامیوں کے اہوا یا دانشمند بابل کے بل کے خلاف زرتشتیوں کے اہورا کو جنگ سے کوئی تعلق نہ تھا۔ وہ صرف شر کے خلاف جدوجہد میں الجھا ہوا تھا

اس اعتبار سے اہورامزدا یونانیوں کے بڑے دیوتا زیوس سے مختلف تھا۔ سپاہیوں نے زرتشتیوں کے متعلق کہا کہ آسمان اُس کا زیوس ہے۔

زرتشتیوں میں ایک افسانہ چلا آتا تھا کہ آسمان سے ایک دیوی زمین پر اتری۔ اس کا نام متھرا تھا۔ وہ اعتدالِ شتائی کی ایک رات میں ایک غار کے اندر پیدا ہوئی جو ثور اور جوزا کے درمیان واقع تھی۔ یہ اس زمانے کی بات ہے جب رات کے وقت آسمان پر سنبلہ کا طلوع ہو رہا تھا۔ بالکل اسی طرح دیونی سوس دیوتا پیدا ہوا تھا گویا متھرا دیونی سوس کی توام تھی۔ سکندر کو ایسا معلوم ہوا کہ کہ ایران کے زرتشتیوں نے بھی اُسی سرچشمے سے علم حاصل کیا جس سے قدیم یونانیوں نے حاصل کیا تھا۔ یونانی انھیں مجوسی یا جادوگر کہتے تھے۔ غرض دیوتاؤں کے سلسلے میں صرف ناموں کا فرق تھا۔ سکندر کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ ایرانیوں کی قدیم کتاب ژند کا اسلوب یونان سے مشابہ ہے اور شاہنشاہانِ ایران کا خاندان ہخامنشی تھا نہ کہ ایکائی۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ زمانۂ قدیم میں یونانیوں اور ایرانیوں کے درمیان ایک رشتہ تھا۔ لیکن سوال یہ تھا کہ ایرانی کہاں سے آئے؟

زرتشتی کہتے تھے کہ شمال مشرق کی سمت سے آئے۔ ان کا پہلا وطن ایران ؟ تھا جس کی حیثیت فردوس کی تھی۔ وہ اب فردوس گم شدہ ہے۔ یہاں سے بہت دور برفانی علاقوں میں وہ رہتے تھے اور الوہی طاقتوں سے انھیں بہت قرب حاصل تھا۔ وہاں سے نکلے تو وہ گھوڑے پالتے تھے اور گھوڑوں ہی پر سوار ہوتے تھے۔ اس قدیم نسل کا نام انھوں نے نسائی رکھا تھا۔ نیز وہ دھاتوں سے کام لیتے تھے۔ یہ قدیم ایرانی قبائل اپنے گم شدہ فردوس سے نکلے تو سغد باختر اور پارتھیا میں سے ہوتے ہوئے آگے بڑھے اور زمین بند سمندر کے اردگرد آباد ہوئے۔ ان میں سے ایک قبیلے کا نام پارسا تھا جس خطے میں وہ آباد ہوئے اُس کا نام پارس رکھا۔ وہاں سطح مرتفع پر بڑی اچھی گھاس پیدا ہوتی تھی۔ اس میں وہ گھوڑوں کے گلے چراتے تھے۔ اس پارسی قبیلے کی قیادت کا منصب ہخامنشی قبیلے کو حاصل تھا۔

ہخامنشی قبیلے میں سے ممتاز ترین حیثیت کوروش[ف] کو حاصل ہوئی جسے یونانی سائرس کہتے

فٹ کوروش کے بارے میں نوٹ پہلے لکھا جا چکا ہے۔ مصنف نے لکھا ہے کہ شخصوں کے نام یونانی الاصل تھے یا لاطینی الاصل۔ مگر وہ زیادہ روشناس شکل میں لکھے گئے ہیں۔ قدیم ایرانی کوروش کو سائرس نہیں کوروش ہی کہتے تھے اور اور سکندر کی دلہن کا نام روشنک تھا نہ کہ رکسانہ۔

ہیں۔ اس نے پہاڑی علاقے کے مادیوں پر غلبہ پایا اور اپنے سواروں کے ساتھ فتح کے پھریرے اڑاتا ہوا مغربی سمت میں بحیرہ روم تک چلا گیا۔ صرف دو صدی پیشتر کوروش سمندر پر حکمراں تھا۔ اس نے اپنے ماتحت تمام قوموں کو متحد کر لیا تھا۔ بحیرہ روم کے ساحل پر لیڈیا کے بادشاہ کروسس نے جو سونا جمع کر رکھا تھا۔ کوروش نے اس کی کچھ پروا نہ کی۔ اپنے اسپ سواروں اور شتر سواروں کے ساتھ لیڈیا کو پامال کر ڈالا۔

کوروش یونانی شہریوں کے طور طریقوں کی ہنسی اڑاتا تھا۔ اس نے کہا یہ سب لوگ ایک جگہ جمع ہو جاتے ہیں جس کا نام انھوں نے منڈی رکھ چھوڑا ہے۔ وہاں سے خوراک لیتے ہیں۔ ان کا کام یہ ہے کہ بحثیں کریں اور جو کچھ کھاتے ہیں۔ اس کی قیمت دیں۔ یہاں قوم میں خوراک دی جاتی ہے فروخت نہیں کی جاتی۔ اس کوروش کا مقبرہ پہاڑیوں کے اندر برہنہ درختوں کے نیچے ایک چھوٹی سی ندی پر ہے۔ یہ بڑے بڑے پتھروں سے تعمیر ہوا تھا۔ سورج کی حدت میں جلتے رہنے اور کہنہ و بوسیدہ ہو جانے سے اس نے سنہری رنگ اختیار کر لیا ہے۔

کوروش کے لیے سکندر کے دل میں احترام پیدا ہو چکا تھا۔ چنانچہ وہ کوروش کی قبر دیکھنے کے لیے گیا۔ یہ قبر ایک چبوترے پر واقع تھی۔ سکندر اس چبوترے پر چڑھ کر سب سے اونچے درجے پر بیٹھ گیا۔ تابوت والا کمرہ اس کے پاس تھا اور اس کی چھت مخروطی تھی۔ وہاں بیٹھ کر ادھر ادھر دیکھنے لگا، تو اُسے کھیتوں کے پار وسیع زینے نظر آئے۔ جو کوروش اول کے تعمیر کیے ہوئے اور متعلقہ عمارتوں تک جاتے تھے۔ اس مقام کا نام پارساگرد[1] رکھا گیا تھا۔

سکندر پارساگرد بھی گیا لیکن وہاں کوئی متنفس موجود نہ تھا۔ جس جگہ ایوان تعمیر ہوا تھا، وہ پہاڑ کے پہلو میں تھا اور اُسے خوب ہموار کر لیا گیا تھا۔ وہاں دفاعی استحکامات کوئی نہ تھے۔ چوڑے زینے سے اوپر چڑھتے ہوئے آدمی سایے میں پہنچ جاتا ہے۔ وہاں سے کھیتوں کا منظر بڑا اچھا تھا جو سرسبز ہو رہے تھے۔ گھوڑوں کی پرورش کے لیے یہ خطہ بہت موزوں تھا۔ صرف چند زرتشتی اس کوروش کی قبر پر موجود تھے جس نے اپنے ماتحت مغربی ایشیا کو یکجا کر لیا تھا۔ لوگ متحد ہو گئے تھے

---

[1] اسے عام طور پر پسارگدائی یا پسارگاڈی (PASARGADAE) لکھا جاتا ہے جو ایرانی نام "پارساگرد" کا بگاڑ معلوم ہوتا ہے۔ عربوں نے اس کا نام اصطخر رکھا۔

لیکن کورش نے انھیں پوری آزادی دے رکھی تھی۔ سکندر نے زرتشتیوں کو تاکید کر دی کہ قبر پر پہرہ دیتے رہو۔ ایسا نہ ہو کہ کوئی اس کی بے حرمتی کا مرتکب ہو۔ سکندر کو محسوس ہو رہا تھا چرنے والے گلوں کے درمیان سفید رنگ کے اس تنہا مقبرے کی تعمیر میں کوئی خاص راز ہے۔ یہ راز اس کی سمجھ میں نہیں آتا تھا لیکن اس کا دل اُسے محسوس کر رہا تھا۔

پرسی پولس واپس ہوتے ہوئے جہاں سڑک مڑی تھی وہاں سکندر نے دوسرے ہخامنشی حکمرانوں کے مقبرے دیکھے جو چٹانیں کاٹ کر بنائے گئے تھے۔ مثلاً دارائے اعظم اور رہاسیورس کے مقبرے۔ آخرالذکر کو یونانی زرکسیز کہتے ہیں۔ ان سب مقبروں کے دروازے پر عقاب کے پروں اور قرصِ خورشید کی تصویریں بنی ہوئی تھیں۔ لیکن پاس کوئی شہر آباد نہ تھا۔ البتہ ایک جگہ آگ جل رہی تھی۔

سکندر کو یقین ہو گیا کہ پرسی پولس بھی ایک شہر کی حیثیت میں آباد نہ کیا گیا تھا بلکہ ایک محل تھا جس کے گرد متعلقہ خدام کی عمارتیں بن گئیں۔ ستون ایسے نظر آتے تھے جیسے جنگل میں درخت ہوں۔ اُن پر سائبان سے کھڑے تھے۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کسی جہاں نورد نے رات بھر کے بسیرے کے لیے خیمہ نصب کر لیا ہے۔ شروع میں ہخامنشیوں نے اس محل میں رہتے تھے لیکن جب ان کی حکومت کا دائرہ بہت پھیل گیا تو نظم و نسق کے تقاضے انھیں کھینچ کھینچ کر باہر لے جاتے رہے اور شاذ ہی انھیں اپنے اس اصلی وطن میں آنے کی مہلت ملتی تھی۔ وہ دنیا کی پہلی عظیم الشان سلطنت کے شاہنشاہ تھے۔ زرتشتی بتاتے تھے کہ دو صدیوں تک اِس مقام کے آس پاس کبھی کوئی لڑائی نہ ہوئی اِس لحاظ سے ہخامنشیوں نے اپنے وطن کو قدیم آریاؤں کے ایران ؟ کی حیثیت دے دی تھی۔

سکندر کا خیال تھا کہ ایران ؟ یعنی گم شدہ مقام مقدس مشرقی سمت میں پارتھیا، باختر اور سغد سے آگے برفستانوں کے قریب ہوگا۔ یونانیوں کے علم میں وہ مقام نہ آیا تھا۔ سکندر کو اس کا راستہ بھی یاد تھا اور وہ ایسی تمام چیزوں کو خوب یاد رکھتا تھا۔ اس کے خیال کے مطابق مشرقی سمت کے آخری گوشے میں دیوتاؤں کا وطن تھا۔ بہت سی باتیں اس کی سمجھ میں نہ آتی تھیں۔ لہٰذا اس نے ارسطو کو لکھا کہ خود نہ آسکو تو اپنے کسی شاگرد کو اس نئے خطے میں ضرور بھیج دو۔ ارسطو خود تو نہ آیا مگر اپنے بھتیجے کیلستھنیز[۱] کو بھیج دیا۔

---

[۱] CALLISTHENES

پہاڑوں پر برف پگھل گئی تو ۳۳۰ ق م کے موسم بہار میں مقدونیہ کی فوج نے از سرِ نو ایران کے شاہنشاہ دارا کا تعاقب شروع کیا۔ وہ پہلے ان چٹانوں کے پاس سے گزرے جن میں سکندر نے مقبرے دیکھے تھے۔ پھر شمالی و مغربی سمت میں اونچے پہاڑوں پر چڑھے اور اتنی بلندی پر پہنچ گئے جتنی بلندی پر بادل چلے جاتے ہیں۔ وہاں گھوڑوں کے چرنے کے لیے تازہ گھاس تھی۔ یوں سمجھنا چاہیے کہ وہ لوگ موسمِ خزاں میں جس راستے سے آئے تھے اُسے ایک حد تک دوبارہ طے کیا۔ البتہ وہ زردہ کوہ کی مشرقی سمت میں رہے اور وہاں جو قبیلے رہتے تھے اُن سے غذائی جنسیں بافراط ملتی رہیں۔ سکندر نے چلتے چلتے اِن پہاڑی علاقوں کے نظم و نسق کا بندوبست بھی کر دیا۔ پھر فوج نے رفتار تیز کر دی اور وہ اس وادی میں چلی گئی جو ایکبتانہ جاتی تھی۔ پرسی پولس سے فاصلہ قریباً چھ سو میل ہوگا۔

ایکبتانہ کے پاس پہنچے تو مقدونیوں کو صورتِ حال بدلتی ہوئی نظر آئی۔ جنگجو قبیلے مقدونیہ کی قوت کے کرشمے گاگامیلہ میں دیکھ چکے تھے۔ وہ دارا کی حمایت کے لیے دوبارہ اُٹھنے پر مائل نہ تھے۔ اس کے برعکس مادی اور کرد قبیلے شرائطِ مصالحت طے کرنے کے لیے سکندر کے پاس پہنچ گئے چنانچہ مقدونوی بڑے اطمینان سے ایکبتانہ میں داخل ہو گئے اور ان کے سپہ سالار نے سلطنت ایران کے نصف مغربی حصے کا نظم و نسق سنبھال لیا۔ ایکبتانہ ایرانیوں کے چار دارالحکومتوں میں سے آخری تھا۔

دارا مقدونیوں کی پیش قدمی کی خبر ملتے ہی پھر بھاگ نکلا تھا۔ اب اس کے ساتھ دو ہزار تنخواہ دار یونانیوں اور معمولی سواروں کے سوا کوئی جمعیت نہ تھی۔ وہ ایران کی سطح مرتفع سے گزرتا ہوا مشرق کی سمت چلا گیا تاکہ اپنی جان بچا سکے اور ممکن ہو تو نئی فوج بھرتی کر سکے۔ ایکبتانہ سے دارا کے تعاقب کی آخری منزل شروع ہوئی سکندر مشرق کی جانب روانہ ہوا تو اس کے ساتھ تھوڑی سی فوج تھی۔ یعنی رسالہ خاص، مقدونوی پیادے، تیر انداز اور سوار نیزہ گر یا نی۔

یہاں سے تعاقب جفاکشی و تیز رفتاری کا معیارِ امتحان بن گیا ایکبتانہ کے پہاڑی علاقے سے اترنے کے بعد سکندر گیارہ دن میں تین سو میل نکل گیا۔ جو مجوسی ساتھ تھے۔ وہ رستہ بتا رہے تھے کہ

اب وہ اسی راستے پر جا رہا ہے جس سے ایرانی زمانۂ قدیم میں اپنے وطن سے نکل کر ایران پہنچے تھے وہ شمالی سمت میں انھیں وہ پہاڑ نظر آیا جسے مجوسی کوہ ارزق (دماوند) کہتے تھے۔ اس کی چوٹی برف پوش تھی۔ تیز ہوا نے چوٹی سے کچھ برف اڑائی جو فضا میں ناپید ہو گئی۔

دماوند کے پاس قدیم شہر رے کی فصیل کے اندر سکندر نے قیام کیا، اسے اطلاع ملی کہ دارا کئی روز پیشتر وہاں سے گزر چکا ہے۔ وہ اس گھاٹی سے گزرا تھا جسے باب قزوین[1] کہتے ہیں کوئی نس کو پہلے ہی سے روانہ کر دیا گیا کہ رسد کا انتظام کرے۔ سکندر ان دستوں کا انتظار کر رہا جو پیچھے رہ گئے تھے۔ ان کے پہنچنے اور کوئی نس کے واپس آنے سے پیشتر نئی اطلاع ملی اور وہ یہ کہ دارا کو اس کے ایک ماتحت حاکم نے گرفتار کر لیا ہے۔ سکندر نے یہ سنتے ہی رسالے اور قوی الجثہ پیادہ دستوں کو ساتھ لیا اور دو روز کا راتب لے کر تیزی سے روانہ ہوا۔ کریٹیرس کو رے میں چھوڑ گیا تاکہ سلسلہ رابطہ قائم رکھے۔

تعاقب کرنے والی فوج رات بھر چلتی رہی، طلوع آفتاب کے بعد باب قزوین کی سیاہ دیواروں سے گزر گئی۔ دوپہر کے وقت ایک ندی پر قیام کیا کہ آدمی سستا لیں اور چند گھنٹے سو لیں۔ وہ رات بھر چلتے رہے تھے۔ آدمی تھک گئے۔ بعض گھوڑے تکان کے باعث گر کر مر چکے تھے۔ اس طرح وہ اس مقام پر پہنچ گئے۔ جہاں ڈیڑھ دن پیشتر ایرانی شاہنشاہ نے قیام کیا تھا۔ وہاں پہنچتے ہی اطلاع ملی کہ حاکم نے مقابلہ کرنے والی فوج کی کمان سنبھال لی ہے اور اس کا قصد یہ ہے کہ شاہنشاہ کے ساتھ مشرقی سمت ہٹ جائے اور باختر پہنچ کر نئی فوج تیار کرے۔

سکندر تین چار گھنٹے سو چکنے کے بعد پھر روانہ ہوا۔ ایک دن اور ایک رات کہیں نہ ٹھہرا یوں ہی بجلی کی رفتار سے چلتا ہوا اس جگہ پہنچا جہاں مفرورین بیس گھنٹے پیشتر موجود تھے۔ اب تک وہ اس راستے پر چلے جا رہے تھے جس سے تجارتی قافلے جاتے آتے تھے۔ یہ دامن کوہ کے ساتھ ساتھ جاتا تھا۔ صحرا ان کے دائیں ہاتھ تھا۔ اب سکندر کو معلوم ہوا کہ ایک راستہ سیدھا صحرا میں سے جاتا ہے جو قریب تر ہے البتہ اس میں پانی نہیں ملتا۔ جو فوجی اس کے ساتھ تھے۔ انھیں خوب دیکھا۔ پانسو سوار بالکل تھکے ہوئے تھے۔ انھیں گھوڑوں سے اتار دیا اور ان کی جگہ قوی پیادوں کو سوار کر لیا۔

---

[1] CASPIAN GATE باب کاسپین میں نے کاسپین کا موجودہ نام قزوین استعمال کرنا مناسب سمجھا۔

باقی سب کو وہیں چھوڑا اور چاند کی رات میں صحرا کا راستہ اختیار کر لیا۔

اب ٹھہرنے کا سوال خارج از بحث تھا۔ دن کے سفر میں حبش کے اندر کمی ہونے لگی دوپہر کی تیز دھوپ میں وہ سکندر کے ساتھ بندھے جا رہے تھے۔ پانی ان کے پاس باقی نہ رہا تھا۔ بعض طلایہ گرد سوار چڑھے کے کسی مشکیزے یا اپنے خود میں چٹانوں سے پانی تلاش کر کے لائے اور سکندر کی خدمت میں پیش کیا۔

سکندر نے پوچھا: "یہ تم کس کے لیے لائے؟"

آدمی: "آپ کے لیے"

سکندر کے آس پاس سیکڑوں آدمی کھڑے تھے اور اُن کی نظریں پانی پر جمی ہوئی تھیں کسی نے کچھ نہ کہا۔ سکندر نے پانی ریت پر گرا دیا۔ اور کہا: "تنہا ایک آدمی کا پانی پی جانا قطعاً مناسب نہیں۔"

عصر کے وقت انھیں دو پہاڑوں کے پاس سڑک پر گرد و غبار اڑتا ہوا دکھائی دیا۔ یہ مفرورین کا نشان تھا صحرائی سفر میں سینتالیس گھنٹے گزر چکے تھے۔ فوجی اس حالت میں نہ تھے کہ لڑائی شروع کر سکیں لیکن سکندر انھیں آگے بڑھاتا گیا۔ یہاں تک کہ مفرورین کے پس ماندہ آدمیوں اور چھوڑی ہوئی گاڑیوں سے بھی وہ آگے نکل گئے (تنخواہ دار یونانی اس سے بیشتر ہی دارا کا ساتھ چھوڑ کر اِدھر اُدھر کے پہاڑوں میں جا چھپے تھے) حاکم بچ کر نکلا اور ایک ندی میں جا چھپا۔ جو آدمی میدان میں رہ گئے تھے وہ اتنے تھکے ماندے تھے کہ چنداں مزاحمت نہ کر سکے۔ اور جیسے ہی مقدونی ان کے پاس پہنچے وہ زمین پر گر گئے یعنی اطاعت قبول کر لی۔ لیکن دارا کا کوئی سراغ نہ تھا۔ ایک گاڑی کو دو خچر کھینچ رہے تھے۔ بظاہر اُس میں کوئی سوار نہ تھا۔ پیاسے جانوروں کو پانی کی خوشبو آ گئی تھی۔ اور وہ چشمے کی طرف بڑھ رہے تھے۔ دن نکلنے سے پیشتر اِسی گاڑی میں دارا کی لاش ملی۔ اُسے خود اس کے افسروں نے قتل کر دیا تھا۔ سکندر نے اپنا سفید لبادہ مقتول شاہنشاہ کی لاش پر ڈال دیا۔[1]

---

[1] تاریخ کا بیان ہے کہ حاکم کا نام بسوس تھا جب سکندر کو قریب پہنچتے دیکھا تو اُس نے بھاگنا چاہا اور دارا سے بھی کہا کہ گھوڑے پر سوار ہو کر ساتھ چلو۔ دارا نے انکار کیا تو بسوس نے شاہنشاہ کے مہلک زخم لگائے اور گاڑی میں چھوڑ کر بھاگ گیا۔ انھیں زخموں کے باعث بیچارگی کی حالت میں دارا نے وفات پائی۔

چودھواں باب

عقاب، آفتاب اور سلطنت

اپنے ایک ملازم کے خنجر سے دارا کی یہ ذلت خیز موت چنداں اہم نہ تھی۔ اصل معاملہ یہ تھا کہ یہ شخص شہنشاہی کا تاج اور دوشالہ پہنے ہوئے تھا اور اب اس کی قیادت ختم ہو چکی تھی۔ یہاں یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ دارا نے خود اپنے پیش رو کو قتل کر کے تخت سنبھالا تھا جو ہخامنشی خاندان کا آخری فرد تھا۔ پرسی پولس پہنچنے کے وقت سے سکندر مقدونیہ کو مغربی سرزمینوں پر اقتدار حاصل ہو چکا تھا اور اکبتانا میں داخل ہوتے ہی اس نے فرمانروائی کی ذمہ داریاں سنبھال لی تھیں۔

اکبتانا طبعی اور مادی لحاظ سے سکندر کے نزدیک زیادہ موزوں تھا۔ اس کے اردگرد سات فصیلیں تھیں۔ جو شاہراہ سے شروع ہو کر اندر تک جاتی تھیں اور ساتوں کے رنگ الگ الگ تھے۔ بالا حصار پر سنہری رنگ پھرا ہوا تھا اور وہ خوب چمکتا تھا۔ اس کی ہوا ویسی ہی خنک تھی جیسی کہ پیلا کی تھی اور اس کا طرزِ تعمیر یونانیوں کے فنِ تعمیر سے مشابہ تھا۔ سکندر نے دیکھا تو اسے ایسا معلوم ہوا کہ ایتھنز تباہی کی آغوش سے اٹھ کر ازسرِ نو کھڑا ہو گیا ہے۔ اس سے بھی بڑھ کر یہ کہ اکبتانا کے پاس سے بلند پہاڑوں کا ایک ایسا سلسلہ شروع ہوتا تھا جس کے سامنے یونان کی چھوٹی چھوٹی پہاڑیاں بالکل بے حقیقت نظر آتی تھیں۔ شمالی سمت میں اراراٹ پہاڑ موجود تھا جو نظر نہ آتا تھا۔ تاہم اس کی چوٹیاں برف پوش تھیں۔ اراراٹ کی جانب سے آرمن آئے اور انھوں نے سکندر کو بتایا کہ ہمارے پہاڑوں میں اتنی بڑی جھیلیں موجود ہیں جو زمین بند سمندروں سے مشابہ ہیں۔ نیز کانیں ہیں جن سے اب تک دھاتیں نہیں نکالی گئیں۔ یہ آرمن ان پرجلال شاہنشاہوں کی اطاعت قبول کر چکے تھے جن کے عہدِ حکومت لڑائیوں سے بالکل پاک رہے وہ لڑائیوں کو بالکل پسند بھی نہ کرتے تھے۔ یہ زرتشت کے امن پسندانہ طرزِ عمل کا نتیجہ تھا جو ان

جھیلوں کے پاس ایک چھوٹی سی جھونپڑی میں رہتا تھا۔ یہ پہاڑی لوگ یعنی ارمن اور کرد و قبیلے زرتشت کا مذہب قبول کر چکے تھے اور انھوں نے بلند ترین مقامات پر آتش کدے تعمیر کر رکھے تھے۔

یقین ہے کہ ان حالات نے سکندر کے ذہن میں میزا کے اندر پڑھے ہوئے سبق تازہ کر دیے ہوں گے۔ ارسطو اوہام پرستی کا دشمن تھا۔ وہ کہتا تھا کہ انسانوں کے مختلف گروہ اپنے آپ کو ماحول کے مطابق بنا لیتے ہیں۔ اور اسی جدوجہد میں اُن کی روح اعلیٰ مدارج طے کر لیتی ہے ان زرتشتیوں کا عقیدہ یہ تھا کہ وہ اس جدوجہد میں لگے ہوئے ہیں اور اس سلسلے میں وہ کسی دیوتا کی مورتی کے سامنے نہیں جھکتے۔ یہ آریائی جب معمولی چیزوں یعنی آگ، پانی اور زندگی کے متعلق بھی بات کرتے تو سکندر اُن کے مطالب سے آگاہ ہو جاتا اس لیے کہ ان کے الفاظ سے یونانی روشناس تھے۔ ان لوگوں کی لوک کہانیوں میں یہ ذکر بھی موجود تھا کہ کوہستانِ ارارات کے اردگرد ایک بہت بڑا طوفان آیا اور یہ لوگ اس میں بچے رہے۔ اُن کا یہ عقیدہ بھی تھا کہ ایک دُمدار تارا کسی وقت زمین سے ٹکرائے گا اور آگ کا طوفان ہر طرف پھیل جائے گا۔ یہ اس میں محفوظ رہیں گے۔ کچھ بہ اطمینان دائمی بہشت میں داخل ہو جائیں گے

اُنھوں نے سکندر کو ایک ایسی جگہ دکھائی جہاں ہمیشہ آگ جلتی رہتی تھی۔ زمین کے شگافوں سے سیاہ رنگ کا ایک سیال مادہ اُبل رہا تھا اور پانی کی طرح بہہ کر ایک چشمے میں جا گرتا تھا جہاں مسلسل آگ شعلہ زن رہتی۔ وہ کہتے تھے کہ چٹانوں کے درمیان ایسی آگ جمکتی ہے اور اُس میں سے دھواں نکلتا ہے۔ مقدونوی سائنس دانوں کا خیال یہ تھا کہ یہ ایک نیا عنصر دریافت ہوا ہے نفط اور رال دونوں سے مشابہ تھا۔ اگر جلتی ہوئی مشعل اس کے قریب لاتے تو اس میں فوراً ہی اشتعال پیدا ہوتا۔ بھاپ اور سیال کے اس آتش گیر مرکب سے اہلِ مقدونیہ نے جو تجربات کیے وہ پیٹرول کے امتحان کا دنیا میں پہلے ریکارڈ تھے۔

"بربریوں نے اِس مادے کی قوت کا تماشا دکھانے کی تدبیر یہ سوچی کہ سکندر کی قیام گاہ کے سامنے جو بازار تھا اُس میں یہ سیال مادہ چھڑک دیا رات ہوئی تو وہ بازار کے آخری حصے میں مشعلیں لے کر کھڑے ہو گئے نم آلود

زمین سے مشعل چھوئی تو پورے بازار میں اتنی تیزی سے شعلے بھڑک اُٹھے کہ انسانوں کے خیال میں یہ بات نہ آسکتی تھی۔ فوراً پورا بازار آتش زار بن گیا۔"

ایک اور تجربہ کیا گیا۔ ایک یونانی نے کہا اس عجائب خیز شعلے کو میں قابو میں لا سکتا ہوں اور مجھ پر کوئی اثر نہیں ہو سکتا چنانچہ اُس نے اپنے جسم پر اس سیّال مادے کی مالش کر لی اور ساتھیوں سے کہا کہ اب آگ میرے پاس لاؤ۔ اس تجربے کا انجام قطعاً خوشگوار نہ ہوا۔ جب جسم جل اُٹھا تو اُس پر پے در پے پانی ڈالا گیا۔ آگ بجھنے تک اُس بچارے کے جسم کا خاصا حصّہ جل چکا تھا۔

دیادس اور دوسرے انجینیر اس نئی قوّت کے عجائبات سے مسحور ہو گئے۔ سکندر کو پرسی پولس میں ایک حد تک اور اکبتانا میں واضح طور پر کوروش کے جانشین ہخامنشی کی حکمرانی میں مختلف قسم کی ایک نئی قوت نظر آئی۔ اب اُس کے دل میں ہخامنشیوں کا احترام پیدا ہو چکا تھا۔ اُس نے دیکھا کہ مقدونیوں کی طرح کوروش کے ایرانی بھی گھوڑے کی سواری کو پسند کرتے تھے اور آزادی سے اُنھیں محبت تھی۔ وہ اکھڑ سے لوگ تھے۔ اُن کی عورتیں باہر پھرتیں اور بیشتر عام تمام کام انجام دیتیں لیکن اِن شاہنشاہوں نے وہ کام انجام دیا جو ان سے پہلے کبھی انجام نہ پایا تھا۔ ان میں حکمرانی کا خاص جوہر تھا اور اپنی سلطنت میں انھوں نے اقوام کی ایک دولتِ متحدہ قائم کر لی۔

سکندر کو ایرانیوں، کُردوں، ارمنوں اور مجوسیوں نے بتایا کہ ہخامنشیوں سے پیشتر حکمرانی کے طور طریقے کیا تھے۔ مثلاً بابلیوں نے ایک شہری ریاست قائم کی۔ یہ بہت عظیم الشان تھی لیکن دراصل ایک شہر تمام شہروں پر حکومت کرتا تھا۔ اشوریوں نے مختلف قوموں کو فتح کر لیا اور سب کو اشوری سلطنت کی رعایا بنا لیا۔ اُن کے برعکس ایرانی ہخامنشیوں نے دوسری قوموں پر حکمرانی کا انتظام ضرور کیا تاہم اُن کو قوموں کی حیثیت میں محفوظ رکھا۔ گویا انھوں نے "اجزا" کو محفوظ رکھتے ہوئے ایک "کل" تیار کر لیا۔

ہر حصّے کے لیے ایک گورنر مقرر تھا۔ انھوں نے نہروں کے ذریعے سے دریاؤں کو سمندروں کے ساتھ ملایا۔ شہروں کو سمندروں سے قریب تر لانے کے لیے سڑکیں تعمیر کر دیں۔ انہی سڑکوں پر سے طارس کی کانوں سے چاندی لاتے تاکہ پرسی پولس کے محلات کی چھتیں بنائیں۔ عرب سے

خوشبوئیں آئیں تاکہ کمروں کی فضا معطر رہے۔ اِن شاہنشاہوں سے جو واقعی روئے زمین کے فرمانروا تھے اپنی سلطنت میں ہخامنشی امن کا قانون جاری کیا۔ انھوں نے پہلے عالی شان سوار تیر اندازوں سے کام لے کر سب کو دائرہ امن میں داخل کیا۔ جو درِ دانیال سے شروع ہو کر مشرق میں دریائے سندھ تک پھیلا ہوا تھا۔

نظر بظاہر کورُوش کے زمانے سے آخری دارا کے زمانے تک ہخامنشیوں کی حیثیت میں تبدیلی آچکی تھی لیکن مشرق کے دانش مند لوگ اطمینان بخش طریق پر بتا نہ سکتے تھے کہ تبدیلی کیا تھی؟ مثال کے طور پر کورُوش نے ابتدا میں بابل کے مندروں پر کوئی توجہ نہ کی تھی لیکن جب اُسے بابلیوں کا عقیدہ معلوم ہوا کہ بادشاہ اُن کے دیوتا مُردوخ کی قوت سے حکمرانی کرتا ہے تو اُس نے مردوخ کے مندر کو بند کر دینے کا حکم دے دیا۔ اسی طرح دارائے اوّل نے مصر میں آمن رع کے مندر بند کرا دئے تھے۔

تدریجاً ہخامنشیوں اور ایرانیوں میں تبدیلی آتی گئی۔ شروع میں وہ حکمرانی کے فرائض انجام دینے کے لیے ضرورت کے مطابق شہر بہ شہر جاتے تھے۔ جب حکومت کا دائرہ بہت پھیل گیا تو جگہ جگہ دورے کا طریقہ چھوڑ دیا۔ اُن کے پاس بہت دولت جمع ہو گئی اور وہ اپنی حفاظت کے لیے اُس محافظ فوج پر انحصار کرنے لگے جس کا نام "غیر فانی" رکھا گیا۔ ضرورت پڑتی تو امرا سے روپے وصول کر لیتے۔ انھیں تنخواہ دار یونانی فوجیوں یا فونیقی بیڑوں سے کام لینے میں بہت سہولت نظر آئی۔ ابتدائی شاہنشاہ اپنے کل کی تمام قوموں کا انتظام خود کرتے تھے۔ بعد کے شاہنشاہوں کا طریقہ یہ نہ رہا بے شک مختلف قومیں اُن کی حمایت کرتی تھیں لیکن خود اُن کی حیثیت کٹھ پتلیوں کی سی تھی۔ جن کے گرد و پیش سازشوں کا سلسلہ جاری رہتا تھا۔ البتہ کورُوش نے جو نظام قائم کر دیا تھا وہ بدستور باقی رہا۔ اس لیے کہ اندرونِ ملک میں امن قائم تھا۔ مقدونیوں کی آمد تک کسی قوم کو اِن شہنشاہوں کے مقابلے پر کھڑے ہونے کا حوصلہ نہ ہوا۔

سکندر نے اکبتانا کے پہاڑوں میں کورُوش کے نظام پر غور کیا تو اپنی زود فہمی سے اُس کی انتہائی اہمیت کا اندازہ کر لیا۔ اُس نے سوچا کہ مختلف قوموں کی یہ متحدہ دولت جو ایک مرتبہ کامیاب ہو چکی ہے مغربی دنیا کی تمام قوموں کو شامل کر کے بدستور جاری رکھی جا سکتی ہے۔ اُس کے سامنے اس

نظام کو چلانے کے لیے صوبے داروں اور مشیروں کا پرانا طریقہ موجود تھا۔ اُس نے صرف ایک تبدیلی کی اور وہ یہ کہ سیاسی نظم و نسق میں صوبے داروں کے اختیارات محدود کر دیئے اور بیت المال کے لیے جگہ جگہ مستقل عمارت تعمیر کر دی۔ اُس نے ہرپالوس کو اکتبانا بلایا اور وہاں پارمینیو کی جگہ زبردست لشکر متعین کر دیا (ہرپالوس بیماری کی حالت میں آیا۔ تو اُن تمام پودوں کی قلمیں اور بیج اپنے ساتھ لایا جو مقدونیہ میں پیدا ہوتے تھے۔ صرف عشق پیچاں مشرقی سرزمین میں فروغ نہ پاسکا

سکندر نے امن و نظم کی نگرانی کا کام سال خوردہ مقدونوی فوجیوں کو سونپنے کا انتظام تیار کر لیا تھا۔ سڑکوں کی پیمائشیں ہو چکی تھیں مختلف علاقوں کے ابتدائی نقشے بن چکے تھے بنیارکس نے ساحلی علاقوں کے نقشے بنا لیے۔ اِس دولت متحدہ میں ایتھنز سپارٹا سے الگ رہ سکتا تھا۔ اور سپارٹا میں زندگی کے جو عجیب و غریب طریقے رائج تھے اُن میں تبدیلی کی کوئی ضرورت نہ تھی۔ اِس کل کی حکمرانی میں شاید یونانیوں کی تباہی خیز گروہ بندی بھی ختم کی جا سکتی تھی۔ اِس لیے کہ وہ بے سود رہ جاتی تھی۔ وہ سوچتا تھا کہ آہستہ آہستہ خانہ جنگیوں کی وبا بھی ختم ہو جائے گی۔ اس لیے کہ سب پر ایسی جنگوں کی بے منفعتی واضح ہو جائے گی۔ البتہ یہ بتانا مشکل ہے کہ اِس منصوبے میں سکندر کی اپنی عقل و دانش کا کتنا حصہ تھا؟ اور کوروش کے ابتدائی نظامِ حکومت کے بارے میں بات چیت سے اُس نے کیا حاصل کیا۔ اِس حقیقت میں کوئی شبہ نہیں کہ اُس نے ایک عالمی سلطنت کے امکان کا تصور قائم کر لیا۔ جو تمام انسانوں کی کائنات پر مشتمل ہوتی۔ اِس میں عورتیں بھی شریک کی جا سکتی تھیں اور تمام حصوں کی آبادی کے درمیان توازن قائم رکھا جا سکتا تھا۔ یوں رُبعِ مسکوں کو ایک کُل کی شکل دی جا سکتی تھی۔

اہلِ مقدونیہ زمان و مکان کے متعلق اپنے تصورات میں ترمیم کر چکے تھے۔ یہاں پیغامات تیزی سے جا بجا پہنچانے کے لیے یہ دستور قائم تھا کہ راستے کے مختلف مقامات پر تازہ دم گھوڑے موجود رہتے اور قاصد ہر مقام سے نئے گھوڑے پر سوار ہو جاتے۔ مقدونوی شاہراہ کی طرح یہاں بھی ایک سرحد سے دوسری سرحد تک سڑکیں موجود تھیں اور اُن کی دیکھ بھال کا انتظام بخوبی ہوتا تھا۔ ان میں ایسی سڑکیں بھی تھیں جو اندرونِ ملک کے سمندر کے دروازوں تک جاتیں تاکہ بحری تجارت کا سلسلہ جاری رہے۔ صحرائی علاقوں میں سے بھی گزر گاہ کے انتظامات کیے گئے

تھے۔ (مقدونیہ کی سڑکیں بہت معمولی حالت میں تھیں۔ وہ دراصل گاڑیاں چلنے کے راستے تھے جو چکر کھاتے ہوئے ایک گاؤں سے دوسرے گاؤں جاتے۔ دیہاتیوں نے خود یہ راستے بنا لیے تھے اور وہی اُن سے کام لیتے۔ سرزمینِ مشرق میں اہلِ مقدونیہ نے گزشتہ آٹھ مہینے میں اتنا راستہ طے کیا تھا جو ان کی وطن کی چوڑائی سے دس گنا تھا)

سکندر کے قبضے میں اب جو کچھ آیا تھا وہ کورش کے قبضے میں کبھی نہ آیا یعنی سمندروں کا کنٹرول اور جہازرانی —— سمندروں سے مراد بحیرۂ روم اور بحیرہ قلزم ہیں۔ سکندر اپنے ساتھ جہازرانی کے تمام فنی اوزار لے کر آیا تھا تاکہ اُن سمندروں میں جہاز چلانے کا بندوبست کرے جن میں پہلے جہاز نہ چلتے تھے۔ اس کے ساتھ جہاز ساز تھے۔ ملاح تھے اور جہازراں اُس کی آرزو تھی کہ ان غیر معلوم سمندروں کے کنارے جلد سے جلد پہنچ جائے۔ قوموں کے درمیان مخابرت کا ذریعہ اُس کے پاس موجود تھا یعنی یونانی زبان —— جس نے ہمہ گیر تجارت کے سلسلے میں ایک ملی جلی زبان کی حیثیت اختیار کر لی تھی اور وہ بابل تک تمام علاقوں میں سمجھی جاتی تھی۔ بابل سے مشرقی جانب ایرانی زبان سرکاری دفتروں، عدالتوں اور تجارتی مرکزوں میں ذریعۂ مخابرت بن سکتی تھی۔ فوج کے ساتھ جو اہلِ علم آئے تھے انھوں نے دونوں زبانوں میں مشابہت معلوم کر لی تھی۔ بڑے بڑے مقدونی افسر بات چیت میں یونانی زبان ہی استعمال کرتے تھے لیکن نوجوان افسروں نے بہت جلد فارسی زبان سیکھ لی تھی۔ وہ اوستاؤں کا مطالعہ بھی کر سکتے تھے جو ژند کے مقدس خط میں لکھی ہوئی تھی یعنی قدیم فارسی زبان میں۔ اوستاؤں کا بیان یہ تھا کہ خیر اور شر، نیکی اور بدی کی دو قوتوں کے درمیان ایک ہمہ گیر کشمکش جاری ہے جس میں ہر فرد اپنے نجات کے لیے جدوجہد کر رہا ہے۔

اکبتانا میں سکندر کے پاس تھوڑے سے دانش مند لوگ موجود تھے جو نیا نظامِ حکومت تخلیق کرنے کی اہلیت رکھتے تھے۔ یونانی اہلِ علم نے اب کلدانیہ کے ریاضی دانوں اور مجوسیوں کے موبدوں سے مشورے شروع کیے۔ ان اہلِ مشرق کو اتنا وسیع علم حاصل تھا کہ فلسفی یونانی بھی اُن کے سامنے کم حیثیت نظر آنے لگے۔ اس میں شبہ نہیں کہ علم و دانش کے نئے معیار کے مطابق وہ واقعی کم حیثیت تھے لیکن وہ اس اعتراف کے لیے تیار نہ تھے۔ اکبتانا میں سکندر نے پہلی مرتبہ مشرقیوں کو اجازت دی کہ اُسے شاہنشاہ بہت سے بادشاہوں کے بادشاہ اور روئے زمین

کا فرمانروا قرار دیں کسی نے اُسے بتایا کہ اکبتانا سے تھوڑے فاصلے پر یہ خطاب دارائے اوّل نے ژند کی عالم گیر زبان میں بے ستون پر کندہ کرا رکھا ہے۔

بطلیموس جیسے لوگوں نے فوراً اس نئے لقب پر اعتراض کیا۔ وہ کہتے تھے کہ سکندر مقدونیہ کا بادشاہ ہے لہٰذا نہ وہ فرعون بن سکتا ہے اور نہ ایشیا کا مطلق العنان فرمانروا ہے شک اُسے مصر پر حکومت کا موقع مل گیا۔ اب ایشیا بھی اُس کے زیرِ نگیں ہے۔ لیکن اس کا مطلب یہ نہیں ہو سکتا کہ وہ مقدونیہ کا بادشاہ نہ رہا یا اُسے بطلیموس کا سوتیلا بھائی نہ سمجھنا چاہیے بطلیموس نے کہا کہ اگر میں اپنے وطن خط بھیجوں اور سکندر کو شہنشاہ قرار دوں تو لوگ ہنسی اڑائیں گے اور ہنسی اڑانے میں وہ بالکل حق بجانب ہوں گے۔

بوڑھا پیش گو ایرسٹانڈر بدستور ڈلفی کے پجاریوں سے خط و کتابت کر رہا تھا۔ اُسے یہ شکایت پیدا ہوئی کہ بابل میں بیل اور مردوخ کے مندوں کے دروازے کھول دیے گئے اور اب لوگ پروارِ شیطان مردوخ کی قوت کے سامنے جھکنے لگیں گے۔ سکندر کو اس پر تعجب ہوا اور بولا: اگر وہ ایسا کرنا چاہتے ہیں تو آپ کو کیوں اعتراض ہے؟ ایرسٹانڈر نے جواب دیا: اعتراض کیوں نہ ہو؟ بابلیوں کے دل میں یہ خیال پیدا ہو چکا ہے کہ تمھیں اقتدار مردوخ سے حاصل ہوا۔

سکندر بے تاب ہو کر بولا: "بابلی لوگوں کے خیالات سے مجھ پر کیا اثر پڑتا ہے؟ اُن کے خیالات میری فطرت نہیں بدل سکتے۔

ایرسٹانڈر: لوگ جو خیالات قائم کر لیتے ہیں۔ ان کی خاصی اہمیت ہوتی ہے۔

سکندر: وہ ہمارا شکریہ ادا کر چکے ہیں اور ہماری تعریف کرتے ہیں۔

ایرسٹانڈر: ہاں مگر الفاظ کی حد تک، جو خیالات الفاظ کا جامہ پہن کر زبان پر نہیں آتے اُن کے معنی بہت گہرے ہوتے ہیں

سکندر نے خفگی کی حالت میں بوڑھے کو رخصت کیا۔ ایرسٹانڈر نے محسوس کر لیا کہ سکندر پہلے کی طرح اُن شگونوں کی اہمیت کا قائل نہیں رہا جو اُلوہی قوتوں کے رجحانات کا نشان ہوتے ہیں اور مجھے صرف اس لیے ساتھ رکھتا ہے کہ لوگوں کے اوہام کی تسکین ہوتی رہے ہیفاسشن اس پر مسکرایا اور سکندر کو مطلق العنان کہہ کر اس خیال کی تلخی مٹا دینے کی کوشش کی دوسرے لوگوں کی

طرح ہفاسٹشن بھی جانتا تھا کہ سکندر نئے اوزاروں اور نئے دستوروں کا تجربہ کرنے کا کس درجہ مشتاق ہے۔ اس کے علم کے مطابق سکندر میزا میں ارسطو سے سن چکا تھا کہ افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریت میں جس مثالی حکومت کا نقشہ کھینچا تھا وہ بھی قائم نہیں ہوئی۔ لہٰذا قائم نہیں ہو سکتی۔ محض خوش آئند خیالات کے ذریعے سے ایسی حکومت تخلیق نہیں پا سکتی۔ البتہ انسانی ضرورتوں کے مطابق نشوونما پاکر ایک اچھی حکومت بن سکتی ہے اور سکندر مہینے دو مہینے نئے ہسپتالوں یا دواؤں کے انتظام یا شاید بیڑوں کی تعمیر کے منصوبے سوچتا رہے گا بشرطیکہ اسے کہیں سمندر مل جائے۔

ہفاسٹشن کا یہ استدلال صحیح بھی تھا اور غلط بھی۔ سکندر ان انتظامات کے متعلق یقیناً غور و فکر کرتا رہا لیکن اس نے نئے عقیدے سے کبھی دستکشی اختیار نہیں کی اور وہ یہ تھا کہ ربع مسکوں کی تمام قوموں کو یکجا کیا جا سکتا ہے۔

لسی پس چاندی کے نئے سکوں کے لیے سکندر کے چہرے کا خاکہ تیار کر رہا تھا۔ اسے یہ شکایت پیدا ہوئی کہ مشرقی سرزمینوں میں بت سازی کا فن کسی کو نہیں آتا۔ ایرانیوں میں انسان کی تصویر بنانے کی صلاحیت مفقود ہے۔ وہ چٹانوں یا پتھر کی تختیوں پر آرائشی یا افسانوی منظر تو کندہ کر لیتے ہیں لیکن انسانی تصویر نہیں بنا سکتے۔ وہ تزئین و آرائش کے لیے جانوروں کی ایک ہی شکل کے نمونے بار بار دہراتے جاتے ہیں مثلاً دوڑتے ہوئے ہرنوں یا عقابوں کی اڑتی ہوئی قطاریں سکندر کے نزدیک یہ امر قطعاً موجبِ شکایت نہ تھا۔ اس کی رائے تھی کہ یہاں کے اہلِ فن دراصل صنعت گر ہیں۔ وہ عمارتوں کی دیواروں پر تزئین کے لیے اس غرض سے نقش و نگار بناتے ہیں کہ انسانی آنکھیں انھیں دیکھ کر خوش ہوں۔ وہ پہاڑیوں کے دامن میں ایسی موزوں عمارتوں کے نقشے تیار کرتے ہیں کہ دیکھتے ہی یقین ہو جائے کہ اس سے موزوں تر کوئی نقشہ نہ ہو سکتا تھا۔ وہ ایسے سائبان بناتے ہیں جن میں لوگ جمع ہوں اور گرمی سے محفوظ رہیں۔ یہ مقصد نہیں ہوتا کہ عمارت کے سامنے ایک چھوٹا سا روکار بن جائے۔

بہر حال سکندر کے سر کا نقشہ تیار ہو کر سامنے آیا تو لسی پس نے اس پر شیر کی گردن کی طرح لمبے لمبے بال بنا دیے تھے اور ٹھوڑی کے نیچے شیر کے پنجے کی شکل تھی۔ سکندر اس قسم کا نقشہ بنوانا چاہتا تھا لیکن فیصلہ کیا کہ فی الحال یہ نئے سکوں پر استعمال نہ ہونا چاہیے۔

اکتبانا میں ایک نیا توجہ طلب مسئلہ پیدا ہو چکا تھا اور وہ ان سپاہیوں کا مسئلہ تھا جنھیں مقدونیہ کے ساحل سے روانہ ہوئے چار سال گزر چکے تھے۔ سکندر اُن سے وعدہ کر چکا تھا کہ گاگامیلہ کی جنگ آخری جنگ ہے۔ سوال یہ تھا کہ اب اُن آدمیوں سے کیا کہا جاتا۔

جن آدمیوں نے اُس کے ساتھ درِ دانیال کو عبور کیا تھا، اُن میں سے غالباً نصف بھی یہ سوال پیدا ہونے کے وقت اکتبانا میں موجود نہ تھے۔ کچھ مر چکے تھے کچھ زخمی ہو چکے تھے۔ کچھ بیماری کے باعث واپس بھیجے جا چکے تھے۔ بہت سی کمپنیاں راستے میں مختلف مقامات پر متعین کر دی گئی تھیں اور وہ وطن سے جو رنگروٹ تیسرے سال آئے وہ شوش میں بڑی فوج سے آملے تھے اور خود مشرقی سرزمین سے بھی بہت سے جیش بھرتی ہو چکے تھے۔ لیکن سکندر وعدہ کر چکا تھا۔ اور وہ اپنی ذمہ داریوں کو پورا کرنے میں ہچکچاہٹ کا روادار نہ تھا۔ اکتبانا شاہنشاہِ ایران کے چار دارالحکومتوں میں سے آخری تھا جس پر قبضہ ہوا۔ سپاہی اور افسر جانتے تھے کہ جنگ میں آخری کامیابی حاصل ہو چکی ہے۔ سکندر نے یہ مسئلہ یوں حل کیا کہ جو جیش گھر واپس جانے کے لیے تیار ہو وہ چلا جائے۔ اُس کے کچھ آدمی ایشیا میں رہنے کے لیے تیار ہوں تو وہ دوسرے جیشوں میں شامل ہو جائیں (بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے پرانے مقدونی لشکریوں کو ایسی اجازت نہ دی اور اجازت دے بھی دیتا تو وہ چھوڑ کر جا نہ سکتے تھے) تھسلی کے سواروں اور مقدونیہ سے باہر کے یونانی لشکریوں نے واپسی کا فیصلہ کر لیا۔

اُن کی تنخواہیں ادا کر دی گئیں اور یہ انتظام کر دیا گیا کہ ساحل پر پہنچ کر گھوڑے فروخت کر دیں اور نئے جہازوں میں بیٹھ کر یونان چلے جائیں۔ سکندر نے دو ہزار ٹیلنٹ (جو آج کل کی قوتِ خرید کے مطابق دو کروڑ ڈالر بنتے ہیں) اپنے ذاتی روپے میں سے بطورِ انعام دے دیے۔ دوسرے جیشوں کو اکتبانا میں ٹھہرنے کی اجازت مل گئی لیکن اُس وقت تک سکندر مشرقی جانب حرکت کا فیصلہ کر چکا تھا۔ اسی لیے اُس نے کلائٹس کو حکم بھیج دیا کہ اپنے سواروں کو لے کر پارتھیا میں فوج کے ساتھ شامل ہو جائے وہ بیماری کے باعث پرسی پولس میں ٹھہرا ہوا تھا۔

بعض آدمیوں نے یہ رائے ظاہر کی کہ اب کسی مقصد کے بغیر آگے بڑھنا پاگل پن ہے لیکن سکندر کی روز افزوں کامیابیوں سے فائدہ اٹھانے والوں کے پرجوش نعروں میں اُن کی

شکایت دب گئی۔ بعض افسروں نے شکایت کی کہ مقدونوی فوج کی ہیئت بدل کر اُسے فوجی آبادکاروں کی حیثیت دے دی گئی ہے۔ رسالہ خاص کا بریگیڈیر فلوٹس باہر نکلتا تو بڑی شاندار وردی پہن لیتا اور دھوم دھام سے اپنا جلوس نکلواتا۔ اُس کے باپ پارمینیو نے اُسے متنبہ کر دیا کہ تم سکندر سے بھی بڑھ کر اپنے آپ کو نمایاں کرتے ہو۔

خزانے میں جتنی رقم جمع ہو چکی تھی اُس کا حساب کیا گیا تو خاص کارکنوں کی توقع سے بھی بہت زیادہ نکلی۔ یہ رقم جس میں سکے، سونا چاندی، بیش قیمت جواہرات یا مال اسباب ہر چیز شامل تھی ایک لاکھ اسی ہزار ٹیلنٹ تھی۔ مقدونیہ میں چار سال پیشتر دولت کے اس انبار کا کبھی کو خیال بھی نہ ہو سکتا تھا۔ اُسے محفوظ طریق پر وطن پہنچا دیا جاتا تو مقدونیہ کی چھ لاکھ آبادی دو پشتوں تک فارغ البالی سے زندگی گزار سکتی اور ہر کنبہ دولت مند بن جاتا۔

اصل سوال اسے وطن پہنچانے اور روپے کے طور پر استعمال کرنے کا تھا۔ اہلِ مقدونیہ کے علم کے مطابق یہ خزانہ ربعِ مسکوں کی دولت کا بہت بڑا حصہ تھا اُس کا ایک جزو بھی سکوں کی شکل اختیار کر لیتا تو مغربی دنیا کی تمام منڈیوں میں دولت کا طوفان آ جاتا اور دوسرے لوگوں کے علاوہ یونان کے تجارت پیشہ شہروں کا بھی دیوالہ پٹ جاتا۔ اس دولت کو استعمال کرنا ممکن ہی نہ تھا۔

مشرق میں یہ انبار ایران کی زوال پذیر حکومت نے زرِ محفوظ کے طور پر رکھ چھوڑا تھا۔ سکندر اسے بدستور محفوظ رکھنا چاہتا تھا اور اُس کی خواہش یہ تھی کہ اس سے نظامِ حکمرانی کی نئی ترتیب میں کام لے۔ اُس نے انعاماتِ جنگ تقسیم کر دیے افسروں اور سال خوردہ سپاہیوں کو تحفے بھی دے دیے لیکن انبار کا صرف ایک معمولی سا جزو خرچ ہوا۔ پورا انبار قلعہ اکتبانا کے خزانے میں رکھ دیا گیا تھا جس کا انتظام پارمینیو کے سپرد تھا حقیقت یہ ہے کہ سکندر نے اکتبانا میں بیٹھے بیٹھے چند روز کے اندر یہ سارے انتظامات کر دیے۔

اب اُسے بہت سے غیر محسوس رشتے مشرق کی طرف کھینچ رہے تھے۔ جہاں سے سورج طلوع ہوتا تھا۔ خزانے کا سب سے زیادہ قیمتی حصہ سونے کے وہ ذرات تھے جو دریائے سندھ کی سرزمینوں سے حاصل ہوئے تھے۔ سکندر جانتا تھا کہ یہ سرزمینیں ربعِ مسکوں کے آخری مشرقی حصے

میں واقع ہیں۔ جہاں دریائے سندھ پہاڑوں سے نکل کر بہتا ہے۔ وہی مقام اب اُس کے افکار و خیالات کا نصب العین تھا۔ وہی غیر معلوم خطّہ جو آخری پہاڑی سرحد کے پار واقع تھا۔ یہ خطّہ اُن زرد پہاڑوں سے بدرجہا زیادہ وسیع تھا جن سے وہ گذر آیا تھا۔ مجوسی کہتے تھے کہ دریائے سندھ کے ساتھ ساتھ دوسرے آریائی قبیلے رہتے ہیں۔ اُس طرف راستے میں باقی زمین کے اوپر ایک زمین بند سمندر پھیلا ہوا ہے اور کسی ایک مقام پر جس کا علم آدمیوں کو نہیں پانی کا ایک ناپیدا کنار خطّہ واقع ہے جس نے کرۂ ارض کو گھیر رکھا ہے۔

یہ تمام رشتے مل گئے۔ اور سکندر کے دل میں یہ کشش پیدا کر دی کہ اُس خطّے کا سراغ لگانا چاہیے جو لوگ اُس کے گرد و پیش جمع تھے اُنھوں نے دانستہ سکندر کے اشتیاق کے لیے تازیانوں کا کام دیا۔ اُن کی خواہش یہی تھی کہ سکندر ایران میں رہ کر اپنے مجوزہ منصوبے کو پورا نہ کرے بلکہ نئے علاقوں کی دولت سمیٹنے پر متوجہ ہو جائے۔ وہ اکبتانا سے اِس عجلت کے ساتھ نکلا کہ نئی حکومت کا جو نظام مقدونوی افسر اور ایرانی کارندے سنبھالنے بیٹھے تھے وہ بھی پوری طرح تشکیل پذیر نہ ہوا تھا اور نہ اُسے عمل میں لایا جا سکا تھا۔ چنانچہ اُس کا رخصت ہونا ہی بڑھتے ہوئے اختلال اور مشکلات کا پیغام بن گیا۔ وہ ۳۳۰ق م کے موسمِ بہار میں اِس ارادے کے ساتھ دارا کے تعاقب کے لیے روانہ ہوا تھا کہ ایک یا دو سال میں واپس آجائے گا لیکن واپسی میں سات سال سے بھی زیادہ مدت گزر گئی۔

تیسرا حصّہ

پندرھواں باب

عیش و عشرت کی تباہ کاری

اِس تباہ کاری کا آغاز چھوٹی چھوٹی چیزوں سے ہوا۔ مثلاً ذاتی عیش و عشرت کا سامان تفریحی مشغلے اور ملازمین۔ یہ غیر محسوس طور پر بڑھی اور اس نے شخصیتوں کے درمیان کشاکش کی شکل اختیار کر لی۔ اغلب ہے اس کا آغاز بہت پہلے ہو چکا ہو، یعنی ایشیائی مہم کے ابتدائی دور میں، لیکن زیادہ نمایاں مغربی ایشیا کے سہ ماہی تصرف کے زمانے میں ہوئی۔

مقدونیہ کے فوجی پیادوں سے کمانداروں تک بڑے تجربہ کار مہم باز تھے یعنی وہ اپنے آرام و آسائش کے انتظامات کو بخوبی سمجھتے تھے مزید براں ایشیائی یونانیوں یعنی اہلِ آئی اونیا نیز مصری اور یونانی امراء کے مقابلے میں وہ کم تہذیب یافتہ تھے۔ اپنے وطن میں انھوں نے صرف دو پیشوں میں مہارت حاصل کی تھی۔ ایک رزم و پیکار دوم کھیتی باڑی اب انھیں تجارت اور کاروبار سیکھنے کا موقع ملا تھا اُن میں سے تھوڑے سے افراد تھے جو اہلِ ایشیا کی ذہنیت کو سمجھنے کی کوشش کرتے تھے مثلاً سکندر ہفا اسشن اور پیوسسٹاس[1] لیکن ہر منزل پر انھیں آرام و آسائش کے جن سامانوں سے سابقہ پڑ رہا تھا اُن سے سب کے سب بہت زیادہ متاثر ہوئے۔ متصرفہ علاقوں میں کھیتی باڑی اتنی محنت و مشقت کی متقاضی نہ تھی جو انھیں مقدونیہ کے پہاڑی علاقوں میں برداشت کرنی پڑتی تھی۔ وہ بیج مہیا کر دیتے، نہروں سے پانی مل جاتا، غلام مزدوروں کی افراط تھی۔ اور ایسا معلوم ہوتا تھا کہ فصلیں جادو کے ذریعے سے تیار ہو جاتی ہیں۔

سکندر کی دولت بخشی نے مقدونوی معیاروں کے مطابق فوج کے چھوٹے چھوٹے افسروں کو بھی دولت مند بنا دیا تھا۔ ایک رجمنٹ کے کماندار کے پاس بھی اتنا روپیہ جمع ہو گیا تھا جس سے وہ ایک پورا گاؤں خرید سکتا یا دریائی کشتیوں کا ایک بیڑا تیار کر لیتا اور سکندر نئی سرزمین میں اس طرح

---

[1] PEUCESTAS

روپیہ لگانے کی کھلم کھلا حوصلہ افزائی کرتا تھا لیکن سپاہیوں کے دوسرے افکار و اعمال سے وہ خوش نہ تھا۔ مثلاً ان میں مشرقی خوشبوؤں یا حماموں کا ذوق ترقی پا رہا تھا وہ چاہتے تھے کہ سادہ تیل کے بجائے مصری ابٹنا اُن کے جسم پر ملا جائے۔ وہ چاندی کے برتن پسند کرتے اور شام کے ماہر فن مالشیوں سے مالش کا کام لیتے تھے۔ سکندر نے ایک فوجی افسر کو دیکھا جو اپنی چپلوں میں چاندی کے کیل لگواتا۔ ایک اور افسر ایک خاص سفوف اپنے جسم پر ملواتا جو مفس سے اونٹوں پر لد کر آتا۔

فلوٹس شکار کے لیے نکلتا تو سکریٹریوں اور خادموں کی ایک بہت بڑی جماعت ساتھ ہوتی اُس نے بطور خاص ایسے جال بنا رکھے تھے جو نصف میل گھیر لیتے۔ ہرنوں، بھیڑیوں یا سوروں کو گھیر کر اُس طرف لے جاتے اور بہت زیادہ شکار مار کر لاتے۔ شکار کے بعد وہ شاہی پیمانے پر دعوتوں کا انتظام کرتا اور مہمانوں کو وہ شراب پلاتا جو برف ڈال کر ٹھنڈی کی جاتی۔ سکندر کے پاس بھی جوتشیوں ترجمانوں اور جغرافیہ والوں کی ایک بڑی جماعت جمع ہو گئی تھی۔ اس وجہ سے اُس کے دسترخوان کا خرچ بڑھ گیا تھا لیکن وہ سب کو سادہ غذا کھلاتا اور اپنے باورچی خانے کا خرچ حدود کے اندر رکھتا۔

اولمپیاس کی طرف سے خطوط کا سیل برابر آتا رہتا۔ اُس نے ایک خط میں سخت شکایت کی کہ سکندر خود بہت کم روپیہ لیتا ہے اور اپنے ساتھیوں کو صد درجہ دولت مند بنا رہا ہے۔ نتیجہ یہ ہو گا کہ انجام کار وہ مفلس رہ جائے گا اور ساتھی بادشاہوں کا سا درجہ حاصل کر لیں گے۔ سکندر اس نصیحت پر تو متوجہ نہ ہوا لیکن وہ اپنے اُن سپاہیوں کی مذمت ضرور کرتا تھا جنھوں نے اپنے سازو سامان کی صفائی اور گھوڑوں کی دیکھ بھال کے لیے نوکر مقرر کر لیے تھے۔ وہ پوچھتا کہ جو سپاہی ذاتی ضرورتیں اپنے ہاتھ سے پوری نہیں کر سکتا کیا وہ سپاہی سمجھے جانے کے قابل ہے

جب فوج شہروں میں ٹھہری ہوتی تو مختلف افراد سے ملازموں کے ہجوم کو الگ کرنا آسان نہ تھا۔ فوج کسی جگہ قیام پذیر ہو جاتی تو نوکروں چاکروں کے لشکر اُسی جگہ جمع ہو جاتے جس طرح اچھی چراگاہوں میں مویشیوں کے ریوڑ جمع ہو جاتے ہیں۔ عورتیں بچے پیدا کرتیں۔ ترجمان اپنے بوڑھے والدین کو ساتھ لے لیتے جن کی دیکھ بھال اُن کے لیے ضروری تھی اور رہبر مختلف لوگوں سے برادری کا رشتہ پیدا کر لیتے۔ پھر ایک مصیبت یہ آئی کہ جن ایرانیوں کو ساتھ لیا گیا تھا۔ اُن میں سے ہر ایک کے پاس فنی معاونوں کی ایک جماعت ہوتی۔ پارتھیا اور ہرکینیا کے گورنر نئے بادشاہ کے رسمی سلام کے لیے

حاضر ہوتے تو مشیروں، طبیبوں، اصطبل کے منتظموں، محاسبوں اور قاصدوں کی بڑی بڑی جماعتیں اُن کے ساتھ آتیں۔ اُن کی بیویوں کے حاشیہ نشینوں کی جماعتیں اس سے الگ ہوتیں۔

اہلِ ایشیا صدیوں سے اپنے شہنشاہ کے پاس آنے کے عادی ہو چکے تھے۔ اسی عادت کے مطابق اب وہ سکندر کے پاس آتے جس سے وہ ڈرتے بھی تھے اور اُس کا احترام بھی کرتے تھے۔ وہ اُسے سکندر شاہ اور فرستادۂ خدا کہتے اور انھیں روکا نہ جاتا تو سکندر کو دیکھتے ہی زمین بوس ہو جاتے۔ شاہنشاہ کے زیرِ سجدہ عجز و تذلل کا فعل نہ تھا بلکہ احترام کا فعل تھا۔ اس لیے کہ وہ سمجھتے تھے شاہنشاہ کو خدا نے خاص قوت عطا کر رکھی ہے وہ سورج دیوتا اہورا کے شکوہ و جلال اور کورُوش کی یاد میں جھکتے۔ اس عمل سے اُنھیں روکنا آسان نہ تھا۔ فلوٹس ہمیشہ اس روش کا مذاق اڑاتا رہتا۔

سکندر اپنے ساتھیوں کے پاس ملازموں کی فوج دیکھتا تو اُن کی ہنسی اڑاتا۔ وہ کہتا کیا ان لوگوں کو اس لیے رکھ چھوڑا ہے کہ تمھارے لیے غور و فکر بھی یہی کریں گے اور تمھارے سارے کام بھی یہی انجام دیں گے؟ اگر یوں اپنا کام دوسروں پر چھوڑ دو گے تو ظاہر ہے کہ نہ تمھاری تندرستی بحال رہے گی اور نہ تم پہلے کی طرح گہری نیند سو سکو گے۔ لیکن اس قسم کے انتباہات چنداں مؤثر نہ تھے۔ اس کی ایک وجہ یہ بھی ہے کہ سکندر کے پاس نئے ایرانی معلموں اور ہفا اسشن کے مجوسیوں کی ایک بڑی تعداد جمع ہو گئی تھی۔ ہفا اسشن بھی سکندر کی طرح ایرانیوں کے ساتھ دوستانہ روابط پیدا کرنے میں لگا رہتا۔ وہ کھانا بھی اُن کے ساتھ کھاتا تاکہ اُن کے طور طریقوں میں مشاقی بہم پہنچالے۔ فلوٹس اور کریٹیرس جیسے کمانداروں کا طریقہ یہ تھا کہ ایرانیوں کو مفتوح سمجھ کر برابری کا درجہ نہ دیتے اور بالادست مقدونوی حکمرانوں کی طرح اُن سے برتاؤ کرتے۔[1]

---

[1] واضح رہنا چاہیے کہ سکندر نے ایشیا میں یونانی نظامِ حکومت قائم نہ کیا تھا اس نظامِ حکومت کے متعلق ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ مقدونوی اور ایرانی نظاموں کو ملا کر اس نے ایک ایسی عالمی سلطنت بنانے کی کوشش کی تھی جس میں مقدونوی قیادت کو ایرانی تصورات کا لباس پہنایا جا سکتا۔ یہ چیز بالکل نئی تھی بعض مورخین نادانستہ یہ اثر چھوڑ گئے کہ سکندر نے یونانی اصول کے مطابق کوئی نظامِ حکومت قائم کیا تھا اور اس کا مدعا یہ تھا کہ یونانی ثقافت کو مشرق میں پھیلائے۔ یہ صحیح نہیں۔

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۸۰ پر)

کرائیٹرس ہمیشہ ہفاسٹش پر چوٹیں کرتا رہتا۔ وہ کہتا کہ ہفاسٹش ایرانیت کا محبِ وطن گیا ہے۔ اُس نے اپنے آپ کو گرا لیا ہے۔ سکندر اس قسم کے ذاتی جھگڑوں پر متوجہ نہ ہوتا۔ ایک مرتبہ اُس نے کہا: ہفاسٹش سکندر کا دوست ہے۔ کرائیٹرس بادشاہ کا دوست ہے۔ دونوں یکساں وفادار ہیں۔ اِس سلسلے میں فلوٹس کا ذکر قطعاً نہ کیا۔

جب نئے علاقوں کی طرف فوج کے کوچ کی نوبت آتی تو سکندر کو اندازہ ہوتا کہ اُس کے ساتھ لاؤ لشکر کتنا وسیع ہو چکا ہے۔ وہ ایسے ساتھیوں سے یہ تو نہ کہتا کہ ملازموں کو چھوڑ دو لیکن کوچ کے دوران میں جگہ جگہ اُن تمام افراد کو الگ کرتا جاتا جن کی ضرورت نہ ہوتی۔ راستے کے مختلف مقامات پر رجمنٹوں کو بھی چھوڑنا پڑتا تاکہ وہ پہاڑی سلسلوں کو کاٹ کر راستے بنائیں اور گرد و پیش کے علاقوں کی چھان بین کریں لیکن وہ بھی جانتا تھا اور فوج بھی جانتی تھی کہ اب کوچ کے لیے کوئی فوجی ضرورت باقی نہ رہی۔

سکندر نے اپنے افسروں کو زیادہ خطرناک شکار کرنے کے لیے اکسایا۔ ایشیائیوں کو ایسے خطرناک مشاغل سے بڑی دلچسپی تھی۔ خود سکندر گھوڑے سے اتر گیا اور ایک چھوٹی برچھی لے کر شیر پر

(بقیہ حاشیہ صفحہ ۲۷۹) سکندر میزا میں تعلیم پا رہا تھا۔ تو اس پر یونان کے سیاسی نظام کی خرابیاں بخوبی آشکارا ہو چکی تھیں۔ یہ خرابیاں اسوکریٹیز کے رسالے اور فیلقوس کی مشورتوں میں بھی نمایاں ہوتی رہیں۔ پھر اس نے خود کارنتھ میں کونسلوں کے دو اجلاس دیکھے۔ آئی اونیا کے ساحل پر یونانی قومیت قائم کرنے کی کوشش کی اور ناکام رہا۔ غرض وہ یونانیت کو ایشیا میں پھیلانے کی امید کھو چکا تھا۔ لیسی پس اور دوسرے یونانی فن کار جو اُس کے ساتھ آ رہے تھے سکوں پر اُسی کی تصویریں بنانے کے لیے معمور تھے ایرسٹانڈر یونانی نہ تھا۔ ایشیائی علاقوں کے نظم و نسق میں اُس نے جو یونانی مقرر کیے وہ ایشیائی یونانی تھے۔ مصر میں سکندریہ کی بنیاد رکھی تو اُس کا نقشہ کارنتھ سے نہیں بلکہ ممفس اور صیدا سے مشابہ تھا اکبتانا میں اُس نے متحدہ یونانی فوجوں کے اکثر افراد کو واپس کر دیا تھا۔ سکندریہ میں روشنی کے مینار میں بابلی کار ناسس کے برج کا نمونہ سامنے رکھا گیا تھا جس سے سکندر بہت متاثر ہوا۔ ایرانی فنون کی شان و شکوہ سے بھی اُس نے بڑا اثر قبول کیا اور ان فنون کے نمونے اُس نے بیزا، پیلا اور ایتھنیز بھیجے۔ غرض سکندر پر ارسطو کے اثرات بہت زیادہ مان لیے گئے ہیں لیکن سکندر اور اس کے اکتشافات نے ارسطو اور یونانی دنیا پر جو اثر ڈالے اُس کا صحیح اندازہ نہیں کیا گیا۔

گھے پیچھے نکل جاتا۔ ظاہر ہے کہ شکار کا یہ طریقہ ہرگز حفاظت کی مصلحتوں کے مطابق نہ تھا۔ سپارٹا کا ایک یرغمال بھی ساتھ تھا۔ جسے اہلِ سپارٹا نے شاہنشاہِ ایران کے پاس سفیر بنا کر بھیجا تھا۔ اس نے شکار کے ایک موقع پر سکندر کو خطرہ مول لیتے ہوئے دیکھا تو تعریف کے طور پر کہا: میرے لیے یہ فیصلہ کرنا مشکل ہے کہ دونوں وحشیوں میں سے زیادہ شاندار کون ہے۔ یعنی شیر یا سکندر۔

سکندر کو اس بات کا اندازہ ہو چکا تھا کہ اُسے اپنے افسروں کے شخصی معاملات سے پہلے کی طرح زیادہ تعلق نہیں رہا۔ صرف اُن رجمنٹوں کو چھوڑ کر جو ہر وقت سکندر کے ساتھ تھیں، مقدونی فوج کے عناصر ساڑھے چھ لاکھ مربع میل کے عناصر میں وسائلِ حمل و نقل پر جگہ جگہ بکھرے پڑے تھے۔ اگرچہ قاصدوں کے نظام کو نئے اصول پر مرتب کر لیا گیا تھا لیکن سکندر کی پیش قدمی کے مرکز سے مصر میں سکندریہ تک خط پہنچتے پہنچتے قریباً دو مہینے لگ جاتے۔ بلند پایہ فوجی افسر دور افتادہ مرکزوں میں بٹ گئے تھے۔ مثلاً صور، بابل، اکبتانا اور رے۔ سکندر نے ان کے ساتھ قاصدوں کے ذریعے سے تعلق قائم رکھنے کی کوشش کی لیکن ظاہر ہے کہ فاصلہ بہت زیادہ تھا اور گہرا تعلق قائم رکھنا ممکن نہ تھا۔ جیسے جیسے وہ مشرق کی طرف بڑھتا گیا، اُسے خود ہی تمام معاملات کے فیصلے کی نوبت آتی رہی۔ گویا ذمہ داری کا پورا بوجھ صرف ایک آدمی پر آ پڑا تھا۔ ایک اہم معاملہ یہ تھا کہ فوج کو رسد کیوں کر ملے! اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے لازم تھا کہ وہ ان تمام مقامات میں موسمی پیداوار کا پورا اندازہ کرے جو پیچھے چھوڑ رہا تھا اور جن کی طرف پیش قدمی جاری تھی۔ پیداوار میں غلّہ اور چارہ دونوں شامل تھے۔ وسیع صوبوں کے انتظامات میں دو عملی نے لامتناہی پیچیدگیاں پیدا کر دی تھیں۔ اس نے ایرانی گورنروں کو بحال رکھا تھا اور اُن کے ساتھ مقدونوی افسر بطور مشیر لگا دیے تھے۔ ضروری تھا کہ دونوں کے درمیان خوشگوار تعلقات قائم رہتے لیکن اختلافات ناگزیر طور پر رونما ہوتے رہتے تھے۔ سکندر کو انھیں دور کرنا پڑتا۔ فلوٹس کو یہ اعتراض تھا کہ جن علاقوں کو پیچھے چھوڑ کر آ رہے ہیں، اُن میں نظم و نسق کے ذمہ داروں کو فوجی حاکموں کے برابر درجہ دے دیا گیا ہے۔ وہ اُسے ایک بہت بڑی مصیبت سمجھتا تھا اور خود اس نے تجارتی شاہراہوں کی حفاظت کے سلسلے میں دیوانی حاکم کے ساتھ تعاون سے انکار کر دیا اور کہا کہ ہم اُن زمینوں کے حکمران ہیں۔ لوگوں کے خدمت گار نہیں۔

سکندر غیر مسادی آبادی کی حفاظت کے معاملے پر کسی اختلاف کا روادار نہ تھا۔ وہ بلا دیا

سمجھتا کہ یہاں معاملہ فتح و تسخیر کا نہیں بلکہ ہم ایک عالمی نظام حکومت پیدا کرنا چاہتے ہیں۔ اُس نے دارا کی لاش پرسی پولس میں دفن کرنے کا حکم دیا تو تمام آداب ملحوظ رکھنے کے متعلق تفصیلی احکام جاری کیے۔ دارا کے نوجوان بیٹوں کو اپنے ساتھ رکھا اور دارا کی والدہ کے مشورے سے اُن کی تعلیم کا انتظام کیا۔ انھیں یونانی زبان بھی سکھائی اور فوجی تربیت بھی دی۔

نئے فوجی مرکزوں سے کوچ کے احکام اور معمولی رپورٹیں آتیں، تو انھیں پڑھنے میں گھنٹوں صرف ہو جاتے۔ بایں ہمہ سکندر یہ کام بھی انجام دیتا۔ ایک حکم اُس کی نظر سے گزرا جس میں آئی گاگی کے یوری لوخس[1] کے متعلق لکھا تھا کہ اُسے جسمانی اعتبار سے نااہل قرار دے کر گھر جانے کی اجازت دی جائے۔ سکندر نے سبب پوچھا تو واضح ہوا کہ یوری لوخس کو کوئی جسمانی تکلیف نہیں، البتہ وہ واپس جانا چاہتا ہے۔ سکندر نے اپنے پاس بلا لیا۔ یوری لوخس نے اقرار کیا کہ میری صحت اچھی ہے۔ بیماری پر رخصت لے کر اس لیے جانا چاہتا ہوں کہ بندرگاہ پر میں ایک محبوبہ کو چھوڑ آیا ہوں۔ سکندر نے پوچھا تم اُسے چھوڑ آئے ہو تو اب وہ کس کے پاس ہے؟ یوری لوخس نے جواب دیا وہ کسی کے پاس نہیں۔ ایک آزاد طوائف ہے لیکن میرے ساتھ یونان جائے گی۔ سکندر نے لکھ دیا کہ اگر وہ طوائف یوری لوخس کے ساتھ جائے تو اُسے مقدونیہ جانے کی اجازت دے دی جائے۔ ساتھ نہ جائے تو یوری لوخس کو واپس کر دیا جائے۔

سکندر کی پختہ رائے تھی کہ ایشیائی عورتوں سے مقدونی عورتوں کا سا سلوک ہونا چاہیے ہیفاسسٹن اور پیوسیس ٹس جیسے افسر سکندر کی اس رائے سے متفق تھے۔ مقدونیوں کو یونانی عورتوں کے ساتھ برتاؤ کے ضوابط کا پورا علم تھا۔ وہ جانتے تھے کہ بیویوں کو مردوں سے الگ رہنا چاہیے۔ اور گھر کا کام کاج کرنا چاہیے۔ البتہ طوائفیں ہر آنے جانے والے سے آزادانہ میل جول رکھ سکتی ہیں لیکن ایشیا میں جو عورتیں باہر پھرتی تھیں وہ صرف نچلے درجے کی تھیں۔ باقی تمام عورتوں کے ساتھ بیویوں اور بیٹیوں جیسا سلوک ہوتا تھا۔ اگر مقدونی افسر بھی اُن سے نامناسب برتاؤ کرتے تو وہ شکایتوں کی مجاز تھیں۔ سکندر اس کی پابندی کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اہلِ مقدونیہ کو یہاں رہنا ہے تو اُن پر لازم ہے کہ عورتوں سے ویسا ہی سلوک کریں جیسا پہلے سے ہوتا رہا تھا۔

---

[1] EURYLOCHUS

مشغولیتوں کی فراوانی نے اُس کی طبیعت پر خاصا اثر ڈالا تھا مثلاً اُس کی نیند گھٹ گئی۔ وہ اپنے دوستوں کے ساتھ دیر تک بیٹھا رہتا۔ اور شراب زیادہ پیتا۔ پھر طلوع آفتاب کے ساتھ رسمی عبادت کرتا۔ ناشتے میں بھی مشوروں کا سلسلہ جاری رہتا۔ سو جاتا۔ تو چھتیس چھتیس گھنٹے بے خبر لیٹا رہتا۔ شراب پی چلنے کے بعد اکثر نہا لیتا۔ عام کاروبار میں وہ کسی غفلت یا تساہل کا روادار نہ تھا۔ صحت پر اثر پڑا تو اس کے مزاج میں زود رنجی پیدا ہو گئی۔ افسروں کو جو کچھ کہنا ہوتا وہ مختصر سے مختصر لفظوں میں کہتے۔ اگر کوئی شخص اُس کی بات سے اختلاف کرتا تو اُسے سختی سے روک دیتا۔ نتیجہ یہ نکلا کہ جو لوگ اُس کے مشیروں میں داخل تھے وہ صرف ایسی باتیں کہتے جن سے وہ خوش ہوتا۔ اختلافی بات قطعاً زبان پر نہ لاتے اس لیے کہ وہ خفا ہو جاتا۔ مطلب یہ نہیں کہ وہ خوشامد پسند ہو گیا تھا۔ مطلب صرف یہ ہے کہ وہ اپنے اعمال کی مدح و ستائش بڑے ذوق و شوق سے سنتا اور جو لوگ دیانت دارانہ نکتہ چینی کر سکتے تھے۔ وہ خاموش رہتے۔ اس وجہ سے سکندر کو پہلے کی طرح نہ صحیح حالات معلوم ہو سکتے تھے اور نہ کسی معاملے کے تمام پہلو اُس پر واضح ہوتے۔

اب پارمینیو سکندر سے بہت پیچھے رہ گیا تھا۔ لہٰذا اس کی رائے سے بھی محرومی ہو گئی اور دوسرے پرانے فوجی افسر بھی ادھر اُدھر بکھر گئے۔ ہیفاسشن بڑا اچھا نائب السلطنت تھا۔ ایرانیوں نے اُسے وزیر کا لقب دے دیا تھا۔ کریٹیرس گوڈویژن کا بہترین کمان دار تھا۔ لیکن ان دونوں جیسے افسر اُن آدمیوں کی پختہ کاری کا بدل نہ بن سکتے تھے۔ جنھوں نے فیلقوس کی آنکھیں دیکھی تھیں اور جو فوج کو مقدونیہ سے صور تک بڑے اطمینان کے ساتھ لے آئے تھے لیکن یہ بھی حقیقت ہے کہ سکندر کے دل میں حکمرانی کا جو نیا تصور پیدا ہو چکا تھا۔ اُس میں پرانے فوجی افسروں کے لیے موزوں جگہ بھی باقی نہ رہی تھی۔

فلوٹس کے قتل کے متعلق بہت سی کہانیاں سنائی جاتی ہیں معلوم ہوتا ہے کہ دمشق میں اُسے ایک طوائف مل گئی تھی جس کا نام اینٹی گون تھا اور وہ پدنا کی رہنے والی تھی مصر کے قیام کے زمانے سے اُس نے فلوٹس کے متعلق مبالغہ آمیز باتیں کہنی شروع کر دی تھیں مثلاً یہ

ا. PIDINA پدنا ANTIGONI

کہ فلوٹس نے بتایا: مقدونیہ کی فتح مندیاں میری اور میرے والد (پارمینیو) کی ہمت و کامرانی کا نتیجہ ہیں۔ نوجوان اور ناتجربہ کار سکندر ایسے کارنامے انجام نہ دے سکتا تھا۔ سکندر نے یہ سنا تو انٹی گون کو بلایا اور اس سے استفسار کرتا رہا لیکن ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ باتیں اُس نے بھلا دی ہیں۔

بلاشبہ فلوٹس بڑا سرکش اور متمرد آدمی تھا۔ وہ سکندر کی طرح روپیہ اور خلعت بے پروایانہ دیتا رہتا اور انتہائی حماقت سے ذاتی معاملات میں برابر سکندر کی مخالفت کرتا۔ چونکہ وہ منتخب فوج خاص کا کمانڈر تھا۔ اس لیے فوج میں اُسے سکندر کے برابر اثر و رسوخ حاصل تھا۔

اس اثنا میں اطلاع ملی کہ ایک لڑکے نے سکندر کے خلاف سازش کی کہانی سنی اور فوراً فلوٹس کو جاکر سنا دی۔ فلوٹس نے اس بارے میں سکندر سے کوئی ذکر نہ کیا۔ جب اُسے غفلت کا ذمہ دار قرار دیا گیا تو اُس نے کہا کہ میرے نزدیک یہ کہانی ناقابلِ اعتماد تھی۔ بس اس واقعے پر سکندر کا غصہ بھڑک اٹھا۔ حقیقت یہی ہے کہ سکندر نے غصے کے جنون میں فوج خاص کے سپاہیوں کو حکم دے دیا کہ فلوٹس کو برچھیاں مار مار کر قتل کر دے۔ ساتھ ہی تین افسروں کو انتہائی تیزی سے اکبتانا بھیج دیا گیا تاکہ پارمینیو سے کمانڈری کا منصب لے لیا جائے اور اُسے کسی پرسش یا مقدمے کے بغیر موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ اس حکم کی تعمیل ہوئی۔ آریان لکھتا ہے کہ فلوٹس کو قتل کرا چکنے کے بعد سکندر کو غالباً یہ ڈر پیدا ہو چکا تھا کہ پارمینیو کو ایسے اہم مرکز میں فوج کا کمانڈار اور خزانے کا محافظ نہ رکھنا چاہیئے۔ پارمینیو کے دو بیٹے اس سے قبل مختلف لڑائیوں میں مارے جا چکے تھے۔

سابق سپہ سالار اور فوجِ خاص کے کمانڈار سے اس درجہ بے رحمانہ سلوک کے لیے سکندر نے کوئی معذرت پیش نہ کی۔ بلاشبہ اس فعل کا ارتکاب غصے کی حالت میں ہوا لیکن اس سے پہلے وہ مدت تک اس پر غور و فکر کر چکا تھا۔ اس واقعے نے دوسرے افسروں کے دل میں حد درجہ دہشت پیدا کر دی۔ اکبتانا کا انتظام دو افسروں کے درمیان تقسیم کر چکنے کے بعد سکندر نے فوج خاص کو بھی دو حصوں میں تقسیم کیا۔ ایک کی کمان ہفاسسٹن کو دے دی اور دوسرے کی کلائٹس کو جو بیماری سے صحت یاب ہو چکا تھا۔ یہ دونوں کمانڈار بے چون و چرا سکندر کے ہر حکم کی تعمیل کرتے اور اس کی خواہشات کو پورا کرنے کے سوا انھیں کوئی کام نہ تھا۔

پھر سکندر نے ایشیائیوں کے نمونے پر سواروں کی ایک رجمنٹ ترتیب دی جن کے پاس ہلکے ہتھیار ہوتے تھے۔ مقدونوی رسالے کے لمبے لمبے نیزے نہ ہوتے تھے بلکہ تسلی کے جن سواروں نے ایشیا میں ٹھہرے رہنے پر رضامندی ظاہر کی تھی۔ وہ اِس رجمنٹ میں شامل تھے ایرانی افسر بھی اس میں بھرتی کر لیے گئے تھے۔ اِس طرح فوجی کونسل کی وہ ہیئت بھی تبدیل ہو گئی جو ابتدا سے مقدونیہ کے خاص افسروں اور امیروں پر مشتمل تھی۔ غرض آہستہ آہستہ مقدونیہ کی وہ فوج جو جاگیرداری کے نظام پر مبنی تھی، تبدیل ہو کر مفتوحہ علاقے میں انتظامی پولیس کی حیثیت اختیار کر گئی اور تنہا سکندر کو آمر و حاکم کی حیثیت حاصل تھی۔ عام سپاہ کا انحصار بھی صرف سکندر پر رہ گیا اور اب اُسے سکندر کے سوا کوئی واپس بھی نہ لے جا سکتا تھا۔

اس اثنا میں مقدونوی فوج کا وہ حصّہ جو سکندر کے ساتھ پیش قدمی کر رہا تھا، ایک عجیب الجھن میں مبتلا ہو گیا۔ فوج کو یہ تو معلوم تھا کہ وہ سطحِ ارض پر کہاں ہے لیکن یہ معلوم نہ تھا کہ خود وہ مقام کس جگہ ہے جس نقشے کے مطابق وہ لوگ کوچ کرتے آرہے تھے اُس کی آخری حد ختم ہو چکی تھی اور اب وہ ایسے حصّے میں سفر کر رہے تھے جو ابھی تک نقشے پر نہ آیا تھا۔ سرویئر روزانہ کوچ کا فاصلہ لکھتے جاتے تھے۔ صحرائی علاقوں میں بھی یہ سلسلہ جاری رہا۔ یہ پیمائش غالباً چھڑی کے سائے کی بنا پر ہوتی تھی۔ ہر آدھ گھنٹے کے بعد وہ سائے کی پیمائش کر لیتے۔ سب سے چھوٹا سایہ دوپہر کے وقت ہوتا۔ اِس طرح وہ دن بھر کے طے کردہ فاصلے کا اندازہ کر لیتے۔ اب مصر اور کلدانیہ کے ہیئت دان بھی فوج کے ساتھ تھے اور اُن کی امداد سے زیادہ صحیح اندازہ کر لینا مشکل نہ رہا تھا۔ یہ ستاروں کی حرکت کا نقشہ سامنے رکھ کر طول البلد کا اندازہ کرتے۔ غرض مقدونیہ کے سرویئروں کو پرسی پولس یا اکبتانا یا قدیم شہر رے کے پاس دماوند پہاڑ کے تعلق میں تو اپنے مقام کا اندازہ ہو سکتا تھا لیکن یونانیوں کے بنائے ہوئے نقشے کے مطابق زمین کے متعلق جو اندازہ اُن کے سامنے تھا وہ بابل و دجلہ اور فرات پر ختم ہو چکا تھا۔ ارسطو اور یونانیوں کے اندازے کے متعلق رُبعِ مسکون کی مشرقی حدود یہاں پر ختم ہو جاتی تھی۔ گویا اہلِ مقدونیہ صور یا جبل الشیخ یا دہانۂ نیل کے تعلق میں اپنے مقام کا اندازہ نہ کر سکتے تھے اور ایرانی سائنس دان بھی اِس مسئلے پر روشنی ڈالنے سے قاصر تھے۔ دارا کے تعاقب میں انھیں ان امور کے غور و فکر کا نہ موقع مل سکا

اور نہ مہلت۔

دارا مر چکا۔ تو اہلِ مقدونیہ کو یہ سوچنا پڑا کہ وہ کہاں ہے؟ وہ اب مشرق و مغرب کے درمیان اُس بڑی تجارتی شاہراہ پر جا رہے تھے جس کے کنارے ایک ایک دن کی مسافت پر گاؤں بکھرے ہوئے تھے۔ جنوبی سمت میں صحرائی میدان واقع تھا جہاں دوپہر کے وقت دھوپ کی تیزی میں خیالی شہر نظر آتے اور غروبِ آفتاب کے ساتھ وہ غائب ہو جاتے۔ شمالی سمت میں دماوند کی پہاڑی دیوار کھڑی تھی۔ یہ وہی دیوار تھی جو اکبتانا سے نظر آ رہی تھی اور جسے وہ بابِ سلیشا پر چھوڑ کر سُرخ رنگ کے گرم میدان میں داخل ہوئے تھے۔ باب سلیشا پر انھیں بتایا گیا تھا کہ اس سلسلہ کوہ کا نام طارس ہے وہ سمجھ رہے تھے کہ ابھی تک وہ طارس کے سامنے موجود ہیں۔ لیکن ایرانیوں کو ایسے کسی نام کا علم نہ تھا۔

پھر وہ ایک خم دار ندی پر نمودار ہوئے جس کا پانی حد درجہ ٹھنڈا تھا اور اُس کے کنارے بہت سے درخت کھڑے تھے (سمجھا جاتا ہے کہ وہ اُس ندی پر پہنچ گئے تھے جو چاشگیران نام گاؤں کے پاس سے گزرتی ہے۔ دامغان نہیں جیسا کہ عام طور پر سمجھا گیا ہے۔ دامغان کا پرانا نام ہیکاٹوم فی لائی یعنی سو دروازے تھا) اس ندی کے ساتھ ساتھ شمالی جانب مڑے تو مقامی لوگوں نے بتایا کہ اس پہاڑی دیوار سے گزر کر وہ اُس بڑے زمین بند سمندر پر پہنچ جائیں گے جو خدا جانے شمالی سمت میں کہاں تک پھیلا ہوا ہے۔ اُس سمندر کے کنارے تک چار منزلیں تھیں۔

سکندر تجارتی شاہراہ کو چھوڑ کر فوراً غیر معلوم سمندر کی طرف گیا۔ فوج چیڑ کے جنگلوں میں سے گزری جہاں کے جنگلی باشندے بلند پہاڑیوں پر کھڑے حیرت سے ان لوگوں کو دیکھ رہے تھے اسی طرح وہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔ جہاں کا پانی میٹھا تھا اس لیے کہ بہت سی ندیاں اس مقام پر سمندر میں گرتی تھیں۔ یہاں بحری پرندوں کے جھنڈ کے جھنڈ موجود تھے اور ماہی گیری کے لیے چھوٹی چھوٹی کشتیاں تھیں۔ دراصل یہ بحیرہ قزوین کا جنوبی کنارا تھا لیکن اہلِ مقدونیہ کے پاس اس کا صحیح نام معلوم کرنے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔ ماہی گیر اسے پرندوں کا سمندر یا بحیرۂ گیلان یا بحیرہ پارتھیا قرار دیتے تھے۔ لیکن اس سے اصل مسئلہ حل نہ ہوا۔ بلاشبہ کنارا بڑا بارونق اور زرخیز تھا اور سمندر بہت بڑا معلوم ہوتا تھا۔ اب یونانی نقشے کے عالموں اور سرد بیروں کے درمیان بحث کا سلسلہ

گرم ہو گیا۔ نقشے کے عالم کہتے تھے کہ مشرقی سمت میں سمندروں کا ایک زنجیرہ پھیلا ہوا ہے۔ پہلے بحیرۂ روم ہے۔ پھر بحیرۂ اسود پھر ایک چھوٹا سا سمندر ہے (جسے آج کل بحیرۂ کرمیا[1] کہتے ہیں۔) یہ بھی سمجھا جاتا تھا اس آخری سمندر کے کھڑے پانیوں اور نمکین تہ میں بے شمار سانپ بھرے ہیں دریائے تنائس[2] اسی میں گرتا ہے اور اس کے آگے وہ سطح مرتفع ہے جو سرزمین[3] تاریکی کے آخری کنارے تک چلی جاتی ہے۔ جہاں دیویاں رہتی ہیں۔ یونانی نقشے پر یہ آخری سمندر تھا۔ البتہ بتا دیا گیا تھا۔ اس نے آگے مشرقی سمت میں ایک بڑی جھیل پھیلی ہوئی ہے لیکن اس کو صحیح اتا پتا نہ بتایا گیا تھا۔ غرض نقشے کے عالم کہتے تھے کہ ہم کوہ قفقاز کو عبور کر کے بحیرۂ فیٹڈ[4] کے کنارے پہنچ گئے ہیں۔ جہاں سے دریائے تنائس قریب ہے۔ جو سمندر سامنے تھا اس کا پانی میٹھا تھا مگر سانپ وہاں نظر نہ آتے تھے لیکن اس کے برعکس سروئیر اور ایرانیوں کی رائے دوسری تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ہم طاؤس کے بڑے سلسلے سے گزر چکے ہیں۔ جسے زمین میں مرکزی حیثیت حاصل ہے۔ اور اب ہم افسانوی مشرقی سمندر کے کنارے پہنچ گئے ہیں۔ جو شمالی جانب کے سمندر سے ملا ہوا ہے اور اس آخری سمندر نے زمین کو گھیر رکھا ہے۔

سکندر نے ابتدا میں نقشے کے عالموں سے اتفاق کیا۔ پھر اسے یقین ہو گیا کہ سروئیروں کی رائے درست ہے اور یہ بات بھی سمجھ میں آگئی کہ وہ مشرق کی طرف بہت آگے نکل آئے ہیں اور ربع مسکون یونانیوں یا ارسطو کے اندازے سے کہیں آگے مطلع آفتاب کی طرف پھیلی ہوئی ہے۔

اس امر سے سکندر کے دل پر بہت خوشگوار اثر پڑا لیکن فوج کے اکثر آدمیوں میں تشویش پھیل گئی۔ انھوں نے سن رکھا تھا قفقاز کی بلندی پر پرومیتھیس کو زنجیروں سے باندھا گیا تھا۔ اور اس کے پاس ہی سے بہادر ارگوناٹ واپس ہوئے تھے اگرچہ شجاعت کا دیوتا ہرقل ان کے ساتھ تھا جن کا مقابلہ کوئی نہ کر سکتا تھا اور ساحرہ میڈیا بھی اپنے جادو کے کرشمے دکھانے کے

۱؎ SEA OF AZOV

۲؎ TANAIS دریائے ڈان کا پرانا نام۔

۳؎ روس

۴؎ FAITIDS SEA

لیے موجود تھی۔ تھریس کا عامی سے عامی گھوڑے پال بھی جانتا تھا کہ ارگونانٹ والوں نے سنہری اُون لے لی تھی۔ پھر وہ بھاگ کر دریائے تنائس میں داخل ہو گئے تھے۔ پس اگر فوج قفقاز کو پیچھے چھوڑ آئی تھی تو وہ غیر معلوم مشرقی سمندر کے پیچھے پہنچی ہوئی تھی اور زمین کے آخری حصے کے قریب آگئی تھی۔ اس کے بعد تاریکی کا پردہ چھایا ہوا تھا یا وہ بھوت پریت رہتے تھے جنھیں انسانوں کا دشمن سمجھا جاتا تھا۔ ممکن ہے دیویاں بھی وہیں رہتی ہوں۔

بطلیموس نے کہا کہ ہم اتنی فوجوں کو شکست دے چکے ہیں اب دیوتیوں سے ڈرنے کی کون سی وجہ ہے؟ جن افسروں نے یونانی کتابوں میں آرگونانٹ کے کارنامے پڑھے تھے انھوں نے کہا یہ سمندر تو زمین کے آخری کنارے سے مشابہ ہے۔ اس کے اردگرد درختوں کے جھنڈ کھڑے ہیں۔ جہاں خاموشی کبھی نہیں چھا سکتی۔ لہروں کا شور مسلسل جاری رہتا ہے۔ دریائے اشیرون کے اوپر سے ہوائیں آتی ہیں۔ اور یہ دریا مشرقی سمندر میں گرتا ہے۔

وہیں انھیں ایک شہر نظر آیا جہاں کے سادہ لوح باشندے بڑے عمدہ برتن اور سونے کے پتروں کے پیالے بناتے تھے۔ اُن لوگوں نے فوج کبھی نہ دیکھی تھی۔ اہل مقدونیہ نے اس کا نام زدرہ کارٹا[ا] (موجودہ استرآباد یا جُرجان) رکھا۔ وہ زمین کی زرخیزی دیکھ کر حیران رہ گئے۔ پاس ہی ایک پہاڑ لامتناہی مرغزاروں میں سے بہتا آرہا تھا۔ وہاں انگوروں کی کاشت نہ ہوتی تھی۔ جہاں شراب بنائی جاتی لیکن مقدونوی کاشتکار جانتے تھے کہ یہ خطہ انگوروں کی کاشت کے لیے بہت موزوں ہے۔

وہ کچھ دُور آگے گئے تاکہ مرغزاروں کا معائنہ کرلیں جہاں لمبی لمبی گھاس کھڑی تھی۔ ہوا چلتی تو اس گھاس کا رنگ بدلتا رہتا۔ مقدونیہ کی تنگ وادیوں کو مدِنظر رکھتے ہوئے انھیں یہ وسیع میدان بہت غیر طبعی معلوم ہوتا تھا۔ ایسے ہی معائنوں کے دوران میں خانہ بدوش بربری ایک گھوڑا چرا کر لے گئے۔ اور سائیسوں کو بھی ساتھ ہی پکڑ کر لے گئے۔ یہ گھوڑا سکندر کا بوسی فالس تھا۔ اُس نے فوراً اردگرد پیغامات بھیج دیے کہ اگر گھوڑا واپس نہ ہوا تو خانہ بدوشوں کے خیمے جلا دیے جائیں گے۔ لیکن گھوڑا بہت جلد واپس کر دیا گیا اور امن قائم ہو گیا۔ لیکن سکندر نے دریا

[ا] ZADRACARTA

کے ساتھ مستقل گارد مقرر کر دی تاکہ پھر حملہ نہ ہو سکے (پہاڑی سلسلے کے ساتھ ایک دیوار بنائی گئی تھی جسے بعد کے زمانے میں سدِ سکندر — "سکندر کی دیوار" اور آج کل کے ترکمان قبیلوں نے اُس کا نام سُرخ سانپ رکھا ہے۔ اِس لیے کہ وہ سُرخ پتھر سے بنی ہوئی ہے اور ترکمان سطح مرتفع کے جنوبی ڈھلوان پر خم کھاتی آئی ہے۔ عجیب بات یہ ہے کہ بحیرۂ قزوین کے دوسرے کنارے پر شہر دربند کے نزدیک بھی ایک دیوار بنی ہوئی ہے جس کا نام سدِ سکندری ہے۔ کہا جاتا ہے کہ سکندر نے یہ دیوار تباہ کار یاجوج اور ماجوج کو روکنے کے لیے بنائی تھی۔

سکندر نے فوج کو ٹھہر کر سستانے کی اجازت دے دی اور اس اثنا میں مشرقی سرزمینوں[ل] کے متعلق معلومات حاصل کرتا رہا جو اطلاعات ملیں اُن سے دل میں آگے بڑھنے کا جوش پیدا ہو گیا یہاں بحیرہ روم یا مغربی خطوں کے متعلق کسی کو کچھ معلوم نہ تھا (لوگ اہل مقدونیہ کو یونانی کہتے تھے) اب اُن کا رُخ مشرقی سمت میں اشکانیوں کی طرف تھا یعنی سِتھیا کے گھوڑے پالنے والے قبیلے جو مشرقی مرغزاروں میں رہتے تھے اور زبردست نسائی گھوڑے پالتے تھے۔ لوگوں نے بتایا کہ اب سکندر آگے بڑھے گا تو اُس راستے پر جائے گا جہاں سے آریا سرزمینِ آفتاب یا سرزمین کروش کی جانب آئے تھے۔ اِسی طرح وہ اُن دو دریاؤں پر پہنچ جائے گا جو بہشت سے ملتے: ایک دریائے ریگ اور دوسرا دریائے بحر — جس طرح وہ دجلہ و فرات سے گزر کر آیا تھا اُسی طرح بڑھتا چلا گیا تو عظیم الشان پہاڑوں کے سلسلے پر پہنچ جائے گا۔ جن کی چوٹیاں درختوں سے لبریز ہیں۔ وہاں پرندے نہیں ملتے اور زدرہ کارٹا کی پہاڑیاں اُس کے سامنے ہیچ رہ جاتی ہیں۔ سکندر اُسی جانب جانے کے لیے تیار ہو گیا۔ مصلحت اور احتیاط کا تقاضا یہ تھا کہ وہ اکبتانا واپس جا کر اپنے نظامِ حکومت کو مکمل کرتا یونانی عالموں نے اپنے نقشے ایک طرف رکھ دیے۔ سائنس دان غیر معلوم خطے کے متعلق معلومات حاصل کرنے میں لگ گئے۔ ایرانی افسروں کو بھی زدرہ کارٹا سے آگے صرف مبہم معلومات حاصل تھی۔ فوراً رے اور اکبتانا کی طرف احکام بھیج دیے گئے کہ کمکی فوجیں مشرقی جانب روانہ کی جائیں اِس لیے کہ سکندر دنیا کے آخری حصے کی طرف روانہ ہو گیا ہے۔ فوجیوں کے نزدیک یہ عمل سراسر

ل سکندر کبھی دربند نہ گیا۔ اور نہ وہاں کوئی دیوار بنوائی۔ قفقاز کے وسط میں ایک بلند درہ ہے جس کا نام داریال ہے اِس درّے میں تاتاری قبیلوں کی یورشوں کو روکنے کے لیے کورش یا سائیرس نے ایک دیوار بنوائی تھی جو حقیقت میں سدِ ذوالقرنین تھی۔

دیوانگی پر مبنی تھا۔

عام سپاہی بھی اُن باتوں کو سمجھ رہے تھے جو فلسفیوں کو بھی سکھائی نہ گئی تھیں۔ اُنھیں آگے جانے کی کوئی معقول وجہ نظر نہ آتی تھی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ سکندر اپنے دل میں اُن حالات پر قابو پا لینے کا جذبہ محسوس کر رہا ہے جس پر آج تک کوئی انسانی قائد قابو نہ پا سکا۔ یہاں سرحدیں گم ہو چکی تھیں اور یونان کی طرح اُنھیں کسی سرزمین کے حدود قائم شدہ دکھائی نہ دیتے تھے۔ بے شک تجارتی شاہراہ مشرق کی طرف جا رہی تھی اور اُن سُرخ پہاڑوں کے درمیان وہ پیچ و خم کھاتی ہوئی نظر آتی تھی جس پر کوئی روئیدگی نہ تھی اور اُس کا نام اُنھوں نے طارس رکھا تھا۔ یہ طارس آہستہ آہستہ بلند ہوتا جا رہا تھا اور فوجی دن بھر کے کوچ کے بعد بھی یہ نہ سمجھ سکتے تھے کہ وہ قریب تر آ گئے ہیں۔ اب وہ عمارت نشان نظر نہ آ رہے تھے بلکہ کہیں اُجڑا ہوا مندر یا اُگی ہوئی بیل دیکھتے تھے۔ ہوا برفستانی تھی۔ اس میں سے گزرتے ہوئے یہ جاننے کی کوشش کرتے کہ سکندر اِن میں سے آگے کہاں پہنچا ہوا ہے اور اُس کی منزلِ مقصود کیا ہے۔ خنکی آتی گمائی کے موسمِ سرما سے بھی کچھ بڑھ گئی تھی۔ ہرکارے کہتے کہ سکندر اپنے نام پر مزید شہر آباد کرنے کا خواہاں ہے۔

وہاں عجیب و غریب نمونے آئے جنھیں فوراً ساحلی علاقے کی طرف بھیج دیا گیا تاکہ انھیں یونان پہنچا دیا جائے۔ مثلاً تارپین کا درخت جس کی چھال میں شگاف ڈالنے سے رسیلا رس بہ نکلتا تھا (تارپین کا تیل) سلفیم جس کی خوشبو تارپین سے بھی تیز تھی۔ اِن درختوں کے رس سے طبیب مرہم بناتے تھے۔ پتھروں کی چینی اور شفاف سلیں بھی آئیں جنھیں انگلیوں سے پھاڑا جا سکتا تھا۔ اور ایسی بکریاں بھی جن کے بال ریشم کی طرح ملائم تھے۔ تجارتی شاہراہ پر محافظ فوج کے جو دستے جابجا بیٹھے تھے وہ ہرکاروں سے پوچھتے سکندر کیا کر رہا ہے۔ انھیں بتایا جاتا کہ کھانا کھانے کے وقت وہ ایک سُنہری پلنگ پر استراحت پذیر ہوتا ہے۔ اُس نے اپنے خود کے اوپر دو سفید پر لگا لیے ہیں جو عقاب کے پروں سے مشابہ ہیں۔ اُس نے ایک بے رئیس قبیلے کو اس بنا پر احترام کے قابل سمجھا کہ اُس قبیلے نے ایک سابق شہنشاہ کروش کو مدد دی تھی اور جب وہ تنہا ہوتا ہے تو اپنے خیمے میں خوشبوئیں جلاتا ہے۔

جب وہ بلندیوں پر پہنچ گئے تو رسد ٹھہر گئی۔ اس لیے کہ سردی کا زمانہ تھا (۳۳۰-۲۹ ق م کا موسم سرما ـــــ ان بلندیوں پر کھانے پینے کی چیزیں نہ ملتی تھیں۔ سپاہی سمجھ رہے تھے کہ زمین کا سب سے اونچا حصہ ہے۔ اب وہ جوار ہنیر نیز خچروں کے گوشت اور سلفیم پر گذارا کرنے لگے۔ مہم کے دوران میں انھیں پہلی مرتبہ بھوک سے سابقہ پڑا تھا (وہ اُس وقت افغانستان کی شمالی سرحد کے قریب تھے) وہ اُپل فرنگی جلاتے تھے اور تیز ہوا سے بچنے کے لیے چٹانوں کی پناہ لیتے تھے۔ وہاں انھوں نے نیا چاند دیکھا۔ وہ سمجھتے اس نئے چاند کی گاڑی میں ملکۂ وحوش سوار چلی جارہی ہے۔ گرد و غبار اور سوکھا ہوا گوبر اُن کے ارد گرد موجود تھا۔ یہ چیزیں انھیں پسند نہ تھیں۔ آدمی انھیں کوئی نظر نہ آیا۔ شہر اور باشندے، مویشی اور کتے اُن کی نگاہوں سے اوجھل تھے۔ کبھی کبھی روشنیاں نظر آتیں اور وہ سمجھتے کہ جن نظر آرہے ہیں۔ جب وہ مشعلیں لے کر اُن کے تعاقب میں دوڑتے تو تنگ گھاٹیوں میں گر جاتے۔

غرض اوپر نیچے بدشگونیوں ہی کا زور تھا۔ کریٹیرس نے ایک بہت بڑے گرگٹ کا تعاقب کرتے ہوئے ران میں زخم کھایا۔ جن آدمیوں نے اس حادثے کا مشاہدہ کیا تھا انھوں نے بتایا کہ گرگٹ دراصل ایک اژدھا تھا۔ ممکن ہے وہ ملکۂ وحوش کا خدمت گار ہو۔ اس لیے کہ جب کریٹیرس کے زخم لگا تو یہ اژدھا فوراً غائب ہو گیا۔ سپاہی یہ خبر سن کر اداس ہو گئے۔ وہ کریٹیرس کو بہت چاہنے لگے تھے۔

اب سکندر غیر محسوس طور پر سپاہیوں کے ساتھ تعلقات کے سلسلے میں کریٹیرس ہی سے کام لیتا۔ اس لیے کہ خود اسے میل جول کا زیادہ موقع نہ ملتا تھا اور سالخوردہ سپاہی کریٹیرس کو اس لیے بھی پسند کرتے تھے کہ اس نے مقدونوی عادات و خصائل برقرار رکھے تھے اور ایشیائیوں کے سے طور طریقے اختیار کرنے پر راضی نہ ہوا تھا۔ ہفائسشن نے ایرانی طریقے بڑے شوق سے اپنا لیے تھے اور سکندر اسے ایشیائی عناصر کے تعلق میں کام لیتا جن کی تعداد روز افزوں تھی۔

ان حالات نے کریٹیرس اور ہفائسشن کے درمیان کشمکش کے اسباب پیدا کر دیے اور وہ روزانہ کے معاملات میں بھی ایک دوسرے سے اختلاف کرنے لگے یعنی کیمپ کہاں لگے؟ چارے کا کیا انتظام ہو؟ ایرانی مردہ جانوروں کا گوشت نہ کھاتے تھے اور مقدونیوں کو بھیڑوں

کے گوشت کے سوا اور کچھ کھانے کو نہ ملتا تھا۔ جب رسد میں کمی آئی تو طبیعتوں کی تیزی میں اضافہ ہو گیا۔ ایک مرتبہ فوج خاص کے دونوں کمانڈر آپس میں جھگڑ پڑے۔ سکندر موقع پر آ پہنچا۔ اس نے ہفائسشن کو ڈانٹ پلائی اور کریٹیرس کو ایک طرف لے جا کر سمجھایا۔ پھر انھیں ایک دوسرے کے گلے ملا دیا ساتھ ہی آمن رع کی قسم کھا کر کہا کہ اگر پھر کبھی ایسا جھگڑا ہوا تو دونوں کو فوجیوں کے سامنے قتل کرا دوں گا یا کم از کم اسے ہرگز زندہ نہ چھوڑوں گا جو جھگڑا شروع کرنے کا مجرم ٹھہرے گا۔ پھر ان کے درمیان جھگڑے کی نوبت نہ آئی۔ وہ دونوں بڑی احتیاط برتتے تھے۔ نیز دوسرے زیادہ توجہ طلب مسائل سامنے آ گئے تھے یعنی فوج پر حملے شروع ہو گئے تھے۔

دنیا کے اس انتہائی بالائی حصے کی ہوا کی طرح حملے بھی بڑے ہی تیز تھے۔ کم از کم اس قسم کے حملوں کا تجربہ یونانیوں کو مغربی حصوں میں نہ ہوا تھا۔ حملہ آور ندی نالوں کی گہرائیوں سے اچانک گھوڑوں پر نمودار ہوتے اور نقصان پہنچا کر انتہائی تیزی سے رفوچکر ہو جاتے۔ سڑک پر چوکیاں قائم کی جاتیں۔ رات کے وقت ان پر حملے ہوتے اور پہریدار ختم کر دیے جاتے۔ جب فوج کو انتقامی اور تادیبی کارروائیوں کے لیے پہاڑوں میں بھیجا جاتا تو آدمیوں یا مویشی اور بھیڑ بکریوں کے گلوں کا کوئی نشان نہ ملتا۔ البتہ زمین پر آدمیوں کے چلنے کے نشان ضرور ہوتے۔ سکندر کے فوجیوں کو ایسا محسوس ہوتا کہ خود پہاڑوں نے اپنے آپ کو مقابلے کے لیے مسلح کر لیا ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ اب خود مقامی باشندوں نے مزاحمت شروع کر دی تھی۔ یہاں وہی آریا رہتے تھے جنھوں نے مقدونیوں کی طرح کبھی کسی فوجی قوت کے سامنے سر نہیں جھکایا تھا۔ وہ مقدونیوں کو فرنگی، اجنبی اور کافر سمجھتے تھے۔ یہ بھی معلوم ہو گیا کہ وہ رے سے جو مشرقی سمت میں سلطنت ایران کا آخری بڑا شہر تھا کوئی ایک ہزار میل آگے آ چکے تھے۔ سکندر چاہتا تھا کہ ان قبائل کو اپنی شیریں گفتار سے رام کرے لیکن مصیبت یہ پیش آئی کہ انھیں جمع نہ کر سکتا تھا اور نہ ان سے بات چیت کا موقع پیدا ہوتا تھا۔ جن دو گورنروں نے دارا کو قتل کیا تھا۔ وہ بھی بھاگ کر یہیں آ پہنچے تھے۔ ان میں سے ایک گورنر پکڑا گیا۔ سکندر رتھ پر سوار جا رہا تھا۔ گرفتار شدہ گورنر سے پوچھا کہ تم نے شاہنشاہ کو کیوں قتل کیا۔ اس نے جواب دیا: ''صرف میں نے اسے قتل نہیں کیا تھا۔'' سکندر تھوڑی دیر تامل میں پڑا رہا۔ پھر حکم دیا کہ اس کے کپڑے اتار لیے جائیں اور گاڑی کا جوا اس کے کندھوں پر باندھ

دیا جائے۔ اِس طرح اسے جگہ جگہ پھرایا گیا جب اس کا ساتھی پکڑا گیا تو اس کا چمڑا اتروا دیا۔ پھر پہلے اسیر کو سزا دی۔

اب ایک تیز رو دریا پر پہنچے جس کا پانی گدلے رنگ کا تھا۔ رہبروں نے بتایا اس کا نام پرندوں کا دریا ہے کہا جاتا تھا کہ یہ ام البلاد (مرو) کی طرف جاتا ہے[1]۔ دریا کے کنارے بھی برف کی گہری تہ جمی ہوئی تھی۔ پگ ڈنڈیاں بنی ہوئی تھیں۔ انھیں پر سے گھوڑے اور آدمی گزرتے رہے۔ جاندار کی شکل ہرگز نظر نہ آئی۔ یہاں پہنچ کر سکندر پیچھے کی طرف مڑا۔ تیز رو دریا کے معاونوں میں سے اس کے لیے فوج کو گزارنا آسان نہ تھا جبکہ دشمن کی طرف حملے ہو رہے تھے۔ اس کا رُخ مشرق کی جانب تھا اور اب مغرب کی جانب مڑ گیا تاکہ موسم سرما کی برف سے لدی ہوئی چوٹیوں کو ایک طرف چھوڑ سکے۔

پہلے وہ صرف چھان بین کے لیے جنوب کی طرف چلا تاکہ معلوم ہو سکے فوج کو کہاں سے رسد مل سکے گی۔ گھوڑوں کو دانہ چارہ پورا نہ ملا تو وہ مرنے لگے۔ ان کی حفاظت کے لیے لازم تھا کہ چارے کے ذخیروں یا عمدہ چراگاہوں پر پہنچتے۔ پھر مقدونیوں نے اس نئے دشمن کے خلاف مؤثر کارروائی کا گُر معلوم کر لیا۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا کہ پیشِ نظر خطے کو چھوٹے چھوٹے ٹکڑوں میں تقسیم کریں اور ایک ایک کو تدریجاً صاف کرتے جائیں۔ یوں آریائی قبیلے پیچھے ہٹتے جائیں گے جو مقامات جنگی نقطۂ نگاہ سے اہم ہوں گے، وہاں شہر آباد کر دیں گے۔ اُن کے اردگرد فصیلیں بنا دی جائیں گی اور ہر مقام پر فوج متعین کر دیں گے۔ شہروں کے اس زنجیرے سے حسب ضرورت ایک دم فوجیں ابل پڑیں گی۔ ان شہروں میں جو لوگ آباد ہوں گے۔ وہ فوج کی حفاظت میں کھیتی باڑی کریں گے۔ اس طرح ہر جگہ غلّے اور چارے کے ذخیرے جمع ہوتے جائیں گے۔

سکندر نے ابتدا میں تو نہ بتایا لیکن آگے چل کر کہا کہ جو لوگ بیمار یا بوڑھے ہوں گے انھیں ان شہروں میں آباد کیا جائے گا۔ وہ تاجر بھی کہیں نہ کہیں بسا دیے جائیں گے جو فوج کے ساتھ آ رہے تھے مجکوموں اور مفتوحوں میں سے قابلِ اعتماد آدمی بھی اس غرض سے چن لیے جائیں گے۔ اس

---

[1] اس سے مراد دریائے مرغاب ہے جو جنوبی سمت سے شمالی سمت میں بہتا ہوا مرو تک جاتا ہے۔ اس سے یہ بھی واضح ہو گیا کہ سکندر افغانستان کے شمال و مغربی گوشے میں نمودار ہوا تھا۔

طرح مقدونی فوجی افسروں اور غیر فوجی ایرانیوں کی مدد سے ہر شہر میں مخلوط آبادی بس جائے گی اور اس کی حیثیت بین الاقوامی ہو جائے گی، یہ قبضہ و تصرف کا نہایت سخت گیرانہ نقشہ تھا۔ اس سے دو باتیں ظاہر ہو گئیں۔ اوّل یہ کہ یہاں مقدونیوں کے لیے مقامی نظامِ حکومت کو بحال رکھنے کی کوئی شکل نہ تھی جیسا کہ انھوں نے مصر میں کیا تھا اور پورے علاقے کو فوجی اعتبار سے فتح کرنا لازم تھا۔ دوم یہ کہ سکندر ان آزاد اور بے چین گروہوں پر مستقل نظامِ حکومت عائد کر دینے کا خواہاں تھا۔ صرف کوروش نے یہاں پہلے پہل مستقل نظامِ حکومت قائم کرنے کی کوشش کی تھی اور سکندر کو معلوم ہو چکا تھا کہ کوروش اسی کوشش میں مارا گیا تھا۔ اسے اشکانیوں یا تھوا نے شمال و مشرقی انتہا کے قلب میں مارا تھا۔

یہ کہہ لینا آسان ہے کہ خیال پرست اور بے باک سکندر نے کوروش کی پیروی کرنی چاہی اور اس کا مدعا یہ تھا کہ سابقہ ایرانی سلطنت کے تمام علاقے اپنے قبضے میں لے آئے۔ واقعہ یہ ہے کہ وہ تمام قوموں پر یورپشیائی دولت متحدہ کا نظام عاید کرنے پر تلا بیٹھا تھا۔ وہ چاہتا تھا کہ مختلف قوموں کو ملا دے اور ہخامنشی کوروش کی طرح امن و رواداری کی بنیادوں پر ایک پائیدار اتحاد قائم کر دے۔ اس نے ایشیائے کوچک میں ایرانی سلطنت کے قدیم حدود بحال کرنے کی کوشش نہ کی تھی۔ سیتھیا اور شمالی ہندوستان کی طرف آیا تھا تو ان حدود سے تجاوز کر گیا تھا۔ اس نے ایشیا میں پرانے شہروں سے فائدہ اٹھانے کے بجائے نئے شہروں کی بنیاد ایسے مقامات پر رکھی جہاں ان کی ضرورت محسوس کی اور ان میں بالکل نئے انداز پر آبادیوں کا انتظام کیا۔ اسے یونان کے اقبال مند شہروں کا تجربہ فراموش نہ ہوا تھا۔ وہ ان زرخیز سرزمینوں میں ایشیائی ایتھنز تعمیر کرنا چاہتا تھا لیکن اس کی یہ خواہش نہ تھی کہ ایشیا میں یونانی پیلا یا ایتھنز کو ان کی اصل شکل میں زندہ کرے۔ سپارٹا کا اسے خیال بھی نہ آ سکتا تھا۔ بہرحال اس نے ستر سے زیادہ شہروں کی آبادی کا حکم دیا۔

جب اس نے بلندیوں کا چکر کاٹ کر جنوب کا رخ کیا تو ایک وادی کے کنارے سب سے پہلا مشرقی سکندریہ بنایا۔ یہاں ایک پرانا تجارتی شہر ہرائی کے نام سے مشہور تھا (ہرات) جہاں مجوسی اور تاجر آباد تھے۔ یہاں اس نے فوج کے اپاہج آدمیوں کی خاصی تعداد چھوڑی۔ ان کے ساتھ سامی تاجر اور ایرانی فن کار بھی تھے۔ مختلف قسم کی عورتیں، صراف اور طبیب بھی تھے۔ عارضی حفاظت کے لیے مٹی کی فصیل کھڑی کر لی گئی۔ شہر میں پتھر کی عمارتیں بھی تھیں۔ گھاس پھوس کی جھونپڑیاں بھی اور

بعض لوگوں نے خیمے بھی لگا رکھے تھے۔

برف پگھل گئی تو اس نے جنوب کا رُخ کیا اور ہلمند جھیل پر پہنچا، جہاں سے گھوڑوں کے نئے گلے پکڑے۔ یہاں مقدونیوں کو ایک تجارتی شاہراہ ملی جو دریائے سندھ سے پرے پرسی پولس جاتی تھی۔ سکندر نے تو اسے اختیار نہ کیا لیکن یہ اس کے ذہن سے کبھی محو نہ ہوئی۔ کئی سال بعد اس نے کریٹیرس کو اسی شاہراہ سے ہلمند واپس بھیجا تھا۔ موسم بہار میں گھاس اُگ آئی اور چارے کے بارے میں کوئی تشویش نہ رہی تو سکندر پھر پہاڑی علاقے کے قلب کی طرف بڑھا۔ اس نے مزاحمت کو توڑا اور جگہ جگہ نوآبادیاں قائم کیں۔ تسخیر کے اس کام میں دو سال لگ گئے۔ یہ کشمکش اس کے لیے سب سے بڑھ کر خطرناک تھی۔ اسے نہ ان بلندیوں کا پہلے سے کوئی اندازہ تھا اور نہ یہ معلوم تھا کہ ان میں کتنے لوگ آباد ہیں۔ (حقیقت میں وہ موجودہ بلوچستان کی شمالی سرحد سے چلا اور افغانستان کے بیچ میں سے ہوتا ہوا شورائیہ روس کی جمہوریہ ترکمان اور جمہوریہ ازبک سے گزر کر اس خطے میں پہنچا جس کا نام نہیں بتایا جا سکتا۔ یہ سفر ہو چکا تو بلند پہاڑوں کو پہلی مرتبہ دیکھنے سے درہ خیبر سے گزر کر وادیٔ سندھ میں پہنچنے تک اس کی فوج تین ہزار نو سو میل فاصلہ طے کر چکی تھی۔)

سولھواں باب

دریائے بحر اور دریائے ریگ

کلیستھنیز کے لیے مصیبت یہ تھی کہ اُس میں عقل و دانش کے علاوہ لطافتِ ذوق کا جوہر تھا سکندر، ارسطو کے اس بھتیجے اور وطنی درس گاہ کے اِس فارغ البال طالب علم کا بڑے اشتیاق سے انتظار کر رہا تھا۔ وہ آیا تو ظاہر ہؤا کہ رنگ رلیوں سے اُسے کوئی ذوق نہیں، البتہ لطیفہ بازیوں سے خوب لطف اندوز ہوتا ہے، کم گو ہے اور ذہن بالکل صاف اور مجلا ہے۔ وہ اپنے ساتھ ارسطو کی تازہ تصانیف کے نسخے لایا جو مابعد الطبیعات و طبیعیات سے تعلق رکھتی تھی۔ اس کے ساتھ ایک غیر پیشہ ور فلسفی بھی آیا جس کا نام انیگزکس تھا۔

سکندر کے ساتھ مقدونوی رفقا کی جو جماعت تھی اُس میں مذاق اور لطیفہ بازی کی اہمیت ہی نہ رہی تھی۔ وہ پانچ سال سے خاصی تلخ حقیقتوں کے ساتھ دست و گریبان تھے۔ اور فلسفیانہ اُمور کی پیروی بالکل چھوڑ چکے تھے۔ کلیستھنیز اپنے ساتھ تسیم کی درس گاہ کے نئے افکار لایا اور مسکراتے ہوئے یہ بھی کہا کہ ایتھنز کے دانش مند لوگ حضرت ڈیمامتھنیز کے لیے سنہری تاج تیار کرانا چاہتے ہیں۔ اہلِ مقدونیہ کے دل پر اس سے کوئی اچھا اثر نہ پڑا۔ انھیں ابتدا میں صحیح اندازہ نہ ہو سکا کہ کلیستھنیز فلسفی ہے یا اُس کا تعلق کلبی فرقے سے ہے۔ انجام کار اُسے سوفسطائی کہنے لگے (ارسطو نے بعد ازاں کلیستھنیز کے متعلق کہا کہ اُس کا فہم بڑا اچھا تھا۔ باتیں بھی خوب کرتا لیکن اُس میں قوتِ فیصلہ نہ تھی)

سکندر نے اپنے اتالیق کی نئی کتابیں بڑے شوق سے پڑھیں۔ اُن میں بہت سے اہم مسائل پر بحث تھی، مثلاً خدا کا وجود، جسے قبل ازیں ارسطو پُراسرار شے قرار دیتا رہا تھا اور کہتا تھا کہ اس کے لیے اونچے درجے کا فہم درکار ہے اور اس پر چند منتخب آدمی گفتگو کر سکتے ہیں۔ کلیستھنیز نے کہا کہ ارسطو کا اسلوبِ تحریر خاصا بدل گیا ہے۔ جو کچھ وہ کہتا ہے اُسے عام آدمی سمجھ نہیں سکتے۔ لیکن

سکندر کو برابر یہ احساس تھا کہ جو موضوع عام آدمیوں کے لیے نہ تھا اُس کے بارے میں یوں لکھا کیوں گیا۔ لہٰذا اُس نے ارسطو کو خط لکھوایا۔

سکندر کی طرف سے ارسطو کے نام

سلام قبول ہو۔ جو مسئلہ صرف چند حقیقت شناس افراد کے لیے مخصوص تھا اُس کے بارے میں ایسی کتاب کے اندر بحث کرنا جو سب کے لیے لکھی گئی ہر گز مناسب نہ تھا۔

پانچ سال دونوں کو الگ ہوئے گزر چکے تھے اور اُن کے نقطہ ہائے نگاہ میں خاصا تغیّر پیدا ہو چکا تھا۔ فلسفی کی خواہش یہ تھی کہ اب اپنی تعلیمات وسیع تر حلقے میں پہنچائے۔ بادشاہ کو اپنے مخصوص حق کی حفاظت کا خیال تھا۔

کلیستھنیز نے دورانِ سفر کے جو حالات بتائے سکندر سن کر بہت خوش ہوا۔ کلیستھنیز نے بتایا کہ یونان کے فن کار، سنگ تراش، جوہری، گلدان ساز، موسیقی اور زبان کے معلم بتعدادِ کثیر جہازوں پر سوار ہو کر مشرق کی نئی دنیا میں پہنچ رہے ہیں۔ مصر کی بندرگاہ سکندریہ میں بھی جہاز یونانی شرابیں اور تیل لے کر جا رہے ہیں۔ جزیروں میں جنگ ختم ہو چکی ہے اور غلاموں کی تجارت دوگنی ہو گئی ہے۔ دو آبۂ دجلہ و فرات میں جو یونانی کاشتکار آئے تھے انھوں نے اپنے گھر بنا لیے ہیں اور بابل کے بابِ اشتر سے تھوڑے فاصلے پر ایک یونانی تھیٹر زیرِ تعمیر ہے۔ راستوں میں جو قافلہ سالار ملے اُن کی جیبوں سے بھی نئے سکوں کی جھنکار سنی جا رہی تھی۔ لسی پس نے سکندر کا جو بت بنایا تھا وہ چوک کے مندر میں رکھا گیا تھا اور لوگ اُس کی عبادت کر رہے ہیں۔

یہ باتیں سن کر مقدونیوں کو کوئی خوشی نہ ہوئی۔ یہ سوفسطائی جو سکندر کے پاس رہتا تھا شراب پی کر مدہوش نہ ہوتا تھا۔ دسترخوان پر بیٹھتا تو عموماً چپ رہتا گویا اُسے پسند نہ کرتا تھا۔ مقدونیوں کو یہ اندازہ نہ ہو سکا تھا کہ کلیستھنیز کے لیے اُن کی باتیں کس قدر عجیب ہیں اور وہ کس طرح بار بار ایک ہی معاملے کو زیرِ بحث لاتے رہتے ہیں۔ پرانے سوالات کچھ اِس طرح کے ہوتے تھے کہ کیا یونان کے مقابلے میں یہاں سردی زیادہ ہے؟ کلیستھنیز مسکرا کر جواب دیتا کہ معلوم تو ایسا ہی ہوتا ہے۔ اِس لیے کہ مقدونیہ میں ایک سوتی لبادہ کافی سمجھا جاتا ہے اور یہاں تین تین

قیمتی پوستینوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔

کلیستھنیز نے ایک سادہ سا چغہ پہن رکھا تھا اور کلائٹس کے پاس دوہرا لبادہ تھا جس کے کنارے قراقلی چمڑے سے آراستہ تھے۔ اس قسم کے لبادے بہت عام ہو گئے تھے ایک روز کلیستھنیز نے مقدونیوں کے شاندار کارنامے کی بہت تعریف کی۔ سکندر نے ٹوکتے ہوئے یوری پائیڈیز کے یہ الفاظ سنائے: "کچھ تعجب نہیں کہ تم انتہائی اچھے الفاظ استعمال کر رہے ہو جب تم اچھے مضامین پر توجہ کرتے ہو۔" ساتھ ہی اُس سے پوچھا کہ بتاؤ حقیقت میں تمھاری رائے کیا ہے۔ کلیستھنیز نے کہا کہ اہلِ مقدونیہ نے مواقع سے حیرت انگیز طور پر فائدہ اُٹھایا، لیکن وہ اتنی تیزی سے جابجا پھرتے رہے کہ اپنے پیچھے بے یقینی کے سوا کچھ نہیں چھوڑا۔ ساتھ ہی کسی کا قول پیش کیا کہ جب بدامنی ہو تو ایک دہقان بھی بادشاہ معلوم ہوتا ہے۔

سکندر نے غصے سے کہا: مجھے جھوٹ سے نفرت ہے۔ اگر تمھارا قول درست ہے تو تم یہاں دہقانوں میں کیوں رہتے ہو؟ اور تمھارے آنے کی غرض کیا تھی؟

کلیستھنیز جواب میں کہہ سکتا تھا کہ میرا آنا آپ کے بلاوے پر موقوف تھا لیکن اُس نے سوچ کر جواب دیا: میں اِس لیے یہاں آیا ہوں کہ میرے ملک کی آبادی گھٹ گئی ہے اور میں جلاوطنوں کو واپس لے جانا چاہتا ہوں۔ سکندر کا غصہ اور بھی بڑھ گیا۔ اور وہ بولا جلاوطن — جلاوطن —!! تمھاری مراد کیا ہے؟ میں نے تمام لوگوں کو گھر جانے کی اجازت دے دی ہے۔ ایتھنیز کے نخواہ دار بھی چلے گئے۔ اب کون جلاوطن ہے؟

کلیستھنیز: مقدونوی۔

یہ سنتے ہی سکندر کچھ دیر اُسے گھورتا رہا پھر کچھ کہے بغیر دسترخوان سے اُٹھ گیا اور شراب بھی نہ پی۔ اور بھی کوئی نہ بولا۔ کلائٹس نے اپنی قیمتی پوستین چپ چاپ اتار دی اور بیٹھا رہا۔ ہفاسٹن نے بعد میں کلیستھنیز کو سمجھایا کہ سکندر ایک بھی تحقیر آمیز لفظ کو نہیں بھولتا خواہ وہ کتنا ہی سچا ہو۔ آپ کو جلاوطنی کا لفظ استعمال نہ کرنا چاہیے تھا۔

سکندر نے بظاہر دوبارہ اِس معاملے کا ذکر نہ کیا۔ بعض اوقات وہ کلیستھنیز کو غور سے دیکھتا رہتا اور کچھ نہ کہتا۔ ایک مرتبہ کلیستھنیز نے بڑے اچھے انداز میں باتیں کرتے ہوئے ڈیماستھنیز

کی تعریف کی جس نے ایتھنز کی آزادی کے لیے کام کیا۔ سکندر نے اپنا پیالہ میز پر توڑا اور چیخ کر کہا، "تم ایک شہری ریاست کو شہری احساسات کے حدود سے باہر نہیں نکال سکتے۔ ایتھنز نے خودکشی کر لی۔ اپنے آپ کو طوائف بنا لیا۔ وہ معمولی زیوروں سے آراستہ ہو کر ہر آنے والے کی رفاقت پر آمادہ ہوتی رہی۔ اُس کی سلطنت اتنی ہی پھیل سکتی تھی جتنی کہ انسانوں کی خواہشیں پھیل سکتی تھیں۔ طوائف کو حفاظت کی ضرورت ہوتی ہے۔ تم اُس میں خیر و خوبی نہیں پیدا کر سکتے" ساتھ ہی یہ کہا کہ پریکلیز کے ایتھنز میں سے اب کون سی چیز باقی ہے؟

کلیستھنیز: شاید یہ احساس کہ کیا ہونا چاہیے۔

بہر حال سکندر نے اپنی تجاویز کے متعلق کلیستھنیز سے کبھی مشورہ نہیں کیا خواہ اس کی وجہ یہ ہو کہ وہ مشرقی مسائل کو سمجھ ہی نہ سکتا تھا خواہ یہ ہو کہ سکندر اُس کی رائے کو پسند نہ کرتا تھا لیکن یہ واقعہ ہے کہ کچھ مدت بعد کلیستھنیز نے اپنے سفر کے متعلق ایک کتاب لکھنا شروع کی جس کا نام "سکندر کی پیش قدمی" رکھا۔

مشرقی سمت کے پہاڑی علاقوں کی تسخیر کا سلسلہ خوشگوار صورت اختیار نہ کر سکا۔ سکندر نے تیسرے سکندریہ کی بنیاد اُس مقام پر رکھی جہاں آج کل قندھار واقع ہے اور چوتھے سکندریہ کی تعمیر اُس جگہ شروع ہوئی جس جگہ آجکل کابل ہے۔ پھر اُس نے شمال کا رُخ کر لیا۔ گرمی کا موسم تھا اور مقدونوی چلتے چلتے دو دریاؤں میں سے پہلے پر پہنچے۔ انھیں یقین تھا کہ اس دریا کا چشمہ دنیا کی بلند ترین چوٹیوں پر واقع ہے۔ یہ بہت تیزی سے بہ رہا تھا اور دریائے نیل سے اس کا عرض زیادہ تھا لہٰذا اُسے تیر کر عبور نہ کیا جا سکتا تھا۔ سکندر نے حکم دیا کہ ڈھالوں کے ساتھ اس سے گزر جاؤ۔ لیکن یہ حکم واپس لے لیا گیا۔ آخر بلیوں پر چمڑا منڈھا گیا اور اس کے اندر گھاس پھونس بھری گئی۔ اُن پر بیٹھ کر دریا سے گزرے لیکن دشمن نے گھات میں بیٹھ کر گھوڑے چرانے والوں کی بڑی تعداد میں بیٹھ کر موت کے گھاٹ اُتار دیا۔ جب مقدونیہ کے ایک رسالے کو دشمن کے تعاقب میں بھیجا گیا تو اُس کو مار کر پیچھے ہٹا دیا گیا۔ اب تیرے سکندر کی پنڈلی کی ہڈی ٹوٹ گئی اور وہ دیر تک لنگڑاتا رہا۔ پھر ایک نیا خطرہ نمودار ہوا۔ یہ جلا وطنوں کا خطرہ تھا۔

ہوا یہ کہ پہلے دریا کو جسے دریلسے[1] بحر کہنا چاہیئے، مقدونیوں کے سامنے ایک عجیب حیرت انگیز منظر آیا۔ انھیں کچھ معلوم نہ تھا کہ اُن کے آگے صورتِ حال کیا ہے؟ طلایہ گرد دستے وحشیوں کے ایک گروہ کے پاس پہنچے جن کے ہاتھوں میں شاخیں پکڑی ہوئی تھیں اور سبز پتوں کے انھوں نے ہار بنا رکھے تھے۔ وہ ٹوٹی پھوٹی یونانی زبان بول رہے تھے۔ انھوں نے کہا ہم جلاوطن ہیں۔ وہ بالکل وحشی نظر آ رہے تھے۔ گھروں میں کتی ہوئی اون اور چمڑے کے لباس پہن رکھے تھے اور دیوانوں کی طرح اچھل کود رہے تھے۔ آخر معلوم ہوا کہ وہ یونانی ہیں۔ سیراتھاک اور سلمیس کی جنگوں میں ایرانی جن یونانیوں کو قیدی بنا کر لے آئے تھے۔ وہ ان کے برخلاف ہیں۔ سکندر ان کے پاس گیا۔ کچھ دیر انھیں دیکھتا رہا۔ پھر ان سب کو قتل کر دینے کا حکم جاری کر دیا۔

کچھ معلوم نہیں کہ سکندر نے انھیں غصے اور غیظ کے عالم میں قتل کرا دیا اور اس پر ایسی حالت اب اکثر طاری ہوتی رہتی تھی یا وہ نہیں چاہتا تھا کہ ان وحشیوں کو اپنی فوج میں شامل ہونے کا موقع دے، لیکن یہ حد درجہ بے رحمانہ فعل تھا۔ یقیناً یہ قتل پارمینیو اور فلوٹس کے قتل سے بھی زیادہ بُرا تھا (آریان نے اس کا ذکر نہیں کیا لیکن کونٹس کرٹس روفس[2] نے کیا ہے) سکندر کے مداحوں نے اس واقعے کے سلسلے میں یہ معذرت پیش کی کہ یہ یونانی ایشیائی دشمنوں سے مل گئے تھے اس لیے سزائے قتل ہی کے مستحق تھے لیکن ظاہر ہے کہ یہ معذرت سراسر مہمل تھی کلیستھنیز بھی اس پر خاموش رہا۔

کسی نے نہیں بتایا کہ اس واقعۂ قتل کے بارے میں فوج کا کیا تاثر تھا لیکن یہ حقیقت پیشِ نظر رکھنی چاہیئے کہ اس سال سکندر نے کئی مرتبہ فوج کو جنگ کا حکم دیا اور ایک سے زیادہ مرتبہ خود اس کی قیادت کرنی پڑی۔ شہر کوروش کی فصیل پتھر کی تھی۔ منجنیقیں اس فصیل کے خلاف کام نہ دے سکی تھیں۔ سکندر اور کریٹیرس کو اس دریا کے بہاؤ میں سے ہو کر حملہ کرنا پڑا جو شہر کے پاس سے بہتا تھا اور موسمِ گرما کے شباب میں پایاب ہو جاتا تھا۔ یہاں ایک بھاری پتھر سکندر کے

---

[1] اِس سے مراد دریائے جیحوں ہے۔ جسے یونانیوں نے آکسس قرار دیا

[2] QUINTUS CURT IS RUFUS

سر پر لگا جس سے سخت زخم آیا۔ بعد ازاں اس کی بینائی پہلی حالت پر باقی نہ رہی۔ کریٹیرس ایک تیر سے زخمی ہوا۔

یہاں مقدونیوں کو ایک کھلا میدانی علاقہ نظر آیا۔ جہاں سے تجارتی شاہراہ۔ بحیرہ قزوین کی طرف جاتی تھی۔ نیز یہاں ان کا مقابلہ باختر اور سغد کے پارتھیوں سے تھا۔ جو گھوڑوں پر سوار ہو کر بڑی قادر اندازی سے تیر چلاتے تھے۔ مزاحمت کے باعث مقدونوی فوج کئی مہینے تک آگے نہ بڑھ سکی۔ یہ بھی بتا دینا چاہیے کہ بحیرہ روم کے ساحلی علاقے میں جو جنگیں پیش آئی تھیں۔ پارتھیوں کے ساتھ لڑائیاں ان سے بالکل مختلف تھیں۔ یہ موت و حیات کی بے رحمانہ جنگ تھی۔ شمالی ایشیا کے تیر انداز اتنی تیزی سے نکل جاتے تھے کہ مقدونوی ان کا تعاقب نہ کر سکتے تھے۔ انہیں عجیب تدبیروں سے کام لینا پڑتا۔ مثلاً ظاہر یہ کرتے کہ فلاں شہر کا محاصرہ کر رہے ہیں لیکن رات کی تاریکی میں چھاپے دوسری جگہ مارتے۔ سکندر نے کئی مرتبہ مختلف شہروں کو فتح کر کے اندر کی پوری آبادی قتل کرا دی لیکن اس طرح مفتوحہ شہروں پر قبضہ جمائے رکھنے میں کوئی سہولت پیدا نہ ہوئی۔ سکندر کا منصوبہ یہ تھا کہ ہر نو آبادی کی حفاظت کے لیے فوج متعین کر دے۔ یہ منصوبہ منظم مزاحمت کے مقابلے میں کامیاب ہوتا نظر نہ آیا۔ اسے کامیاب بنانے کے لیے ضروری تھا کہ مقابل کی مسلح فوجوں کو تباہ کیا جاتا۔

اس کامیاب مزاحمت کا روحِ رواں ایک مادی امیر تھا۔ جو ایرانی فوج میں سالار رہ چکا تھا۔ اس کا نام سپٹاما[1] تھا جس نے سطح مرتفع کی جنگی قوت اپنے گرد جمع کر لی تھی۔ وہ مزید شمالی علاقوں سے سیتھیوں کو بھی اپنے ساتھ ملانے میں کامیاب ہو گیا تھا۔ تھوڑی مدت کے لیے سپٹاما نے خود مقدونیوں کی تدبیروں سے کام لے کر انھیں ناکام بنائے رکھا۔ سکندر نے اپنے سواروں کا بھاری ساز و سامان رکھوا لیا تاکہ وہ زیادہ ہلکے پھلکے ہو کر ان باختریوں کی یورشوں سے عہدہ برآ ہو سکیں لیکن اس سے بھی کوئی فائدہ نہ ہوا۔ پھر اس نے میدانی علاقے کی آبادیوں کو اپنے آباد کیے ہوئے شہروں میں جا بسنے کی ترغیب دی۔ انھیں خوش کرنے کے لیے وہی لمبا اور ڈھیلا ڈھالا جبہ پہننا شروع کر دیا جو ایرانی شہنشاہ پہنتے تھے۔ جاسوس بتاتے تھے کہ سپٹاما وہ شاہی تاج پہنتا ہے جو دارائے اول

---

[1] SPITAMA

پہنتا تھا۔

غرض مقدونوی جو بھی تدبیر اختیار کرتے سپٹاما اس کا موثر توڑ کر لیتا جب سکندر کا زخم اچھا ہوا۔ اس کی صحت بحال ہو گئی اور اس نے دیکھا کہ مقدونوی قوت کس طرح ضائع ہو رہی ہے تو خود سیتھیوں کے علاقے میں پیش قدمی کا فیصلہ کر لیا چنانچہ وہ سیاہ رنگ کی ریت کے صحرا[1] میں سے ہوتا ہوتا ہوا اس خطے میں پہنچا جس کی مٹی زردی مائل چکنی تھی اور وہاں سرخ رنگ کے تودے کھڑے تھے۔ گویا انسانوں نے ہاتھ سے بنائے تھے۔ ان پر روئیدگی کا نشان تک نہ تھا۔ ہوا کا معمولی جھونکا بھی آتا تو گرد و غبار کا طوفان اُٹھتا۔ غروب آفتاب کے وقت پورا خطہ خون کا رنگ اختیار کر لیتا۔ یہ سپاہ کو یہ منظر اچھا معلوم نہ ہوا۔

میدانی سواروں کی یورشوں سے بچنے کی خاطر سکندر مشرقی سمت کی پہاڑیوں میں چلا گیا جہاں پہاڑیوں کے دامن میں ایک دریا ملا۔ اس کے کنارے میوہ دار درخت کھڑے تھے۔ یہاں شہر مرکنڈ (موجودہ سمرقند) کے سنگی قلعے میں اس نے ایک فوج بٹھائی اور خود سیتھیوں کے تعاقب میں آگے بڑھ گیا۔ اگرچہ عام طور پر سمجھا جا رہا تھا کہ کوروش سمرقند سے آگے بڑھا تھا تو سیتھیوں کے ہاتھ سے مارا گیا لیکن سکندر بے پروایانہ آگے بڑھتا گیا۔ چلتے چلتے وہ دوسرے دریا پر پہنچ گیا۔ جسے دریائے ریگ[2] قرار دیا گیا ہے۔ وہ اب زمین کے انتہائی بلند حصے سے قدرے شمالی جانب تھے۔ جسے لوگ ہندکی کوہ[3] یا ہندوستان کا پہاڑ کہتے تھے مطلع صاف ہوتا تو انھیں اپنے عقب میں اور دائیں جانب بلند چوٹیاں صاف نظر آتیں۔

یہاں دریائے ریگ کے کنارے اسی سکندریہ بنیاد رکھی گئی جو اس نام کا آخری شمالی شہر تھا۔ چونکہ اس جگہ متواتر حملے ہوتے رہتے تھے اس لیے استحکامات کا خاص خیال رکھا گیا۔ دریا کے پار سے دہشت انگیز سیتھیوں کی چوکیاں صاف نظر آ رہی تھیں۔ سیتھی سواروں کی تلواریں بہت لمبی اور کمانیں عجیب طریقے پر خمیدہ تھیں۔ وہ دریا پار اپنے گھوڑے چراتے ساتھ ساتھ مقدونیوں

---

[1] اس سے مراد وہ صحرا ہے جسے قزل قم کہتے ہیں۔

[2] یعنی سردریا یا دریائے سیحون۔

[3] ہندی کوہ جسے عام طور پر ہندوکش کہا جاتا ہے۔

کی ہنسی اڑاتے۔ آہستہ آہستہ اُن کی تعداد بڑھتی گئی۔ مقدونیوں کا خیال نہ تھا کہ یہی موعود دریا ہے جو بہشت سے نکلا ہے۔ عین اُس موقع پر اطلاع ملی کہ مرکنڈ میں جو فوج متعین کی گئی تھی۔ اس پر سپٹاما نے حملہ کر دیا اور فوج کو قلعے میں محصور ہونا پڑا۔

اگر سکندر جنوب کی جانب مڑتا تو سِتھی سوار دریا کو عبور کر کے تعاقب میں نکل پڑتے۔ دریا کو عبور کر کے سِتھیوں کی طرف بڑھتا تو اس فوج سے دور ہو جاتا جو اب سپٹاما کے رحم و کرم پر رہ گئی تھی۔ گویا وہ ایک عجیب مخمصے میں گرفتار ہو گیا تھا۔ فوج کے افسر اب یہ سوچنے لگے کہ وسیع خطوطِ رسد کی حفاظت کے لیے صرف کہیں کہیں فوجیں متعین ہیں اور ان پر کسی وقت بھی حملے ہو سکتے ہیں۔ اس پر جتنا سوچتے تشویش بڑھتی جاتی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ وہ ایک دھاگا پکڑ کر بھول بھلیاں میں داخل ہو گئے ہیں۔ اگر وہ دھاگا ٹوٹ گیا تو . . . . . انھیں یہ بھی صاف نظر آ رہا تھا کہ سِتھیوں کی حیثیت عجیب الخلقت افسانوی مخلوق کی سی ہے۔ جو پہاڑوں اور صحراؤں کی بھول بھلیاں میں ان پر ہلہ بول دینے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ انھیں یاد آ رہا تھا کہ سِتھی جنھیں وہ سکوتھی کہتے تھے ایشیائی اقوام میں سب سے بڑھ کر طاقتور ہیں۔ یہ لوگ اس سیاہی مائل سطحِ مرتفع پر گھومتے رہتے ہیں جس کی حد طوفان کے قریب تک پھیلی ہوئی ہے۔ اور بحیرۂ اسود کے یونانی فن کاروں سے اپنی عورتوں کے لیے سنہری زیور اور جواہرات لاتے ہیں۔ یونان پر حملے سے پیشتر دارا ے اول نے ان پر حملہ کیا اور ذلت خیز شکست کھائی۔ اِس دریا کے آس پاس بلند مرتبہ کوروش ان کے ہاتھ سے قتل ہوا۔ یہ اپنے لمبے لمبے بالوں اور ڈھیلے ڈھالے جاموں میں وحشی معلوم ہوتے تھے۔ بہر حال صورتِ حال میں امید کی کوئی جھلک دکھائی نہ دیتی تھی

انھیں یہ بھی معلوم تھا کہ سکندر فی الحال کسی فوج کی قیادت کے قابل نہیں۔ اس کے سر پر پتھر کی جو ضرب لگی تھی۔ اُس نے کئی روز تک اس کے دماغ کو منجمد رکھا۔ اب اس کی بینائی تو درست ہو گئی تھی لیکن وقتاً فوقتاً درد سر کے دورے ہوتے رہتے تھے اور اُن سے نجات حاصل کرنے کے لیے وہ شراب کا آخری ذخیرہ ختم کر رہا تھا۔ شراب یا دریا کے گدلے پانی کے باعث پیچش شروع ہوئی اور وہ بہت کمزور ہو گیا۔ خود سکندر اُن سے کچھ نہ کہتا۔ البتہ یہ تاکید کرتا رہتا کہ اس نئے شہر کو خوب مستحکم کر دو جو آخری چوکی کا کام دے گا اور اس کے ذریعے سے خانہ بدوشوں کی یورشیں روکی جا

سکیں گی بظاہر وہ مایوس سا ہو گیا تھا۔ وہ انتہائی مشقتیں اٹھا کر دریائے ریگ پر اس جگہ پہنچا تھا جہاں کے قریب سے یہ نکلتا ہے۔ امید تھی کہ اس کے ساتھ وہ منبع کا سراغ لگاتا ہوا ہندی کوہ کے پہاڑوں میں پہنچ جائے گا لیکن اب صاف نظر آ رہا تھا کہ دریا کا منبع غیر معلوم بلندیوں پر واقع ہے۔

اس شمالی سرزمین کی کوئی بھی شے شناسا معلوم نہ ہوتی تھی۔ کسی کو یاد نہ آتا تھا کہ دیونی سوس میں سے کوئی اس خطے میں کبھی آیا تھا۔ وہ جانتے تھے کہ ارگونات جس جگہ پہنچے تھے وہ یہاں سے مغرب کی جانب بہت دور بنی ہوئی تھی۔ ادھر سیتھی لوگ دریا کے کنارے روز بروز زیادہ ہوتے جاتے تھے۔ نئے اسکندریہ کی سنگین دیوار آہستہ آہستہ اوپر اٹھ رہی تھی۔ دیادس کے انجنیئر اس سلسلے میں زیادہ کچھ نہ کر سکتے تھے۔ اور مرکنڈ (سمرقند) کی محصور فوج کے لیے کمک کا انتظام بہر حال ضروری تھا۔

سکندر نے اپنی فوج میں سے پیادوں اور سواروں کی دو رجمنٹیں الگ کیں۔ یہ کوئی دو ہزار چار سو آدمی ہوں گے اور انھیں کرنیوس کی قیادت میں دے دیا۔ ایرسٹانڈر سے کہا کہ اب عبورِ دریا کے لیے شگون دیکھو۔ اس نے ایک بھیڑ ذبح کی اور اس کا جگر دیکھ کر کہا کہ فوج اگر ایک طبعی رکاوٹ میں سے گزری تو اسے نقصان پہنچے گا۔ سکندر نے یہ سنا تو سخت خفا ہوا لیکن خاموش رہا۔ پھر حکم دیا کہ دوبارہ شگون دیکھا جائے۔ ایرسٹانڈر نے گھبرا کر کہا کہ میری بات پر یقین نہیں تو کسی دوسرے سے پوچھ لو۔ سکندر نے پھر کہا کہ نہیں دوبارہ دیکھو۔ چنانچہ پھر ایک بھیڑ ذبح کی گئی۔ اب یہ بتایا گیا کہ فوج دریا تو عبور کر جائے گی لیکن سکندر کو گزند پہنچے گا۔ اس نے کہا کہ میں ہر مصیبت برداشت کرنے کے لیے تیار ہوں لیکن یہ برداشت نہیں کر سکتا کہ یہاں بیٹھا ہوا بربریوں کی خندہ زنی کا ہدف بنوں۔ ایرسٹانڈر نے کہا کہ بہر حال احتیاط کرنی چاہیے۔ یہ دیوتاؤں کے نشان ہیں اور دیوتا کسی کی خواہش کے مطابق اپنے ارادے نہیں بدلا کرتے۔

اس اثنا میں سیتھی حیران تھے کہ مقدونوی آئندہ کیا کریں گے۔ جب شہر کے استحکامات ایک خاص منزل پر پہنچ گئے۔ اور مناسب حفاظت کی جگہ نکل آئی تو سکندر نے بیماروں اور اطراف کے کاشتکاروں کو اندر بھیج دیا۔ انجنیئروں نے عبورِ دریا کے لیے تیاریاں شروع کر دیں۔ بڑی بڑی

کمانیں دریا کے کنارے لگا دی گئیں تاکہ عبور کے وقت ان سے فوج کی حفاظت کا کام لیا جا سکے۔ سِتھی تیر انداز آتے اور دُور سے تیر پھینک کر چلے جاتے۔ درمیانی فاصلہ اتنا تھا کہ ان کے تیروں سے کسی کو نقصان نہ پہنچتا۔ پھر سکندر نے یا تو اپنی فوج کا حوصلہ بڑھانے کے لیے یا سِتھیوں کو حیران کرنے کے لیے ایک عجیب تماشا کیا۔ اُس نے دریا میں چڑھاوے کی شراب ڈالی۔ فوجیوں سے کہا کہ کھیلیں شروع کر دو۔ نیز شہر اور دریا کے درمیان جو میدان ہے اس میں گھڑ دوڑ ہو، فنی جلسے ہوں اور خوب باجے بجائے جائیں۔ سِتھی یہ تماشا دیکھنے کے لیے دوسرے کنارے پر آ گئے جو میدان سے زیادہ دُور نہ تھا۔

اب سکندر نے ایک طرف حکم دیا کہ بڑی کمانوں سے تیر اندازی شروع کر دی جائے۔ دوسری طرف فوج کو دریا عبور کرنے کے لیے کہہ دیا۔ ان کمانوں سے جو تیر نکلے وہ سِتھیوں کی ڈھالوں کو بھی چھیدتے ہوئے چلے گئے۔ وہ فوراً کنارا چھوڑ کر بھاگے اور سکندر کی فوج دریا سے گزرنے لگی۔ آریان لکھتا ہے:

> دور مار تیروں نے سِتھیوں میں کھلبلی ڈال دی تو سکندر نے حکم دیا کہ باجے پورے زور سے بجتے رہیں۔ وہ سب سے پہلے لشکر میں دریا سے گزرا۔ اگلے کنارے پر پہنچتے ہی تیر اندازوں اور نیزہ اندازوں سے کہا کہ آگے بڑھ کر سِتھیوں کو ہراساں کرو۔ اور انھیں دریا سے گزرنے والے پیادوں پر تیر چلانے کی مہلت نہ دو۔ اسی طرح پیادے اور سوار سب بہ اطمینان پار ہو گئے۔

مقدونوں نے اس سے پہلے یا بعد کبھی اپنے آپ کو اتنی خطرناک پوزیشن میں نہ ڈالا۔ سکندر کو سوار تیر اندازوں کے خطرناک طریقوں کا تجربہ نہ تھا۔ یہیں اُسے تجربہ ہوا اور بہت جلد اس سے فائدہ اٹھا لیا۔ غرض دریا کے کنارے سے لڑائی کی صف بندی کر کے کوئی دو ہزار آدمیوں کو آگے بھیجا۔ سِتھیوں نے اسے نرغے میں لے کر ٹکڑے ٹکڑے کر ڈالا۔ جب بڑی فوج آگے بڑھی تو سِتھیوں نے پہلی ہی تدبیر دہرائی، وہ تیر چلا کر تیزی سے نکل گئے اور مقدونیوں کو ٹھہرنا پڑا۔ حملے کے جس طریقے پر عموماً عمل کیا جاتا تھا وہ یہاں کام نہ دے سکتا تھا۔ اِس لیے کہ سِتھی سامنے نہ تھے بلکہ چکر لگا کر عقب میں آ گئے تھے۔ وہ اتنے تیز چل رہے تھے کہ مقدونوی رسالہ ان کا تعاقب نہ کر سکتا تھا۔ پیادوں کو مربعے کی شکل میں

بڑھانا صریح حماقت سمجھا جاتا۔ بلکہ پیادے خود بے بس سے تھے۔ اِس لیے کہ میدان بالکل سپاٹ تھا اور پیادے اوٹ نہ لے سکتے تھے

سکندر نے فوراً ایک تجویز سوچ لی اور اسی پر عمل کیا۔ اُس نے رسالے کو غنیم کے ایک بازو کی طرف بھیجا۔ ان کے پیچھے دوسرا رسالہ بھیجا تاکہ غنیم پہلے کو زغے میں نہ لے۔ اس کا کام یہ نہ تھا کہ سیتھیوں سے لڑے، صرف یہ مقصد تھا کہ انھیں ایک طرف سے روک لے۔ پھر اُس نے پیچھے ہٹ کر اپنی خاص فوج کی کمان سنبھالی اور اُسے پہلے متحرک جیش کے متوازی چکر دے کر حلقہ سا بنا لیا اِس طرح سیتھی مقدونوی فوج کے دو پاٹوں میں آ گئے اور دونوں طرف سے اُن پر موت و ہلاکت کی بارش ہونے لگی۔ سیتھی گھبرا کر پیچھے ہٹے۔ دو جیشوں نے اُن کا پیچھا کیا۔ بس اِس چال نے سیتھیوں کا ستیاناس کر ڈالا۔ وہ ایک ہزار کے قریب مارے گئے۔ مقتولین میں اُن کا ایک بہت بڑا سردار بھی تھا۔ کوئی ڈیڑھ سو کے قریب اسیر ہوئے۔ بظاہر مقدونیوں کا نقصان زیادہ ہوا لیکن کامیابی انھیں کو حاصل ہوئی۔ سیتھیوں کو مزید لڑائی کا حوصلہ نہ رہا۔ البتہ سپٹاما کے ساتھ ان کا اتحاد قائم تھا۔ پھر سکندر آگے بڑھا۔ اور شہر سنگین (تاشقند) میں پہنچ گیا۔ سیتھیوں کو یقین ہو گیا کہ سکندر جانا نہیں چاہتا بلکہ مستقل طور پر ٹھہرنے کا خواہاں ہے۔ چنانچہ انھوں نے سفیر بھیج کر صلح کر لی۔

سکندر کو تعاقب کی تگ و دو نے تھکا دیا تھا۔ پھر اُسے پیچش ہو گئی۔ جس نے بے حد کمزور کر دیا۔ چنانچہ اُسے پالکی میں ڈال کر دریا پر لائے۔ اس طرح ایرسٹانڈر کی پیشگوئی پوری ہو گئی کہ فوج دریا سے کامیابی کے ساتھ گزر جائے گی لیکن سالارِ اعظم کو گزند پہنچے گا۔ اِس اثنا میں یہ خبر ملی کہ مرکنڈ والی فوج کی کمک کے لیے جو فوج کریتیس کے ماتحت بھیجی گئی تھی وہ پوری کی پوری تباہ کر دی گئی۔ یہ کام سپٹاما کا تھا جسے سیتھیوں نے مدد دی۔ بظاہر یہی معلوم ہوتا ہے کہ اس فوج کے افسر سیتھی سواروں کی چال کا اندازہ نہ کر سکے۔ سکندر نے یہ سنتے ہی نہایت تیز رفتار سوار منتخب کیے اور انھیں لے کر مرکنڈ کی طرف روانہ ہو گیا۔ تیزی کا یہ عالم تھا کہ آریاں کے قول کے مطابق ایک سو پینتیس میل کا فاصلہ تین دن اور تین رات میں طے کر گیا۔ چوتھے دن صبح کے وقت وہ وادی میں اُترا اور باغیوں کے احاطے میں سے مرکنڈ کا قلعہ صاف نظر آ رہا تھا۔ محاصرین کو سکندر کے آنے کی اطلاع مل چکی تھی اور وہ اُس کے پہنچنے سے پیشتر ہی سپٹاما کے ماتحت بھاگ گئے۔ سکندر نے اس کے یونانی مقتولین کو دفن کرایا۔ اب موسم سرما آ گیا تھا اور اُونچے پہاڑی درے برف نے بند کر دیے تھے۔

یہ ۳۲۹-۳۲۸ ق م کا موسم سرما تھا۔

سپٹاما کی چالوں اور قابو میں نہ آنے والے وحشی سواروں کی مزاحمت نے سکندر کو بڑا پریشان کیا۔ اب وہ خود اونچی سطح کے علاقوں میں پھرنے لگا اور اس کے تباہ کاری کے طریقے اختیار کر لیے مثلاً دیہات کے دیہات ویران کر ڈالتا۔ باشندوں کو مجبور کرتا کہ ڈھلوانوں کو چھوڑ کر چوٹیوں پر جا بیٹھیں جہاں ان کے جانوروں کو چارہ نہ مل سکتا تھا۔ جانور مجبور ہو کر نیچے آ جاتے اس طرح مقدونیوں کو حسب دلخواہ خوراک مل جاتی اور جانوروں کے مالک چوٹیوں پر بھوکوں مرتے۔ مقدونوی سپاہی ریوڑوں کے ریوڑ ہانک کر اپنی نوآبادیوں میں لے آتے۔ اور عام لوگوں کو کھانے کے لیے کچھ نہ ملتا۔ پھر اس نے بہت سی کمکی فوجیں بلالیں۔ یلیا سے نئے رنگروٹوں کی وہ جمعیت بھی آ پہنچی جو ہر سال آ جاتی تھی۔ ان کے ساتھ تنخواہ دار بھی آ گئے۔ دو سال پہلے بھی سکندر نے تنخواہ داروں کو بھرتی کرنا ترک کر دیا تھا۔ اب آباد کاروں کی ضرورت تھی لہٰذا انھیں رکھ لیا۔ حقیقت یہ ہے باختر اور سغد کی آبادیاں زیادہ تر یونانیوں ہی سے لبریز ہوئیں۔

نیارکس اور بعض دوسرے افسر اپنے ساتھ وہ کمک لائے جس کے متعلق مؤرخ کا بیان ہے کہ وہ سمندر کے راستے آئی تھی چونکہ سکندر نے ابھی تک کوئی بحری راستہ نہ کھولا تھا۔ اس لیے خیال ہے کہ یہ کمکی لشکر ان سامی ملاحوں پر مشتمل ہو گا جو بحیرۂ روم کے ساحل کے ساتھ ساتھ رہتے تھے۔ ان کے علاوہ زوراکارتا کے مرکز سے بھی فوج آ پہنچی۔ مشرقی جھیل کی جانب سے پندرہ سو کے قریب اتحادی لشکر بھی آ گیا۔ یہ جھیل وہی تھی جس میں دریائے بحر اور دریائے ریگ گرتے تھے۔ (مراد ہے بحیرۂ خوارزم شاہی) ان اتحادیوں کا سردار اپنے آپ کو خوارزمی کہتا تھا۔ وہ لوگ شمالی سطح مرتفع کے متعلق جو کہانیاں سناتے تھے جن سے یونانی جغرافیہ دانوں اور ....

سکندر کو ان باتوں سے بہت دلچسپی پیدا ہوئی۔ سردار نے سکندر سے کہا کہ میں آپ کو جھیل تک لے چلتا ہوں۔ وہاں دیویاں بھی دکھاؤں گا جو اسپ سواری کی ماہر ہیں اور بڑی پھرتی سے تیر چلاتی ہیں۔ اگر کسی خوارزمی دلہن کی ضرورت ہو تو اس کا انتظام بھی ہو سکتا ہے لیکن سکندر نے معذرت کر دی۔ اب ایشیا کے اس حصے میں اس کے ساتھ تنخواہ داروں اور ملازموں کو شامل کرتے ہوئے لاکھ ڈیڑھ لاکھ آدمی ہو گئے تھے۔

اب اُس نے سپٹاما کا فیصلہ کرنے کی تدبیریں اختیار کیں۔ لیکن یہ کام چالوں کا نہ تھا بلکہ دہشت انگیزی کا تھا۔ باشندوں پر واضح ہوگیا کہ جب تک وہ آبادکاروں کا ساتھ دینے کے لیے تیار نہ ہوں گے بے خود خراب رہیں گے اور مارے جائیں گے نو آبادیوں میں انھیں ہر ضروری سامان ملتا تھا۔ دو سال پیشتر ملک سکندر کے خلاف تھا اب سارا ملک سپٹاما کا دشمن بن گیا۔

سکندر کا خاصا ہی یہ تھا کہ جب مشکلات پیش آتیں تو انھیں ختم کیے بغیر چین نہ لیتا۔ اسے ناکامی اور پسپائی دونوں سے نفرت تھی۔ اُس کی خواہش ہوتی کہ ہندی کوہ کی بلندیوں پر سے گزرتا ہوا وادی سغد میں پہنچ جائے۔ اِس غرض سے باختر و سغد کی سطح مرتفع کو مسخر کرنا ضروری تھا گویا سوانح نگاروں کا یہ خیال صحیح نہیں کہ ہرقل یا سمی رئیس کے افسانوی کارناموں سے درخشاں تر کارنامے انجام دینے کی خواہش نے اس پر آمادہ کیا تھا۔ یہی وجہ ہے کہ اس نے یہاں کے آدمیوں کے طور طریقے اختیار کر لیے تھے۔ پرسی پولس میں ایرانیوں کے طریقے اپنا لیے تھے۔ یہاں سطح مرتفع کی بے تکلف زندگی اپنالی۔ وہ گھوڑے پر لوگوں کے ساتھ دور دور پھر آتا۔ ڈھول اور تُری کی آواز پر ناچ لیتا۔ ان لوگوں میں ضرب المثل تھی کہ جو آدمی گھوڑے پر بیٹھ سکتا ہے وہی آزاد ہے۔ جو گھر میں بیٹھے گا وہ غلام بن جائے گا۔ سکندر نے سواری میں باختر و تھیا کے جنگجوؤں کو بھی مات کر دیا۔

دو سال کی جنگوں نے فوج کو بڑا نقصان پہنچایا تھا۔ بہت سے مارے گئے۔ بہت سے بیمار پڑ گئے یا زخمی ہو گئے۔ اِس پر لوگوں میں تلخی پیدا ہوئی لیکن وہ مزید مشقتیں اٹھانے کے لیے تیار ہو گئے جو بلندیوں کو عبور کر کے آئے ان میں نفرت و برداشت دونوں کی صلاحیت پیدا ہو چکی تھی۔ مقدونی فوج اب پانچ لشکروں میں تقسیم تھی۔ ہر ایک لشکر کے کماندار الگ الگ تھے۔ مثلاً ہفاسشن، بطلیموس، پرڈکاس، کوئی نس اور خود سکندر۔ سرما میں یہ پانچوں لشکر سپٹاما کے تعاقب میں لگے رہے اور اُسے کہیں دم لینے یا نئے آدمی بھرتی کرنے کا موقع نہ دیا۔

سپٹاما نے ایک آبادی پر اچانک حملہ کر کے اُسے لوٹا۔ اس اثنا میں کوئی نس نے اسے نرغے میں لے لیا۔ سپٹاما کو خود اس کے آدمیوں نے قتل کر کے سر کاٹا اور صلح کی پیشکش کے ساتھ پیش کر دیا۔ اس کے ساتھیوں کو علم ہو چکا تھا کہ سکندر خود آ رہا ہے اور وہ بہت ڈر گئے تھے۔ اس پر

مزاحمت ختم نہ ہوئی۔ آریان کہتا ہے یہ بربری ہر وقت جنگ کے لیے تیار رہتے ہیں۔ اس لیے کہ افلاس کے ہاتھوں مجبور ہوتے ہیں۔ نہ ان کے ہاں شہر میں اور نہ مستقل گھر۔ ایسی کوئی چیز ان کی غنا گیر نہیں ہو سکتی اور نہ انھیں کسی قسم کا خوف ہوتا ہے۔

سپٹامان کے خاتمے کے بعد مقدونیوں نے مقامی باشندوں کی دلداری شروع کر دی۔ صرف ایک قصبہ تھا جو بلند ٹیلے پر واقع تھا۔ خیال تھا کہ اسے مسخر نہیں کیا جا سکتا۔ مقدونوی میخیں ٹھونکتے ہوئے اوپر چڑھ گئے اور اپنے لیے قینچی اور سیڑھی بنالی۔ لہٰذا وہ قصبہ بھی حوالگی پر مجبور ہو گیا۔

سترھواں باب

روشنک

سردی کا موسم تھا جب سکندر کی ملاقات اپنی آئندہ رفیقہ حیات سے ہوئی۔ اُس کی فوج مخالفین کے گروہ کا تعاقب کرتی ہوئی ایک ایسے قلعے کے پاس پہنچ گئی جو ایک بلند چٹان پر بُرج کی طرح کھڑا تھا اور لوگ اسے صحرائے سغد کہتے تھے۔ مدافعین اُس بلند قلعے میں داخل ہو گئے تھے جس میں سامانِ رسد افراط جمع تھا۔ مقام کے قدرتی استحکامات کے سرسری معائنے سے اہلِ مقدونیہ پر واضح ہو چکا تھا کہ اس پر نہ یورش ہو سکتی تھی اور نہ اُسے فتح کیا جا سکتا تھا۔ چٹان کی چوٹی پر برف موجود تھی جس سے باختریوں

. . . .

کو ضرورت کے مطابق پانی مِل جاتا تھا۔ سکندر نے اُن کی بڑی آؤ بھگت کی اور کہا کہ اپنے مکانوں میں واپس آ جاؤ تو کامل معافی دے دی جائے گی۔ باختریوں نے اس پیشکش کا مذاق اڑایا اور زچ کر جواب دیا کہ واپس چلے جاؤ۔ ایسے سپاہ ساتھ لاؤ جس کے پَر لگے ہوئے ہوں۔ اس صورت میں ممکن ہے اڑ کر ہمارے تک پہنچ جاؤ۔

سکندر نے سُن لیا تھا کہ باختر کا ایک سردار اپنے کنبے کو لے کر صحرائے سغد میں پناہ گزیں ہو گیا اور اُسے فتح نہیں کیا جا سکتا۔ مدافعین کے عزمِ مقابلہ نے اُسے بڑا غصہ دلایا۔ ساتھ ہی اُس کے دل میں عجیب و غریب تدبیر آئی۔ اُس نے اپنے اگریانی سواروں کو بلایا جو چٹانوں پر چڑھنے میں بڑے مشاق تھے اور اُن کے سامنے یہ پیش کش کی کہ جو شخص سب سے پہلے اس چوٹی پر پہنچے اُسے بارہ ٹیلنٹ انعام دیا جائے گا اور آخری آدمی کو بھی ضرور چند اشرفیاں ملیں گی۔ میری تجویز یہ ہے کہ رات کے وقت اس ٹیلے پر اُس طرف سے چڑھو جس طرف یہ بالکل سیدھا کھڑا ہے اور سمجھا جاتا ہے کہ اس طرف سے چڑھنا ممکن نہیں۔ صبح تک اُوپر چڑھ کر اُس مقام پر پہنچ

جاؤ جو قلعہ سے بلند ہے۔ چونکہ چٹان کے اس حصے پر چڑھنا ناممکن سمجھا جاتا تھا۔ اِس لیے اُس طرف کوئی حفاظتی تدبیر بھی اختیار نہ کی گئی تھی، بلکہ پہرے دار تک موجود نہ تھا۔ تین سو تجربہ کار کوہ نوردوں نے اپنی خدمات رضاکارانہ پیش کر دیں۔ انھوں نے چٹان کے اس حصے کا گہرا معائنہ کیا۔ اپنے ساتھ خیموں کی آہنی میخیں اور سن کے لچکیلے رسے لے لیے۔ سکندر نے ان میں سے ہر ایک کو ایک ایک پرچم دے دیا۔ یہ پرچم اُنھوں نے اپنی کمروں سے لپیٹ لیے۔ موسم سرما کی خنک رات میں وہ چڑھنے لگے۔ جہاں مناسب سمجھتے میخیں ٹھونک لیتے۔ جہاں ممکن ہوتا رسّے باندھ لیتے۔ تیس آدمی رات کی تاریکی میں نیچے گر گئے اور اگلے دن اُن کی لاشیں تلاش کی گئیں تو نہ مل سکیں۔ باقی تمام آدمی طلوعِ آفتاب کے بعد چوٹی پر پہنچ گئے اور انھوں نے اشاروں سے اپنی کامیابی کا اعلان کر دیا۔ افسروں نے فوراً پکار کر باختریوں سے کہا۔ پہاڑی لوگو! وہ دیکھو ہمیں پَردار سپاہی مل گئے۔ وہ تمھارے سروں پر کھڑے ہیں۔ خوب غور سے دیکھ لو۔

باختریوں نے مسلح سپاہیوں کو بلندی پر پرچم لہراتے دیکھا تو سمجھ لیا کہ واقعی پَردار سپاہی پہنچ گئے چنانچہ یہ تدبیر کامیاب ہوئی اور سغد کا اس نہایت مستحکم قلعے کا سردار حوالگی کے لیے مجبور ہو گیا۔ سکندر نے ایک شام پیشتر پہاڑ پر چڑھنے والوں کو اوپر چڑھنے اور پرچم لہرانے کی خوب مشق کرا دی تھی۔ پہاڑی لوگوں کے لیے یہ آخری پناہ گاہ تھی۔ سکندر خود معائنے کے لیے اوپر پہنچ گیا۔ باختری سرداروں نے بادلِ نخواستہ اُسے راستہ دے دیا۔

وہ پھرتا پھراتا قلعے کے ایک حصے میں پہنچا تو ایک مکان میں سے ایک لڑکی نکل آئی۔ قاعدے کے مطابق وہ سکندر کے سامنے جھکی نہیں۔ تنہا اطمینان سے کھڑی رہی تاکہ جو کچھ سکندر کو کہنا ہے کہہ ڈالے۔ اُس کے گیسو دونوں جانب گندم کی نئی بالیں کے انداز میں گندھے ہوئے نظر آ رہے تھے۔ حسین اتنی تھی کہ ایک مرتبہ نظر اُس کے چہرے پر پڑ جاتی تو ہٹائی نہ جا سکتی۔ وہ ایک حد تک ہراساں ضرور تھی لیکن پیچھے نہ ہٹی۔ سورج کی روشنی میں اُس کے سر کے بال چمک رہے تھے۔ سکندر نے اُس کا نام پوچھا تو جواب ملا: "روشنک" (رخسانہ) یعنی دختر نور"۔

باختری سردار کی یہ قرۃ العین یونانی زبان بالکل نہ جانتی تھی لیکن سکندر کے دل میں اُس نے کوئی پرانی یاد تازہ کر دی، ہو سکتا ہے اُس کے دل میں کسی باختری خاندان میں شادی

کر لینے کا خیال ہو۔ چنانچہ روشنک کو اُس نے پسند کر لیا فوراً اس کا ہاتھ تھام لیا۔ وہ پیچھے نہ ہٹی اِس لیے کہ قواعدِ جنگ کے مطابق وہ اپنے آپ کو فاتح کا مال سمجھتی تھی اور تیار ہو چکی تھی کہ اُس کے متعلق جو فیصلہ چاہے کرے۔ سکندر نے اپنی کلائی سے ایک کڑا اتارا، چند لمحے اُسے دیکھتا رہا، پھر روشنک کے بازو میں پہنا دیا۔ ساتھ ہی کہا کہ اِسے پہنے رہو۔ اِس لیے کہ میں تم سے شادی کروں گا۔

روشنک اُس کے ساتھ ہندوستان گئی۔ اُس کے بطن سے ایک لڑکا پیدا ہوا۔ بلاشبہ وہ بریسین جیسی تعلیم یافتہ اور مہذب نہ تھی لیکن اُس کے خیالات دو باتوں پر مرتکز تھے۔ اوّل مذہب دوم شوہر۔ وہ حقیقی معنی میں سکندر کی بیوی بن گئی۔ اگرچہ فوج نے اِس باختری شادی کو پسند نہ کیا۔

نوآمدہ آدمیوں میں سے ایک کا نام اونیسی کریٹس[1] تھا۔ اُسے عام طور پر سر ملاح کہہ کر پکارا جاتا تھا۔ بظاہر معلوم ہوتا ہے کہ نیارکس کی طرح اُس کا تعلق بھی بحریات سے تھا۔ اور بحری فوج کو خاص کام اُس وقت تک نہ کرنا پڑا تھا۔ عام رواج کے مطابق اُس نے بھی اپنا روزنامچہ لکھنا شروع کیا جس میں زمین کی حالت تفصیل سے بیان کی جاتی۔ اونیسی کریٹس عجائب پسند بھی تھا۔ چنانچہ اُس نے اپنے روزنامچے میں سنسنی پیدا کرنے والے واقعات بھی لکھنے شروع کیے۔ سکندر اور سال خوردہ مقدونیوں کی رائے یہ تھی کہ اُسے سر ملاح نہیں بلکہ جھوٹوں کا سردار کہنا چاہیے

اونیس کریٹس نے خوارزمی سردار اور بربری روشنک سے شادی کے واقعات سامنے رکھ کر اُن کے ارد گرد ایک عجیب افسانہ بُن دیا۔ اُس نے لکھا کہ سکندر کی شہرت ایشیا کی وسیع سطحِ مرتفع میں خوب پھیل گئی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ شہرت ڈیزنیوں کی ملکہ کے کان تک پہنچ گئی۔ جو بڑی تندخو اور جنگجو تھی اور مردوں سے اسے کوئی سروکار نہ تھا۔ سکندر کی شہرت سنتے ہی مغرور ملکہ نے سکندر کے پاس قاصد بھیجے کہ میں اپنی سرحد پر ایک رات کے لیے آؤں گی۔ وہاں مجھ سے ملو اور ایک رات میرے پاس ہو تاکہ میں ایک بچہ جن سکوں۔ سکندر کا افسانہ جن عجائب خیز داستانوں سے مزیّن ہے اُن میں سے غالباً یہ پہلی داستان تھی۔

---

[1] ONESICRITUS

تیز فکر ایرانیوں کو بھی مشاہیر کی کہانیوں اور اُن کی مدح و ستائش سے بڑی دلچسپی تھی۔ انھوں نے سکندر کے کارناموں کا رشتہ کروش اور بناگاں کی کہانیوں سے جوڑنا شروع کر دیا جو ان کے مورثِ اعلیٰ تھا۔ اِس طرح سکندر اور اپنے بزرگوں کے درمیان ایسی مشابہت پیدا کر دی کہ آنے والی نسلیں سمجھیں انھوں نے ایک ایرانی بہادر کی خدمت کی نہ کہ ایک بربری حملہ آور کو تقویت پہنچائی۔ اس بنا پر انھوں نے سطح مرتفع میں بہادر سکندر کے سفر کے متعلق کچھ اس قسم کی باتیں لکھ دیں کہ اُس کے خود پر عقاب کے دو پر لگے ہوئے تھے۔ وہ ایک تاریک سرزمین میں گھس گیا، جہاں تیس دن تک سفر جاری رہا، کوہ فردوس میں پہنچ گیا جو سورج کی روشنی سے جگمگا رہا تھا۔ بناگاں اس سفر میں سکندر کا محافظ رہا۔ بعد ازاں اس داستان میں یہ اضافہ کر دیا گیا کہ سکندر اہورا مزدا کی روح سے بات چیت کرنے کے لیے اس پہاڑ پر گیا تھا۔ پھر افسانے میں ایک اور ارغوانی پیوند لگا دیا گیا کہ اس سفر میں سکندر نے ایک بڑی دیوار تعمیر کرائی اور اُسے تیل سے تر کر دیا پھر آگ دکھا دی۔ اِس آتشیں دیوار کی تعمیر سے سکندر کا مدعا یہ تھا کہ یاجوج و ماجوج کی تباہ کاریاں شمالی سمت ہی میں محدود رہیں (مزید زمانہ گزر گیا اور ایرانیوں نے اسلام قبول کیا تو بعد کے سکندر ناموں میں بناگاں کی جگہ حضرت خضر کو دے دی گئی اور اہورا مزدا جبریل بن گیا)

قیامِ باختر کے دوران میں سکندر کو تیل بھی ملا۔ ایک صبح وہ سو کر اٹھا تو دیکھا کہ خیمے ایک چشمے کے کنارے لگے ہوئے ہیں اور چشمے میں نیم شفاف سیّال مادہ بھرا ہے۔ ایک جگہ سے یہ مادہ پانی کی طرح اُبل اُبل کر نکل رہا تھا۔ یہ مٹی کا تیل تھا۔ ایرانی ادر کاہنوں نے اسے نیک شگون سمجھا۔

مسلسل مشقتیں اٹھاتے ہوئے تین سال گزر چکے تھے۔ زخموں نے ان مشقتوں میں اضافہ کر دیا تھا۔ بایں ہمہ شاہِ مقدونیہ میں دماغی تکان کا کوئی نشان نظر نہ آتا تھا۔ تیسرے سال موسم سرما کے اختتام پر باختر اور سُغد فتح ہو چکے تھے۔ شمالی سرحدوں پر امن قائم ہو گیا تھا۔ نئے شہر بن گئے تھے اور حمل و نقل کے سلسلے قائم ہو گئے تھے۔ اب اُسے تکان محسوس ہوئی۔ پہلا نشان یہ تھا کہ اُسے نیند نہ آتی تھی۔ وہ رات کا بڑا حصہ نئے نظامِ حکومت کے متعلق مفصل رپورٹیں سننے میں گزار دیتا۔ رپورٹیں ختم ہوتیں تو وہ میوے اور شراب لے کر نشر پر لیٹ جاتا۔ اس کے

خاص رفیق پاس ہوتے۔ کبھی اُن کی باتیں سنتا۔ کبھی خود کوئی بات سنانے لگ جاتا۔ شراب کے نشے میں چُور ہو جاتا۔ اسی طرح صبح ہو جاتی۔ زیادہ شراب پینے کے باعث اُس پر مدہوشی کی ایک عجیب کیفیت طاری ہو جاتی۔ اس اثنا میں محافظ فوج کے سپاہی اور طبیب اُس کے پاس بیٹھے رہتے۔

ایرانی بڑے مصلحت شناس تھے۔ وہ جانتے تھے کہ دماغی تکان کے مرحلے پر مدح و ستائش سے سکندر کو کیوں کر خوش کیا جا سکتا ہے۔ چنانچہ وہ فلسفیانہ مزاج اور اکھڑ مقدونیوں کے مقابلے میں ایرانیوں کی صحبت کو ترجیح دینے لگا۔ مقدونیوں پر یہ بھی واضح ہو گیا کہ ابتدائی دَور میں جو لوگ سکندر سے قریب تر رہتے تھے۔ نئے دَور میں وہ انھیں دیکھ کر چڑ جاتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ سکندر نہ بدلا تھا، مگر اُس کے مزاج میں تیزی آگئی تھی۔ اُسے خطرے کا زیادہ احساس ہو چکا تھا، لیکن وہ وہیں پہنچا جہاں خطرہ سب سے زیادہ ہوتا۔ اُس کے غصے میں ہلاکت خیزی کا انداز پیدا ہو چکا تھا۔ وہ صرف انھیں لوگوں کو اعتماد میں لینا پسند کرتا جو اُس کے ساتھ احترام کا سلوک کرتے اگرچہ اُسے سمجھتے نہ تھے۔ عجیب بات یہ ہے کہ وہ اُن یونانی تنخواہ داروں اور ایشیائیوں کو بہت پسند کرنے لگا جن کے ساتھ ابتدائی مہمات میں اُس نے کبھی میل جول پیدا نہ کیا تھا۔

کلیستھنیز سے وہ شاید ہی بات کرتا۔ فلسفی بھی عموماً چپ ہی رہتا۔ سکندر کو اب یہ بھی منظور نہ تھا کہ ضروری امور کے متعلق بات چیت کی جائے یا وطن کا کاروبار اُسے یاد دلایا جائے عجیب بات یہ ہے کہ وہ اپنے خیال میں اُن مقدونیوں کا مخالف بن گیا تھا جو وطن میں بیٹھے تھے۔ بایں ہمہ اینٹی پیٹر یا دوسرے ہم وطنوں کو برابر خط بھیجتا رہتا تھا۔ گویا وہ اُن کے سامنے اپنے آپ کو حق بجانب ثابت کرنے کے لیے مضطرب تھا۔ پرانے مقدونی اُس کی روش کو دیکھ کر عموماً کہتے کہ اُس کے دوست دشمن بن گئے ہیں اور دشمن دوست۔

سیاہ فام کلائٹس اب ایک رجمنٹ کا کماندار تھا۔ وہ لینیس[1] کا بھائی تھا، جو بچپن میں سکندر کی اَنّا رہ چکی تھی۔ گویا کلائٹس کو سکندر کے ساتھ اک گونہ دودھ بھائی کی نسبت تھی۔

---

[1] LANICE

چونکہ لینیس کے اپنے بیٹے ابتدائی مہموں میں مارے جا چکے تھے لہٰذا کلائیٹس کے سوا اُس کا کوئی سہارا نہ تھا پھر یہی کلائٹس تھا جس نے دریائے گرینی کس کی جنگ میں سکندر کی جان بچائی تھی۔ وہ زیادہ تیز فہم نہ تھا اور ایرانیوں کے لباس یا طور طریقوں سے اُسے نفرت تھی۔ ایک موقع پر اُس نے کہا، سکندر اس کے سوا کیا ہے کہ فیلقوس شاہِ مقدونیہ کا بیٹا ہے۔

ایک شام یا صبح کو سکندر نے زیوس کے بیٹوں کے لیے قربانی کا حکم دیا۔ جن کے متعلق عام عقیدہ یہ تھا کہ وہ انسانوں کی مدد کرتے ہیں۔ خوشامدیوں کا جو گروہ اس کے ارد گرد جمع ہو گیا تھا، اُنھوں نے یہ کہنا شروع کیا کہ ہمارا سکندر بھی تو زیوس کے جواں مرد بیٹوں کی حیثیت رکھتا ہے۔

مجلس میں سے کسی نے شراب کے نشے میں کہا: "مغرب بُرا ہے اور مشرق بہترین ہے" جو یونانی نئے نئے آئے تھے اُن میں سے ایک بولا کہ پُرانے مقدونوی کمانداروں نے مغرب میں بڑے اعلیٰ کارنامے انجام دیے تھے لیکن یہاں باختر میں وہ بے چارے بُری طرح پٹے۔ سکندر کے لبوں پر مسکراہٹ پھیل گئی اور اُس کی نگاہیں کلائٹس کو تلاش کرنے لگیں۔ وہ میز پر موجود نہ تھا۔ ایک محافظ نے بتایا کہ وہ بھیڑ کے دو بچے زیوس کے دو بیٹوں کے لیے قربان کرنے کی تیاری کر رہا ہے۔

سکندر نے کہا: اُسے فوراً بلاؤ۔ چنانچہ چند منٹوں میں کلائٹس آ گیا۔ بھیڑ کے بچے اُس کے پیچھے پیچھے آ رہے تھے اور اُن کے سروں پر قربانی کا تیل ملا ہوا تھا۔ کلائٹس نیم مدہوش سا تھا اُسے یہ معلوم نہ ہو سکا کہ بھیڑ کے بچے ساتھ ساتھ چلے آئے ہیں۔ "آنے ہی بولا" لو سکندر میں آ گیا ہوں۔ جتنے آدمی وہاں بیٹھے تھے حیران رہ گئے کہ بھیڑ کے بچوں کو تو ساتھ نہ لانا چاہیے تھا سکندر کے چہرے پر خفگی کے آثار نمودار ہوئے اُس نے کلائٹس کو بیٹھنے کا اشارہ کیا۔ کسی نے پھر صدا لگائی: "مغرب بُرا ہے اور مشرق بہترین ہے۔" کلائٹس نے پہلی مرتبہ یہ سنا کہ باختریوں کے روبرو فرار اختیار کر لینے کے باعث مقدونویوں کی ہنسی اڑائی جا رہی ہے اُس نے غصے سے اپنا پیالہ زمین پر دے مارا اور کہا جن لوگوں نے اِن پہاڑیوں میں جانیں قربان کر دیں۔ وہ اُن سے بدرجہا بہتر تھے جو یہاں اُن کی ہنسی اُڑا رہے ہیں۔ ایک شخص نے بلند آواز

سے پکار کر کہا: "کلائیٹس ہوش کی بات کرو۔ جانتے ہو تم کن کی مذمت کر رہے ہو؟"

کلائیٹس نے پھر ایک بھرا ہوا پیالہ اٹھایا اور پیتے ہوئے بڑبڑاتا رہا۔ حقیقت یہ ہے کہ اُس کے دماغ میں ایک وقت ایک ہی خیال آسکتا تھا وہ بولا: "میں بہترین آدمیوں کا ذکر کر رہا ہوں میں اُن کا ذکر کر رہا ہوں جنھوں نے فلیقوس کے سر پر فتوحات کا تاج رکھا، ہاں میں اپنی پرانی فوج کا ذکر کر رہا ہوں ہاں، میں کائی روٹیا اور تھیبز کی فتوحات کا ذکر کر رہا ہوں۔" پھر اُس نے اردگرد نظر ڈالتے ہوئے سکندر نے پوچھا: "بتاؤ تم اُن لوگوں کو بزدل کہہ رہے ہو؟" سکندر چیخ کر بولا: "زبان بند کرو۔" ساتھ ہی محفل پر سکوت چھا گیا۔ صرف کلائیٹس بیٹھی ہوئی آواز میں بولا: "ہاں۔ . . ہم جو آزاد پیدا ہوئے اپنے دل کی بات بھی نہیں کہہ سکتے۔ ہاں، اب ہم فلیقوس کے بیٹے کے سامنے زبان بھی نہیں کھول سکتے۔"

محفل میں جو بزرگ بیٹھے تھے وہ کلائیٹس کے گرد جمع ہو گئے اور اُسے پکڑ کر ہلایا۔ وہ کھڑا ہو گیا۔ اُس کا جو بازو زخمی تھا۔ آستین سے باہر نکل آیا۔ اُس نے کہا: "پیچھے ہٹ جاؤ۔" اور سکندر کی طرف اشارہ کیا جو غصے سے آگ بنا بیٹھا تھا۔ پھر کہا: "یہی بازو ہے جس نے دریائے گرینی کس میں فلیقوس کے بیٹے کی جان بچائی تھی اور اب؟! اب کلائیٹس اُس سے بات بھی نہیں کر سکتا۔" سکندر بولا: "تم جو کچھ کہنا چاہتے ہو کہو، تمھیں کوئی سزا نہ دی جائے گی۔" کلائیٹس نے اپنے سر کو جنبش دی اور دوسرے افسروں کو پیچھے ہٹا دیا پھر کہا: "آہ! ہم مقدونوی لوگ ایرانی افسروں سے اجازت لیے بغیر زبان بھی نہیں ہلا سکتے۔ ہم تمھارے چمکیلے سفید کمربند کے سامنے جھکے بغیر کچھ کر بھی نہیں سکتے۔ نہیں۔ نہیں . . . ہمیں جو سزا مل چکی ہے اُس سے زیادہ کیا سزا دو گے؟"

سکندر یہ سنتے ہی اپنی جگہ سے اُچھلا اور تلوار سنبھالنے کے لیے ہاتھ بڑھایا۔ بطلیموس اُس کے شمشیر بردار کو شامیانے سے باہر لے گیا۔ سکندر نے مقدونوی زبان میں تُرہی بجانے والے کو پکارا۔ تُرہی بجانے والا بے حس و حرکت کھڑا تھا۔ سکندر نے اُس کے چہرے پر تھپڑ رسید کیا۔ آدمی کلائیٹس کو پکڑ کر شامیانے کے دروازے سے باہر تاریکی میں لے گئے۔ لیکن سکندر زور زور سے پکار رہا تھا: "کلائیٹس! کلائیٹس!!" یہ آواز سنتے ہی کلائیٹس ایک دم لوٹا اور خیمے کا پردہ ہٹا کر اندر آگیا۔ اگرچہ وہ شراب کے نشے میں مدہوش تھا، لیکن اُس نے بادشاہ کی آواز سن لی تھی۔

تو سکندر، کلائٹس آگیا: سکندر نے ایک سپاہی سے برچھی چھینی اور اس زور سے کلائٹس کے ماری کہ وہ آر پار نکل گئی۔ کلائٹس فرش پر گر گیا۔ سکندر نے برچھی کا دستہ پکڑ لیا۔ تمام افسر ارد گرد جمع ہو گئے سب کی زبانیں بند تھیں۔ اب سکندر کی نظر اپنے رفیق پر پڑی تو گھٹنوں کے بل جھک کر برچھی کھینچنے کی کوشش کی۔ افسروں نے خود برچھی پکڑ لی۔ انھیں ڈر پیدا ہو گیا کہ شاید سکندر اسے اپنے مار کر خودکشی کرلے۔ ایک لمحے کے بعد سکندر اٹھا اور شامیانے کا پردہ اٹھا کر باہر نکل گیا۔ وہ سیدھا اپنے خیمے میں پہنچا اور منہ کے بل زمین پر گر گیا۔

دیر تک کسی کو اس کے قریب جانے کی ہمت نہ پڑی۔ نہ اس نے کھانا طلب کیا نہ پانی۔ دوسرے دن انگزارکس خوف زدگی کی حالت میں ایرسٹانڈر کو لے کر خیمے کے اندر پہنچا۔ سکندر نے رات کے وقت جو لباس پہن رکھا تھا، اسی لباس میں وہ بیٹھا تھا۔ آنکھیں سوجی ہوئی تھیں جیسے معلوم ہوتا تھا کہ رات بھر روتا رہا۔ وہ کھانا اور پانی لائے۔ سکندر نے کسی چیز کو آنکھ اٹھا کر بھی نہ دیکھا۔ ایرسٹانڈر گھبرایا ہوا بولا: "جو کچھ ہوتا ہے۔ انسانی ارادوں کے مطابق نہیں۔ دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق ہوتا ہے۔ کلائٹس کی موت بھی دیوتاؤں کی مرضی کے مطابق ہوئی۔ سکندر نے نگاہیں اوپر اٹھائیں اور کہا: لینیس کا کوئی بیٹا باقی نہ رہا تھا۔ اب اس کا بھائی بھی موت کی آغوش میں پہنچ گیا۔ ..... تھیبز میں ایک عورت تھی ...."

انگزارکس نے تیزی سے ہاتھ پر ہاتھ مارا اور کہا: "سکندر، شاہ مقدونیہ اور شاہنشاہِ ایشیا بیٹھا ہوا ایک غلام کی طرح رو رہا ہے۔" اس طنز آمیز آواز نے سکندر کے دل پر گہرا اثر ڈالا۔ تھوڑی دیر کے بعد وہ سو گیا۔ سر اپنے بازوؤں میں چھپا رکھا تھا۔ گویا وہ بے بسی کے عالم میں اپنے سر کو سہارا دیے ہوئے تھا۔

جب انسان تنہا ہوتا ہے تو افسانوں سے گہری وابستگی پیدا کر لیتا ہے۔ گہری افسردگی کے عالم میں سکندر جرم کے احساس سے مغلوب ہو جاتا تھا۔ بالکل یہی کیفیت اس پر کلائٹس کے قتل کے بعد طاری ہوئی۔ وہ ان لوگوں کو قتل کر چکا تھا جو اس کے قریب ترین رفیق تھے۔ تھیبز کو تباہی کے بعد جلا چکا تھا۔ وہ کسی آسیب کا شکار نہ تھا۔ بلکہ شدت اور ہلاکت کی خیالی صورتیں اس کے فکر و خیال کے لیے اذیت کا باعث بنی ہوئی تھی۔ ایسے اوقات میں وہ اپنے آپ پر

اور اپنے اعمال پر نظر ڈالتا تو اپنے اوپر تاسف کی دھند لاہٹ میں نہیں بلکہ حافظے کی خوفناک تازگی میں دیکھتا۔ زمانۂ ماضی کے یہ بھوت پریت اُس کے دل و دماغ پر چھا جاتے تو وہ معذرت کا کوئی بھی پہلو اپنے سامنے نہ لاسکتا۔ وہ کثرت سے شراب پیتا لیکن شراب بھی اندوہ رنج بھی وہ بھی اُس کا غم غلط نہ کرتی۔ ایسے وقت میں روشنک اور ہیفاسشن کی روحیں بھی ان خیالی صورتوں کے درمیان حائل نہ ہو سکتی۔

سکندر پر دلی اذیت کی جو کیفیت گزر رہی تھی وہ رومی مؤرخ آریاں کے خشک الفاظ سے بھی صاف نمایاں ہے جس کا تعلق کلبی فرقے سے تھا:

"یقیناً سکندر سے سخت غلطیاں سرزد ہوئیں۔ خواہ یہ اُس کے تحیّر کا نتیجہ ہو خواہ غصے کا۔ میرے نزدیک یہ غلطیاں تعجب خیز نہیں۔ وہ نوجوان تھا اور خوش نصیبی کی لہر نے اُسے انتہائی بلندیوں پر پہنچا دیا تھا۔ یہ امر بھی تعجب انگیز نہیں کہ اُس نے غیر متناسب انداز میں ایرانی شاہنشاہوں کے سے طریقے اختیار کر لیے تھے۔"

"باقی رہے وہ لوگ جو اُس کے اردگرد جمع ہو گئے تھے تو بادشاہوں کو ہمیشہ ایسے رفیقوں کی ضرورت پیش آتی ہے۔ ایسے رفیق ہمیشہ بادشاہوں کو غلطیوں پر اکساتے رہتے ہیں۔ اُن کے اہم مفاد کا بھی کچھ خیال نہیں رکھتے لیکن مجھے یقین ہے کہ زمانۂ قدیم کے بادشاہوں سے سکندر کے سوا کوئی نہیں جسے اپنی غلطیوں پر اس درجہ پشیمانی ہوئی ہو۔ بہت سے آدمی پہلے بھی موجود تھے اور اب بھی موجود ہیں جو کوئی گناہ کر گزرتے ہیں تو اُسے صحیح عمل قرار دے کر چھپانے کی غلطی کے مرتکب ہوتے ہیں۔ سکندر تنہا ہے جس نے ایسی کوئی بات کبھی نہ کی۔"

یہاں آریاں معذرت پیش کر رہا ہے۔ بوایں ہمہ صاف ظاہر ہے کہ سکندر نے اپنے آپ کو نیچا گرانے کے لیے جو کچھ کیا اُس کی اہمیت کو وہ سمجھ چکا تھا۔ بظاہر سکندر کا یہ عقیدہ نہ تھا کہ قربانیاں کسی کے دامن سے خون کے دھبے دھو سکتی ہیں، لیکن کلائٹس بھیڑ کے جن دو

بچھڑں کو قربانی کے لیے وقف کر چکا تھا وہ زیوس کے بیٹوں کے لیے نہیں بلکہ جنگ کے دیوتا ڈیونی سس کے لیے قربان کیے گئے۔

اب سکندر ایرانیوں کی گم شدہ بہشت یعنی ایران ورج کا راستہ پانے کی اُمید کھو چکا تھا یہ رُبع مسکوں کا وہ انتہائی شمالی گوشہ تھا جہاں سے کروش نکلا تھا سکندر نے مرکنڈ تک کروش کا راستہ طے کیا۔ کلائیٹس غالباً اسی مقام پر مارا گیا تھا۔ اب وہ اُن پہاڑوں میں سے گزر رہا تھا جن کی چوٹیاں بہت بلند تھیں اور بربری لوگ اُن پہاڑوں میں آباد تھے لیکن ربع مسکوں کے ابتدائی تصور میں وسعت پیدا ہو چکی تھی۔ یونانی جغرافیہ دانوں کے خیال سے ربع مسکوں مشرق کی جانب زیادہ پھیلی ہوئی نکلی جس مقام پر انتہائی شمالی سکندریہ تعمیر ہوا (غالباً اُسی مقام پر آجکل لیننن آباد موجود ہے) اُس نے سیتھیوں سے ایک سرزمین کا ذکر سنا تھا جو یونانیوں کو معلوم نہ تھی یہ سطح مرتفع سے آگے تھی اور اس کا نام سغد بتایا جاتا تھا سکندر کو اب معلوم ہو چکا تھا کہ دریائے سندھ ان پہاڑوں سے مشرقی جانب خاصی دور واقع ہے لیکن سوال یہ تھا کہ سندھ اور وادیٔ سندھ کے آگے کیا ہے؟ سمجھا جاتا تھا کہ اُسے ربع مسکوں کی آخری حد یا یوریشیا کی حد کا آخری کنارہ سمجھنا چاہیے۔ آگے سمندر کے سوا کچھ نہ ہونا چاہیئے۔

سمجھا جاتا تھا کہ وہیں دریائے نیل اور دریائے سندھ کا پراسرار منبع ملے گا۔ یونانیوں میں روایت چلی آتی تھی کہ انتہائے مشرق میں سورج کے چشموں سے دریائے ایتھیوپ نکلتا ہے یہ دریائے نیل کے جھرنوں کو پانی پہنچاتا ہے۔

سکندر یا اُس کے سردیپروں کو جنوب یا مشرق کی سمت میں زمین کی شکل کا کچھ علم نہ تھا۔ ارسطو سمجھے بیٹھا تھا کہ زمین جنوبی سمت میں جنوبی مصر سے ہندوستان تک پھیلی ہوئی ہے اور نیل کا منبع دریائے سندھ کے منبع سے قریب ہے اور یہ انتہائے مشرق میں واقع ہے۔ مقدونیوں میں سے کچھ لوگ یقیناً بحیرۂ قلزم کے شمالی گوشے اور بحیرۂ ایران[1] کو دیکھ چکے تھے لیکن اُنھیں یہ معلوم نہ تھا کہ آیا یہ پانی اُس سمندر کی شاخیں ہیں جس نے ربع مسکوں کو گھیر رکھا ہے یا کسی زمین بند سمندر کے حصے ہیں۔ سکندر کا خیال تھا کہ یہ بڑے سمندر کی شاخیں ہیں۔ بہت سے آدمی انھیں زمین بند سمندر سمجھتے تھے۔ آخری صورت میں ظاہر تھا کہ زمین بالائی نیل سے سندھ تک پھیلی ہوئی تھی اور

---

[1] غالباً خلیج فارس مراد ہے

غالباً نیل زمین کی سطح سے نیچے نیچے بہتا ہوا مصر میں نمایاں ہو گیا تھا۔ یونان میں وہ ایسے زمین دوز دریاؤں کا ذکر عام طور پر سن چکے تھے۔ انھیں میں سے ایک دریا کا نام اسٹکس[1] تھا۔

اِس اثنا میں ایک معاملہ طے ہو چکا تھا، یعنی وہ بحیرۂ فیٹیڈ اور دریائے تنافس کے قریب نہ پہنچ سکے تھے۔ جہاں سے تھوڑا سا چکر کاٹ کر وہ باآسانی مقدونیہ واپس جا سکتے تھے اس صورت میں انھیں ارگوناٹوں کے نقشے پر چلنا پڑتا۔ ہر سپاہی مشرقی سمت میں بہت لمبا فاصلہ طے کر چکا تھا اور سب کو یقین تھا کہ اب وہ غیر معلوم خطّے میں پھر رہے ہیں جو بحیرۂ قزوین سے آگے اور بابل سے بہت دور مشرق میں ہے۔ بہرحال ساتھ ہی جغرافیہ دان زمین کی حقیقی ہیئت کے متعلق ایک نتیجے پر پہنچ چکے تھے اور وہ یہ کہ کوہستان طارس مغرب کی جانب جاتا ہے اور وہ بحیرۂ قزوین کے جنوبی کنارے کے ساتھ ساتھ ہوتا ہوا ایک نہایت بلند سلسلۂ کوہ سے مل جاتا ہے لیکن اِس سلسلۂ کوہ سے آگے کا انھیں علم کچھ نہ تھا۔ صرف یہ معلوم تھا کہ آگے دریائے سندھ ملے گا کلیستھینز نے بتا دیا تھا کہ دریائے سندھ کے آس پاس زمین کی حیثیت ایک چھوٹے سے جزیرہ نما کی ہے اور اس کے آگے سمندر ہے۔

بہرحال سکندر کے نزدیک ایک امر یقینی ہو گیا تھا کہ مشرقی سمت میں زمین کیسی بھی ہو وہ اس کی آخری حد پر پہنچ جائے گا۔ اسی آخری حد کو اب اُس نے اپنی منزلِ مقصود بنا لیا تھا۔ فوجیوں کی حوصلہ افزائی کرتے ہوئے اُس نے پرانے افسانوں سے بھی کام لیا یعنی بتایا کہ ہرقل اور ڈیونیسس ایسے افراد جنھیں دیوتاؤں کی حیثیت حاصل ہوئی، مشرقی حدود میں پھر چکے تھے اور اُن کے سر پر فتح و عظمت کے تاج رکھے گئے تھے۔ ہمیں بھی اُن کے پیچھے پیچھے چلتے ہوئے غیر فانی زندگی حاصل کرنی چاہیے۔

بعض مقدونیوں نے یہ سنتے ہی کہا کہ صرف غیر فانی لوگ ہی اتنی دور پہنچ سکتے ہیں انھیں ایرانی فوجوں سے سخت نفرت تھی، جو مختلف مرکزوں میں بیٹھی تھیں اور بعض اوقات پہرے بھی دیتی تھیں۔ ایرانی فوجیں درحقیقت نیزے نہیں بلکہ تیر چلاتی تھیں۔ یونانی انھیں سنہری سیب والے نیزہ بردار کہہ کر پکارتے تھے۔ اس لیے کہ اُن کی برچھیوں میں اَنی کے نیچے چمکدار گولے لگے

---

[1] STYX یونانی افسانوں میں اسے دریائے نفرت سمجھا جاتا تھا۔

ہوئے تھے۔ ۳۲۷ ق م کے موسمِ بہار میں نقل و حرکت شروع ہوئی تو باختر اور سھتیا کے نئے رسالے بھی فوج میں شامل ہوگئے۔ اب کیمپوں میں جو لاتعداد ہجوم جمع ہوگیا تھا اُس کے متعلق سکندر بھی تردد میں پڑ گیا۔ ہر فوج کے ساتھ کاہن، پروہت اور صرّاف تھے۔ سپاہیوں کے ساتھ ساتھ بہت سی عورتیں تھیں اور عورتوں کے ساتھ بچوں کی خاصی تعداد تھی۔ ہر فوج ایک متحرک نوآبادی بن گئی، باقی رہا سامان، ۔ ۔ ۔ ۔

سکندر نے اپنی فوجوں کے سازو سامان کی گاڑیاں اور باربرداروں کے جانور دیکھے تو فوجیوں کو تلقین کی کہ اس طرح بے شمار چیزیں ساتھ ساتھ اٹھائے لیے پھرنا بہت بُرا ہے بھاری سامان کو آگ کی نذر کر دینا چاہیئے۔ چنانچہ تھوڑی ہی دیر میں سامان کے ڈھیر کو آگ لگادی گئی اور سڑکوں میں دُور تک الاؤ جلنے لگے۔ سکندر نے اپنے بہادروں سے کہا: کیا ابھی یہ معلوم نہیں ہوا کہ تمھیں فتوحات کرنی چاہئیں اور وہ مصیبتیں اپنے اوپر نہ لینی چاہئیں جو اُن لوگوں نے اُٹھا رکھی ہیں جنھیں تم مسخر کر رہے ہو۔

لوگوں کے سامنے اچھی مثال پیش کرنے کے لیے سکندر نے اپنا سارا سازو سامان چھوڑ دیا۔ اُسے شبہ ہوا کہ ایک (مورخوں نے اس بڑے افسر کا نام ہرپالوس بتایا ہے لیکن ہرپالوس غالباً بابل اور اکبتانا ہی میں رہ گیا تھا) بہت سا سونا چاندی صندوق میں بھر رکھا ہے اور صندوق اُس کے خیمے میں ہے۔ پوچھا گیا تو افسر نے انکار کر دیا۔ سکندر نے تلاشی مناسب نہ سمجھی۔ لیکن اپنا شبہ دور کرنے کے لیے اُسے ایک عجیب تدبیر سوجھی یعنی اپنے پہرے داروں کو خفیہ خفیہ حکم دے دیا کہ اُس کے خیمے میں آگ لگا دو۔ آگ لگتے ہی خیمہ جل اٹھا۔ اُس کے پردے، قیمتی پوشاکیں، خوشبوئیں، جواہرات، غرض ہر چیز شعلے کی نذر ہوگئی۔ بے شک سونا چاندی چھپا ہوا موجود تھا لیکن اُس کا ثبوت نہ مل سکا۔ افسر کا جتنا نقصان ہوا تھا معذرت کرکے اپنے پاس سے دے دیا۔

اگرچہ فوجوں کی تعداد بہت بڑھ گئی تھی لیکن تجربہ کار مقدونوی افسر گھٹ گئے تھے۔ کیونکہ اکثر مختلف مقامات کا کاروبارِ حکومت چلانے کی غرض سے ایشیائیوں کی مدد کے لیے چھوڑ دیے گئے تھے۔ ایک ایک کماندار، ایک ایک شہر کا فوجی گورنر یا پانچ لاکھ کی آبادی کے علاقے کا ذمہ دار ہوتا۔ سکندر کو دو عملی پر اصرار تھا اس لیے کہ جب یورپیشائی سلطنت کا نظام وہ

تیار کر رہا تھا اُس میں کسی ثقافت یا قوم کو مقتدر بنا دینا مناسب نہ سمجھتا تھا۔ فوجی کنٹرول بھی متناسب حدود سے تجاوز نہ کر سکتا تھا۔ اس لیے کہ کسی فوجی افسر کو خزانۂ عامرہ پر اقتدار حاصل نہ تھا۔ اور خزانۂ عامرہ میں جو روپیہ آتا وہ نشو و ارتقا کے منصوبوں پر خرچ ہوتا۔ اِن منصوبوں میں یونانیوں جیسے تھیٹر اور دارالعلوم قائم کرنا بھی شامل تھا۔ نیز پہاڑی علاقوں میں سے سڑکیں بنانا۔ شفاخانے تعمیر کرنا۔ بیڑوں، بندرگاہوں کا انتظام وغیرہ۔ اس میں سے کوئی بھی کام مقدونیوں کو پسند نہ تھا۔ وہ ہرگز نہ چاہتے تھے کہ ہر عمل کے لیے ایشیائی افسروں سے اجازت لیں یا اپنی رسد کے لیے روپے درکار ہوں تو شامی یا مصری خزانچیوں کے سامنے دستِ طلب پھیلائیں۔ انھیں ان کے نام بھی مضحکہ خیز معلوم ہوتے تھے۔ وہ کہتے: "یہ کیسے عجیب و غریب نام ہیں: امیرِ بحر، فرزندِ صداقت یا خورشید ـــــ" اُن کے ساتھ جو مخروطی مہریں ہوتی تھیں۔ اُن سے ہلال یا ملکۂ وحوش یا پَردار سر کے نشان بنتے تھے۔ مقدونیوں کے دل میں ان کے متعلق بھی کوئی اچھی رائے نہ تھی۔ وہ کہتے تھے کہ ان سے کبھی خوشگوار نتیجہ نہیں نکل سکتا۔

سکندر نظم و نسق چلانے کی روز افزوں مصیبتیں برداشت کر رہا تھا۔ کوئی افسر بیمار ہو جاتا تو پوچھتا کیوں پہلے اطلاع نہ دی گئی۔ کوئی شخص کسی ایشیائی عورت سے شادی کرتا تو اُس کے لیے تحفے بھیجتا۔ مطلب یہ تھا کہ وہ ایسے کاموں کو پسند کرتا تھا۔ نئے افسروں کو معلوم ہو چکا تھا کہ سکندر کے ذاتی فیصلوں کے خلاف کہیں اپیل نہیں کی جا سکتی۔ اور جب وہ معلوم ربعِ مسکوں کی حدیں گزر کر انتہائی بلندیوں پر پہنچ چکا تو اُس سے فیصلے حاصل کرنا آسان نہ رہا تھا۔ افسروں کے دل میں طبعاً سوال پیدا ہوتا کہ اگر وہ واپس نہ آیا تو کیا بنے گا۔ باختر اور سغد میں جو تکلیفیں اور خطرے پیش آ چکے تھے۔ انھیں مدِنظر رکھتے ہوئے ہندوستان سے زندہ واپس آنے کا امکان کم تھا۔ ان حالات کا نتیجہ یہ ہوا کہ بہت سے افسر جو گورنری پر تھے۔ اپنی جائیدادیں بنانے اور مستقل حکومت کی داغ بیل ڈالنے لگے۔ اس سلسلے میں مقدونیوں کا جرم ایشیائیوں سے بہت زیادہ تھا۔ دراصل ایشیائی لوگ انتہائی وفاداری کے مسلک پر قائم تھے۔ سکندر نے یہ وفاداری بڑی قیمت دے کر خریدی تھی۔ اُس نے ایشیائی ذہنیت کا اندازہ حیرت انگیز تیزی سے کر لیا تھا۔ وہ ایشیائیوں سے ملتا تو مقدونوی سپہ سالار کی حیثیت

میں نہیں بلکہ کوروش کے جانشین کی حیثیت میں اُن سے اطاعت کا طلب گار ہوتا۔ یہ جانشینی حقیقت میں آسمانی اختیار کی دستاویز تھی۔ ایسے موقعوں پر وہ ایشیائی لباس پہنتا۔ دراصل سکندر کے لیے لازم ہو گیا تھا کہ وہ نہ محض ایشیائیوں کو مطیع و فرمانبردار رکھے بلکہ اُن کا احترام بھی حاصل کرے۔ مقدونیوں نے اُسے پہلی مرتبہ تخت پر بیٹھے اور تاج پہنے دیکھا تو بے اختیار ہنس پڑے اور بولے: "سکندر یہ کیا تماشا بنا رکھا ہے؟"

سکندر اس پر غصے میں آ گیا۔ وہ کھانے کے وقت سنہری کرسی پر بیٹھتا اور ارد گرد خوشبوئیں جلتی رہتیں۔ ایشیائی لوگ یہ دیکھ کر خوش ہوتے۔ ورنہ اُن پر حیرت سی طاری ہو جاتی اس دوگونہ کردار کو پورا کرنے کے لیے اُسے بڑی مشقت اٹھانی پڑی کبھی وہ آزادی پسند مغربیوں کا بادشاہ ہوتا، کبھی مشرقیوں کا مطلق العنان شہنشاہ۔ مغربیوں نے مطلق العنانی کبھی دیکھی نہ تھی اور وہ اُس سے نفرت کرتے تھے۔ جب وہ باہر نکلتا اور مشرقی کمالِ احترام میں اُس کے سامنے جھک جاتے تو مغربی اور مشرقی تصورات میں کشمکش بپا ہو جاتی۔ مشرقیوں کے خیال میں یہ بھی بات نہ آ سکتی تھی کہ سکندر کی ذات آسمانی قوت سے خالی ہے۔ وہ اُسے دیکھتے تو ہاتھ منہ پر رکھ لیتے اور گھٹنوں کے بل جھک جاتے۔

ایسے ہی ایک واقعہ نے کلیستھنیز کا خاتمہ کر دیا۔ یہ فلسفی جو ارسطو کا شاگرد تھا بارہا کھلم کھلا سکندر کو تنبیہہ کر چکا تھا۔ انگزارکس اور دوسرے لوگوں کو معلوم تھا کہ کلیستھنیز مقدونیہ کی تاریخ لکھ رہا ہے۔ انھوں نے سکندر سے کہا کہ فلسفی کہتا ہے میری تاریخ حکمران کو ہمیشہ کے لیے نامور بنا دے گی (دراصل میں کلیستھنیز نے کہا تھا کہ سکندر نہ دیوتا ہے نہ زیوس کا بیٹا ہے جو اولمپیاس کے بطن سے پیدا ہوا۔ صرف زندگی میں سکندر کے کارنامے ہی اُس کی اچھی بُری شہرت کے ذمہ دار ہوں گے)

انگزارکس سے فلسفی نے شاید یہ کہا ہو کہ سکندر بظاہر ہی نہیں حقیقتہً حد درجہ جواں مرد انسان ہے۔ بادشاہوں میں اُسے سب سے بڑا بادشاہ ہونے کی حیثیت حاصل ہے۔ سپہ سالاروں میں سب سے بڑھ کر قابل۔ انگزارکس نے اعتراف کیا کہ صرف موت کے بعد ہی انسان آسمانی اعزاز کا مرجع بنتا ہے۔ انسان ہونے کی حیثیت میں ڈینی سس تھینیز کا بادشاہ تھا اور ہرقل آرجیا کا۔

لیکن وہ زندگیاں پوری کر کے اس دنیا سے جا چکے تو انھیں دیوتا سمجھا جانے لگا یقین ہے کہ سکندر کو بھی موت کے بعد دیوتا مانے جائے گا اور اس کی مورتی کے سامنے قربانیاں کی جائیں گی۔ پھر کیا یہ عین قرینِ انصاف نہیں کہ ہم زندگی ہی میں اُسے انتہائی اعزاز کا مستحق سمجھیں؟

کلیستھنیز: اگر کوئی آدمی آئے اور سکندر کی جگہ تخت پر بیٹھ جائے تو کیا سکندر اس پر خوش ہو گا؟

انگزارکس: کبھی نہیں اُس آدمی کو جسارت کی بنا پر فوراً قتل کر دیا جائے گا۔

کلیستھنیز: پھر سوچو کہ سکندر فانی ہو کر دیوتاؤں کے سے اعزاز و احترام کا مالک بننے کی کوشش کرے گا تو دیوتا اُس سے کیسا سلوک روا رکھیں گے؟

انگزارکس نے اس کا کوئی جواب نہ دیا لیکن بعد ازاں کلیستھنیز سے یہ قول منسوب کیا گیا کہ سکندر دیوتا بننا چاہے گا تو ممکن ہے اُسے قتل کر دیا جائے۔ مقدونیوں نے طبعاً کلیستھنیز کی اس رائے کو مستحسن سمجھا اور اس کا شکریہ ادا کیا۔ وہ سمجھتے تھے کہ سکندر پرانی رسمیں چھوڑ رہا ہے اور وہ مشرقی طور طریقوں کو پسند کرنے لگا ہے۔ انھیں اندیشہ ہوا کہ اس طرح اُس کی فطرت بھی بدل سکتی ہے اور وہ اپنے پرانے ساتھیوں اور ہم وطنوں سے بے پروا ہو کر واقعی ایشیا کا مالک بن سکتا ہے۔ گویا سکندر سے محبت اور وفاداری ہی مقدونیوں کے لیے غصے کا باعث بن گئی۔

ایک شام ایک تقریب میں مقدونی اور ایرانی دونوں یکجا تھے۔ مقدونی سکندر سے ملتے تو معمول کے مطابق بغلگیر ہوتے۔ ایرانی کورنش بجا لاتے۔ شراب پی جا رہی تھی۔ اور ہر آدمی شراب پینے سے قبل بادشاہ کو سلام کرتا۔ مشرقیوں کی پیروی کرتے ہوئے مقدونی چپ چاپ ذرا جھکتے پھر آگے بڑھ کر سکندر کے رخسار پر بوسہ دیتے۔ کلستھنیز آگے بڑھا تو سکندر ہیفاسشن سے باتیں کر رہا تھا اِس لیے کلیستھنیز کے متعلق اُسے علم نہ ہوا۔ ایک ساتھی نے سکندر کے بازو پر ہاتھ رکھ کر کہا: دیکھیے آپ کے سامنے آ کر فلسفی نے جھکنا گوارا نہ کیا۔ سکندر نے اِدھر اُدھر نظر ڈالی اور کلیستھنیز کا سلام قبول کیے بغیر اُسے واپس جانے کا اشارہ کر دیا۔

اس کے بعد ایک خوفناک سازش کا الزام تیار ہوا۔ سکندر نے ایشیائی اور مقدونی

بچوں کو مشترکہ تعلیم دلانے کی کوشش کی تھی۔ کوئی پچاس ہزار مشرقی بچے فوجی معلموں سے تعلیم پا رہے تھے۔ انہیں یونانی زبان سکھائی جاتی تھی اور یونانی ہتھیار استعمال کرنے کی تربیت دی جاتی تھی۔ مقدونوی بچوں میں سے زیادہ تر بڑے بڑے امیروں یا فوجی افسروں کے بیٹے تھے جو عموماً بادشاہ کے خیمے پر پہرے دیتے، خصوصاً رات کے وقت، نیز شکار کے آلات اُن کے پاس رہتے۔ جو بچے فوجی گارد میں آتے جاتے وہ بے تکلف ہتھیاروں تک پہنچ سکتے۔ اُن کی وفاداری پر کبھی کسی کو شبہ نہ ہوا۔ ایک افسر نے سب سے پہلے سازش کا اشارا کیا اور اس کا علم بطلیموس کو ہو گیا۔ افواہ یہ تھی بچے اس بات پر خفا ہیں کہ ایرانی بچوں کو بھی خاص تعلیم و تربیت میں ان کے ساتھ شامل کر دیا گیا ہے۔ انھوں نے فیصلہ کر لیا ہے کہ جب سکندر اپنے خیمے میں رات کے وقت تنہا رہ جائے تو اُسے قتل کر دیا جائے۔ اُس میں سے ایک نوجوان جس کا نام ہرموس؎ تھا کلیستھنیز سے فلسفہ پڑھتا تھا اور اکثر اس سے باتیں کیا کرتا تھا یہ افواہ بطلیموس نے سکندر تک پہنچائی۔ سکندر نے اِس افواہ کو اپنی مقرر کی ہوئی ایک کونسل کے حوالے کر دیا تاکہ اس بارے میں چھان بین کی جائے۔ کونسل نے تعذیب کا طریقہ استعمال کیا۔ دو یا تین بچوں نے تعذیب سے ڈر کر سازش کا اقرار کر لیا۔ ہرمولاس نے اقرار کیا کہ ہمیں پارمینیو، فلوٹس اور کلائیٹس کی موت پر سخت رنج ہے۔ نیز ہم مشرقی لباس اور کورنش کو پسند نہیں کرتے لیکن سازش کوئی نہیں کی گئی تھی۔ اور نہ اِس بات کا اقرار کیا کلیستھنیز کا کسی سازش میں کوئی حصہ ہے۔

لیکن افسروں نے تمام بچوں کو موت کی سزا دے دی اور کلیستھنیز کو بیڑیاں پہنا دی گئیں ایک روایت یہ ہے کہ اُس پر سخت پہرہ لگا دیا گیا تھا اور کچھ دیر بعد وہ مر گیا۔ دوسری روایت یہ ہے کہ اُسے پھانسی پر لٹکا دیا گیا۔ سکندر نے خود جو خط اینٹی پیٹر کو مقدونیہ بھیجا اُس میں لکھا کہ بچوں کو افسروں نے پتھر مار مار کر ہلاک کر دیا لیکن کلیستھنیز کا فیصلہ میں خود کروں گا۔ اور اُن لوگوں کا بھی فیصلہ کروں گا جنھوں نے اُسے بھیجا۔ بہر حال اس کے بعد کورنش کی رسم ترک کر دی گئی۔

خیال یہ ہے کہ کلیستھنیز کو ۳۲۷ ق م کے موسم بہار میں بمقام باختر بیڑیاں پہنائی گئیں۔ پھر سکندر نے فالتو ساز و سامان کو آگ لگوائی اور تیزی سے پہاڑوں کو عبور کر گیا۔ اُسے اس

؎ HERMOLAUS

ملعون سرزمین سے بڑی نفرت تھی اور وہ چاہتا تھا کہ جلد وہاں سے بچ کر نکل جائے۔ اِس موقع پر اُس نے نہ شگون نکلوائے نہ کونسل سے مشورہ کیا۔ صرف ایک مقام پر اتنی دیر ٹھہرا کہ انتہائی مشرقی سکندریہ کی بنیاد رکھ دے۔ جب وہ دریائے کابل اور مشرقی تجارتی شاہراہ پر پہنچا تو فوج کو آگے بڑھنے کا حکم دیا۔ سرگرمیٔ عمل شک وشبہ اور سازش کی فضا پیدا ہی نہ ہونے دیتی تھی۔ سکندر کے حد درجہ مصروف دماغ کو اِک گونہ اطمینان مل گیا اور اس کے کماندار کام میں لگ گئے۔

ہفاسشن اور پرڈیکاس کو درۂ خیبر کے راستے وادیٔ سندھ میں جانے کا حکم ملا۔ منجنیقیں اور ساز وسامان انھیں کے ساتھ گیا۔ اب فوج مقدونی نہ رہی تھی۔ اگرچہ اس کے بڑے بڑے افسر مقدونی تھے۔ ایرانی امرا نے ایک خاص رسالہ تیار کر لیا تھا جسے فوجِ خاص کی حیثیت حاصل ہو گئی تھی۔ اُن کی ڈھالیں چاندی کی تھیں۔ بعض پرانی فوجیں ختم ہو چکی تھیں۔ کریٹ کے مشاق تیر اندازوں میں سے جو باقی رہ گئے تھے انھیں نیارکس کی فوج میں شامل کر دیا گیا۔ معاون دستے صدر مقامات میں متعین کر دیے گئے۔ مقدونیہ کی پیادہ فوج جیسی تھی ویسی ہی رہی۔ سکندر اسے برباد کرنے کا حوصلہ نہ کر سکا۔

اب کم از کم نصف فوج اسپ سوار تھی۔ نئے ایشیائی حلیفوں کے نزدیک صرف سوار دستے ہی کو عزت کی نگاہ سے دیکھا جاتا تھا۔ یہاں تمام جنگجو گھوڑے استعمال کرتے تھے۔ البتہ ملازم یا کرایہ دار نیزہ بردار پیدل چلتے تھے۔ مقدونی پیادوں کو بھی طبعاً شکایت کا موقعہ ملا۔ انھیں اپنا سارا سامان اور ہتھیار اٹھا کر ایشیائی رسالوں کے ساتھ ساتھ گرد وغبار پھانکتے ہوئے پیدل چلنا منظور نہ تھا۔ سکندر نے اُن میں سے بعض رجمنٹوں کے لیے سواری کا انتظام کر دیا۔ جو بدستور پیادہ رہے اُن کا سامان گاڑیوں پر لد کر جانے لگا۔ دریائے کابل پر جو آخری سکندریہ آباد ہوا تھا۔ اس میں پندرہ ہزار فوجی متعین کیے گئے تھے۔ یہ ہندوستان میں پیش قدمی کا مرکز تھا۔ خود سکندر کے ساتھ کوئی چالیس ہزار فوجی تھے۔ غیر مضافاتی آبادی کی تعداد معلوم نہیں۔ گرینی کس کی جنگ میں اُس کے پاس جتنی فوج تھی۔ اب اُس سے تین چار گنا ہو چکی تھی لیکن یہ فوج قومی نہ تھی بلکہ بین الاقوامی تھی۔

اتنی بڑی فوج کو متحد رکھنا بہت بڑا کارنامہ تھا اور سکندر اس فوج کو قبض و تصرف کے لیے

نہیں بلکہ دریائے سندھ کے آریائی لوگوں کے ہم نوا بنانے کے لیے ساتھ لے جا رہا تھا۔ اُس نے خط و کتابت شروع کر دی تھی۔ وہ جانتا تھا کہ وادیِ سندھ کے لوگ اُس کی پیشوائی کے لیے تیار ہیں۔ رسد کے تحفے لائیں گے اور وہ عجیب و غریب قوی ہیکل جانور پیش کریں گے جسے ہاتھی کہتے تھے۔ چند سال سے وہ لوگ سکندر کے متعلق بہت کچھ سن چکے تھے اور ایشیا کے شہنشاہ کو اپنے وطن سے امن پسندانہ گزارنے پر بالکل آمادہ تھے۔ حقیقت میں سکندر خود بھی جنگ کا وہ بوجھ خواہ مخواہ برداشت نہ کرنا چاہتا تھا جس میں گزشتہ اڑھائی سال کی مدت گزار چکا تھا۔

مشرق کی طرف پیش قدمی کرتے ہوئے اُس نے معمول کے مطابق فوج کے مختلف حصے کر لیے اور ہر حصے کے الگ الگ کماندار بنا دیے۔ بطلیموس کو اپنا نائب بنایا۔ نقل و حرکت کا کام کریٹیرس کے حوالے کیا۔ وہ خود شمالی مشرق کی طرف مڑا۔ فوج کے نہایت تجربہ کار دستے اس کے ساتھ تھے اور انجنیئر ان منجنیقوں کو ساتھ لیے جا رہے تھے جو پہاڑوں میں کام دے سکتی تھیں۔ اس طرح وہ اُس بلند درے کی طرف بڑھا جہاں ہندی کوہ ہمالیہ کے عظیم الشان سلسلے سے مل جاتا ہے۔ اردگرد سے کوئی فوج نہ گزر سکتی تھی۔

اٹھارھواں باب

ہاتھی اور آخری دریا

سوال یہ ہے کہ سکندر نے کیوں ایک ناقابلِ گزر درے کا رخ کیا؟ اس سے پیشتر وہ تین مرتبہ اپنا رخ شمالی جانب پھیر چکا تھا۔ اوّل گاگامیلہ سے پیشتر گارڈیم کے سلسلۂ کوہ کی طرف، دوم بحیرۂ قزوین کے کنارے کی طرف، سوم دریائے ریگ کے کنارے پر یعنی سھتیوں کے علاقے میں تینوں موقعوں پر اس نے معروف راستے چھوڑے اور غیر معروف شمال ہی جست لگائی بلاشبہ آب و ہوا اور جانوروں کے لیے چارے کے مسائل بھی اس سلسلے میں ایک حد تک اثر انداز ہوئے ہوں گے۔ سٹرابو[1] کا بیان ہے کہ شمالی قوس کا راستہ اس نے دو وجہ سے اختیار کیا۔ اوّل یہ کہ اس راستے پہاڑوں ہی سے گزرتے ہوئے وہ زرخیز زمینوں کے قریب رہتا اور چارے یا رسد کی دقت پیش نہ آتی۔ ہندوستان کے بڑے دریاؤں کو ان کے نقطۂ آغاز کے قریب عبور کرنے کا موقع ملتا جہاں سے عبور سہل تھا۔ یقیناً درست ہے کہ مقدونوی موسمِ گرما میں بلند پہاڑی علاقوں کے اندر رہنا پسند کرتے تھے اور پہاڑوں پر چڑھنا ان کے لیے دقت خیز نہ تھا۔

یہ حقائق اپنی جگہ مسلم ہیں لیکن معلوم ہوتا ہے کہ سکندر کو اس سلسلے میں فوجی نقل و حمل کی سہولتوں کے علاوہ بھی کوئی مقصد اپنی طرف کھینچ رہا تھا۔ سنتھیا اور ہمالیہ میں سے کوچ حد درجہ خطرناک تھا۔ یہی معلوم ہوتا ہے کہ سکندر اس سلسلے میں انکشاف کا خواہاں تھا۔ وہ زمین نیز سمندر کو دیکھنا چاہتا تھا۔ اس کی خواہش تھی کہ سطحِ مرتفع کے کنارے معلوم ہو جائیں اور نئی پہاڑی دیواروں کو پھاندے۔ وہ زمین کی وضع و ہیئت کے متعلق آخری فیصلہ کرنا چاہتا تھا جو یونانی عالموں کے افکار سے بالکل مختلف معلوم ہوتی تھی۔ وہ جیسے جیسے آگے بڑھتا جاتا تھا پہاڑ بلند تر ہوتے جاتے تھے۔ دریاؤں کا عرض بھی بڑھ گیا تھا۔ سوال یہ تھا کہ کیا آخری حد پر واقعی سمندر واقع ہے۔ اور

---

[1] STRABO یونانی جغرافیہ دان اور مورخ۔ ولادت ایشیائے کوچک میں ۶۳ ق م میں ہوئی اور ۲۰ء میں وفات پائی۔

طلوعِ آفتاب کے مقام پر آسمانی قوت کی کوئی شہادت موجود ہے۔ کیا واقعی وہاں لافانی عقل و دانش کے آدمی رہتے ہیں، جو جنگلِ علم کا میوہ کھا چکے تھے اور آبِ حیات پی چکے تھے؟ کہا جاتا ہے کہ سکندر کو اُس کی تقدیر لیے جاتی تھی۔ ممکن ہے یہ سفر اسی لیے کیا ہو کہ آیا تقدیر کا وجود ہے بھی یا نہیں۔ یعنی کیا روئے زمین پر دیوتاؤں کے وجود کا کوئی ثبوت موجود تھا یا نہیں تھا؟ کیا انسان اپنے ارادوں سے بلند تر ارادے کے تابع تھے؟ کیا غیر متحرک محرک جو دور اُفتادہ اور نادیدہ تھا واقعی کائنات کی قوت اور جوہری عملیات کا سرچشمہ تھا؟ کیا عالمِ انسانیت اپنی کوششوں سے علم و تہذیب کی روشنی یا دحشت و بہیمیت کی تاریکی کی طرف جاتا ہے؟

یقیناً رُبع مسکوں کی شمالی سمت میں ذہنیتوں کی پستی کے شواہد ملے خصوصاً اُن لوگوں کے درمیان جو آخری کناروں پر رہتے تھے۔ مثلاً دریائے ڈینیوب کے پار رہنے والے وحشی سلٹ یا قزوین کے پہاڑی علاقے کے قزاق۔ یا دریائے رنگ کے پار کے سھی۔ صاف ظاہر تھا کہ علم و تہذیب کا مرکز مشرقی جانب تھا کہ شمالی جانب۔

اس موسمِ بہار کے آغاز میں خوش نصیبی نے سکندر کا ساتھ دیا۔ ایک ایسا واقعہ پیش آیا جسے اُس کے فوجیوں نے شگونِ نیک سمجھا اور اُن کے حوصلے بڑھ گئے، یعنی انھیں عشقِ پیچاں کے پودے مل گئے اور عشقِ پیچاں کے ساتھ ایک افسانہ وابستہ تھا۔ یونانیوں کے طریقۂ تسمیہ کے مطابق نیسا کے شہر میں پہاڑ کے ڈھلوان پر باشندوں نے حقیقی عشقِ پیچاں کے پودے دکھائے۔ یہ پودے دردانیال کے اس طرف کہیں نہ ملے تھے۔ مزید براں یہاں کے باشندوں کو عشقِ پیچاں کا یونانی نام بھی معلوم تھا بلکہ وہ یونانی زبان کے بہت سے اور لفظ بھی جانتے تھے۔

آہستہ آہستہ پوری کہانی معلوم ہو گئی۔ اہلِ نیسا اپنے آپ کو اُن یونانی بہادروں کے اخلاف جو دیونی سوس کے زیرِ علم پھرتے ہوئے یہاں پہنچ گئے تھے۔ جو آدمی جنگ کے قابل نہ رہے تھے انھیں ایک مقام پر بسا دیا گیا تاکہ دیوتا کی عبادت، عیش و عشرت کی مجلسیں ہمیشہ کے لیے گرم رہیں۔ انھوں نے پاس کی ایک چوٹی کی طرف بھی اشارہ کیا جس کا نام کوہِ میرو تھا اور بتایا کہ یہ یونان کے پہاڑ نیروٹی کی بدلی ہوئی شکل ہے۔ آریان لکھتا ہے کہ یہ واقعہ سکندر کی خواہش کے عین مطابق پیش آیا۔ وہ دل سے چاہتا تھا کہ دیونی سوس کی سیر و گردش کا افسانہ خوب پھیلے

چنانچہ وہ پیادوں اور سواروں کی جمعیت کے ساتھ اُس پہاڑ پر چڑھا، جس کے ڈھلوانوں پر عشق پیچاں بھی سکے پودے نظر آتے تھے۔ وہاں سایہ دار مقامات پر عبادت گاہیں بنی ہوئی تھیں۔ اور وحشی حیوانات آزادانہ پھرتے تھے عشق پیچاں کو دیکھ کر مقدونوی بے حد خوش ہوئے۔ انھوں نے اس کے ہار بنا کر پہنے۔ تاج بنا کر سر پر رکھے، ناچتے اور گاتے رہے سکندر نے دیونی سُوس کے نام پر قربان کی اور اپنے رفیقوں کے ہمراہ جشن منایا۔

عشق پیچاں کی اِس مبارک نمود نے مقدونیوں کی ہمت دہ چند کر دی۔ اگر خدائی طاقت ہمیں یہاں نہیں لائی تو کم از کم یہ پتا تو چل گیا کہ ہم سے پہلے بھی یونانی یہاں آچکے ہیں اور آگے بڑھے تو انھیں سدا بہار گلاب بھی مل گیا۔ نیز پہاڑی درختوں کے جنگل نظر آئے۔ یہاں انھوں نے لمبے سینگوں والے نہایت قوی بیل دیکھے۔ اور اُن کا ایک ریوڑ پکڑ کر مقدونیہ بھیج دیا۔ نیسیا کے بعد انھیں جشن منانے کے مواقع بہت کم ملے۔ ایشیائے کوچک اور سُغد کے پہاڑوں کی طرح شمالی ہند کے پہاڑوں میں بھی انھیں بہت سے وحشی لوگوں سے سابقہ پڑا۔ یہ لوگ فوج کو دیکھ کر اپنے پہاڑی قلعوں میں چلے جاتے جو بلند چوٹیوں پر بنے ہوئے تھے سکندر نے ان کے تعاقب میں چوٹیوں پر چڑھنے یا انھیں رام یا تباہ کرنے پر سخت اصرار کیا لیکن بعض اوقات ایسا بھی ہوا کہ مقدونیوں کی کوئی تدبیر کامیاب نہ ہو سکی۔ سکندر اور بطلیموس دونوں زخمی ہوئے۔ فوجیوں نے بعض مقامات پر بڑی بے دردی کا اظہار کیا۔ ایک مقام کے باشندوں نے اپنے آپ کو حوالے کر دیا۔ اُن میں سے تمام مرد موت کے گھاٹ اتار دیے گئے۔

جیسے جیسے وہ بلند ہوتے گئے۔ چیڑ کے ایسے درخت ملے جو زیادہ لمبے نہ تھے۔ وادیاں تنگ ہوتی گئیں۔ اُن میں سے ندیاں شور کرتی ہوئی بہتیں۔ سکندر نے فوج کو پیچھے چھوڑا اور منتخب سواروں کو لے کر آگے نکل گیا۔ ہوا بہت ہلکی ہو گئی جس میں سانس لینا بھی مشکل تھا۔ راستے میں برف کے تودے پڑے ہوئے تھے۔ بڑی مشقت اٹھا کر وہ ان پر سے گزرے۔ بہت کمزور ہو چکے تھے۔ ہوا اتنی تیز تھی کہ معلوم ہوتا تھا انھیں چیر کر رکھ دے گی۔ لہٰذا وہ ایک دوسرے کا بازو پکڑ کر چلتے تھے۔ برفستانوں سے گزرے تو معلوم ہوا کہ وہ اتنی بلندی پر پہنچ گئے ہیں جو بادلوں سے بھی اوپر ہے۔ انھیں ایک سفید رنگ کی بہت اونچی چوٹی نظر آئی۔ جو پہرے دار کی طرح کھڑی تھی۔

سرویٹیروں نے اپنے حساب کے مطابق اُس کی بلندی کا اندازہ کیا اور کہا کہ یہ کرۂ ہوا سے اوپر اُٹھ کر عرش تک پہنچی ہوئی ہے رہبروں نے بتایا کہ اس کے آگے وہ بلندیاں ہیں جن کی حفاظت اندر دیوتا کر رہا ہے۔ وہ بلند تر فضا میں آندھیوں اور طوفانوں کے درمیان رہتا ہے۔ بہر حال سکندر کو ایسی چوٹیاں نظر آ رہی تھیں جیسی پہلے اس نے کبھی نہ دیکھی تھیں۔ اِس راستے سے کوئی فوج نہ گزر سکتی تھی۔ نہ نیک اور پارسا لوگ یہاں رہ سکتے تھے۔ چنانچہ وہ پیچھے لوٹا اور دریائے سندھ کی جانب نیچے اتر آیا۔ جہاں ہفاسٹشن اور پرڈیکاس عبور کے لیے پُل تعمیر کر رہے تھے۔ وہ اپنی مرضی سے جنوب کی طرف مڑا تھا تاکہ فوج سے مل جائے لیکن اُس وقت تک اُس کے اور فوج کے تعلقات میں کافی تغیر پیدا ہو چکا تھا۔ سکندر کو اس تغیر کا کوئی علم نہ تھا لیکن فوج پوری طرح آگاہ تھی۔ فوجیوں کا خیال تھا کہ اُن کا قائد مطلق العنان حاکم بننا چاہتا ہے اور مقدونیوں کے دل میں یہ احساس بھی پیدا ہو چکا تھا کہ وہ سمجھتا ہے میرے ہاتھ میں آسمانی قوت ہے اور راستے میں جو بھی مشکل آئے گی اُس پر قابو پا لوں گا۔ لہٰذا سمجھ لینا چاہیے کہ سکندر دیوانہ ہو گیا ہے۔

کلیستھنیز کے نامکمل روزنامچے نے اِس عقیدے کو تقویت پہنچائی۔ اُس نے لکھا تھا کہ سکندر اب فانی نہیں رہا۔ زیوس کی عقل اُس میں حلول کر گئی ہے اور خدائی قوت اسے تقدیر کے راستے پر لے جا رہی ہے۔ اُس سے خوشامد کی بو آتی تھی۔ اس کا مدعا یہ تھا کہ سکندر کی روح مر جائے سکندر نے جب یہ پڑھا تو اُسے کلیستھنیز کا یہ قول ضرور یاد آ گیا ہوگا کہ وہ سکندر کی شہرت کو غیر فانی بنائے گا۔ آریان لکھتا ہے کہ یہ مسودہ پڑھ چکنے کے بعد سکندر کو کلیستھنیز کے خیال سے بھی نفرت ہو گئی۔ جب وہ ہمالیہ کے پہاڑوں میں سے گزر رہا تھا تو اس کے پاس ارسطو کی ایک کتاب "خطابیات" بھی تھی جس میں سکندر سے خطاب کیا گیا تھا۔ لکھنے کا انداز عمومی تھا اور مضمون یہ تھا کہ جھوٹی شہادت سے ہمیشہ بچے رہنا چاہیئے اور نظری بحثوں کے بجائے انکشاف اور دریافت کی قدر و قیمت زیادہ سمجھنی چاہیے۔ اس میں زمانۂ گذشتہ کے یونانیوں کی خیال آرائیوں پر بھی حملہ کیا گیا تھا۔ ایسی ہی خیال آرائیوں کے سلسلے میں افلاطون نے اپنی جمہوریت کا نقشہ تیار کیا تھا تاکہ مثالی خیر کو مجسم صورت میں بھی پیش کر دے۔ بطلیموس نے کہا اب تک تو آپ کو معلوم ہو گیا ہوگا کہ جو چیز ایک آدمی کے لیے منفعت بخش ہے۔ وہ دوسرے کے لیے منفعت بخش نہیں ہو گی۔ پھر آپ کیوں

اُس شئے سے وابستگی پیدا نہیں کر لیتے جو آپ کے لیے فائدہ مند ہے؟ سکندر نے پوچھا وہ کیا ہے؟ بطلیموس نے جواب دیا، ہمیں واپس چلنا چاہیے۔ اکتبانا یا بابل میں بھی ٹھہرنا نہ چاہیئے۔ ہماری اصلی جگہ اپنا سمندر ہے اور مصر کا سکندریہ۔ بطلیموس نے یہ اضافہ نہ کیا کہ میری محبوبہ تھائیس مصر کی یاد میں تڑپ رہی ہے۔

سکندر واپسی کوئی بات سننے کے لیے تیار نہ تھا۔ وہ اور بطلیموس دونوں شدید زخموں کے باعث کمزور ہو چکے تھے لیکن بطلیموس کے اصرار نے سکندر کو آزردہ کر دیا۔ ہمالیہ میں اِس واقعہ کے بعد بطلیموس نے شاذ ہی سکندر کو کوئی مشورہ دیا۔

ارسطو کی کتاب مابعد الطبیعیات کا مطالعہ کرتے ہوئے سکندر پر واضح ہوا کہ اُس کا استاد فطرت اللہ پر نظری بحثوں میں بہت دُور چلا گیا ہے۔ وہ کہتا ہے کہ خدا اس زمین پر نہیں بلکہ زیادہ سے زیادہ دُور افتادہ ستاروں کی دنیا میں رہتا ہے۔ جو قوت اور ثوابت کو زمین کے گرد گردش میں رکھتی ہے اُسی سے تمام چیزوں میں حرکت کا وجود ہے۔ وقت کے تعینات سے باہر یہی حرکت زمین کی طرف آتی ہے۔ زندگی پیدا ہوتی ہے اور وقت کے تعیّنات میں قائم رہتی ہے اِس سے آگے خدا کا کوئی وجود نہیں ہے . . . سکندر نے سوچا کہ اگر یہ درست ہے تو پھر سفر میں مجھے طبعی اشیاء کے سوا کچھ نہ ملے گا۔ ساتھ ہی اُسے یہ محسوس ہوا کہ اُستاد اور شاگرد کے خیالات بالعکس منقلب ہو گئے ہیں۔ اُستاد پہلے علم سے زیادہ عمل اور استدلال سے زیادہ اکتشاف پر زور دیتا تھا لیکن اب وہ نظریات کا شارح بن گیا ہے۔ اس کے برعکس سکندر مشاہدے اور اکتشاف پر تلا ہوا تھا۔ اس تلاش میں وہ تنہا تھا۔ اُس وقت سے زیادہ تنہا جب وہ میزا میں زیرِ تعلیم تھا۔ ارسطو ڈیماستھینز سے بھی زیادہ اُس کا مخالف بن گیا۔ بطلیموس کو صرف ایک خیال تھا اور وہ یہ کہ مصر واپس چلا جائے جو فلسفی وطن میں تھے وہ کلیستھنیز کا روزنامچہ پڑھ چکنے کے بعد سمجھ رہے تھے کہ اُس کی کامیابیاں خوبیِ تقدیر کا کرشمہ ہیں جب تقدیر ساتھ چھوڑ دے گی تو اس کا انجام نہایت دردناک ہو گا۔ وفادار انیٹی پیٹر اہلِ وطن کے اذکار سے غیر متاثر نہ رہا اور اُس نے سکندر کی مخالفت شروع کر دی۔

دریائے سندھ پر کشتیوں کا پُل بن چکا تھا۔ سکندر موسمِ بہار میں اُس پر پہنچا تو نظارہ اس

درجہ اثر انگیز تھا کہ سکندر کی خیال آرائیوں کا کوئی شکوہ اس کا مقابلہ نہ کرسکتا تھا۔ وہ آیا تو پل پر تختہ بندی کے لیے جنگل کے بے شمار درخت ساتھ لایا۔ اُس کی فوجِ خاص کی روپہلی ڈھالیں سورج کی روشنی میں درخشاں تھیں۔ ہاتھی سواروں نے آگے بڑھ کر استقبال کیا۔ یہ روشنک کے جلو میں چل رہے تھے اور اُن کی تُریاں بج رہی تھیں۔ عین اس موقع پر شمالی ہند کے راجا کی طرف سے بے شمار تحفے آئے چاندی کے انبار گاڑیوں پر لدے ہوئے تھے۔ ہزاروں بیل اور بھیڑیں غذا اور قربانی کے لیے بھیجی گئی تھی۔ سانولے رنگ کے ہندوستانی سواروں کا ایک لشکر اور جھولوں والے تیس ہاتھیوں کی ایک قطار سکندر کی خدمت کے لیے بھیجی گئی تھی۔

وہ پہاڑوں سے نکل کر کھلے میدان میں آیا تو اُس نے دیکھا کہ اُس کی بیوی روشنک ایشیائی دربار کی شان و شوکت کے ساتھ رہتی ہے۔ اُس کے شامیانے کے اردگرد احاطہ کھینچ دیا جاتا ہے جس ہاتھی پر وہ سوار ہوتی ہے اُس کے ساتھ خواجہ سراؤں کی ایک جماعت بطور محافظ چلتی ہے۔ وہ ایسا بت نظر آتی تھی جسے جواہرات پہنا دیے گئے تھے۔ اُس کے پردہ دار ہودے کو ہاتھی کی پشت پر باندھ دیا جاتا تھا۔ روشنک خود بے پردہ گھوڑے پر سوار ہونے کی عادی تھی لیکن ہندوستان میں ایسی سواری کو خلافِ وقار سمجھا جاتا تھا۔ اگرچہ روشنک نے اس نئی شان و شوکت سے مطابقت پیدا کرلی تھی اور وہ لبعد ازاں ہاتھی کے سوا کسی چیز پر سوار نہ ہوتی تھی۔ لیکن اُسے اپنی یہ تنہائی پسند نہ تھی۔ وہ اپنے وطن کی خنک سطحِ مرتفع پر بہت خوش تھی۔ جہاں مہموں کے دوران میں خیمے کے اندر رہتی اور اپنے سنجابی پارچے ایک طرف رکھ کر سکندر کے پاس آگ کے سامنے بیٹھ جاتی۔ یہاں کیمپ کی حیثیت ایک متحرک شہر کی تھی۔ اُسے زربفت کے لباس پہننے پڑتے اور موتیوں کے ہار گلے میں ہوتے۔ وہ اِس بات پر متاسف تھی کہ ابھی تک کوئی بچہ پیدا نہیں ہوا اور کچھ معلوم نہ تھا کہ سکندر کے وقتی رجحانات اسے کہاں لے جائیں گے۔

یکایک سکندر کو یہ خیال پیدا ہوا کہ ہاتھیوں کا شکار کرنا چاہیے۔ چنانچہ وہ مقدونی افسروں کو لے کر ہندوستانیوں کی رہبری میں شکار کے لیے نکلا اور ایک جنگلے پر جا پڑا اور گنتی کے ہاتھیوں کو رسّوں سے باندھ کر لے آیا۔ مقدونی اس قوی ہیکل جانور کی سمجھ بوجھ اور قوت

سے بے حد متاثر ہوئے، جسے ایک لڑکا یا بوڑھا بھی جہاں چاہتا لے جاتا۔ انھوں نے پالتو ہاتھیوں کو رقص کرتے ہوئے دیکھا۔ اُن میں سے ایک ایسا تھا جس کی دونوں اگلی ٹانگوں پر دو جھانجھ بندھے ہوئے تھے اور ایک جھانجھ سونڈ سے پکڑ کر بجاتا اور دوسرے ٹانگیں اٹھا اٹھا کر رقص کرتے۔

سلیوکس نیکاٹور[1] نے بتایا کہ اگر جنگ میں مہاوت زخمی ہو جائے تو ہاتھی اُس کی حفاظت کے لیے اوپر کھڑا ہو جاتا ہے۔ جن کمانداروں کو اس زمانے میں سکندر کا خاص قرب حاصل ہوا تھا۔ ان میں سے ایک سلیوکس بھی تھا۔ وہ بڑا قوی ہیکل آدمی تھا۔ زور کا یہ عالم تھا کہ بیل کو سینگوں سے پکڑ کر اُس کی گردن مروڑتا اور نیچے گرا دیتا لیکن طبیعت بڑی اچھی پائی تھی۔ نیارکس اور ہفاسشن کی طرح بڑا خوش مذاق تھا۔ سکندر کے کسی فیصلے پر کبھی اعتراض نہ کیا۔ ہاتھیوں کی قوت کا اندازہ کرتے ہوئے اُس نے فیصلہ کر لیا کہ ایک ریوڑ پال لینا چاہیئے۔ نیارکس نے پوچھا۔ پالنے میں کتنا وقت لگے گا؟ سلیوکس نے جواب دیا جتنی جلد ممکن ہو۔ نیارکس بولا: ایک ہتھنی سولہ مہینے کے بعد بچہ دیتی ہے۔ اور گھوڑی کی طرح اُس کے صرف ایک ہی بچہ ہوتا ہے۔ بچہ آٹھ سال تک ماں کا دودھ پیتا رہتا ہے۔ اب سوچو ایک ریوڑ پالنے میں کتنا وقت لگے گا؟

حقیقت یہ ہے کہ وہ سب ہندوستان کے اس عجیب و غریب جانور کے حالات کا بغور مطالعہ کر چکے تھے۔ جو زمین دریائے سندھ سے سیراب ہوتی تھی اُس کا نام انھوں نے ہند رکھا اور باشندوں کو ہندی کہتے تھے۔ نیارکس نے اک چتکبرا سانپ پکڑنے کی کوشش کی جو چوبیس فٹ لمبا تھا لیکن سانپ اتنی تیزی سے نکل گیا کہ پکڑا نہ جا سکا۔ پھر اُس نے طوطے پکڑوائے جو آدمی کی طرح بولتے تھے۔ اگرچہ یونانی زبان نہ جانتے تھے۔ انھیں کریٹس نے قسم کھا کر بتایا کہ میں نے لومڑی جتنی بڑی ایک چیونٹی دیکھی ہے۔ وہ زمین کھود کھود کر سونا نکال رہی تھی۔

سکندر کو معلوم ہوا کہ جسے پھنیر سانپ ڈس لیتا ہے۔ وہ بچتا نہیں۔ اس سانپ کی شکل ویسی ہی تھی جس کی تصویر فراعنۂ مصر کے تاج سر سے ملتی جلتی تھی۔ چنانچہ اُس نے سانپوں کا علاج کرنے والے ہندوستانیوں کو اپنے پاس بلا لیا اور انھیں ایک خیمے میں ٹھہرایا۔ ساتھ

---

[1] SELEUCUS NICATOR

ہی حکم دے دیا کہ جیسے سانپ ڈس جائے، اسے ان لوگوں کے پاس پہنچا دینا چاہیے۔ پوسیس ٹس نے بتایا کہ میں نے جنگل میں بہت چھوٹے چھوٹے آدمی دیکھے ہیں۔ میں اپنے لشکر کے ساتھ جا رہا تھا۔ اچانک درختوں پر سے سنگ باری شروع ہو گئی۔ میں نے اپنے آدمیوں کو اِدھر اُدھر پھیل جانے کا حکم دے دیا لیکن اُن پر گٹھلیاں اور فروٹ برابر برستے رہے۔ اِن چھوٹے آدمیوں نے گرمی کے باوجود پوستین پہن رکھی تھی۔ نیارکس نے بتایا کہ وہ آدمی نہیں بلکہ خوبصورت جانور ہیں جو آدمیوں کی نقالی کرتے ہیں اور جو کچھ انھوں نے پہن رکھا ہے پوستین نہیں بلکہ اُن کا اپنا چمڑا ہے۔ پوسیس ٹس مدت تک نیارکس کی یہ بات نہ مان سکا اور اُسے یقین نہ آیا کہ اپنے فوجیوں کو لڑائی کا حکم آدمیوں کے خلاف نہیں بلکہ بندروں کے خلاف دیا تھا۔ نیارکس نے اپنا دعویٰ ثابت کرنے کے لیے بندر پکڑ منگوائے۔ سکندر نے سلیوکس اور ملاحانِ کریٹ کو حکم دے دیا تھا کہ ملک کے اندر گھس جاؤ۔ آدمیوں اور جانوروں کے جتنے نئے نمونے ملیں انھیں ساتھ لاؤ۔ ہاتھیوں کے لیے خاص تاکید کر دی گئی تھی۔ نیارکس نے اِس موقع سے فائدہ اٹھا کر چھوٹے جہازوں کا ایک بیڑا تیار کر لیا جن میں سے بعض کو چلانے کے لیے تیس تیس چپو استعمال کیے جاتے تھے۔ وہ دریا ہی میں سے چلتے ہوئے انکشافات کرنا چاہتا تھا (سکندر نے پرانے مقدونوی لشکروں کی کمان اُن آدمیوں کے سپرد کر دی تھی جو خود سپہ گری کے فن سے واقف نہ تھے لیکن بادشاہ کے احکام کی تعمیل خوب کرا لیتے تھے۔ اب ہفاسٹین بہترین محافظ فوج کا کمانڈر تھا۔ سلیوکس معاون فوج کا۔ اور نیارکس کی کمان میں اگر یونانیوں کا لشکر دے دیا گیا تھا) سکندر نے نیا بیڑا دیکھا تو سخت خفا ہوا اور پوچھا کہ کیا جہاز سازوں نے یہ سمجھ رکھا ہے ہماری فوج ان پر سوار ہو کر خشکی میں پھرے گی؟ کریٹ کے ملاحوں نے جواب دیا۔ فوج ان جہازوں میں سوار ہو کر مشرق کی جانب نہ جائے گی بلکہ ان جہازوں کے ٹکڑے گاڑیوں پر لد کر ساتھ جائیں گے۔ جہاں ضرورت پیش آئے گی۔ انھیں جوڑ کر گہرے پانی میں سے گزرنے کا بندوبست کر لیا جائے گا۔ ساتھ ہی کہا کہ آپ ہی نے تو کشتیوں کا پل بنانے کا حکم دیا تھا۔ سکندر بولا: بےشک دریائے سندھ پر پل بن جانا چاہیے۔

مقدونیوں کو پہلے خیال تھا کہ سندھ پر پہنچتے ہی دریائے نیل کا منبع مل جائے گا۔

اور نیل کی طرح سندھ میں بھی کسی واضح سبب کے بغیر طغیانی آجاتی تھی کلیستھینیز اور ارسطو دونوں کا عقیدہ تھا کہ نیل کا پانی سندھ ہی سے آتا ہے۔ ہیروڈوٹس نے مصر کو نیل کا عطیہ قرار دیا تھا یعنی وہ کہتا تھا کہ نیل سالانہ طغیانیوں میں غیر معلوم خطوں سے جو ذرات لاتا تھا وہ چھوڑتا جاتا رہا اس طرح زمین بنتی گئی۔ اگر یہ درست تھا تو ہندوستان کو بھی مصر کی طرح ایک تنگ اور لمبوتری زمین کی شکل میں سمندر تک جانا چاہیئے تھا لیکن نیارکس چھان بین کے بعد صحیح نتیجے پر پہنچ گیا اُس نے بتایا کہ سندھ میں جو طغیانیاں آتی ہیں اُن کا ایک سبب یہ ہے کہ پہاڑوں پر برف پگھلتی ہے۔ دوسرا سبب یہ ہے کہ بلندیوں پر کثرت سے بارش ہوتی ہے۔ اس سے قیاس کر لیا گیا کہ نیل میں طغیانیاں بھی اُن پہاڑوں پر بارش کی وجہ سے آتی ہیں جو دور افتادہ حبشہ کے غیر معلوم خطے میں واقع ہیں۔

سندھ کا بہاؤ مشرق سے مغرب کی طرف نہ تھا بلکہ یہ جنوبی سمت میں بہتا ہوا سمندر میں گرتا تھا۔ نیارکس نے بتایا کہ دریائے سندھ کا منبع دور مشرق کی جانب ہے۔ بربری لوگ بتاتے ہیں کہ منبع یہاں سے چھ ہزار سٹیڈیا[ا] کے فاصلے پر ہو گا۔

اِن حقائق سے ظاہر ہو گیا کہ سندھ کو نیل سے کوئی تعلق نہیں۔ اس کا مطلب یہ تھا کہ نیل اور سندھ کے درمیان خشکیوں، صحراؤں اور خلیجوں کی ایک وسیع دنیا حائل ہے جس کا تصور بھی یونانیوں کو نہیں ہوا تھا اور فوجیوں کو یقین ہو گیا کہ یہ ممکن نہیں وہ یہاں سے جہازوں پر سوار ہو کر پانی کے راستے ممفس اور سکندریہ پہنچ جائیں جہاں سے بحیرۂ روم کا نیلا پانی نظر آتا تھا اور اس پانی کو دیکھنے کی انھیں تمنا تھی۔ نیارکس ملاحوں اور جہاز سازوں نے اِس نتیجہ پر پہنچتے ہی باربرداری کے لیے ایک بیڑا تیار کرنا شروع کر دیا۔ انھیں امید تھی کہ سکندر مشرق جانب پیش قدمی کو روک کر جہازوں پر سوار ہو کر دریائے سندھ کے راستے واپس روانہ ہو جائے گا، لیکن سکندر ایسی کوئی بھی بات سننے کے لیے . . . . تیار نہ تھا۔ وہ کہتا تھا کہ اپنی کشتیاں اور پل لے کر مشرق کی طرف چلو۔

[ا] جیسا کہ پہلے بتایا جا چکا ہے سٹیڈیم جس کی جمع سٹیڈیا ہے یونانی پیمانے کے مطابق دو سو گز کا ہوتا تھا یا چھ ہزار سٹیڈیا قریباً سات سو میل ہوا۔

ملاحوں نے بتایا کہ سندھ سے آگے بڑھیں گے تو چار اور بڑے دریا راستے میں آئیں گے ظاہر ہے کہ اس صورت میں ہندوستان زمین کا تنگ خطہ نہیں بلکہ مشرق کی طرف بہت پھیلا ہوا ہے کسی کو کچھ معلوم نہ تھا کہ چوتھے دریا کے آگے کیا ہے۔ ملاح کہتے تھے کہ ہو سکتا ہے کہ آگے سمندر ہو۔ سکندر اس بارے میں یقینی علم حاصل کرنا چاہتا تھا۔ بہر حال فوج جہازوں کو کشتیوں میں رکھ کر بادل ناخواستہ مشرق کی جانب روانہ ہوئی۔ وہ اب چپ چاپ چلی جا رہی تھی۔ گویا سکندر کی پیش قدمی اُسے ہرگز پسند نہ تھی۔ انجام کار اُس نے بغاوت اختیار کر لی اسی اثنا میں بارشیں شروع ہو گئیں۔ آسمان گرم زمین پر پھوٹ پڑے۔ جہاں کیمپ لگا ہوا تھا وہ زمین راتوں رات پانی سے جل تھل ہو گئی۔ ٹرائے کے بعد سے انھوں نے اس قسم کا طوفان کبھی نہ دیکھا تھا لیکن بارش سے بھی بڑھ کر انھیں راجہ امبھی کے خلاف شکایت تھی۔ راجہ امبھی کے ساتھ عزیز دوست کا سا سلوک کیا گیا تھا۔ اُس نے یونانیوں کا خیر مقدم کیا۔ تحفے دیے اور اپنے پورے ملک کے وسائل ان کی نذر کر دیے لیکن سکندر نے امبھی سے جتنی چاندی وصول کی تھی اُس سے کہیں زیادہ اُسے سونا دے دیا تھا اور ملک بھی اُسی کے حوالے کر دیا تھا۔ ہفاسشن نے سڑک کے ساتھ ساتھ معمول کے مطابق مستحکم چوکیاں بنا لیں جن میں بیمار سپاہیوں کو رکھا گیا۔ آس پاس جو مکان بنے اُن میں پناہ گیر رہنے لگے۔ سکندر نے راجہ کے ساتھ ہمسر کا سا سلوک کیا۔ فوج کو حکم دے دیا کہ اُس کے علاقے میں لوٹ مار قطعاً نہ کی جائے۔ فوجیوں کو یہ شکایت تھی کہ اس سے پیشتر مشرق کے کسی حاکم کو یہ عزت نہیں دی گئی۔

واقعہ یہ ہے کہ سکندر ہندوستانیوں سے بے حد خوش ہوا تھا وہ تکشِشلا (ٹیکسلا) پہنچا تو کھیلوں کا انتظام کیا۔ ہندوستانیوں کے ساتھ دوستی کی خوشی میں قربانیاں کیں۔ یہ لوگ بھی آریہ تھے۔ جو شمالی سمت کے میدانوں سے قبیلوں کی شکل میں آئے تھے۔ ایرانیوں کی طرح وہ بھی مویشی پالتے تھے۔ صرف ایک بیوی رکھتے۔ آگ کی پوجا کرتے۔ اور اندر دیوتا کے آگے جھکتے۔ اُن میں سے جن لوگوں کا درجہ سب سے اونچا تھا وہ بھی مقدونیوں کی طرح جنگجو تھے۔ انھیں چھتری کہا جاتا تھا۔ برہمن اُن کے پجاری تھے جو یہ تعلیم دیتے کہ کسی کی جان لینا یا دوسروں کو دھوکا دینا یا جائیداد کے لیے لڑنا گناہ ہے۔ کورش کے پجاریوں نے بھی ایرانیوں کو یہی تعلیم دی تھی۔ چھتری اور برہمن

سرزمین کے اصل سیاہ فام باشندوں سے الگ تھلگ رہتے تھے۔ سکندر نے اعلیٰ جاتیوں کے آدمیوں کے ساتھ برابر کا برتاؤ کیا۔ راجہ امبھی کے سواروں کو اپنے فوجِ خاص کے ہمراہ رکھا۔ (ہندوستانیوں نے سکندر کو اپنا شہنشاہ تسلیم کر لیا۔ وہ اُسے یورپی شہنشاہ کہتے۔ مقدونی انھیں یوَن (گلہ بان) کہہ کر پکارتے تو سکندر سخت خفا ہوتا۔

اب مختلف اقوام کا جتھا مشرق کی طرف بڑھا۔ فکر و خیال کے اعتبار سے ان میں اختلاف تھا لیکن ایک آدمی کی شخصیت نے ان سب کو اتحاد کے رشتے میں جکڑ لیا تھا۔ سکندر کا تازیانہ ہی مقدونیوں کو آگے بڑھا رہا تھا۔ مشرقی سرحد پر انھیں ایک اور حکمران خاندان کی قوت سے مقابلہ پیش آ گیا۔ یہ پورو راجاؤں کا خاندان تھا جو امبھی کے مخالف تھے۔ سکندر نے امبھی کو قول دے دیا تھا کہ میں پورو راجا کی قوت کو توڑے بغیر دم نہ لوں گا۔ سکندر کو امید نہ تھی کہ اس مرحلے پر کوئی فوج مقدونیوں کے مقابلے پر میدانِ جنگ میں اُترنے کی جرأت کرے گی اور ظاہر ہے کہ کسی فوج کے کامیاب ہونے کی امید نہ تھی، اِس لیے کہ اُس نے مختلف عناصر کو ملا کر جو قوت پیدا کر لی تھی وہ بڑی زبردست تھی۔ لیکن پورو خاندان کا راجہ جس کی حکومت دریائے جہلم کے پار تھی بارش میں مقابلے پر کھڑا ہو گیا۔ اُس کے لشکر میں کئی سو ہاتھی بھی تھے۔ مقدونیوں کو اب تک ہاتھیوں سے مقابلہ پیش نہ آیا تھا اور وہ دریا پر پل بھی نہ بنا سکے جس کا پانی روزانہ بڑھتا چلا جا رہا تھا۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ قوی ہیکل ہاتھی اور بے پناہ بارش اُن کے اصل دشمن ہیں۔ پورو راجہ کو وہ چنداں طاقت ور نہ سمجھتے تھے۔ یہ اُن کے اندازے کی غلطی تھی۔ جہلم کو عبور کرنا سکندر کے لیے آخری بڑی جنگ بن گیا۔

بلاشبہ سکندر بارشوں کے تھمنے اور دریا کے اترنے کا انتظار کر سکتا تھا لیکن وہ انتظار کے لیے تیار نہ ہوا۔ مقدونیوں کو اس مسئلے کی اہمیت کا احساس ہی نہ تھا۔ اب اُن کے پاس سوار ضرورت سے زیادہ تھے لیکن اُن پر واضح ہو گیا کہ گھوڑے ہاتھیوں کا مقابلہ نہیں کر سکتے یہ بھی ممکن نہ تھا کہ مقابل کے کنارے پر ہاتھی قطار در قطار کھڑے ہوں اور گھوڑے دریا میں سے تیرتے ہوئے پار ہو کر کنارے پر چڑھیں۔ صورتِ حال کا جائزہ لے لینے کے بعد سکندر کے فوجی مشیروں نے سواروں کو اُن مقامات پر بھیج دیا جہاں ہاتھیوں سے مقابلہ نہ تھا۔ اِس طرح انھوں

نے پورس راجہ کے لیے سوچ بچار کا مسئلہ پیش کر دیا۔ آریاں لکھتا ہے کہ اس قسم کا تجربہ انھیں پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔

"سکندر نے مناسب یہ سمجھا کہ پورس کو حیران کرنے کے لیے ہر سمت نقل و حرکت شروع کر دے اور کچھ پتا چلنے نہ دے کہ وہ کیا کرنا چاہتا ہے۔ اس نے اپنے لشکر کو چھوٹی چھوٹی ٹکڑیوں میں تقسیم کر لیا اور مختلف افسروں کے ماتحت یہ حکم دے کر پھیلا دیا کہ دشمن کے علاقوں کو لوٹتے رہو اور معلوم کرو کہ دریا کہاں کہاں سے قابلِ عبور ہے۔ بغرض اس تدبیر کے مطابق ہر طرف سے غلّہ فراہم ہونے لگا اور پورس کو خیال ہو گیا کہ سکندر بارشیں تھمنے اور دریا کے اترنے تک انتظار کرنا چاہتا ہے۔ یوں پورس کو آرام و راحت کا موقع نہ ملا۔ اس لیے وہ دیکھتا تھا کشتیاں دریا میں پھر رہی ہیں اور مشکیزے تیار کرکے دریا میں سے گزرنے کے انتظامات کیے جا رہے ہیں۔ جب وہ اپنی فوج کو دفاع کے لیے ایک جگہ جمع کرتا تو دوسری جانب سرگرمیاں جاری ہو جاتیں خصوصاً رات کے وقت مقدونوی جن جن مقامات پر جنگ کا نعرہ بلند کرتے یا ہنگامہ برپا ہوتا، پورس کو ہاتھی لے کر اسی طرف متوجہ ہونا پڑتا۔ سکندر کی تدبیروں نے ہاتھیوں کے ساتھ رات دن نقل و حرکت کو پورس کا عام مشغلہ بنا دیا۔

جب وہ بار بار کی تگ و دو کے بعد دیکھ چکا کہ جدھر جاتا ہے جنگ کی صدائیں کے سوا کچھ نہیں سنتا تو کیمپ جا کر بیٹھ گیا لیکن اس کے طلایہ گرد دستے دریا کے کنارے پھرتے رہے۔ جب سکندر کو یقین ہو گیا کہ پورس جنگ کی طرف سے بے پروا سا ہو گیا ہے تو اس نے عبورِ دریا کا ایک عجیب منصوبہ تیار کیا۔ اس نے کریٹیرس کو فوج کے بڑے حصّے کی کمان سپرد کی اور اس کو کیمپ میں چھوڑ دیا الاؤ جل رہے تھے اور شور وہاں سے اٹھ رہا تھا۔ کریٹیرس کو یہ بھی تاکید کر دی گئی کہ جب تک راجا حرکت نہ کرے اور جگہ چھوڑ کر ادھر ادھر نہ جائے اس وقت تک دریا عبور نہ کرنا۔ اگر راجہ ہاتھیوں کا صرف ایک حصہ اپنے

ساتھ لے جائے تو اسی جگہ ٹھہرے رہنا، لیکن اگر وہ تمام ہاتھیوں کو لے کر میرے مقابلے پر نکل آئے تو فوراً تیزی سے دریا عبور کر لینا، اس لیے کہ ہاتھیوں کے سوا سواروں کو روکنے والی کوئی چیز نہیں۔"

رات کے وقت سکندر نے عبورِ دریا کا فیصلہ کیا۔ اُس نے مختلف لشکروں میں سے دستے چُن لیے۔ ہفاسشن، بطلیموس، سلیوکس، کوئینسس اور پرڈیکاس اُن دستوں کی کمان کر رہے تھے۔ وہ دریا کی بالائی سمت میں اٹھارہ میل چلا گیا۔ اِس مقام اور کیمپ کے درمیان سنتریوں کا زنجیرہ قائم کر دیا گیا تاکہ احکام تیزی سے پہنچتے رہیں۔ کشتیوں اور مشکیزوں پر بندھی ہوئی بلیوں کو چھپا کر اُس مقام پر پہنچا دیا گیا تھا:

"یہاں خشکی کا ایک حصہ اندر کی طرف بڑھا ہوا تھا اور دریا نے خم کھایا تھا۔ ہر قسم کے درخت اور جھاڑیاں اُگی ہوئی تھیں۔ سامنے ایک جزیرہ تھا وہ بھی روئیدگی سے بھرا ہوا تھا لیکن اُس پر آبادی کا کوئی نشان نہ تھا۔ اس جزیرے نے سکندر کی حملہ آور فوج کی نقل و حرکت کو چھپائے رکھا۔ کریٹیرس نے کیمپ میں حسبِ معمول الاؤ کا انتظام کیے رکھا۔ اِس اثنا میں سخت بارش ہوئی۔ بجلی کی کڑک میں ہتھیاروں کی کھڑکھڑاہٹ گم تھی۔ نقل و حرکت یا افسروں کے احکام کی صدا بھی سنی جا سکتی تھی۔ طلوعِ آفتاب سے پیشتر بارش بند ہو گئی۔ ہوا بھی تھم گئی۔ جزیرے کے بالمقابل کشتیاں دریا میں ڈال دی گئیں۔ گھوڑوں کو اُن تختوں پر سوار کیا گیا جن کے نیچے مشکیزے بندھے تھے۔ پیادہ فوج کشتیوں میں سوار ہو کر جزیرے کا چکر کاٹتی ہوئی آگے بڑھی۔ سکندر نے تیس چپوؤں والے جہاز میں دریا عبور کیا۔ سلیوکس اور بطلیموس اُس کے ساتھ تھے۔ وہ چپ چاپ دوسرے کنارے پر اُترے۔ جو سوار پہلے پہنچ گئے تھے۔ انھیں حکم مل گیا کہ اترنے والی پیادہ فوج کی حفاظت کا انتظام کریں۔"

یہاں تک منصوبے کے مطابق کامیابی سے عمل ہوا۔ سکندر اپنے رسالے کو آگے بڑھانے

کے لیے تیار کر رہا تھا کہ پہلی مرتبہ رکاوٹ پیش آئی۔ انھیں معلوم ہوا کہ وہ دریا کے پار نہیں پہنچے بلکہ ایک اور جزیرے میں اتر گئے ہیں۔ یہ جزیرہ بہت بڑا تھا اور بظاہر کنارے سے ملا ہوا معلوم ہوتا تھا لیکن حقیقت میں الگ تھا۔ جزیرے اور کنارے کے بیچ میں سے پانی کا تیز دھارا رواں تھا۔ وہ کنارے کے سامنے کیچڑ میں دھنسے ہوئے تھے کہ دشمن کے پہرے داروں نے اُنھیں دیکھ لیا۔ اس اثنا میں حملہ آور دستے کشتیوں سے اُتر کر ان کے پیچھے جمع ہو رہے تھے تھوڑی دیر میں انھیں ایک گھاٹ کا پتا مل گیا۔ اس میں سے گزرنے لگے تو پانی آدمیوں کی بغلوں تک اور گھوڑوں کی گردنوں تک تھا۔ انجام کار سوار کنارے پر پہنچ گئے۔ زمین کیچڑ کا سمندر معلوم ہوتی تھی۔ بس اس کے بعد وہ منصوبہ بالکل درہم برہم ہو گیا جو بڑی احتیاط سے تیار کیا گیا تھا۔

وہ ابھی کیچڑ سے باہر نہ نکل سکے تھے کہ دشمن کی پہلی فوج سامنے آگئی۔ سکندر نے سوار تیر اندازوں کو آگے بھیجا۔ معلوم ہوا کہ دشمن کی تعداد دو ہزار سے زیادہ نہیں اُس کے ساتھ رتھ بھی ہیں اور سوار بھی۔ سکندر رسالے کو لے کر آگے بڑھا۔ دشمن کا لشکر یا تو کیچڑ میں پھنس گیا، یا یہ سمجھنا چاہیے کہ وہ پیچھے ہٹنے کو تیار نہ تھا اور اسی جگہ لڑتے ہوئے تباہ ہو گیا۔ اس چپقلش نے پیش قدمی خاصی دیر تک روکے رکھی۔ کچھ معلوم نہ تھا کہ پورس کی فوج کیا کر رہی ہے۔ سکندر نے سواروں کو لے کر جنوب کی طرف پیش قدمی شروع کر دی۔ پیادوں کو اپنے پیچھے دوڑتے ہوئے آنے کا حکم دے دیا۔ ایک گھنٹے میں وہ اتنی دور نکل گیا کہ نگاہوں سے اوجھل ہو گیا۔ پیادے کیچڑ میں دھنستے ہوئے بمشکل چلے جا رہے تھے۔

جب دشمن کی بڑی فوج سے مقابلہ پیش آیا تو سکندر کے ساتھ صرف سوار تھے اور راجہ کی فوج ریتلی بلند زمین پر صفیں باندھے کھڑی تھی۔ جس پر جم کر لڑنا سہل تھا۔ بکتر بند ہاتھی فوج کے آگے تھے۔ ان کی تعداد دو سو ہو گی۔ ہر ہاتھی کے درمیان ایک ایک سو فٹ کا فصل تھا۔ ہر خلا میں تیر انداز کھڑے تھے جن کی کمانیں ایسی زبردست تھیں کہ تیر چلاتے وقت اُن کے گوشے زمین پر رکھنے پڑتے تھے۔ نیزہ بردار اور شمشیر زن تیر اندازوں کی مدد پر کھڑے تھے۔ سکندر ایسی صف بندی کا مقابلہ نہ کر سکتا تھا۔ لہٰذا وہ ٹھہر کر انتظار کرنے لگا کہ پیدل

اُٹھائے۔ اُس کا کوئی نشان نہ تھا کہ ٹیڑس تعمیلِ حکم میں اپنی جگہ ٹھہرا رہا۔ اِس لیے کہ راجہ ہاتھیوں کی ایک تعداد اور کچھ فوج کیمپ میں چھوڑ کر مقابلے کے لیے نکلا تھا۔ کئی گھنٹے گزر گئے تو پیادہ فوج پہنچی سکندر نے اسے تھوڑی دیر سستانے کا موقع دے دیا۔ جب پیادے صف بندی کر کے کھڑے ہو گئے تو سکندر نے رسالے کا بڑا حصہ ان کے دائیں بازو پر پہنچا دیا۔ مقدونیوں کی یہ عام جنگی ترتیب تھی۔ اب اُس کے ساتھ سوار تیر انداز بھی تھے یعنی باختری اور سیتھی۔ قوت کے اس بے پناہ ذخیرے کے ساتھ اُس نے کامیابی کے مختلف تجربے کیے۔ مثلاً پہلے اپنی فوجِ خاص کے ساتھ پیچھے کی طرف ہٹا۔ یہ دراصل ایک چال تھی۔ دشمن کے رسالے نے اُس کا تعاقب کیا۔ فوج کے دوسرے حصّے لمبا چکر کاٹ کر تعاقب کرنے والے رسالے کے عقب میں پہنچ گئے۔ خود سکندر بھی بوسی فالس پر سوار تھا اور گھمسان کے رَن میں وہ اسی پر سوار ہوتا تھا۔ یکایک بوسی فالس گرا حالانکہ اُسے کوئی زخم نہ لگا تھا۔ معلوم ہوتا ہے کہ تکان نے بوڑھے گھوڑے کا دم توڑ دیا تھا۔ وہ گرتے ہی مر گیا۔

مقدونی سواروں نے ہندوستانی رسالے کو دونوں جانب سے نرغے میں لے لیا۔ رسالہ اگرچہ بے بس ہو چکا تھا لیکن وہ بڑی مردانگی سے لڑا۔ سکندر تازہ دم گھوڑے پر سوار ہو کر رَن میں گھس گیا۔ وہ پیادوں سے بالکل بے پروا ہو چکا تھا جو ہاتھیوں اور تیر اندازوں کا مقابلہ کر رہے تھے۔ اُن کی تعداد چھ ہزار ہو گی۔ سلیوکس اور پرڈیکاس انھیں آگے بڑھا رہے تھے۔ لیکن ہاتھیوں کے مقابلے کے لیے انھیں کوئی تدبیر نہ بتائی گئی تھی۔ اِن قوی ہیکل جانوروں نے بھی آگے بڑھنا شروع کر دیا۔ کچھ معلوم نہیں کہ پیادوں نے اُن کا مقابلہ کس طرح کیا۔ ہم فقط اتنا جانتے ہیں کہ مقابلہ کیا اور روکے رکھا۔ آریان کہتا ہے کہ ایسی جنگ کا تجربہ پہلے کبھی نہ ہوا تھا۔ ہاتھی جب آگے بڑھتے تو پیادوں میں گھس جاتے جو ایک جگہ جمے کھڑے تھے۔ پیادوں نے کسی نہ کسی طور ہاتھیوں کو روکے رکھا۔ پھر ہاتھی پلٹ پڑے۔ معلوم ہوتا ہے کہ پیادوں نے مہاوتوں کو مار ڈالا تھا

"اب پورا مقدونی رسالہ سکندر کے حکم کے مطابق نہیں بلکہ اتفاقاتِ جنگ کے مطابق ایک جگہ جمع ہو چکا تھا۔ راجہ پورس کے ہاتھی پلٹے تو راجہ کے سواروں سے بھڑ گئے اور انھوں نے اپنے آدمیوں کو بھی اتنا ہی نقصان پہنچایا جتنا کہ دشمن کو۔ اُن میں سے زیادہ تر ایسے تھے جو اپنی

جگہ کھڑے نہ رہ سکے۔ اس لیے کہ خود اُن کو زخم لگے یا اُن کے مہاوت مارے گئے جب وہ تھک گئے اور حملے کے قابل نہ رہے تو وہ آہستہ سے پیچھے ہٹنے لگے۔ ۔ ۔ ۔ ۔ جو ہاتھی مارے نہ گئے وہ سب پکڑے گئے۔"

اس زد و کشت میں سے ہوتا ہوا سکندر اپنی پیادہ فوج کے پاس پہنچا اور اس کی از سرِ نو صف بندی کر کے حکم دیا کہ اپنی ڈھالوں کو پشتوں کے طور پر استعمال کرو۔ اس وقت کریٹیرس کی فوج بھی دریا عبور کر کے ساحل پر آ گئی۔ اس نے بچی کھچی دشمن فوج کا تعاقب کیا۔ خود سکندر کی فوج اتنی تھک چکی تھی کہ ہل بھی نہ سکتی تھی۔ اس دن کی جنگ کے بعد مقدونیہ کی پیادہ فوج اپنی اصلی حالت پر قائم نہ رہ سکی۔

میدانِ جنگ سے ہٹنے والوں میں راجہ پورس غالباً سب سے آخری شخص تھا۔ وہ جنگی ہاتھی پر سوار تھا۔ ہاتھی اور سوار بُری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ سکندر نے اُسے بھاگتے ہوئے دیکھ لیا تھا۔ راجہ امبھی کی فوج کے افسروں کو پیچھے بھیجا کہ اُسے حوالگی پر راضی کر لیں۔ راجہ نے انکار کر دیا۔ آخر سکندر نے اپنے ایک افسر کو پیغام خاص دے کر بھیجا۔ اس وقت پورس ہاتھی سے اترنے پر راضی ہوا اور سکندر کا انتظار کرنے لگا۔ سکندر اس کے پاس پہنچا تو بات کرنے سے پہلے گھوڑے سے اتر گیا۔ پورس کے قد و قامت اور طرز و اسلوب سے وہ بہت متاثر ہوا۔ پہلے اُس کی خدمت میں پانی کا گلاس پیش کیا گیا۔ پھر وہ خود سکندر کی طرف آیا:

"تم کس قسم کے سلوک کے طلب گار ہو؟" فاتح نے پوچھا

"جیسا سلوک بادشاہ بادشاہوں سے کرتے ہیں۔"

صاف معلوم ہوتا تھا کہ پورس نے یہ بات بڑے بے پروایانہ انداز میں کہی تھی۔

سکندر: بالکل بجا، لیکن اور کیا چاہتے ہو؟"

راجہ: میرے پہلے جواب میں سب کچھ آ گیا۔"

فاتح اور مفتوح کے درمیان یہ بات چیت ایک افسانے کے طور پر مشہور رہی ہے اور یہ افسانہ ایشیا کی بہت سی زبانوں میں آ گیا ہے۔ سکندر اس جواب سے بڑا خوش ہوا اور اُس کی رعایا کو کامل معافی دے دی۔ جہلم کی خون آلود ریت پر اُس نے دو شہر تعمیر کیے

کا حکم دیا۔ ایک کا نام نیکائی[۱] رکھا اور دوسرے کا بیوسی فالا[۲]۔ آخری شہر اُس گھوڑے کی یادگار میں بنا جس نے سترہ سال سکندر کی رفاقت کی تھی اور اُسے یہیں دفن کیا گیا۔

عبورِ جہلم نے سلیوکس کے دل پر ایک گہرا نقش چھوڑا۔ یہیں اُسے ہاتھیوں کی قوت کا صحیح اندازہ ہوا۔ چند سال بعد وہ مغربی ایشیا کا بادشاہ بنا تو اُس نے اُسی اہتمام سے ہاتھی فراہم کیے، جس اہتمام سے بطلیموس نے جواہرات اور عورتیں جمع کی تھیں۔ سلیوکس نے پورا ایک صوبہ ہاتھیوں کے ایک گلے کی قیمت میں دے دیا تھا۔ مقدونوی بہادروں پر جنگ جہلم میں جو زخم لگ چکے تھے۔ انھیں جشن یا شہروں کی تعمیر یا نئے خزانوں کے تحفے مندمل نہ کر سکتے تھے۔

پانچویں دریا میں پہنچ کر فوج نے بغاوت کر دی۔ یہ بیاس تھا جسے پنجاب کے پانچ دریاؤں میں سے آخری سمجھنا چاہیے[۳]۔ جہلم سے بیاس تک مقدونویوں نے اڑتیس پہاڑی شہروں پر قبضہ جمایا۔ وہ بارشوں میں کوچ کرتے رہے۔ سکندر کشمیر کے پہاڑوں کے ساتھ ساتھ چلتا رہا۔ سانگلا کے قلعے پر حملے کے وقت بارہ سو آدمی زخمی ہوئے۔ وہ شمالی ہند کی سرزمینوں میں سے گزرے۔ اس سے آگے کے متعلق راجا پورس یا راجا ابھی کو بھی کچھ معلوم نہ تھا۔ آخری دریا کے پار مقدونویوں کو ہاتھیوں اور ہمالیہ کی ہر لحظہ بلند ہوتی ہوئی دیواروں کے سوا کچھ نظر نہ آتا تھا۔ سروئیروں نے بتایا کہ اُس سے آگے۔ اُس دریا کی غیر معروف زمینیں ہیں جس کا نام گنگا ہے وہ سندھ اور نیل سے بھی زیادہ بڑا ہے۔ مقدونوی سپاہیوں نے بیاس پر پہنچ کر اپنے خیموں میں مشورے کیے۔ اور سب متفق ہو گئے کہ اب وہ ایک سمت چلیں گے یعنی گھر کی سمت۔

جب افسروں نے فوجیوں کے احساسات سکندر کے سامنے پیش کیے تو اس نے مختلف لشکروں کے سالاروں کو اکٹھا کیا۔ وہ پہلے اس قسم کی نافرمانیوں کو ختم کر چکا تھا اور اُسے یقین تھا کہ اب بھی فوجیوں کو راضی کرنا مشکل نہ ہوگا۔ اگر لشکروں کے کماندار فرمانبرداری پر تیار ہو جاتے تو فوجی ساتھ دیتے۔ خواہ اُنھیں کتنی ہی شکائتیں ہوتیں۔ کمانداروں نے اُسے

۱؎ NICAEA یونانی زبان میں اُس کے معنی فتح کے ہیں۔

۲؎ BUCEPHALA

۳؎ پنجاب کا آخری دریا بیاس نہیں ستلج ہے۔ اِس لیے کہ سندھ پنجاب کے پانچ دریاؤں میں شامل نہیں۔

بتایا کہ فوجیوں کو رزم و پیکار کا خاتمہ نظر نہیں آتا۔ سکندر نے جواب دیا: "بہادروں کی محنت و مشقت کبھی ختم نہیں ہوتی۔ یہاں تک کہ محنت و مشقت ختم ہو جاتی ہے۔ کیا تم آگے بڑھنے سے اس لیے ڈرتے ہو کہ اور بربری لوگ تمہارے مقابلے پر کھڑے ہو جائیں گے؟ اگر ہم اب واپس ہو گئے تو یہ خوف ہے کہ جن قوموں کو ہم نے مطیع کر لیا ہے غیر مطیع قومیں انھیں مقابلے پر آمادہ کر دیں۔ اگر تم لوگ ختمِ جنگ کا وقت معلوم کرنا چاہتے ہو تو میں بتائے دیتا ہوں۔ یہاں سے تھوڑے فاصلے پر دریائے گنگا بہتا ہے اور اس سے ذرا آگے مشرقی سمندر ہے۔ بس وہاں پہنچ کر جنگ ختم ہو جائے گی۔"

اس نے اپنے خیال کے مطابق مشرقی دنیا کا نقشہ پیش کر دیا اور بتایا کہ سمندر کے پاس پہنچ کر بیڑا تعمیر کریں گے۔ اور ہندوستان کے اوپر سے گزر کر مصر پہنچ جائیں گے پھر لیبیا کے ساحل کے ساتھ ساتھ ہرقل کے ستونوں تک جائیں گے (جبل الطارق) اس نے یہ بھی بتایا کہ ہم نے محنت و مشقت سے کتنی بڑی دنیا فتح کر لی ہے۔ آئی اونیا کا ساحلی علاقہ، ایشیائے کوچک، فونیقیہ کا ساحلی علاقہ، مصر، لیبیا، عرب کے مختلف حصے، شام کا میدان، دوآبہ دجلہ و فرات کی سرزمین، بابل، شوش، ماذہ اور ایران کی سرزمین، باب قزوین کے آگے کی سرزمین، سطح مرتفع تک ستھیا اور ہندوستان۔ فوجیوں کے استقلال کی بدولت یہ سب کچھ حاصل ہوا ہے تھوڑا سا اور استقلال دکھائیں گے۔ تو مزید فائدے حاصل ہوں گے۔ اس نے کہا کہ ہم نے مل جل کر محنت کی ہیں تمہارے ساتھ تکلیفیں اٹھاتا رہا اور جو کچھ حاصل ہوا اس سے ہم ایک ساتھ فائدے اٹھائیں گے۔ ہمت نہ ہارو۔ ہم واپس جا کر کیا کریں گے؟ مقدونیہ میں بیٹھ کر الیریا اور تھریس کے قبیلوں سے لڑیں گے؟ جو جانا چاہتا ہے واپس چلا جائے۔ لیکن میں قسم کھاتا ہوں کہ جو میرے ساتھ رہیں گے وہ اہلِ وطن کے لیے رشک کا باعث بن جائیں گے کیا اب تک میں نے اپنا کوئی وعدہ توڑا ہے؟

وہ سمجھتا تھا کہ اس کا جواب ایک ہی ملے گا اور وہ یہ کہ ہمیں آگے بڑھنا چاہیے۔ اس نے غصے سے کہا کہ جسے یہ باتیں منظور نہیں وہ صاف صاف بتا دے انھیں اپنا دل میرے سامنے کھول دینا چاہیے۔ کوئینس نے کہا: "میں فوج کے بڑے حصے کا ترجمان ہوں اے ہمارے سپہ سالار میں آپ کا بھی ترجمان ہوں۔" سکندر نے حیرت کی نگاہوں سے اسے دیکھا۔ کوئینس

نے کہا: میں آپ کو یا فوجیوں کو خوش کرنے کے لیے نہیں کہہ رہا لیکن فوج کی پختہ رائے ہے کہ اُس کی محنت و مشقت اور خطرات کا کہیں نہ کہیں خاتمہ ہونا چاہیئے تاکہ جو کچھ حاصل ہو چکا ہے اُسے قبضے میں رکھ سکیں۔ فوج بری طرح تباہ ہو چکی ہے۔ آپ خود دیکھ سکتے ہیں کہ جو مقدونوی اور یونانی ہمارے ساتھ چلے تھے۔ اُن میں سے صرف چند رہ گئے ہیں۔ باقی یا تو جنگوں میں مارے گئے یا زخمی ہو کر کام کاج کے قابل نہ رہے یا بیمار پڑ گئے یا نئے آباد کردہ شہروں میں مرضی کے خلاف چھوڑ دیے گئے۔ بیماری بہت بڑے حصّے کو تباہ کر چکی ہے۔ اُن لوگوں کا معائنہ کیجیے جو طویل خدمات انجام دینے کے بعد اب تک زندہ ہیں۔ اُن کی حالت خراب ہے اور اصل بات یہ ہے کہ وہ ہمت ہار چکے ہیں۔ آپ نے اہلِ تھسلی کو واپس وطن بھیج دیا، اچھا کیا۔ اِس لیے کہ وہ ساتھ چلنے کو تیار نہ تھے۔

سکندر نے بے اختیار ہو کر پوچھا کہ خدا کے لیے مجھے بتاؤ تم کیا چاہتے ہو؟ کوئنس نے سر پر ہاتھ پھیرتے ہوئے کہا: "کیا چاہتے ہیں؟ ہم میں سے بہت سے ایسے ہیں، جو اپنے ماں باپ کی زیارت کے لیے مضطرب ہیں۔ دوسرے اپنے بیوی بچوں کو دیکھنے کے خواہاں ہیں۔ سکندر! اب ہمیں ہماری رائے کے خلاف آگے نہ لے جا۔ اِس لیے کہ ہم وہ نہیں رہے جو پہلے تھے۔ اگر اب ہمیں وطن لے چلو گے تو دوبارہ سکتھیوں اور قرطاجنوں کے خلاف تمھارے ساتھ آنے پر تیار ہو جائیں گے بلکہ بہت سے مقدونوی اور یونانی مل جائیں گے جو انعامات کے لیے تمھارا ساتھ دیں گے اور جنگ اُن کے لیے خوف کا باعث نہ ہو گی۔ اِس لیے کہ انھوں نے خطرات دیکھے نہ ہوں گے ——" سب نے اِن الفاظ کی تائید کی۔ سکندر غصّے میں بھرا ہوا مجلس سے اُٹھ گیا اور اپنے شامیانے میں جا بیٹھا کسی کو ملاقات کی اجازت نہ دی۔ صرف ملازم اُس کے پاس کھانا لے جاتے۔ تجربے سے وہ جان چکا تھا کہ لوگ آپس میں بات چیت کر کے ارادہ تبدیل کر لیں گے لیکن اب کے سپاہی چپ بیٹھے رہے اور اُس کے قریب نہ گئے۔ اُس نے سپاہ کے نام حکم بھیجا کہ میں تو آگے جا رہا ہوں۔ جو میرے ساتھ چلنا چاہے وہ چلے۔ اس کا کوئی جواب نہ ملا۔ فوج ہٹنے کے لیے تیار نہ تھی۔ وہ صرف ایک بات کی خواہاں تھی کہ سکندر انھیں واپس لے جائے۔

تین دن تک کشمکش کا سلسلہ جاری رہا۔ پھر سکندر نے بوڑھے مقدونوی افسروں کو

اپنے خیمے میں بلایا۔ اور خیمہ بہ خیمہ کانا پھوسی ہوتی رہی۔ وہی افسر بلائے گئے تھے۔ جو وطن کی بہبود کے سب سے بڑھ کر خواہاں تھے۔ کچھ معلوم نہیں کہ ان کے اور سکندر کے درمیان کیا بات چیت ہوئی۔ لیکن جب خیمے سے باہر نکلے تو یہ حکم لے کر آئے کہ عبورِ دریا کے لیے شگون نکالے جائیں۔ اگر شگون خلاف نکلے تو فوج کو واپسی کا حکم مل جائے گا۔ افسروں نے ایرسٹانڈر کو بلایا۔ وہ اپنی پیش گوئیوں کے صحیح یا غلط سمجھے جانے کے بارے میں بے پروا ہو چکا تھا۔ اب بیس ہزار آدمی اُسے اپنی اُمیدوں کا مرکز بنائے بیٹھے تھے۔ بطلیموس نے یاد دلایا، کہ اب تک جتنی پیش گوئیاں کر چکے ہو یہ سب سے بڑھ کر ناسازگار ہونی چاہیئے۔

چنانچہ بھیڑ ذبح کی گئی اور اُس کا جگر دیکھا گیا۔ ایرسٹانڈر نے بتایا کہ بیاس کو عبور کیا تو بہت بڑی آفت نازل ہو گی۔ یہ سنتے ہی لوگ چھلانگیں مارتے اور خوشیاں مناتے ہوئے سکندر کے خیمے کی طرف گئے۔ دروازے کے قریب پہنچ کر انھوں نے دعا کی۔ وہ سمجھ رہے تھے کہ اب مقدونیہ پہنچیں گے۔ سکندر نے بارہ ستون بیاس کے کنارے کھڑے کرنے کا حکم دیا تھا جنھیں وہ اپنی مراجعت کا نشان بنانا چاہتا تھا۔ چنانچہ وہ وہاں سے جہلم اور جہازوں کی طرف پلٹ پڑا جہاں ہفاسشن فتح کی یادگار میں نیا شہر بنوا رہا تھا۔

انیسواں باب

مغرب کی جانب مراجعت

سکندر مشرق سے واپس ہوا تو جو کچھ وہ چھوڑ آیا تھا، فوجیوں کو اُس کا پورا اندازہ نہ تھا اُسے یقین تھا کہ وہ جہاں پہنچا ہوا ہے وہاں سے ربع مسکون کی حد بہت قریب ہے اور اُس سے آگے مشرقی سمندر واقع ہے محض فتوحات یا شان و شکوہ کی کشش اُسے اتنی دور نہ لائی تھی، وہ صرف اِس لیے آگیا تھا کہ زمین کے آخری اسرار معلوم کرے، مزید برآں وہ اپنی خیالی دنیا کی شان و شوکت سے دست بردار ہو رہا تھا۔ جہاں پرناسس کی بلندیاں ہر طرف پھیلی ہوئی تھیں اور جہاں ایسے وجود آباد تھے جو حیوانوں سے بہت بالا تھے اور اُن میں اُلوہیت کے اجزا پائے جاتے تھے وہ برسوں تک کتابوں کے مطالعے میں جو عجیب و غریب خواب دیکھتا رہا تھا۔ انھیں پیچھے چھوڑے جا رہا تھا۔ اُس کا استقلال اور اُس کی بے پناہ قوتِ ارادی اِس تلاش سے وابستہ تھے اور وہ خود آخری راز تک پہنچنے کا خواہاں تھا (وہ بحرالکاہل تک نہ پہنچ سکتا تھا، جو اُس کے تخمینے سے بہت دور مشرق میں واقع تھا۔ یہ بھی ایک غیر معمولی واقعہ تھا کہ وہ بیاس تک پہنچ گیا۔ رومی لشکر اِس مقام سے اٹھارہ سو میل پیچھے تک مشکل داخل ہو سکے تھے اور مغربی ملاح دو ہزار سال بعد فوج کے ساتھ شمالی ہند میں داخل ہوئے)

سکندر آٹھ سال تک مشرق کی طرف بڑھا چلا آ رہا تھا۔ اب اِس پیش قدمی سے دست بردار ہوتے ہی اُس کی طبیعت بدل گئی۔ اُس میں جو دل خوش کن اعتماد قدم قدم پر پایا جاتا تھا، وہ ختم ہو گیا اور اُس کی جگہ اک گونہ آزردگی اور چھوٹی چھوٹی چیزوں پر توجہ نے لے لی۔ ایسا معلوم ہوتا تھا کہ کہ وہ اب اپنے گھر کو منظم کر دینا چاہتا ہے۔ غالباً اُسے یہ احساس بھی تھا کہ فوج نے وفاداری کا حق ادا نہ کیا یقیناً جس فوج کو وہ مشرق کی طرف لایا تھا۔ اُسے زیادہ مشکل راستے سے واپس لے گیا اِس لیے کہ آمد و رفت کے نئے ذریعے دریافت کرنا چاہتا تھا۔ ایک مرتبہ اُس نے کہا تھا کہ میں کبھی

مقدونوی کو اس کی مرضی کے خلاف ساتھ جانے پر مجبور نہ کروں گا لیکن وہ خود ان مقامات پر گیا جہاں چند ہی مقدونوی جانا پسند کرسکتے تھے۔

واپسی کا سفر دریا کے راستے شروع ہونے سے پیشتر کوئنیس بخار سے بیمار ہو کر مر گیا۔ اور اُسے نکائیا میں دفن کیا گیا۔ یہ شہر نیا بنا تھا اور بارشوں میں اُسے نقصان پہنچ چکا تھا۔ سکندر نے شمالی ہند کے مفتوحہ علاقوں کا انتظام نشتم پشتم کیا۔ تمام علاقے دیسی حکمرانوں کے حوالے کر دیے۔ جو علاقے دریائے سندھ کے مغرب میں واقع تھے اُن کا انتظام مقدونوی افسروں کے ہاتھ میں دے دیا۔ بیماروں اور بعض دوسرے آدمیوں کو نئے شہروں میں بسایا۔ دیسی فوجیں توڑ دیں اور سب کو انعامات دیے۔ پھر وہ دریائے جہلم کے راستے سندھ اور جنوبی سمندر کی طرف روانہ ہوا۔ جہاز کے اگلے حصے میں کھڑے ہو کر سنہری صراحی سے چڑھاوے کی شراب ہرقل آمن اور دوسرے دیوتاؤں کے نام لنڈھائی۔ پھر تُرہیوں کے ذریعہ سے روانگی کا حکم دے دیا۔ آہستہ آہستہ جہاز روانہ ہوئے۔ روانگی کے وقت ایسا شور و غل کبھی نہ سنا گیا تھا۔ سپاہی نعرے لگا رہے تھے۔ ملاح گا رہے تھے۔ دریا کے کنارے جہازوں سے اونچے تھے۔ اس لیے آوازیں کناروں سے ٹکرا کر گونجتی تھیں۔ جو ہندوستانی سکندر کی فرمانبرداری قبول کر چکے تھے وہ حیران رہ گئے اور گاتے ہوئے کنارے کنارے جہازوں کے ساتھ ساتھ جا رہے تھے۔ انھیں گانا بجانا بہت پسند تھا۔

یہ پُرجوش خوشیاں اُس وقت تک قائم رہیں۔ جب تک اُس مقام پر نہ پہنچ گئے جہاں جہلم دریائے سندھ سے ملتا ہے۔ یہاں پانی بہت تیز تھا۔ جن جہازوں کے پیندے بہت بڑے تھے اُن کو تو زیادہ نقصان نہ پہنچا۔ یہ جہاز نیارکس کی نگرانی میں فونیقی، قبرصی اور مصری جہاز سازوں نے بنائے تھے لیکن جو جہاز اتھلے تھے۔ اُن پر پانی بھر گیا۔ سکندر نے یہاں اپنی فوج کو حکم دیا کہ وہ ہندوستان کے وسطی میدان میں سے ہوتی ہوئی آگے بڑھے۔

روانگی کے وقت یہ انتظام کیا گیا تھا کہ دریائے جہلم کے دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ باربرداری کی گاڑیاں چلیں۔ ایک جانب کی کمان ہفاستشن کے سپرد تھی۔ دوسری کی کریٹرس کے۔ اس طرح ایک فائدہ یہ بھی ہوا کہ دونوں سالاروں میں کشاکش کا کوئی امکان باقی نہ رہا اب اُس نے ایک فوج آس پاس کے علاقے میں بھیج دی تاکہ جو لوگ لڑائی کے لیے تیار ہو رہے

تھے۔ انھیں منتشر کر دیا جائے۔ اسی طرح وہ صحرائے تھر کے کنارے کے قریب علاقہ ملی میں پہنچ گئے
آریان لکھتا ہے کہ اس حصّے کے لوگ بہت بہادر تھے۔ ان میں سے تھوڑے ہی حوالگی پر آمادہ
ہوئے۔

ایک مقام کو فتح کر کے آگے بڑھتے تو دوسرے مقام پر مزاحمت شروع ہو جاتی۔ اس
مسلسل مزاحمت نے اُن مقدونیوں کے دل میں تلخی پیدا کر دی جو جنگ سے تنگ آچکے تھے نئی
مشکلات نے اُن کے غصّے کی آگ بھڑکا دی۔ اور تاخیر نے انھیں اپنے سوا ہر ایک کی تکلیف
سے بے پروا بنا دیا۔ چنانچہ وہ مقابلہ کرنے والوں کو گاؤں گاؤں دوڑاتے پھرے اور اسی طرح صحرا
میں پہنچا دیا۔ جو ہاتھ آتا اُسے آناً فاناً قتل کر دیتے۔ روزنامچہ نویسوں نے یہاں پہنچ کر مختلف آبادیوں
میں قتلِ عام کا ذکر کیا ہے۔ سکندر کی عجیب حالت تھی۔ اُس کے دل میں خیال پیدا ہو چکا تھا کہ جہاں
سے گزرے مزاحمت کا کوئی نشان باقی نہ چھوڑنا چاہیے۔ بعض اوقات وہ خود حملہ آور فوج
کو لے کر نکلتا۔ ایسے ہی ایک موقعے پر اُسے سخت گزند پہنچا، جس سے فوج میں خوف کی ایک
لہر دوڑ گئی۔

وہ ایک قلعے میں داخل ہونے کی کوشش کر رہے تھے۔ سکندر نے بے صبری
کے عالم میں خود دیوار کے ساتھ ایک سیڑھی لگوائی اور اوپر چڑھ گیا۔ پیوسس ٹس اُس کے
پیچھے پیچھے تھا۔ سکندر کا خاص پہرے دار جو لڑائی والی ڈھال لیے ساتھ رہتا تھا وہ پیوسس ٹس
کے پیچھے چڑھا۔ ایک اور بہادر نے اُس کا ساتھ دیا۔ اردگرد کے برجوں سے آتش باری ہو
رہی تھی لیکن یہ چاروں دیوار پر پہنچ گئے۔ پھر سپاہیوں کا ریلا سیڑھی کی طرف بڑھا تو وہ ٹوٹ
گئی۔ سکندر نے دیوار کے اوپر بیٹھے بیٹھے آتش باری کا ہدف بننا پسند نہ کیا اور وہ اندر کی طرف
کو د پڑا۔ تینوں رفیقوں نے اُس کی پیروی کی۔ دیوار سے پشت لگا کر وہ حملہ آوروں کا مقابلہ
کرنے لگے۔ ڈھالوں کے ذریعے سے اپنے آپ کو محفوظ کر رہے تھے۔ اِسی اثنا میں ایک ساتھی
مارا گیا اور ایک تیر سکندر کے پھیپھڑے میں جا لگا جس نے اُسے زچ کر دیا۔ وہ بے بس ہو کر
گرا تو پیوسس ٹس اور خاص پہرے دار نے اُس کے جسم کے رُو بہ رُو اپنے جسموں کو ڈھال
بنا دیا۔ وہ بھی بُری طرح زخمی ہو چکے تھے۔ اِس نازک وقت میں دوسرے مقدونی سپاہی

دیوار پر سے کودے دروازہ توڑ کر اندر داخل ہو گئے۔

سکندر کو اٹھا کر باہر لائے تو خون اُس کے زخم سے باہر نکل رہی تھی۔ افواہ پھیل گئی کہ وہ مارا جا چکا ہے۔

"جس کیمپ سے وہ نکلا تھا وہاں لوگوں نے رونا شروع کر دیا۔ پھر وہ حوصلے ہار بیٹھے۔ حیران تھے کہ فوج کی قیادت اب کون کرے گا، اور وہ اپنے وطن واپس کیونکر جائیں گے۔ قوی اندیشہ تھا کہ سکندر کے خوف سے آزاد ہونے کی خبر پھیلتے ہی تمام جنگجو قومیں بغاوت پر آمادہ ہو جائیں گی۔ پھر وہ اجنبی دریاؤں سے گھرے بیٹھے تھے اور سکندر کے سوا اُن کی واپسی کا نقشہ کوئی تیار نہ کر سکتا تھا۔ جب اُنھیں معلوم ہوا کہ سکندر زندہ ہے تو انھیں یقین نہ آیا۔ اگرچہ ایک خط کے ذریعے سے اُس کی تصدیق ہو گئی تھی۔ اُنھیں اندیشہ تھا کہ فوج محافظ اور جرنیلوں نے خود خط تیار کر لیا ہے۔ جب سکندر تمام حالات کا جائزہ لینے کے قابل ہوا اور فوج کی کیفیت اُسے بتائی گئی تو اندیشہ پیدا ہوا کہ کہیں فوج بغاوت نہ کر دے۔ چنانچہ اُس نے حکم دیا کہ مجھے اٹھا کر کشتی پر پہنچاؤ۔ کشتی پر اپنی نشست کی جگہ اتنی اونچی بنوائی کہ اردگرد جو فوج کیمپ میں بیٹھی تھی اُسے خوب نظر آ جائے۔ پھر بھی اُس کے دل میں شبہ رہا کہ شاید لوگ اُسے مردہ سمجھیں۔ چنانچہ جیسے جیسے کشتی چلتی تھی وہ اپنا ہاتھ اوپر اٹھاتا تھا تاکہ فوجیوں کو اُس کے زندہ ہونے کا یقین ہو جائے۔"

اِس طرح سکندر کے زندہ ہونے کا غیر مشتبہ ثبوت مل گیا تو لوگ کیمپ چھوڑ کر کنارے پر پہنچ گئے، کشتی کے ساتھ ساتھ چلنے لگے اور پھولوں کا ہار بنا کر سکندر کی طرف پھینکنے لگے۔ کشتی کنارے لگی تو سکندر نے حکم دیا کہ گھوڑا لاؤ۔ افسروں کی التجاؤں کے خلاف وہ انتہائی کوشش سے گھوڑے پر سوار ہوا اور آہستہ آہستہ فوج میں سے گزرتا ہوا اپنے خیمے میں پہنچا۔

جب سکندر کی حالت نازک تھی اور فوج کی پیش قدمی رُک گئی تھی تو نیارکس نے مزید جہاز بنانے کا حکم دے دیا تھا۔ اُس نے سکندر کے طرزِ عمل سے سخت اختلاف کیا اور کہا آپ کی حالت اُس آدمی جیسی ہے جس پر شراب کا نشہ غالب آ چکا ہو۔ آپ لڑائی میں سخت خطرے کے اندر گھس جانے میں بھی متامل نہیں ہوتے، حالانکہ آپ کو عام سپاہیوں کی طرح خطرے میں نہ پڑنا چاہیئے۔ سکندر کو یہ نکتہ چینی پسند نہ آئی۔ پاس ہی ایک مقدونوی بہادر کھڑا تھا۔ اُس نے سکندر کے چہرے پر خفگی کے آثار دیکھے تو وطنی زبان میں کہا: "بہادروں کو بلند پایہ کارنامے انجام دینے کے لیے تکلیفیں اٹھانی ہی پڑتی ہیں۔" سکندر نے یقیناً یہ زخم اٹھا کر بڑی بھاری قیمت ادا کی تھی۔

دیر تک وہ کمزور پڑا رہا۔ جہاز میں بیٹھ کر سفر کرتا۔ دریا کے کناروں پر جو سردار رہتے تھے۔ انھوں نے وفاداری کے حلف اٹھائے معلوم ہوتا تھا کہ وہ مقامی حکمرانوں کے ساتھ دوستی کے معاہدے کرنا چاہتا ہے۔ جب اُس نے مغرب کی جانب مراجعت کا فیصلہ کر لیا نیز پھیپھڑے میں سخت زخم لگ چکا تو جو نظامِ حکومت ہندوستان کے مفتوحہ علاقوں کے لیے بنا رہا تھا، اُس سے بھی چنداں دلچسپی باقی نہ رہی۔ البتہ دریائے سندھ کو بحری راستے کے طور پر استعمال کرنے سے اُس کی دلچسپی بڑھتی گئی۔ یہ پہلا موقع تھا کہ وہ دریائی راستے کا افتتاح کر رہا تھا۔ جہاں مقام ہوتا، انجینئر کوئیں کھود لیتے اور پانی کی نالیاں بنا لیتے۔ دریاؤں کے مقامِ اتصال پر انھوں نے جہاز سازی کے کارخانے قائم کر دیے۔ یونانی بُت تراشوں نے ہندوستان کے فنِ تعمیر کا مطالعہ کیا اور دستکاری کے نمونے یہاں چھوڑ گئے۔ انسانی جسم اور چہرے کے عمدہ نمونوں کی پیروی ہندوستانی فن کاروں میں نسل در نسل جاری رہی یہاں تک کہ بودھوں کے آخری دور میں یہ نمونے ایک خاص شکل اختیار کر گئے اور وہی نمونے وسطِ ایشیا سے مشرقی جانب انگکور تک پھیل گئے۔ فوج کے ساتھ جو سائنس دان تھے انھوں نے نئی غذائی جنسوں، کھانڈ، زعفران اور چاول کے متعلق حالات معلوم کیے۔ ہیئت دانوں نے اپنے مشاہدات کا مقابلہ ہندوستانی ستارہ شناسوں کے مشاہدات سے کیا۔ طبیبوں نے ایک دوسرے سے بخار اور طاعون کے علاج کے طریقے سیکھے۔

وہ دریائے سندھ پر ایسی جگہ پہنچ گئے جہاں اس کی چوڑائی میلوں تک تھی۔ یہاں انھوں نے دریا کے دیوتا آمن رع، اہورا اور سورج دیوتا کے نام پر قربانی کی۔ پانی اور سورج سالہا سال سے اُن کے سامنے رہا تھا اور وہ صحرا بھی جس میں پانی بالکل نہ تھا اور سورج کی حدت نے اُسے جلا رکھا تھا۔ نوجوان مقدونوی اور طبعی قوتوں سے مقابلہ کرتے رہے تھے۔ یونانیوں نے مدت سے ایتھنیا کی سنہری مورتی نہ دیکھی تھی۔ ایشیا جیسے وسیع ملک میں جو انسانوں سے بھرا پڑا تھا، سنگ مرمر کے اُس زمانہ مجسمے کی یاد بالکل لغو معلوم ہوتی تھی جو برچھی لیے پارتھینان کی سیڑھی پر کھڑی تھی جو عورتیں اُن یونانیوں کے ساتھ چلی آ رہی تھیں۔ اُنھیں ایتھنیا کے متعلق کچھ معلوم نہ تھا۔ چلتے چلتے صحرا کی جگہ جنگل نمودار ہو گیا۔ سکندر اپنے جہاز میں پلنگ پر لیٹا رہتا۔ اُسے کبوتر اور گدھ نظر آنے لگے۔ یہاں اُسے یہ خیال نہ آ سکتا تھا کہ زیوس ہی اس زمین اور ان لوگوں کا خالق ہے۔ یہاں کے لوگوں کے خیالات پر صحرائے مصر کے آمن رع، بابل برجوں کے مردوخ اور مقابر پرسی پوس کے اہورا مسلّط تھے۔ ان مشرقی صحراؤں ہمیشہ جلتی ہوئی آگ اور سورج کی گرمی سے عظیم الشان دیوتا پیدا ہوئے۔ جن کے بیٹے بار بار قربان ہوتے رہے لیکن وہ مرے نہ تھے۔ ان ایشیائی دیوتاؤں میں عقاب کے پر ایک نشان تھے۔ یہ پر زمین کی سطح سے اُٹھ کر عرش پر پہنچتے تھے۔

سکندر نے یہاں پرناسس تو نہ دیکھا تھا اور زندگی کے غیر مرئی محرک کا بھی اُسے کوئی نشان نہ ملا لیکن اس سفر کے ذریعے سے اُس نے ایک ایسی حرکت پیدا کر دی تھی جس کا اُسے خیال نہ تھا اُس کی آمد سے پہلے مذاہب ایک دوسرے سے بے تعلق تھے۔ زیوس کے مندر یونانی نو آبادیوں سے آگے نہ بڑھے تھے۔ آمن رع کے مندر وادیٔ نیل تک محدود تھے۔ اہورا کے آتش کدے کوروش کی سرزمین میں صرف پہاڑوں کی چوٹیوں پر پائے جاتے تھے۔ مقدونیوں کی آمد نے ان مذاہب کے درمیان ربط ضبط پیدا کر دیا۔ مندروں اور خانقاہوں کے درمیان جو دیواریں حائل تھیں وہ ٹوٹ گئیں۔ جس طرح قوموں کی درمیانی حدیں ٹوٹی تھیں، اُسی طرح مذاہب کے درمیان خیالات کی حدیں ٹوٹ گئیں۔ خیال بدلے نہ تھے لیکن نئے تصوّرات نے اُن میں وسعت پیدا کر دی تھی۔ مغرب کے پرانے تصوّرات مشرق ہی سے حاصل کیے گئے تھے لیکن ان کے وسائل و ذرائع فراموش ہو چکے تھے۔ اب مغربی قلوب و افکار نے مشرق سے براہِ راست رابطہ پیدا کر لیا تھا۔ اور خیالات کی

وسعت عالمگیری اختیار کر چکی تھی۔

دریائے سندھ پر جو بیڑا جنوب کی طرف جا رہا تھا اس پر یونانی فلسفی زیادہ تعداد میں سوار نہ تھے۔ کلیستھنیز کے واقعہ کے بعد ان کی گنتی گھٹ گئی تھی۔ البتہ تھیز کے ریاضی دان بابل کے ستارہ شناس اور مجوسی موجود تھے۔ اب ان میں ہندوستانی جوگی بھی شامل ہو گئے تھے۔ ان جوگیوں میں سے ایک نے جس کا نام مقدونیوں نے کیلی ناس[1] بتایا ہے۔ سکندر کے ساتھ جانے پر آمادگی ظاہر کی۔ یہ بوڑھا آدمی تھا اور کھانے کے ایک برتن یا چٹائی کے سوا اس کے پاس کچھ نہ تھا۔ وہ چٹائی پر بیٹھ جاتا اور جب کھانے کی ضرورت پیش آتی، برتن سامنے رکھ لیتا تاکہ اس میں کھانا ڈال دیا جائے۔ یہ ضرورت بہت کم پیش آتی۔ پھر اس کی خواہش یہی ہوتی کہ اسے تنہا چھوڑ دیا جائے۔ البتہ سکندر اس کے پاس آتا تو اس سے بات چیت کر لیتا۔ ایسے موقعوں پر بھی وہ شاذ ہی مقدونیوں کی تعریف کرتا تھا ایک مرتبہ سکندر سے کہا: تم نے بہت کچھ حاصل کیا اور بہت کچھ تباہ کیا۔ دیکھو تم نے کیا پہن رکھا ہے۔ اپنے متعلق ڈرتے رہو۔ یاد رکھو یہ ہتھیار یہ دولت، یا یہ قبضے میں لائے ہوئے جانور تمھیں زندگی نہ دے سکیں گے۔

مقدونیوں کا احساس یہ تھا۔ کہ کیلی ناس جیسے مشیر کی حیثیت حاصل ہو گئی ہے۔ بدشگونی کی باتیں کہتا ہے۔ بے شک وہ بدھی (الہام) کا دعوے دار تھا۔ وہ یہ بھی کہتا تھا کہ انسان دوبارہ پیدا ہو سکتا ہے۔ موت کے بعد زندگی حاصل کر سکتا ہے۔ اگرچہ ان باتوں پر مقدونیوں کا یقین نہ تھا۔ کیلی ناس یہ بھی بتاتا تھا کہ مردوں کے سائے اس تاریک خطے میں زیادہ دیر تک نہیں ٹھہرے رہتے جو موت اور زندگی کے درمیان واقع ہے۔

ایک مرتبہ سکندر نے کیلی ناس سے پوچھا: "بھلا تم ہمارے ساتھ کیوں آئے ہو؟" کیلی ناس کی پیشانی پر شکنیں نمودار ہوئیں اور جواب دیا: "بتاؤ تم یہاں کیوں آئے؟ تمھیں چاہیے تھا کہ اپنی سلطنت میں ٹھہرے رہتے اور لوٹ مار کے لیے اس کی حدوں پر نہ دوڑے پھرتے۔"

کیلی ناس کا خیال تھا کہ سکندر مقدونیہ اپنی مرضی سے نقل و حرکت نہیں کر رہا۔ یونانی فلسفی بتاتے کہ یہ تو تقدیر کا نظریہ پیش کر رہا ہے لیکن سکندر دیکھتا تھا کہ خود کیلی ناس تقدیر سے

---

[1] ا۔ KALYNAS

بالکل نہیں ڈرتا۔ فوج کا عام خیال یہ تھا کہ یہ ہندوستانی جوگی ایک قسم کی بولتی ہوئی ممی یا ہڈیوں کا ایک ڈھانچہ ہیں لیکن وہ کیلی ناس پر متعجب ضرور تھے۔

چلتے چلتے وہ توقع سے پیشتر سمندر کے کنارے پہنچ گئے۔ مقدونوی اگرچہ سفروں کی مشکلات کے عادی ہو چکے تھے لیکن سمندر نے اُن پر نئی دہشت پیدا کر دی۔ وہ دریائے سندھ کے ڈیلٹا پر خاصا وقت گزار چکے تھے۔ جہاں دریا کئی شاخوں میں بٹ کر سمندر میں داخل ہوتا تھا ہفائسشن نے پٹالا[1] کے مقام پر ایک مستقل بحری مرکز بنانا شروع کر دیا۔ سکندر کی صحت اب اچھی ہو چکی تھی۔ چنانچہ وہ بڑے جہازوں کا ایک بیڑا لے کر دریا کی ایک شاخ کے حالات معلوم کرنے کے لیے نکل پڑا۔ معلوم ہوتا ہے کہ ڈیلٹا کی زمینوں میں صرف بربری قبیلے آباد تھے۔ بیڑے میں نہ تجربہ کار ملّاح موجود تھے اور نہ یہ علم تھا کہ آگے کیا کچھ پیش آنے والا ہے۔ اُنیسی کریٹس بیڑے کا کپتان تھے۔ روزنامچے میں وہ اپنے آپ کو امیرالبحر کہتا ہے۔ اُسے ہرگز معلوم نہ تھا کہ سمندر کے پاس پہنچ کر لہریں بہت زوردار ہو جائیں گی۔ چنانچہ دریا کے دہانے پر بیڑا پانی کی نذر ہونے والا تھا۔ مقدونیوں کو ایسا معلوم ہوا کہ بہت بڑی لہر تیزی سے اُن کی طرف آئی ہے اور یہ کسی طبعی حرکت کا نتیجہ نہیں۔ جب وہ حالات کی دیکھ بھال کے لیے لنگر انداز ہوئے تو جزر کا دور شروع ہو گیا اور اُن کے جہاز کیچڑ میں پھنس کر رہ گئے۔

مقدونوی ابھی اپنے آپ کو حالات کے مطابق نہ بنا سکے تھے —— بحیرہ روم میں انھیں اس قسم کی لہروں کا تجربہ نہ ہوا تھا —— کہ مد شروع ہوا اور لہروں نے لنگر انداز جہازوں کو تھپیڑے مار کر اندر کی طرف دھکیل دیا۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ سمندر اُن کے خلاف غیظ و غضب کا اظہار کر رہا ہے لیکن مقامی باشندوں نے بتایا کہ لہروں کا مد و جزر انسانوں سے بے پروا ہو کر مسلسل اسی طرح جاری رہتا ہے۔ سمندر کے دہانے پر انھوں نے اتنی بڑی بڑی مچھلیاں دیکھیں جو پہلے کبھی اُن کی نظروں سے نہ گزری تھیں۔

سکندر اپنا جہاز لے کر سمندر میں پہنچ گیا۔ شاید اُس کے دل میں یہ خیال تھا کہ کہہ سکے گا

---

[1] PATALA مصنف نے لکھا ہے کہ اسی مقام پر بعد میں حیدرآباد آباد ہوا لیکن یہ دعویٰ مترجم کے نزدیک محلِ نظر ہے۔ اس لیے کہ دریائے سندھ کا بہاؤ بار بار بدلتا رہا ہے اور وہ ابتدائی دور میں موجودہ حیدرآباد سے بہت دور مشرقی سمت میں بہتا تھا۔

اُس نے سمندر میں جہاز رانی کی یا ممکن ہے وہ ساحل کا معائنہ کرنے کا خواہاں ہو۔ وہاں اُسے تازہ ہوا ملی مطلع صاف تھا۔ دونوں چیزیں برکت کا نشان تھیں۔ چنانچہ اُس نے سمندری دیوتاؤں کے نام پر چڑھاوے چڑھائے سنہری برتن پانی میں پھینکے تاکہ اُس کا بیڑا سفر میں کامیاب ہو۔ وہ پہلے سے طے کر چکا تھا کہ پرسی پولس واپس جاتے ہوئے سمندر کے اس غیر معلوم ساحل کی تفتیش کرے گا اور یہ ارادہ بالکل طبعی تھا۔ وہ جنوبی سمت میں سمندر پر پہنچا تھا اور کوئی ہندوستانی ملاح اُسے نہ بتا سکا تھا کہ مغربی جانب کیا ہے۔ صرف اتنا معلوم ہو سکا کہ عربوں کے جہاز وقتاً فوقتاً دریائے سندھ کے دہانے پر آتے ہیں اور اپنے ساتھ مسالے، ہاتھی دانت اور موتی لاتے ہیں۔ یہ واضح تھا کہ مغربی جانب دجلہ اور فرات کے پانی بھی کسی جگہ سمندر میں گرتے ہوں گے اور اُن سے آگے عرب واقع ہوگا۔ اور آگے بڑھیں گے تو مصر کا سُرخ ساحل آ جائے گا چنانچہ اُس نے طے کر لیا کہ بیڑا ساحل کے ساتھ ساتھ دجلہ کے دہانے تک جائے گا لیکن سب لوگ بتاتے تھے کہ ساحلی علاقہ سراسر بنجر اور صحرائی ہے اور مقدونوی جہازوں پر صرف تین روز کے لیے پانی یا کھانا رکھا جاتا تھا۔ نیز معلوم ہوا کہ اگر کسی طوفان میں بیڑا تباہ ہو جائے گا تو ملاحوں کو بنجر ساحل پر اترنا پڑے گا۔

مقدونویوں نے پہلے کبھی سمندر میں سفر کا تجربہ نہ کیا تھا۔ اور غیر معلوم ساحل کے ساتھ ساتھ جہاز رانی کے تذبذب میں نیلے پانی پر سفر کے طبعی خطرات نے اضافہ کر دیا تھا لیکن سکندر اپنے دل میں ارادے کو پورا کرنے کا فیصلہ کر چکا تھا۔ وہ جانتا تھا کہ ربع مسکوں کے جنوبی کنارے شکل کے متعلق یقین حاصل ہو جائے اور نیارکس سے اُس نے کہا کہ جہازوں کی کمانداری کے لیے کسی کو نامزد کر دیا جائے۔ نیارکس نے غور و فکر کے بعد کہا: "ایسے لوگ بھی ہیں جنھیں جہازوں کا علم مجھ سے زیادہ ہے۔ اور ایسے لوگ بھی ہیں جو زیادہ تجربہ کار قائد ہیں لیکن میں سمجھتا ہوں کہ اس بیڑے کی کمان مجھے ہی سنبھالنی چاہیے۔" سکندر کچھ دیر تذبذب میں پڑا رہا۔ پھر اس تجویز سے اتفاق کر لیا اور نیارکس سے کہا کہ اِس مشکل کام کو سرانجام کرنے کے لیے کوئی ایسا آدمی نہیں جس پر تم سے بڑھ کر بھروسا کیا جا سکے۔

یہ بڑا اچھا انتخاب تھا یونانی تخیّل نے جتنے خطرات اِس بحری سفر کے سلسلے میں پیش

کیے تھے۔ اُن کے پیشِ نظر کریٹ کے اُس جہاز ران کو کمان سونپنا بہت اچھا تھا جو ہر قسم کے افکار سے آزاد تھا۔ سکندر کو بڑیں ہانکنے والے اُنیسی کریٹس پر بھروسا نہ رہا تھا۔ اس سفر کی تیاریاں مکمل کر لی گئیں اور طے ہو گیا کہ بیڑے کے ساتھ ساتھ فوج کنارے کنارے خشکی پر چلے۔ چونکہ مختلف اقوام کا وہ ہجوم عظیم جو اس کے ساتھ تھا اکٹھا صحرائی علاقے میں سے نہ گزر سکتا تھا لہٰذا سکندر نے فوج کا بڑا حصہ نیز باربرداری کی گاڑیاں اور افسروں کے کنبوں کو سہل راستے سے بھیج دیا جو جھیل ہمند کے پاس سے جاتا تھا اور باختر کے جنوب کی پہاڑیوں میں سے گزرتا تھا۔ کریٹیرس کو اس کی کمان سونپی اور یہ بھی کہہ دیا کہ کہیں ضرورت پڑ جائے تو فصلیں کاٹ کر لے۔ اور ریوڑوں کو چراتا ہوا ایرانی سطح مرتفع کے جنوب میں ساتھ آ ملے (حقیقت یہ ہے کہ کریٹیرس نے بڑا لمبا چکر لگایا لیکن وہ صحرائی علاقے سے بچتا ہوا نکل گیا اور مقررہ مقام پر سکندر سے جا ملا)

جو لشکر ساحل کے ساتھ ساتھ جانے کے لیے تجویز ہوا اُس کی تعداد سکندر نے بارہ ہزار سے چودہ ہزار تک رکھی۔ اگریانی اور سوار تیر انداز نیز سکندر کی محافظ فوج وغیرہ اجزا اس میں شامل تھے۔ اسے گدروسیا (مکران) کے صحرا میں سے گزرنا تھا اور سکندر خود اس کے ساتھ روانہ ہوا۔ یہ صحیح نہیں کہ مکران میں سے سکندر کے گزرنے کی ایک خاص وجہ تھی اور وہ یہ کہ افسانوی سمی رامیس کے سوا کسی نے یہ کارنامہ انجام نہ دیا اور سکندر یہ کارنامہ انجام دینا چاہتا تھا۔ یہ بھی غلط ہے کہ جس فوج نے بغاوت کی تھی وہ اُسے سزا دینے کا خواہاں تھا۔ واقعہ یہی ہے کہ اُس نے بیڑے کو ایک خاص مقصد کے لیے بھیجا تھا۔ اور صحرا میں سے ایک فوج گزارنا اِس وجہ سے ضروری ہو گیا تھا کہ بیڑے کو مدد ملتی جائے۔ یقیناً اسے مکران میں سے گزرنے کے خطرات کا ایک حد تک علم ہو گیا تھا لیکن پورا علم قطعاً نہ تھا۔ ایک سپاہی نے بہت صحیح کہا کہ سکندر نے ایشیا میں جتنی بھی تکلیفیں جابجا اٹھائیں ان میں سے کوئی بھی تکلیف مکران میں سے گزرنے کا مقابلہ نہ کر سکتی تھی۔

سکندر کے ساتھ رہبر بھی تھے اور اُس نے رسد کا بھی انتظام کر لیا تھا۔ جب جہازوں کی روانگی کے لیے ہوا موافق ہو گئی اور وہ خود بھی ٹپالہ سے چلا تو معلوم ہوا کہ عورتوں، نومولود بچوں، پیشگوؤں، کاہنوں، لباطیوں اور طالع آزماؤں کا ایک مستقل لشکر ساتھ ہے۔ اِس موقع پر اُس نے

غیر مضافاتی آبادی کو الگ کرنے کی کوشش نہ کی۔ ایک مہینے کے اندر اندر وہ سب مصائب میں مبتلا ہو گئے۔ بربری قبائل نے حملے شروع کر دیے اور جو گاؤں انھیں جا بجا راستے میں ملے ان میں خوراک کا کوئی سامان نہ تھا۔ انھوں نے کناروں پر چند کنوئیں کھودے۔ نیز غلے اور سوکھے ہوئے گوشت کے ذخیرے جا بجا رکھ دیے۔ یہ سب کچھ نیارکس اور ملاحوں کے لیے تھا۔ ایک دریا کے دہانے پر نیا سکندریہ بھی تعمیر کیا۔ لیکن جو لوگ لشکر کے ساتھ ساتھ آ رہے تھے وہ تمام ذخیروں کو چٹ کر گئے۔ اگرچہ موسم گرم نہ تھا، تاہم جس منطقے میں وہ پہنچے تھے۔ وہ سر تا سر گرم تھا اور جانوروں کے لیے چارے کا کوئی ذریعہ نہ تھا۔

مکران اگرچہ بنجر تھا۔ نہ اس میں کہیں سڑک تھی اور نہ شہر تاہم اس کی فضا ایک نادیدہ خوشبو سے لبریز تھی:

> انھیں جا بجا ربلوے کے درخت ملے اور جو فونیقی ساتھ تھے وہ بالچھڑ کی جڑیں اکٹھی کرنے لگے۔ جن میں سے نہایت دل پسند خوشبو آتی تھی۔ ان جڑوں پر چلنے والے کا پاؤں پڑتا اور وہ ذرا کچلی جاتیں تو ہوا خوشبو سے بھر جاتی۔ تیج پات کے درختوں میں پھول نکلے ہوئے تھے۔ جو سفید بنفشے کے پھولوں جیسے تھے۔ ایک جھاڑی ایسی ملی جس میں سخت اور تیز کانٹے تھے سوار کا دامن اُن کانٹوں سے الجھ جاتا تو وہ گھوڑے سے نیچے آ گرتا۔

اس برہنہ میدان میں سے گزرتے ہوئے ریت کے ٹیلے آ گئے جن پر چڑھنا مشکل تھا سپاہیوں نے ان کا نام مٹی کے تودے رکھا۔ دن کی گرمی سے بچنے کے لیے رات کے وقت کوچ کیا جاتا۔ صرف یہ امید انھیں آگے لیے جاتی کہ صبح کے وقت پانی کے کسی ذخیرے پر پہنچ جائیں گے اس مصیبت خیز سفر میں پھر ایک مرتبہ فوج سکندر سے بگڑ بیٹھی بعض دستوں کو غلے کے بورے دے کر ساحل پر بھیجا گیا کہ بیڑے کو ان کی ضرورت ہو گی۔ آدمی خود غلہ لے کر کھا گئے۔ سکندر بوروں میں غلہ بند کر کے اوپر اپنی مہریں لگاتا۔ لیکن سپاہی مہریں توڑ لیتے۔ رات کے وقت بار برداروں کی گاڑیاں توڑ ڈالتے اور کہہ دیتے کہ چلتے چلتے ٹوٹ گئیں۔ گاڑیوں میں کھانے کی جو چیزیں ہوتیں کھا لیتے اور لکڑی سے ایندھن کا کام لیتے۔ پھر انھوں نے گاڑیاں کھینچنے والے جانوروں کو کھانا شروع

کیا حالانکہ اِس طرح وہ اپنے ہی گزر اوقات کا سامان برباد کر رہے تھے۔ سکندر کو ان باتوں کا علم تھا لیکن اس نے سرکاری طور پر اس کا نوٹس لینا مناسب نہ سمجھا۔ اِس صحرائی علاقے میں سے عبور سپہ سالار اور فوج کے درمیان قوت ارادی کا امتحان بن گیا تھا۔ سپہ سالار ہرگز مراجعت کے لیے تیار نہ تھا اور فوج نے اُسے مراجعت پر مجبور کر دینے میں کوئی کسر اُٹھا نہ رکھی تھی۔ ساحل کے ساتھ ساتھ رسد کے ذخیرے محفوظ کر دینے میں وہ ناکام رہا تھا اور نیارکس کے بارے میں اسے کوئی خبر بھی نہ ملی۔ کر ایٹیرس سینکڑوں میل دور تھا۔ لیکن جس خطے میں سے وہ گزر رہا تھا، اس کے زرخیز ہونے میں شبہ نہ تھا۔ بہرحال سکندر نے ساحل کے ساتھ ساتھ سفر جاری رکھا۔ پھر سامنے ایک پہاڑ آ گیا جس کے متعلق اسے علم نہ تھا۔ اور وہ ساحل سے ہٹ کر ملک کے اندر کی طرف مڑنے کے لیے مجبور ہو گیا۔

ایک روز وہ لوگ ایک نالے میں ٹھہرے۔ یکایک پہاڑوں پر خوفناک بارش شروع ہو گئی نالہ پانی سے بھر گیا۔ اِس طغیانی میں بہت سی عورتیں اور لڑکے جا کر ڈوب گئے۔ سامان بھی بہہ گیا۔ بیشتر سپاہی اسلحہ کے ساتھ ڈھلوان کناروں پر چڑھ گئے لیکن اگلے روز خاصی تعداد میں مر گئے۔ اس اِس لیے کہ دیر تک پیاسے رہنے کے بعد وہ گدلا پانی کثرت سے پی گئے تھے۔ بیماروں کے لیے سواری کا انتظام غیر ممکن ہو گیا اس لیے کہ سواریاں ہی باقی نہ رہی تھیں:

> چنانچہ بہت سے لوگوں کو راستے پر جا بجا چھوڑنا پڑا۔ وہ یا تو اتنے بیمار تھے کہ ساتھ نہ جا سکتے تھے یا حد درجہ تھک گئے تھے یا گرمی اور پیاس نے ان پر غلبہ پا لیا تھا۔ ان کی دیکھ بھال اور تیمارداری کے لیے بھی کسی کو چھوڑا نہ جا سکتا تھا۔ اِس لیے کہ فوج ٹھہر نہ سکتی تھی۔ خواہ پیچھے رہنے والوں کا حشر کچھ ہوتا چونکہ سفر عموماً رات کے وقت ہوتے تھے۔ اِس وجہ سے جو لوگ نیند سے مجبور ہو کر راستے سے سو جاتے اور اُٹھتے تو صحیح راستہ نہ پاتے اور ان کی وہی حالت ہوتی جیسے کوئی جہاز سمندر میں اپنا راستہ کھو بیٹھے۔

اب رہبروں کو بھی راستے کی کچھ خبر نہ تھی۔ وہ سمندر سے دور ہٹ چکے تھے۔ ہندوستان واپس جانے کا سوال خارج از بحث تھا۔ افسر اپنی سمت و جہت کا فیصلہ رات کے وقت دُبِ اکبر کو دیکھ

کر کرتے۔ اس طرح سمت تو متعین ہو جاتی لیکن معلوم نہ ہوتا کہ انھیں جانا کس طرف ہے۔ سکندر نے فیصلہ کیا کہ بائیں جانب رُخ رکھنا چاہیئے تاکہ بیڑے کو تلاش کیا جا سکے۔ اسے ہر وقت بیڑے ہی کا خیال رہتا۔ لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ مکران سے گزرتے وقت سکندر دوسرے آدمیوں کے ساتھ پیدل چلتا اور جتنا وہ کھاتے پیتے اتنا ہی خود کھاتا پیتا۔ جب وہ دوبارہ سمندر کے کنارے پہنچ گئے تو انھوں نے کنارے کے قریب کنوئیں کھودے لیکن کیمپ کنوئیں سے دور لگوایا اور اس پر پہرے کھڑے کر دیے۔ مبادا آدمی پیاس سے بے تاب ہو کر اتنا پانی نہ پی جائیں کہ مر جائیں یا پانی گدلا کر دیں جو پینے کے قابل نہ رہے۔ سمندر پر پہنچ کر اُن کے حوصلے بڑھ گئے لیکن ساحل کو ساتھ ساتھ چلنا ممکن نہ تھا۔ پھر وہ ملک اندر ایک شہر میں پہنچے جس کا نام "پورا"[1] تھا۔ وہاں انھیں غلہ بھی ملا، گوشت بھی اور کھجوریں بھی۔ پھر جنوبی ایران میں اس مقام پر پہنچ گئے، جو اجتماع کے لیے پہلے سے مقرر ہو چکا تھا یعنی گلاس کرد[2]۔

بیان کیا جاتا ہے کہ وہ شہر میں داخل ہوئے تو گاڑیوں میں بیٹھے ہوئے گلدستے ہلا رہے تھے اور شراب پی رہے تھے۔ کہتے تھے کہ یہ سب کچھ دیوتی سوس کے اعزاز میں کر رہے ہیں جس نے راستہ دکھایا۔ حقیقت یہ ہے کہ فوج زخم کھاتی ہوئی پہنچی تھی اور اس کی تعداد گھٹ گئی تھی۔ شہر میں شراب ملی تو سپاہی پی کر بدمستیاں کرنے لگے۔ سکندر کی حالت بھی یہی ہوئی۔ کریٹیرس بڑی شان سے پہنچا۔ ہاتھیوں کی قطار ساتھ تھی۔ وہاں ٹھہر کر دوسرے آنے والوں کا انتظار کرنے لگے لیکن نیارکس اور اس کے بیڑے کے متعلق مایوس ہو چکے تھے۔ فوج محض اتفاق کی بنا پر پہنچی تھی۔ سب کو یقین تھا کہ نیارکس کو کھانے پینے کا سامان نہ ملا ہوگا تو اس کے ساتھی زندہ کیوں کر رہے ہوں گے۔ بیڑے کے نقصان نے سکندر کو سخت غمزدہ بنا دیا اور وہ گلاس کرد چھوڑنے کے لیے تیار نہ ہوا۔ مہینے گزر گئے۔

ایک مرتبہ بیڑے کے دیکھے جانے کی افواہ پھیلی لیکن کوئی ایسا شخص نہ ملا جو بتا سکتا کہ اس نے جہاز دیکھے ہیں۔ سکندر کو جہازوں کے متعلق پہلی خبر اس وقت ملی جب دو گاڑیاں

1ء PURA یہ مقام جنوبی و مشرقی ایران میں تھا۔

2ء GULASKIRD

اس کے مستقر پر پہنچیں اور ان میں نصف درجن آدمی مفرور تھے۔ گاڑیاں چلانے والوں نے بتایا کہ یہ آدمی سڑک پر گھوم رہے تھے۔ چونکہ یہ یونانی بولتے تھے اور سکندر کا نام لے رہے تھے اس لیے ہم انھیں یہاں لے آئے۔ وہ صرف ہڈیوں کے ڈھانچے رہ گئے تھے۔ سمندر کا کھاری پانی پیتے رہے تھے اور بال چہروں پر فرش کی طرح بچھے ہوئے تھے۔ گاڑی والوں نے بتایا کہ ہم نیارکس کا پتا لگا رہے تھے۔ انھوں نے کہا ہمیں سکندر کے پاس پہنچاؤ اور ہم انھیں لے آئے۔ ان میں سے ایک ڈھانچہ بولا: میں نیارکس ہوں اور میں آپ کو بیڑے کا حال سناؤں گا۔ پھر ساتھ کے ایک آدمی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے بتایا۔ یہ آرکیاس ہے۔

سکندر کو چند لمحے بعد یقین آیا۔ پھر وہ بولا: "نیارکس! میں شکر ادا کرتا ہوں کہ تم لوگ زندہ رہے اب بتا جہازوں اور دوسرے لوگوں پر کیا گزری؟" نیارکس بڑی مشکل سے سوال کو سمجھ سکا اور بولا: تمام جہاز اور ملاح دریا پر کھڑے انتظار کر رہے ہیں اور جہازوں کی مرمت ہو رہی ہے ہمیں آپ کا کوئی سراغ نہ مل سکا۔"

اس رات سکندر نے تمام دیوتاؤں کے نام پر قربانیاں کیں۔ فوج شعلیں لے کر نکلی نیارکس سب سے آگے تھا۔ اسے ہار پہنا رکھے تھے۔ لڑکیاں پھول لے کر اس کے اردگرد رقص کر رہی تھیں۔ بانسریاں بج رہی تھیں اور قہقہے لگ رہے تھے۔ سکندر اس وقت تک نہ سویا جب تک جنوبی سمندر میں سے راستے کے تمام حالات نیارکس سے سن نہ لیے۔ نیارکس زیادہ باتیں کرنے کا خوگر نہ تھا اس وجہ سے سکندر کو ہر بات کے متعلق پوچھنا پڑتا تھا۔ نیارکس سوالوں کے جواب بے تکلفی سے دیتا جاتا۔ اور اس نے جو فاصلہ طے کیا تھا۔ اس کا پورا ریکارڈ اپنے پاس رکھا تھا۔ جو ستارے رات کو دیکھے تھے۔ ان کے بارے میں سب کچھ لکھ لیا تھا۔ بلکہ روزانہ دوپہر کے وقت سایہ کی لمبائی بھی قلمبند کر لی جاتی تھی۔ راستے میں جو راسیں یا جزیرے یا بندرگاہیں آئیں، ان کے نام بھی درج کر لیے تھے۔ اس قسم کی تمام تفصیلات سکندر کو بتا دیں۔ اسے ساحل کے تمام حالات کا معائنہ کر لینے کا حکم ملا تھا اور اس حکم کو اس نے پورا کر دیا تھا۔ سکندر نے پوچھا کہ راستے میں غذا بھی ملی؟ نیارکس نے جواب دیا کہ روانگی کے بعد صرف ایک جگہ غلے کی خاصی مقدار مل گئی تھی اور روٹیاں بھی موجود تھیں۔ پھر پوچھا کہ آدمیوں کی کیفیت کیا رہی؟ انھوں نے سمندر کا سفر تو کبھی کیا نہ تھا۔

نیارکس نے جواب دیا جو لوگ بہت ڈر گئے تھے انھیں کنارے پر اتار دیا۔ پھر جب اندیشہ پیدا ہُوا کہ لوگ کہیں بھاگ نہ جائیں تو میں جہازوں کو کنارے سے بہت دور ٹھہراتا۔ ملاح بھوک کے باعث کمزور ہو گئے تو انھیں خوراک کے سوا کوئی خیال ہی نہ رہ سکتا تھا۔

اب سوال ہُوا کہ اتنی مدّت تک غذا کے بغیر گزارا کیوں کر کیا؟ نیارکس نے بتایا کہ جو ذخیرہ ہمیں مل گیا تھا وہ ختم ہو گیا تو ہم وقتاً فوقتاً کنارے کے قریب آجاتے اور بالوں والے گھرومیوں کے دیہات سے روٹی، کھجوریں اور میوے حاصل کر لیتے۔ ان جنسوں کے لیے ہمیں لڑنا پڑتا۔ پھر ماہی خوروں کا ساحل آگیا جو ایک ہزار ایک سو پچھتر میل لمبا تھا۔ وہاں ہم نے لوگوں کو خشک مچھلی غذا کے طور پر استعمال کرتے دیکھا۔ ہم نے بھی اس کی نقالی کی اور مچھلیوں کے علاوہ بحری چوہوں، بحری صدفیوں، کیکڑوں اور گھونگوں سے کام لیتے رہے۔ جب جزر کا وقت آتا تو سمندر کے کنارے جہاں جہاں پانی کے جوہڑ رہ جاتے ہم ان میں سے مچھلیاں پکڑ لیتے۔ پھر ہم گوبھی کی قسم کی ایک چیز کھانے لگے جو تاڑ کے درختوں کی چوٹیوں پر نظر آتی تھی۔ البتہ پانی ہمیں اکثر نہ ملتا لیکن اگر کنارے پر کنوئیں نہ کھودتے تو ملک کے اندر چلے جاتے اور کہیں نہ کہیں سے تھوڑا بہت پانی مل ہی جاتا۔

خطرات کے متعلق سوال ہوا تو نیارکس نے بتایا سب سے بڑی مصیبت یہ آئی کہ اچھی لکڑی کے بغیر جہازوں کی مرمت نہ ہو سکتی تھی۔ پھر جزیرہ زیدؔ[1] کے پاس پہنچے۔ ہمیں بتایا گیا تھا کہ جو آدمی اس جزیرے میں اترتا ہے۔ وہاں کی ملکہ اسے اپنے پھندے میں پھانس لیتی ہے۔ اس سے تمتع حاصل کرتی ہے۔ پھر مچھلی بنا کر سمندر میں پھینک دیتی ہے۔ وہاں سے گزرے تو ایک جہاز غائب ہو گیا۔ ایک ملاح کا خیال تھا کہ گم شدہ جہاز شاید اس جزیرے میں جا پہنچا اور اس کے آدمی زیدؔ کے فریب کا شکار ہو گئے لیکن میں (نیارکس) ایک کشتی لے کر کنارے پر گیا۔ جہاز کو بہت ڈھونڈا وہاں زیدؔ کا کوئی سراغ نہ ملا۔ کچھ دیر بعد گم شدہ جہاز ہمارے ساتھ آملا۔ نیارکس نے یہ بھی بتایا کہ ایک جگہ ہمیں بحری عفریتوں سے سابقہ پڑا۔ صبح کا وقت تھا، میں نے دیکھا کہ سمندر کا پانی کئی مقامات سے اوپر اچھل رہا ہے لیکن یہ پانی وہی عفریت اچھال رہے تھے جنھوں نے سطحِ بحر کے نیچے ہنگامہ بپا کر

---

[1] NEREID معلوم نہ ہو سکا یہ کس جزیرے کا ذکر ہے۔ اندازہ یہ ہے کہ یہ جزیرہ خلیج فارس کے دہانے سے قریب ہو گا۔

رکھا تھا۔ ملاح یہ کیفیت دیکھ کر اس قدر ہراس زدہ ہو گئے کہ انھوں نے چپو ہاتھ سے رکھ دیے۔ میں خود ان کے پاس جا پہنچا۔ انھیں حوصلہ دلایا اور حکم دیا کہ جہاز ایک قطار میں ہو جائیں جس طرح جنگ کے لیے صف بندی کر لی جاتی ہے۔ پھر ہم ان عفریتوں کی طرف بڑھے۔ ان کے رنگ سیاہ تھے اور قد اتنے بڑے تھے جیسے بارہ چپوؤں والا جہاز۔ جب ہم قریب پہنچے تو خوب شور مچایا۔ ڈھول بجائے، ترہاں بجائیں۔ یہ شور و غل سن کر عفریت نیچے تہ میں چلے گئے۔ جب ہم بہت آگے نکل گئے تو وہاں پھر نمودار ہوئے

مقدونیوں نے یہاں پہلی مرتبہ وہیل مچھلیاں دیکھی تھیں۔ پھر انھوں نے ماہی خوروں کے گھر دیکھے جو وہیل کی ہڈیوں سے بنائے

سکندر کی تلاش کے لیے بیڑے کو ٹھہرانے سے پیشتر جنوبی و مغربی سمت میں ایک راس نظر آئی جو سمندر میں آگے بڑھی ہوئی تھی نیسی کرٹس کا خیال تھا کہ وہاں اتر کر خشکی پر سے گزرنا چاہیے لیکن نیارکس نے کہا کہ یہ صحرائی علاقہ ہے اور اغلب ہے عرب کا کوئی حصہ ہو (در اصل یہ راس مسند تھی جو خلیج فارس کے دہانے پر ہے) وہاں پہنچ کر نیارکس کو یقین ہو گیا کہ وہ کھلے سمندر سے باہر نکل آئے ہیں اور خلیج فارس اُن کے سامنے تھی۔ جو دریائے دجلہ کے دہانے تک چلی جاتی تھی۔

سکندر نے یہ سارے حالات سُن لیے تو کہا اب تمھیں کمانداروں کی ذمہ داریوں سے فارغ کیا جاتا ہے تاکہ دلجمعی سے آرام لے لو لیکن نیارکس نے اصرار کیا کہ مجھے بدستور بیڑے کے ساتھ دجلہ کے دہانے تک جانے کی اجازت دے دی جائے۔ سکندر نے اس کی خواہش پوری کر دی۔ ساتھ ہی نیارکس کو ایک سنہری ہار دیا کیونکہ اُس نے کھلے سمندر کو مسخر کر لیا تھا۔

سکندر اور یونانی جغرافیہ داں اب زمین کے مختلف ٹکڑوں کو جوڑ کر جو نقشہ تیار کر رہے تھے اس میں سرزمین عرب ٹھیک موقع پر بیٹھتی تو جس کی ایک جھلک کا ذکر نیارکس نے کیا تھا۔ ڈراٹے سے اس وقت تک پہلا موقع تھا کہ سکندر کے سرویر مقدر روز کے طے کردہ فاصلوں اور سفر کی سمتوں کا ریکارڈ نہ رکھ سکتے تھے۔ دشت مکران میں سے گزرتے وقت جن خوفناک مصائب سے سابقہ پڑا ان میں ریکارڈ رکھا ہی نہ جا سکتا تھا البتہ فوج کا حوصلہ قائم رہا)

اب نیارکس ثابت کر چکا تھا کہ ساحلی علاقے کے ساتھ بیڑا اپنی حفاظت کا انتظام کر سکتا

ہے. لہٰذا سکندر نے فیصلہ کر لیا کہ اب عرب کے گھیرے کی خوب چھان بین کرلینی چاہیئے تاکہ حبشہ تک کا راستہ مل جائے اور سکندر نیل کے اس حصے میں پہنچ جائے. جہاں سے یہ دریا نکلتا ہے. حبشہ سے آگے لیبیا (افریقہ) تھا جس کے اردگرد کسی نے چکر نہ لگایا تھا. اگر سکندر کے جہاز وہاں تک جاسکتے تو وہ مغرب بعید کو شرقی سمت میں دریائے سندھ کے دہانے سے ملا دیتے. یوں ربع مسکون کے جنوبی حصے کی سمت بھی متعین ہو جاتی. یہ حقیقت بھی واضح ہو چکی تھی کہ نیارکس نے جن بحری عفریتوں کا ذکر کیا تھا. انھیں چھوڑ کر اور کوئی مافوق الطبعی قوت نظر نہ آئی تھی جو بھلے سمندر کے وجود کی محافظ ہوتی.

آریان کہتا ہے:

> سوال یہ ہے کہ سکندر کا نقشہ عمل کیا تھا؟ اس کے متعلق صرف قیاس ہی سے کام لیا جاسکتا ہے لیکن اتنا وثوق سے کہا جاسکتا ہے کہ اس نے جو بھی نقشہ بنایا تھا. وہ نہ معمولی تھا اور نہ فرومایہ. اس لیے کہ جن سرزمینوں کو وہ مسخر کر چکا تھا، ان کے علاوہ ہی کسی غیر معلوم سرزمین تک پہنچنے کا اس نے قصد کر رکھا ہوگا.

اکتشاف کے منصوبے کو تھوڑی دیر کے لیے ملتوی کیے بغیر چارہ نہ تھا. سکندر کو یوریشیا کے قلب سے نکلے ہوئے لمبی مدت گزر چکی تھی. گزشتہ چار سال میں دو مرتبہ اس کی وفات کی خبر چوکیوں اور تجارتی شاہراہوں کے ذریعے سے مغربی علاقوں تک پہنچ چکی تھی. جب یہ اطلاع پھیلی کہ سکندر مختلف اقوام کی فوج کے ساتھ پرسی پولس کے پاس کی پہاڑیوں میں آگیا ہے تو جن گورنروں کے ہاتھ میں وہ انتظام چھوڑ گیا تھا، ان میں سے اکثر حیرت زدہ رہ گئے.

بیسواں باب

دولت کا تیزاب

جو کچھ پیش آیا تھا۔ وہ خاص حالات کو مدِ نظر رکھتے ہوئے سکندر کے لیے تعجب انگیز نہ تھا وہ چار سال پیشتر اکبتانا سے روانہ ہوا تھا پھر حکومت کے کاموں سے ذاتی طور پر اُسے کوئی تعلق نہ رہا تھا اور معلوم ہے کہ اُس نے جو بھی انتظامات کیے تھے وہ بڑی عجلت میں کیے تھے۔ اِن وجوہ سے بہت سے معاملات بگڑ گئے تھے۔ جن مقدونیوں کو وہ اختیارات سونپ کر گیا تھا انھوں نے اپنا دائرہ اثر بڑھا لیا تھا۔ ایک مصیبت یہ تھی کہ نقصان کی وسعت کے متعلق صحیح اطلاعات مرکز تک پہنچنے میں خاصی دیر ہو گئی۔ پرسی پولس پہنچتے ہی تنظیم کاروبار کی وسعت کے متعلق اُسے جو اطلاعات ملیں تھیں وہ صحیح نہ تھیں، لیکن ایرانیوں نے آہستہ آہستہ سارے معاملات کھول کر بیان کر دیے۔

حقیقت یہ ہے کہ مقدونی فوجی گورنروں نے اکثر معاملات میں ایشیائی نائبوں کے ساتھ تعاون نہ کیا تھا اور وہ اپنے لیے الگ دولت جمع کرنے میں لگ گئے تھے حالانکہ سکندر نے زراندوزی کو روکنے کی کوشش کی تھی۔ ایران میں مذہبی عبادت گاہوں کو لوٹا گیا اور دیسی امراء کو قتل کی سزائیں دی گئیں۔ سکندر نے پیوسس ٹس کو ایران کا نائب السلطنت مقرر کیا۔ سکندر ہندوستان میں ایک مرتبہ سخت زخمی ہوا تھا تو پیوسس ٹس ہی نے ڈھال کے ذریعے سے اُس کی حفاظت کی تھی۔ دوسرے مقامات پر سکندر نے مجرموں کو بڑی سخت سزائیں دیں بعض فوجی افسروں اور سرکاری کارداروں کو پھانسی پر لٹکا دیا۔ پرسی پولس کے پایہ بہ پایہ شاہی راستے پر جب ہجوم نے اُس کا احاطہ کر لیا اُسے دیکھ کر وہ حیران رہ گیا۔ یہ وہی مقام تھا جہاں ایوانِ زرکسیز کے ستون میناروں کی طرح کھڑے تھے۔ اس ہجوم میں لوگ دور دور سے آئے تھے کسی گروہ نے خبریں بہم پہنچائیں کوئی درخواستیں لے کر آیا۔ کسی نے کارداروں پر الزامات لگائے کسی نے اُن کے فیصلوں کے خلاف

اربیل کی اراراٹ ٹرائے اور بابل سے بھی لوگ آئے تاکہ جس کام کو سکندر ادھورا چھوڑ گیا تھا اُس پر دوبارہ توجہ کرے۔ تنہا وہی ناظمِ اعلیٰ اور فیصلوں میں ردوبدل کا آخری مجاز تھا۔ وہی تمام فیصلے بدل سکتا تھا۔ اُس نے یوروپی افسروں کو سختی سے الگ کیا۔ اِس سے ایشیائیوں کے حوصلے بڑھ گئے اور وہ شہنشاہ کے پاس اپیلیں کرنے لگے۔

چار سال میں جو تغیرات ہو چکے تھے، اُس کا حیرت انگیز نقشہ سکندر کے سامنے آیا۔ سکندریۂ مصر کی نئی درس گاہ میں تعلیم کا پہلا دور پورا ہو چکا تھا۔ لیڈیا کے سکندریہ سے تاجر یہ شکایت لے کر آئے کہ مصر کے جہاز رانوں نے ایکا کر کے اُس غلّے کو اتار نے نہ دیا جو بحیرۂ روم سے جہازوں میں لد کر آیا تھا (سکندر کو اب یاد آیا کہ یہ سکندریہ اسّوس کے میدانِ جنگ سے صرف ایک دن کی مسافت پر بنایا گیا تھا) اُس کے برعکس مصر کے تاجروں نے اصرار کیا کہ مصر میں غلّے کی قیمت بحال رکھنے کے لیے محصول لگانا ضروری ہے۔ انھوں نے بتایا کہ پہلے مصر بیرونی دنیا سے منقطع تھا۔ اب سکندریہ میں جہازوں کی آمد و رفت بڑھ گئی ہے۔ ایتھنیز اور قرطاجنہ کے لوگ باہر سے معر غلّہ لا رہے ہیں۔ اِس طرح دارا کے جانشین پر واضح ہو گیا کہ اُس نے پرانی سرحدوں کو ختم کر دینے کی کوشش کی تھی لیکن یہاں نئے حلقے اور نئے مرکز بن رہے تھے۔ تاکہ اپنی دولت محفوظ رکھیں۔ اِن پھیلتے ہوئے تجارتی مرکزوں میں مختلف افراد نفع اندوزی کے منصوبے تیار کر رہے تھے۔ صاف معلوم ہو رہا تھا کہ یورپ اور مغرب کی طرف سے انسانی لہروں کا رُخ مشرق کی طرف پھر گیا ہے۔ تاجروں طالع آزماؤں حماموں، تباہ حال کسانوں اور سابق سپاہیوں کا طوفان مشرق کی نو آبادیوں کی جانب آ رہا ہے۔

باختر، سغد اور ہندوستان میں داخلے کے باعث برِ اعظم ایشیا کے تجارتی راستے ساحلی بندرگاہوں سے مل گئے تھے۔ اِس وجہ سے صیدا کی منڈیاں راحت و عشرت کے سامانوں سے بھر گئی تھیں۔ کارواں کے مرکزوں میں نئے محصول وصول کیے جا رہے تھے۔ جیسے الرّقیم[1] جو سرخی مائل چٹانوں پر تعمیر ہوا تھا۔ سکندر کو یہ بھی معلوم ہو گیا کہ نبطیوں نے الرّقیم کی بہت توسیع کر لی

[1] PETRA جس کے لفظی معنی ہیں چٹان۔ یہ یونانی لفظ ہے۔ عربی میں اسے الرقیم کہتے ہیں۔ بائبل ڈکشنری میں اس کا نام سلع بھی بتایا گیا ہے۔ یہ اُس وادی میں واقع ہے جو بحیرۂ لوط سے بحیرۂ قلزم کی طرف جاتی ہے

ہے لیکن اُسے یہ یاد نہ آیا کہ نبطی کون ہیں۔ اُس نے سمجھا کہ شاید عرب ہوں گے۔ یروشلم کا سب سے بڑا مذہبی پیشوا درخواست لے کر آیا کہ ہماری حفاظت کی جائے اور شہنشاہِ ایران کروش نے بھی ہماری حفاظت کا بندوبست کر دیا تھا۔ سکندر نے پوچھا حفاظت؟ اگر امن قائم رہے تو کیا یہ سب کی حفاظت کا بندوبست نہ ہوگا؟ کیا سات سال میں جنگ ہوئی ہے یا کسی نے ایک مقام پر بھی چھاپا مارا ہے؟ یہ اس امر کا ثبوت ہے کہ تم سب محفوظ ہو۔

آئی اونیا کے بردہ فروش آئے اور شکایت کی کہ نئے سنہری سکوں نے ایتھنیز کے روپہلی سکوں کی قیمت گھٹا دی ہے اور ہم غلاموں کی قیمت روپہلی سکوں ہی میں لیتے ہیں۔ یہ ڈیلوس[۱] اور سبوس[۲] سے بچے پکڑ لاتے اور غلام بنا کر بیچتے۔ سکندر نے خود شرح تبادلہ مقرر کی تھی۔ لیکن عام لوگ سونے کو چاندی پر ترجیح دیتے تھے۔ عورتیں زیورات پسند کرتی تھیں۔ وہ سنہری سکوں کو رشتوں میں پرو کر ہار بنا لیتیں۔ پہلے زمانے کی طرح چاندی کی جھانجھیں نہ پہنتیں۔ اِس وجہ سے بردہ فروشوں نے جو چاندی جمع کر رکھی تھی اُس کی قیمت گر گئی۔ سکندر اِس امر پر مجبور ہو گیا کہ دیر تک بیٹھ کر مقدمے سنے اور رات کے وقت حساب کتاب کرے۔ ترجمانوں کا ایک گروہ اُس کے پاس رہتا۔

اسے اندازہ ہو چکا تھا کہ یونانی زبان صرف سیاسی خط و کتابت میں استعمال ہو سکتی ہے۔ اس ایک چیز کو چھوڑ کر عام لوگ اپنی ہی بول چال میں بات کرنا پسند کرتے ہیں۔ چنانچہ اُس کے پاس جو درخواستیں آتیں وہ آرامی، عبرانی، عربی اور ہٹی زبانوں میں ہوتیں۔ وہ متعجب تھا کہ آیا یہ لوگ محض تجارت کی غرض سے ملتے جلتے ہیں یا واقعی مشرق و مغرب کے اتصال سے صحیح فائدہ اٹھا رہے ہیں؟ کیا ان کے خیالات و عزائم میں بھی اشتراک پیدا ہو رہا ہے؟ وہ چاہتا تھا کہ ایشیا سے بھی لوگوں کے ہجوم بحیرۂ روم کی طرف جائیں تاکہ اتحاد جلد سے جلد پایۂ تکمیل پر پہنچ جائے اور مغربیوں کے نقل وطن میں توازن پیدا ہو جائے یعنی جتنے لوگ مغرب سے مشرق کی طرف آتے ہیں اتنے ہی مشرق سے مغرب کی طرف جائیں۔

۱۔ DELOS

۲۔ LESBOS یہ دونوں جزیرے بحیرہ ایجیہ میں واقع ہیں۔

ایک موقع پر سکندر نے دیکھا کہ کوروش کے مقبرے پر جو موبد مقرر تھا اُسے روزانہ ایک بھیڑ، آٹا اور شراب دی جاتی تھی۔ اُس کی غیر حاضری میں یہ چیزیں بند کر دی گئیں۔ سکندر نے اس کا سبب پوچھا تو سکرٹری کچھ بتا نہ سکا۔ چھان بین کے بعد معلوم ہوا کہ یہ چیزیں مقبرے پر پہرہ دینے والوں کو دی جاتی تھیں اور اب وہاں پہرے دار کوئی نہیں۔ پوچھا: "کیوں نہیں؟" بتایا گیا: "وہ قید میں ہیں۔" سکندر نے پوچھا: "مقبرے پر کون پہرہ دے رہے ہیں؟" جواب ملا: "کوئی نہیں لہٰذا بھیڑ ——" سکندر نے کہا: "میں بھیڑ کے متعلق نہیں پوچھ رہا، یہ پوچھ رہا ہوں کہ پہرے دار مقبرے سے کیوں ہٹائے گئے؟"

سکندر سخت غصے میں آ گیا۔ آخر ایک افسر نے بتایا کہ شہنشاہِ ایران کے مقبرے میں جو قیمتی چیزیں تھیں وہ سب اٹھالی گئیں۔ صرف معمولی چیزیں باقی رہ گئی ہیں۔ جن کی زیادہ قیمت نہیں۔ چنانچہ جو آدمی وہاں رہتا تھا اُسے قید کرنا پڑا۔ یہ سنتے ہی سکندر نے اصطبل سے گھوڑا منگایا۔ چنانچہ نسائی نسل سے سفید رنگ کا گھوڑا اُس کے لیے لائے۔ سوار ہو کر تنہا نکل پڑا۔ محافظ فوج کے سوار پیچھے پیچھے روانہ ہوئے۔ سکندر پارساگرد کی پہاڑی پر پہنچا اور اس نالے پر اتر گیا۔ جس کے کنارے کوروش کا مقبرہ بنا ہوا تھا۔ اس نے دیکھا کہ واقعی قبر میں ایک شگاف پڑا ہوا ہے جسے ایک خالی پیپے سے بند کیا گیا ہے۔ اصل تابوت خالص سونے کا تھا اور اس پر بڑے قیمتی تحفے رکھے ہوئے تھے۔ وہ سب غائب ہو چکے ہیں اور کوروش کی نعش باقی ہے۔ سکندر نے قبر پر ہاتھ پھیرا تو اُسے وہ الفاظ محسوس ہوئے جو زبانی یاد تھے یعنی،

"اے جانے والے جان لے کہ میں کوروش ہوں جس نے
ایرانی سلطنت کی بنیاد رکھی اور ایشیا کو ایک مملکت بنایا۔
امید ہے تو میرے اس مقام استراحت میں خلل ڈالنا گوارا
نہ کرے گا۔"

چونکہ تابوت سونے کا تھا اس لیے چور خلل ڈالنے سے باز نہ رہ سکے۔ سکندر کو یقین تھا کہ مجوسیوں نے یہ کام نہیں کیا، جو صدیوں سے مقبرے کے محافظ چلے آتے تھے۔ یہ کسی مقدونی کا کام ہوگا۔ چنانچہ وہ دیر تک مرمریں سیڑھیوں پر بیٹھا سوچتا رہا۔ سورج کی روشنی درختوں کی

شاخوں میں سے چھَن چھَن کر پہاڑیوں پر نمودار ہو رہی تھی۔ درخت پتّوں سے خالی تھے۔ اِس لیے کہ سردی کا موسم تھا۔ پھر اُس کی توجہ اُن بوڑھے آدمیوں کی طرف پھر گئی جو اس کے انتظار میں نیچے کھڑے تھے۔ انھوں نے سفید لباس پر سرخ رنگ کے پٹکے باندھ رکھے تھے۔ اُسے خیال ہوا کہ یہ کچھ کہنا چاہتے ہیں۔ اور انھیں کہنے کی اجازت دی۔ وہ تین آدمی تھے۔ انھوں نے کہا:

"اے انسان، چونکہ تو اب یہاں ہے۔ اِس لیے ظاہر ہے کہ تو اُس کا جانشین ہے جو جا چکا جانشینی کا یہ سلسلہ نیاگاں کے زمانے سے بادشاہوں میں چلا آرہا ہے لیکن بعض اوقات یہ منصب کسی کو نہیں ملتا اور یہ بھی ظاہر ہے کہ نالائقوں کو وراثت نہیں پہنچتی۔ اس پر زور اور قوت سے قبضہ نہیں کیا جا سکتا۔ جب کسی کو ملتی ہے تو اُسے مخفی نہیں رکھا جا سکتا۔ بہت سے بادشاہوں کی عظمت کا دور گزر چکا۔ اُن کے نام بھی فراموش کر دیے گیے۔ یہ وراثت کوروش سے تمھیں ملی ہے۔ یہ نہ پوچھنا عظمت کہاں سے آتی ہے۔"

سکندر بوڑھے آدمیوں کے چہروں پر نظریں جمائے بیٹھا رہا جن پر جھریاں پڑی ہوئی تھیں اور وہ آداب بجا لا رہے تھے۔ انھیں جو کچھ کہنا تھا کہہ چکے تو اشارہ کیا ذرا پیچھے آؤ۔ وہ نیچے پہنچا تو وہ اُس کے پاس زمین پر بیٹھ گئے اور اپنے ہاتھ پھیلائے۔ اُن کے ہاتھوں میں پتّوں میں لپٹی ہوئی انجیریں اور چاندی کے پیالوں میں چھاچھ تھی۔ انھوں نے کہا کہ ہم یہ چیزیں آپ کے ناشتے کے لیے لائے ہیں۔ خود انھوں نے بھی بیٹھ کر ناشتہ کیا۔ پھر ندی سے پانی لائے تاکہ ہاتھ دھو لیے جائیں۔ پانی بڑا ٹھنڈا تھا۔ پھر انھوں نے کہا: "جسے بندگانِ خدا کا بادشاہ چُن لیا جاتا ہے اُس کے لیے انکار کی گنجائش نہیں رہتی۔" یہ کہتے ہی سر جھکائے اور چلے گئے۔ محافظ فوج کے آدمیوں کو آنکھ اُٹھا کر بھی نہ دیکھا جو اُس سارے نظارے پر حیران تھے۔ سپاہی سمجھتے تھے کہ سکندر کے لیے جو ناشتہ لایا گیا وہ بہت معمولی تھا۔

سکندر نے اِس لیے وہ چیزیں کھائی تھیں کہ بوڑھے آدمیوں کی خواہش یہی تھی۔ اُسے مجوسیوں کے آنے نے کیلی ناس کی باتیں یاد دلا دیں۔ کیلی ناس نے کہا تھا کہ تم نے روئے زمین کو تہہ و بالا کرنے میں کوئی کسر اُٹھا نہیں رکھی لیکن حقیقت میں تم اُتنے ہی زمین کے مالک ہو جس میں تم

کے بعد دفن ہو گے کیلی ناس نے یہ آخری بات کہی تھی۔ اور وہ بیمار تھا۔ چونکہ وہ اپنے وطن سے دور آ چکا تھا، اِس لیے زیادہ دیر زندہ رہنے کا خواہاں بھی نہ تھا۔ اُس نے وصیّت کی کہ مجھے جلا دیا جائے۔ سکندر کو ابتدا میں اِس بات کا یقین نہ آیا لیکن جوگی نے چِتا بنوائی اور اُس پر بیٹھ کر جلنے کے لیے تیار ہو گیا۔ آخر سکندر نے اُس کی خواہش پوری کرنے کا حکم دے دیا۔ ایک عمدہ گھوڑا اور بہت سے سنہری برتن قربانی کے لیے پیش کیے۔ کیلی ناس کو یہ قربانی پسند نہ آئی اُس نے گھوڑا اور برتن مقدونیوں کے حوالے کر دیے اور چپ چاپ چِتا پر لیٹ گیا اور اردگرد آگ بھڑکنی شروع ہوئی۔ سکندر نے حکم دیا کہ زور زور سے باجے بجائے جائیں اور ہاتھی چنگھاڑ سے سلامی ادا کریں۔ اِس لیے کہ ہندوستانی جوگی کی مردانگی واقعی احترام کی مستحق تھی۔ فوج کو ایسا معلوم ہوا کہ ایک طلسم اُن کے ہاتھ سے نکل گیا ہے۔ اُن کی خواہش تھی کہ کیلی ناس جلنے پر اصرار نہ کرتا۔

مشرق میں جو افراتفری پھیلی تھی وہ مغرب تک پہنچ گئی۔ جب لوگوں نے سُنا کہ سکندر سفر سے واپس آ گیا ہے اور بہت سے کارداروں کو سزا دی ہے تو ہرپالوس بابل اور سارڈس کے خزانے لے کر بھاگ گیا۔ معلوم ہوتا ہے کہ اُس نے بہت سی دولت جمع کر لی تھی اور تنخواہ داروں کی فوج بھی بہم پہنچا لی تھی۔ چنانچہ وہ یہ فوج اور خزانے لے کر جہاز میں سوار ہوا اور ایتھنیز کی بندرگاہ میں لنگر انداز ہو گیا۔ یہ اُس کا دوسرا فرار تھا۔ یونان پہنچتے ہی اُس نے کہا حبِّ وطن کا تقاضا ہے کہ ہم بغاوت کریں۔ ایتھنیز کی گردن سے مقدونیہ کا جُوا اُتار پھینکیں اور اِس شہر کی پرانی عظمت بحال کر دیں۔ انتہا پسند سیاست داں اُس کے ساتھ ہو گئے۔ دوسرے لوگوں کو روپیہ دے کر ساتھ ملا لیا۔ ڈیماستھنیز اُس کی ہم نوائی کے لیے تیار نہ ہوا حالانکہ ہرپالوس ڈیماستھنیز ہی کو اِس بغاوت کی رُوحِ رواں بنانا چاہتا تھا۔ شہرۂ آفاق خطیب نے صاف صاف کہہ دیا کہ سکندر سے جنگ دیوانگی ہے اِس میں ایتھنیز تباہ ہو جائے گا۔

سکندر کی طرف سے جو افسر مالیہ وصول کرنے کے لیے مقرر تھا وہ شہر سے نکل کر کسی محفوظ مقام پر پہنچ گیا۔ ڈیماستھنیز پر یہ الزام لگایا گیا کہ سکندر کے کارندے سے رشوت لے لی۔ پارتھینان میں جو روپیہ ہارپالوس نے رکھا تھا۔ اُسے دیکھا گیا تو نصف غائب ہو چکا تھا۔ جو لوگ جنگ کے حامی تھے اُنھوں نے ڈیماستھنیز پر یہ الزام لگایا کہ اُس نے ہماری جنگی سکیم دشمن کو بتا دی اور روپیہ

اٹھوانے میں امداد دی۔ اہلِ ایتھنز بڑے ناقدرے اور حق ناشناس تھے۔ ان میں جو فرد نہایت دیانت دار تھا اُسی پر رشوت کا الزام لگایا۔ سوال یہ ہے کہ کیا ڈیماستھنیز نے سکندر کے متعلق اپنی رائے بدل لی تھی؟ کیا سکندر ڈیماستھنیز کی خطابت سے خوفزدہ نہ رہا تھا؟ یقین ہے کہ یہ دونوں شخص (سکندر اور ڈیماستھنیز) جو کائی رونیا کے میدان میں ایک دوسرے کے مقابل تھے اب اس امید میں باہم شریک ہو گئے تھے کہ مقدونوی دولتِ متحدہ کے ماتحت دنیا میں امن قائم ہو جائے گا۔

یونان کی بدامنی، ہرپالوس کے چرائے ہوئے خزانے پر ہنگامے اور مقدونیہ میں مختلف گروہوں کی کشمکش کے باعث سکندر نے مناسب سمجھا کہ اینٹی پیٹر کی جگہ کریٹیرس کو مقرر کر دے۔ جو نہایت قابل ناظم تھا۔ اینٹی پیٹر نے تمام احکام کی تعمیل نہایت وفاداری سے کی تھی۔ لیکن اُس کی رائے میں یونانی باغی تھے۔ سکندر ضرورت محسوس کرتا تھا کہ کوئی جوان آدمی یونان کا نظم و نسق سنبھالے خصوصاً اس لیے کہ اُس کی ماں اولمپیاس نے اپنی ایک پارٹی بنا رکھی تھی۔ کریٹیرس بخار کے باعث کمزور بھی بہت ہو چکا اور سکندر نہیں چاہتا تھا کہ اُس کے بہترین افسر کی زندگی خطرے میں پڑی رہے۔

چنانچہ اینٹی پیٹر سے نظم و نسق لے لیا گیا تو اُس کا بیٹا کیسنڈر[1] احتجاج کی غرض سے سکندر کے پاس ایشیا آیا۔ اُس نے کہا، جن لوگوں نے میرے باپ پر الزام لگائے انھوں نے بڑی دور بیٹھے ہوئے یہ الزام وضع کیے۔ گویا کیسنڈر نے دل کی بات تو کہہ دی۔ اگرچہ سکندر پر براہِ راست الزام عائد کرنے میں احتیاط سے کام لیا۔ سکندر نے جواب دیا کہ یہ تو ارسطو کے استدلال کی سی بات ہے۔ اگر تم اور تمھارا باپ مجرم ٹھہرے تو ضرور سزا دی جائے گی لیکن ابھی مجھے معلوم نہیں کہ آیا تم مجرم ہو۔

کیسنڈر پر واضح ہو گیا کہ سکندر بالکل بدل چکا ہے اور اُسے اپنے دوستوں پر بھروسا نہیں رہا۔ نہ اُن دیوتاؤں پر اعتقاد رہا ہے جن کے لیے پہلے وہ قربانیاں کیا کرتا تھا۔ اُس نے سکندر اور دوسرے مقدونیوں کو دس سال کے بعد دیکھا تھا لیکن اس تغیر کی اُسے امید نہ تھی۔ لوگ کہتے تھے وہ بے حد بگڑ گیا تھا۔ یہاں تک کہ سکندر مر گیا۔ کیسنڈر اُس وقت بھی سکندر کے کسی مجسمے کے پاس سے گزرتا تو اُس پر رعشہ طاری ہو جاتا۔

۱۔ CASSANDER

بہرحال سکندر ریمی پولس کے مقدس مقام سے ہندوکش کے سلسلۂ کوہ کو طے کرنے کے لیے تیار ہو گیا تاکہ اپنی مملکت کے مغربی حصے سے قریب تر تعلق قائم کر سکے۔ اس کی مراجعت کا اثر ڈینوب سے نیل تک محسوس ہونے لگا۔ مقدونوی فتوحات کی داستانیں ممفس، ایتھنز اور پیلا میں بیان ہونے لگیں، جو بظاہر قرینِ یقین نہ تھیں۔ یونانی عالموں کو اس عظیم الشان کارنامے کی تفصیلات سمجھنے میں مشکلات پیش آئیں اور واقعی اس کے بعض اجزا سراسر ناقابلِ یقین تھے، مثلاً ستر نئے شہروں کی تعمیر، بیس ہزار سٹیڈیا سے آنے والے تجارتی قافلے، جنوبی سمندر میں جہاز رانی، دنیا کا یہ وسیع تر تصور اُن کے لیے مسحور کن بھی تھا اور خلل انگیز بھی۔ اُنھیں ایسے وسائل مل گئے تھے جن کے روبرو یونانی شہروں کے وسائل بے حقیقت رہ گئے تھے اور اتنی بڑی آبادی اُن کے ماتحت آگئی تھی جس میں یونان کی آبادی ایک چھوٹی سی اقلیت کی حیثیت رکھتی تھی جو ربع مسکوں کے مشرقی گوشے میں تھی۔

اب سکندر جہاں جاتا حکومت کا نظام اُس کے ساتھ چلتا۔ نظم و نسق کی ضرورت نے اب اُسے سلطنت کے مرکز میں پہنچا دیا تھا۔ کیلی ناس نے بھی اسے یہی نصیحت کی تھی لیکن وہ نظامِ حکومت کیا تھا؟ اُس کے متعلق بے یقینی کا سلسلہ قائم رہا۔ معاصر شہادتوں سے کچھ معلوم نہیں ہوتا کہ سکندر کا نقشہ مستقبل کے متعلق کیا تھا۔ بعض مبصر کہتے ہیں کہ اُس کے سامنے کوئی نقشہ ہی نہ تھا۔ بطلیموس کی رائے یہی تھی یقیناً سکندر نے بھی کوئی واضح بات نہ کہی تھی۔ ارسطو اس مثالی حکومت کو رد کر چکا تھا۔ جو افلاطون نے اپنی کتاب جمہوریت میں پیش کی تھی۔ سکندر نے ارسطو کی سکیم رد کر دی تھی۔ جو کہتا تھا کہ نظمِ حکومت تعلیم یافتہ افراد کی ایک چھوٹی سی جماعت میں رہنا چاہیے پھر اُس کی سلطنت اتنی وسیع ہو چکی تھی کہ ایک شہر یا ایک مخصوص جماعت اس کا انتظام سنبھال ہی نہ سکتی تھی۔

روشنک اب امیدواری سے تھی لیکن سکندر نے کبھی یہ نہ کہا کہ اُس کے بطن سے جو بیٹا پیدا ہو گا اُسے میرا جانشین سمجھا جائے۔ مقدونیہ میں اُس کے جو قریبی رشتے دار موجود تھے اُن کے بارے میں بھی وہ کچھ سوچنے اور وقت ضائع کرنے کے لیے تیار نہ تھا۔ اُسے یہ بھی معلوم نہ تھا کہ ایشیائی عورت سے جو بچہ پیدا ہو گا اُس کے ساتھ رشتہ دار کیا سلوک کریں گے۔ کہا جاتا ہے کہ

اس موقع پر وہ ایرانی سلطنت کے حدود بحال کرنا چاہتا تھا یقیناً اُسے کروش کے طرزِ حکومت نے بہت متاثر کیا تھا۔ اِس لیے کہ اُس حکومت سے امن قائم ہو گیا تھا۔ لیکن وہ خود کہتا تھا کہ مقدونی فتوحات ایرانی حکومت کے دائرے سے آگے نکل گئی ہے۔ وہ اپنے آپ کو ایک رعایا پر حکمران نہیں سمجھتا تھا بلکہ اُسے یہ احساس تھا کہ ایک بہت بڑا مقصد ہے کہ آیا ہے جسے پورا ہونا چاہیئے فوج سے اپنی نئی حکومت کے متعلق بات چیت کرتا تو کہتا کہ یہ مقدونی دولتِ متحدہ ہے۔

لطلیموس نے اُس کے لیے خطابات کی جو فہرست تیار کی تھی اُس میں عجیب وغریب اضافے ہو چکے تھے۔ مثلاً خطابات کی مکمل فہرست ملاحظہ فرمائیے:

"سکندر سوم شاہِ مقدونیہ یونانی شہروں کا نجم ملکوتی مشروطہ آقا مصر کا فرعون جسے خدا کا اوتار سمجھنا چاہیئے اُتی اونیا کی بندرگاہوں کا حلیف اور آقا، فونیقی شہروں اور بیڑوں کا مالک ومختار، یہودیہ کے مذہبی پیشوا کا محافظ ایرانی مجوسیوں کا شہنشاہ، ہندوستان کے راجاؤں کا دوست اور باقی ہندوستان کے لیے ایک ایسا فرمانروا جس کے منصب کا تعین نہ ہوا تھا۔"

لطلیموس کو معلوم تھا کہ سکندر القاب وخطابات سے بالکل بے پرواہ ہے لیکن لطلیموس کو یہ بھی یقین تھا کہ سکندر جب تک زندہ ہے اپنی اِس نومولود عالمگیر سلطنت پر قبض وتصرف بحال رکھے گا۔ یونانی بھی اسی نتیجے پر پہنچے تھے۔ چنانچہ جب ڈلفی کے مندر سے اعلان ہوا کہ سکندر انسانوں سے اُٹھ کر زندگی ہی میں دیوتا کی حیثیت اختیار کر چکا ہے تو لطلیموس کو اس پر بالکل تعجب نہ ہوا۔ سکندر اس پر نہ خوش ہوا نہ ناراض۔ ڈلفی کی طرف سے یہ اعلان بھی ہو چکا تھا کہ سکندر کی مورتی کے سامنے قربانیاں ہونی چاہیئں اور اس کے اعزاز میں کھیلوں کا انتظام کرنا چاہیئے۔ ممکن ہے سکندر کی دیوتائی کا سلسلہ اِس لیے شروع کیا گیا ہو کہ یونانیوں کو اُس کا عجیب وغریب تسلط قانونی اعتبار سے تسلیم کرنے میں عذر نہ رہے۔ اِس لیے کہ دیوتا کے سامنے جھکنا یا اُس کی عزت کرنا باعثِ ذلت نہ سمجھا جاتا تھا۔

سکندر کے ذہن میں جو بھی نقشہ ہو یہ امر یقینی ہے کہ یوریشیا کا شہنشاہ ایک خاص مقصد کی بنا پر سب کچھ کر رہا تھا۔ سکندر نے بھی نظامِ حکومت کے متعلق کسی سے اُس طرح

بحث نہ کی جس طرح وہ ابتدائی دور میں ہر معاملے کے متعلق جنگی کونسل میں بحث کیا کرتا تھا۔ وہ شوش
میں بھی غالباً کچھ مدت ٹھہرا رہا۔ حکومت کے مسائل وہاں بھی مسلسل اس کے سامنے رہے۔ وہ اپنے
ماتحتوں سے بھی غیر منقطع کوششوں کا طلب گار تھا۔ اسے ایشیائی سرزمینوں میں قحط اور پانی
کے مسائل بڑے پریشان کر رہے تھے۔ اس لیے کہ فصلوں کا انحصار بارشوں ہی پر تھا۔ اس مشکل
حل کے لیے اس نے دریاؤں سے نہریں نکالنے کا سلسلہ جاری کیا۔ نوآبادیاں قائم کرنے کا
عمل حیرت انگیز طریقے پر بار آور ہوا۔ دنیائے قدیم نے اتنی تھوڑی مدت میں اتنے شہر آباد ہوتے
کبھی نہ دیکھے تھے۔ بعد میں بھی ایسا نظارہ اس وقت تک نہ دیکھا گیا۔ جب تک دو ہزار سال
بعد امریکا میں آبادکاری شروع نہ ہوئی۔ چند ہی دنوں میں پختہ اینٹوں کی دیواریں کھڑی ہو جاتیں۔
چھت کے بغیر تھیٹر بنا لیے جاتے۔ پہاڑوں کے دامن میں یا صحرائی میدانوں میں کھیلوں کے
لیے زمین تیار کر لی جاتی۔ ہر نوآبادی میں تعلیم اور تفریح کا پورا انتظام ہوتا۔

ان نوآبادیوں میں طرح طرح کے لوگ بس جاتے۔ تاجر باہر سے چیزیں لانے کا انتظام
کرتے۔ دیہات کے لوگ روپے اور سامان کے لیے آ بستے۔ مثال کے طور پر تدمر[1] پرانا تجارتی شہر
تھا۔ جب اس میں رومی پہنچے تو وہاں عرب، آرامی، یونانی، یہودی اور شامی آباد تھے۔ تدمر اور
الرقیم میں سے جو تجارتی قافلے گزرتے ان سے محصول لیا جاتا۔ تجارت کی ترقی نے نئے شہروں
کی آبادی بھی بہت بڑھا دی۔ بہت سی ایسی نوآبادیاں بھی تھیں جو تجارت کے بل پر ترقی نہ کر سکیں
ان میں زیادہ تر وہ لوگ آباد تھے جو ایک زمانے میں فوجی کام انجام دے چکے تھے یا مقامی
باشندوں نے وہاں اپنے لیے مکان بنا رکھے تھے

وجہ معلوم نہیں لیکن سکندر نے مشرقی جانب کی فوجی چوکیوں سے تمام تنخواہ دار یونانی
فوجیوں کو بلا لیا اور انھیں واپس وطن بھیج دیا۔ اسی زمانے میں اسے معلوم ہوا کہ اکبتانا میں تین
ہزار یونانی ایکٹر گویے اور فن کار مشرق کی طرف جانے کے انتظار میں بیٹھے ہیں۔ معلوم ہوتا ہے
کہ وہ فوجی قوت کو توڑ رہا تھا اور غیر مصافی آباد کاروں کی حوصلہ افزائی کر رہا تھا۔ یہ نہیں کہا

---

[1] PALMYRA (پامیریا) جو شام کے اندرونی علاقے میں ہے۔ ایک زمانے میں یہ مقام مشرق
کی تجارتی شاہراہ کا مرکز تھا۔ پھر تجارت کا رخ پلٹا تو یہ مقام بھی اپنی پرانی اہمیت کھو بیٹھا۔

جا سکتا کہ آیا سپاہی مختلف مقامات پر تکلیف کا باعث بن رہے تھے یا سکندر نے سمجھ لیا تھا کہ اب ان کی ضرورت نہیں رہی۔

شورش میں وہ خود فوج کا انتظام سنبھالے رہا۔ بیاس کے کنارے فوج نے جو بغاوت کی تھی اُسے وہ بھولا نہ تھا۔ مقدونیوں کی تعداد فوج میں اگرچہ بہت کم رہ گئی تھی، مگر ان کے اور سکندر کے درمیان قوتِ عزم کا امتحان بدستور جاری تھا۔ اب سکندر محسوس کر رہا تھا کہ اُسے آباد کاروں کی ضرورت ہے جو بوقتِ ضرورت فوجی خدمت بھی انجام دے سکیں۔ وسیع میدانی فوج کی ضرورت نہ تھی۔ یہ بھی ظاہر ہے کہ وہ ایشیائی اقوام کے سروں پر مقدونوی تلواروں کو زیادہ دیر تک معلق رکھنا پسند نہ کرتا تھا۔ تیس ہزار ایشیائی رنگروٹوں کو یورپی قواعد سکھائی جا چکی تھی اور اب سکندر انھیں مختلف کمانداروں کے ماتحت مقرر کیا جا رہا تھا حتیٰ کہ بعض مقامات پر فوج کی ایک رجمنٹ میں مقدونیوں کی صرف ایک کمپنی رہ گئی تھی۔ اُس نے ایک ایرانی باختری، اور سغدی افسروں کو اونچے منصب دے دیے بلکہ اپنے رفیقوں میں شامل کر لیا۔ نئی سلطنت کے لیے یورایشیائی فوج ہی درکار تھی۔ وہ مقدونوی فوج موزوں نہ رہی تھی جو مہموں میں کام دیتی۔ ساتھ ہی تکلیفیں بھی پیدا کرتی۔ خود مقدونیوں کا خیال تھا کہ سکندر کو ہماری خدمات کی ضرورت نہیں رہی لہٰذا اب ہم سے پیچھا چھڑانے کے درپے ہے۔

اکیسواں باب

فوج کا خاتمہ

شُوش پہنچ کر سکندر نے ایک بہت بڑے جشن کا انتظام کیا۔ ظاہر یہ کیا گیا کہ لمبے کوچ کے بعد اب ہم راحت و آرام کے لیے تیار ہو گئے ہیں حقیقت میں وہ اپنے ہم قوموں کو ایشیائیوں کے ساتھ شادیاں کر لینے پر آمادہ کرنا چاہتا تھا۔ جو لوگ ایرانی زبان سیکھ چکے تھے یا اُنھوں نے مشرقی رسوم اختیار کر لیے تھے مثلاً پیوسس ٹس۔ سکندر انھیں بہت اچھا سمجھتا تھا۔ اب اُس نے تمام افسروں کو بُلا کر کہا کہ ایشیائی عورتوں سے شادی کر لو۔ چنانچہ خود اُس نے دارا کی سب سے بڑی لڑکی کو دوسری بیوی کے طور پر منتخب کر لیا۔ دوسری بیٹی ہیفاسسشن کے عقد میں دے دی۔ کریٹیرس اُس وقت تک یونان روانہ نہ ہوا تھا۔ اُس کی شادی روشنک کی چھوٹی بہن سے کی۔ نیارکس موقع پر موجود نہ تھا بلکہ اپنے بیڑے کے ساتھ گیا ہوا تھا اُس کے لیے رسبین اور مینٹر کی بیٹی تجویز کی۔ سلیوکس نے سپٹاما کی بیٹی منتخب کر لی، بطلیموس، پرڈکاس اور دوسرے افسروں نے ایرانی امرا کی بیٹیاں چُن لیں۔ غرض سکندر کے اسّی رفقا نے اس موقعے پر شادیاں کیں۔

اُریان لکھتا ہے:

"سکندر کی یہ تجویز بہت ہر دلعزیز ہوئی۔ اُن سب نے اس موقعے پر ایرانی اور مادی لباس پہنے۔ شادیاں ایشیائی طریقے پر ہوئیں پہلے پُرتکلف دعوت آراستہ کی گئی۔ پھر دلہنیں آئیں اور ہر ایک اپنے مجوزہ شوہر کے پہلو میں بیٹھ گئی۔ ہر شخص نے اپنی اپنی دلہن کا ہاتھ اپنے ہاتھ میں لیا اور اُسے بوسہ دیا۔ سکندر نے یہ کام سب سے پہلے کیا۔ پھر ہر ایک اپنی بیوی کو لے کر

چلا گیا۔"

ان شادیوں کی حوصلہ افزائی کے لیے سکندر نے اعلان کر دیا تھا کہ مقدونوی رفیقوں کی طرح اب ایشیائی رفیق بھی میرے عزیز اور رشتے دار سمجھے جائیں گے۔ اُس نے تمام دلہنوں کے لیے اپنے پاس سے جہیز دیا۔ دس ہزار سپاہیوں نے بھی شادیاں کر لیں۔ اور انھیں سکندر کی طرف سے جہیز ملے۔ نیز اُن سب کے نام ایک خاص رجسٹر میں لکھے گئے۔

مقدونیہ کے سال خوردہ سپاہی مشرقی لباس اور دلہنوں کے طور طریقوں کی ہنسی اڑاتے تھے لیکن اُنھیں اصل غصہ اس بات پر تھا کہ سکندر کو اب پرانی فوج کی ضرورت نہیں رہی۔ وہ سمجھتے تھے کہ مشرقی بادشاہوں کی طرح مطلق العنان بن چکا ہے۔ بابل کے راستے پر کشمکش آخری منزل پہنچ گئی سکندر نے معلوم کر لیا تھا کہ شوش مشرقی پہاڑوں کے اندر فاصلے پر واقع ہے۔ لہٰذا اسے دارالحکومت نہیں بنایا جا سکتا۔ بابل سب سے بڑی شاہراہ پر واقع تھا اور فرات کے ذریعے سے آبی راستہ بھی سمندر تک جاتا تھا۔ اِس لیے اُسے موزوں مرکزِ حکومت سمجھا گیا۔ ممکن ہے دریا کے قرب نے سکندر سے یہ فیصلہ کرایا ہو۔ اِس لیے کہ سمندر کی چھان بین اب اُس کے خیالات پر بہت چھائی ہوئی تھی۔

اُسے بے خوابی کی بیماری بھی ہو گئی تھی۔ پھیپھڑے میں جو زخم لگا تھا اُس کا علاج ٹھیک نہ ہو سکا تھا۔ لہٰذا وقتاً فوقتاً بخار آ جاتا۔ وہ جب تک سفر میں رہتا بڑا خوش رہتا۔ چلتے چلتے اس نے اصرار کیا کہ دلدلوں میں سے چکر لگاتے ہوئے اُس خاص مقام پر پہنچنا چاہیے جہاں نیارکس کے ٹھہرنے کی توقع تھی۔ پھر دجلہ پر کشتیوں کے ذریعے سے سفر شروع ہوا اور اُس نے وہ تمام بند منہدم کرا دیے جو ایرانیوں نے جابجا بنا رکھے تھے۔ سکندر کی خواہش تھی کہ دجلہ میں سے کشتی رانی کے لیے کوئی رکاوٹ باقی نہ رہنی چاہیے۔ اُس نے کہا ہمیں کسی دشمن سے ڈرنے کی ضرورت نہیں اور جہاز خود ہمارے ہیں۔

دجلہ پر جاتے جاتے سکندر کے کان میں یہ آواز پہنچی کہ مقدونیہ والے شاکی ہیں۔ چنانچہ اُس نے سب کو بلایا اور کہا جن کی عمر زیادہ ہو چکی ہے یا زخموں کے باعث جنگی خدمات انجام نہیں دے سکتے تو وہ واپس چلے جائیں۔ انھیں رخصت کے وقت ایسے انعامات دیے جائیں گے جن کی وجہ سے وہ اہلِ مقدونیہ کے لیے رشک کا باعث بن جائیں گے۔ اس سلسلے میں اسے اپنا دہ

وعدہ یاد تھا جو اُس نے فوج کی بغاوت کے وقت کیا تھا۔ جن لوگوں نے فوج میں عظیم الشان خدمات انجام دی تھیں اُن کے لیے سنہری ہار تجویز کیے (وہ لوگ دوسروں کے مقابلے میں دوگنی تنخواہیں لیتے رہے تھے۔)

یہ بات مقدونیوں کو مطمئن نہ کر سکی۔ انھوں نے اپنے افسروں کو بتایا کہ ہم پرچون فروشوں یا ہم طعاموں کا قرضہ ہو چکا ہے۔ جو روپیہ ہمیں ملے گا ممکن ہے وہ ہمارے تنخواہ میں وضع کر لیا جائے۔ سکندر نے کہا کہ تمام قرضے سرکاری خزانے سے ادا کیے جائیں گے لیکن ہر آدمی کو اپنا نام اور قرضے کی مقدار لکھوا دینی چاہیئے۔ مقدونیوں کو اُسے سچ سمجھنے میں تامل ہوا۔ اُن کا خیال تھا کہ اس میں کوئی فریب ہے۔ وہ جانتے تھے کہ بہت بڑی تنخواہ لیتے رہے ہیں اور مقروض ہو جانے کی کوئی وجہ نہ تھی۔ حقیقت یہ ہے کہ جن لوگوں کے پاس زیادہ املاک تھے انھیں کو زیادہ روپے کی ضرورت تھی۔ یہ پیشکش غور و بحث کے بعد رد کر دی گئی۔ پھر سکندر نے کہا کہ نام لکھوانے کی ضرورت نہیں، ہر آدمی زبانی جتنا قرضہ بتائے گا وہ ادا کر دیا جائے گا۔

لیکن یہ حقیقی وجہ شکایت نہ تھی۔ مقدونی دیکھ چکے تھے کہ پارتھیوں اور باختریوں کو خاص محافظ فوج میں شامل کر لیا گیا تھا۔ اور ان کی ایک رجمنٹ پر روشنک کے بھائی کو سردار بنا دیا گیا تھا۔ اُن کے دل میں حسد پیدا ہو چکا تھا۔ روپے کا اُنھیں چنداں خیال نہ تھا۔ وہ کہتے تھے کہ اب سکندر غیروں کو عزیز قرار دے کر اُن سے معانقے کرتا ہے اور ہماری اسے پروا نہیں۔ پھر کیوں نہ ہم سب کو الگ کر دے تاکہ وطن واپس چلے جائیں؟

دجلہ کے نچلے حصے میں جگہ جگہ دلدلی زمینیں تھیں اور گرمی بہت زیادہ تھی۔ مقدونیوں نے سمجھا کہ سالہا سال کی لڑائیوں کے بعد ہمیں یہاں چھوڑ دیا گیا ہے اور ہم سے بے تعلقی اختیار کر لی گئی ہے۔ اب وہ سکندر سے بحث کے لیے تیار نہ تھے۔ کوئی ایسی توسل موجود نہ تھی جو اُن کی شکایتیں پہنچاتی۔ سکندر نے جب اپنے قاصد بھیجے تو انھوں نے پکار کر کہا کہ یا تو ہم سب وطن واپس جائیں گے یا کوئی نہیں جائے گا۔ ہمارے بعد سکندر اُن ایشیائیوں کو لے کر جنگ کرے جو اُس کے پاؤں پر گرتے ہیں۔ ہاہا! اب اُس کا باپ آمُن جنگ میں فتح دے گا۔" سکندر نے یہ سب باتیں سنیں تو اپنے افسروں کے ساتھ اُن کے کیمپ میں پہنچا۔ محافظ فوج پیچھے پیچھے تھی۔ وہ ایک گاڑی

پر چڑھ گیا اور مقدونویوں کو اشارے سے قریب بلایا۔ پھر کہا کہ جہاں تک میرا تعلق ہے تم سب جب چاہو چلے جاؤ۔

ایک لمحے تک مجمع پر خاموشی طاری رہی۔ پھر مقدونویوں نے کہا تم نے ہمیں آدمی کہا ہم آدمی نہیں رہے حادثے ہمیں تباہ کر چکے ہیں۔ ہم محض روحیں رہ گئے ہیں۔ ہم کوئی حکم سننے کے لیے تیار نہیں۔

سکندر یہ سنتے ہی گاڑی سے کود کر نیچے اترا۔ وہ غصے سے سرخ ہو رہا تھا جن لوگوں نے یہ الفاظ کہے تھے انھیں پکڑ کر اپنی محافظ فوج کی طرف دھکیل دیا جو پیچھے پیچھے آ رہی تھی اور حکم دے دیا کہ ان تیرہ آدمیوں کو ابھی موت کے گھاٹ اتار دیا جائے۔ پھ۔۔ ٹھہر گیا۔ اس لیے کہ سپاہی چپ ہو گئے تھے۔ اور یوں مخاطب ہوا۔

"جانے سے پہلے مجھے یہ بتاتے جاؤ کہ تم کس قسم کے آدمی رہ چکے ہو۔ تم چمڑہ پہنتے تھے اور بربری قبیلے جب تم پر حملے کرتے تھے تو پہاڑوں کی چوٹیوں پر چھپ جاتے تھے میرے باپ نے تمھارے لیے لبادے مہیا کیے اور تمھیں شہروں کے آباد کار بنایا۔ اس نے مقدونیہ کی دولت متحدہ کو یونان دلایا ہم جب وطن سے نکلے تھے تو تمھارے پاس گزارے کا کوئی سامان نہ تھا میرے پاس سونے چاندی کے کچھ پیالے تھے اور ساٹھ ٹیلنٹ کے قریب نقد روپیہ تھا۔ مجھ پر پانسو ٹیلنٹ کا قرض تھا۔ میں نے تمھارے ساز و سامان کے لیے آٹھ سو ٹیلنٹ مزید قرض لیا۔ میں نے تمھیں ہیلس پونٹ (درِّ دانیال) سے بخیر و عافیت گزارا اگرچہ اُس وقت ایشیائی لوگ سمندروں کے مالک تھے۔ میں نے جو سرزمینیں فتح کیں۔ وہ تمھارے لیے فتح کیں اور تمھیں دولت سمیٹنے کا پورا موقع دیا۔ لیڈیا، ایران اور ہندوستان کی دولت ہمیں ملی جس نے تمھیں اس میں حصے دار بنایا۔ میں نے تمھارے ساتھ پیدل چل کر تکلیفیں اٹھائیں۔ اب بیرونی سمندر بھی ہمارے قبضے میں ہیں۔ جو خوراک تم کھاتے تھے وہی میں نے کھائی اور تم سے کم نیند لی۔ تم میں سے کون ہے جس نے

میرے لیے اتنی تکلیف اٹھائی ہو، جتنی تکلیف میں نے تم سب کے لیے اٹھائی؟ اگر ایسا کوئی ہے تو سامنے آئے۔ ہاں ہاں وہ سامنے آئے اور اپنے زخم دکھائے میں اپنے زخم دکھاؤں گا۔ تم جانتے ہو کہ کوئی ہتھیار اب تک ایجاد نہ ہوا جس کے زخم کا نشان میرے جسم پر موجود نہیں۔"

وہ تھوڑی دیر کے لیے خاموش ہو گیا۔ اُس نے دیکھا کہ آدمی متوجہ تھے اور گہری سانسیں لے رہے تھے۔ گویا آہیں بھرنے لگے تھے۔ کوئی شخص آگے نہ بڑھا۔ پھر سکندر نے کہا:

"میں اب بھی تمھارا سردار ہوں اور میری ہی وجہ سے تمھیں فاتحوں کی حیثیت ملی ہے۔ میں نے اپنی شادی کے ساتھ تمھاری شادیوں کا بھی جشن منایا۔ ایشیا میں تمھارے جتنے بچے ہوئے اُن سب کی دیکھ بھال کا انتظام کیا گیا۔ میں نے تمھارے قرضے بے باق کیے اور کبھی نہ پوچھا کہ مقروض کیوں ہوئے۔ تم میں سے جنھوں نے جانیں دیں انھیں بہادروں کے اعزاز کے ساتھ دفن کیا۔ میری قیادت میں تمھارا ایک آدمی بھاگتا ہوا نہ مارا گیا۔ میں تمھیں دریائے سندھ کے پار لے گیا اور اگر تم پیچھے نہ موڑتے تو دریائے بیاس سے بھی آگے لے جاتا۔ تم نے میرے ہاتھوں سے سنہری ہار لیے۔ اب اگر واپس جانا چاہتے ہو تو چلے جاؤ — سب چلے جاؤ اور وطن جا کر کہو کہ ہم اپنے بادشاہ سکندر کو مفتوح اجنبیوں میں چھوڑ کر چلے آئے ہیں۔ جاؤ، چلے جاؤ۔"

پھر وہ ہجوم میں سے راستہ پیدا کرتا ہوا اپنے خیمے میں چلا گیا اور اعلان کر دیا کہ میں اب کسی سے ملاقات نہ کروں گا۔ سپاہی اپنی جگہ ٹھہرے رہے۔ آہستہ آہستہ بات چیت کر کے سکندر کے فیصلے پر بحث کی۔ ہر ایک سمجھتا تھا کہ اُسے جادو بھری زبان عطا ہوئی ہے اور اس سے پہلے بھی وہ ایسی باتوں سے سب کے دل مسخر کر چکا تھا۔ انھیں یہ بھی علم تھا کہ سکندر اپنی بات پوری کر کے رہے گا۔ ہم سب کو انعام دے دے گا اور رخصت کر دے گا۔ خود نہ جائے گا۔ اور ہم جب مقدونیہ پہنچیں گے تو ہمارے متعلق کیا کہا جائے گا۔ دوسرے دن بھی یہ بحث جاری رہی انھیں یہ بھی معلوم ہوا کہ ایرانی فوجیوں کو اعلیٰ عہدے دیے گئے ہیں۔ ایشیائی رجمنٹوں کو

محافظ فوج بنا لیا گیا ہے اور انھیں رفیقانِ خاص کی طرح روپہلی ڈھالیں دے دی گئی ہیں۔

تیسرے دن مقدونوی فوج پر ہراس کی کیفیت طاری ہو گئی۔ بڑے بڑے افسر ہجوم کر کے سکندر کے خیمے پر پہنچے۔ ہتھیار خیمے کے دروازے پر رکھ دیے اور پیغام بھیج دیا کہ جب تک ہماری بات نہ سنو گے دن ہو یا رات ہم یہاں سے نہ ہلیں گے۔ یہ حلف بھی اٹھا لیا کہ جن لوگوں نے ہمیں برانگیختہ کیا ہے اُنھیں حوالے کر دیں گے۔

سکندر باہر نکلا، تو انھوں نے آگے بڑھ کر اُس کے ہاتھ پکڑ لیے۔ اُس کا دامن تھام لیا اور عجز و الحاح کرنے لگے۔ سکندر کچھ نہ بول سکا۔ اِس لیے کہ اُس کی آنکھوں میں آنسو چھلک رہے تھے۔ ایک سردار نے آگے بڑھ کر کہا کہ ہمیں سب سے زیادہ شکایت اِس بات پر ہوئی کہ تم نے ایرانیوں کو عزیز بنا لیا اور ہمیں یہ عزت کبھی نہ دی۔ سکندر صرف اتنا کہہ سکا: "تم میرے عزیز ہو تم سب عزیز ہو۔" آدمیوں نے فوراً ہتھیار اٹھا لیے اور نعرے لگاتے ہوئے اُس کے آس پاس اُچھلنے کودنے لگے۔ یہاں تک اُس نے وعدہ کر لیا ہم اکٹھے جشن منائیں گے۔ اُس نے پرانے طریقے کے مطابق ایک دعوت کا انتظام کیا جس میں مقدونوی افسروں کو اپنے قریب بٹھا لیا اور ایرانیوں کو ذرا دور بیٹھنے کا حکم دیا۔ جب شراب کا دور شروع ہوا تو سکندر نے اپنے آدمیوں کے ساتھ شراب پی۔ یونانی کاہن اور ایرانی موبد شکرانے کی اس مجلس میں اکٹھے تھے۔ سکندر نے شراب پی کر دونوں قوموں کی متحدہ دولت کے لیے دعا کی۔ سکندر اور اُس کی فوج کے درمیان مدت سے جو کشمکش چلی آ رہی تھی، دریائے دجلہ کے اس جشن پر ختم ہو گئی۔ سکندر نے حسبِ معمول اپنی مرضی منوا لی۔ اُس نے دریا کے کنارے جو تقریر کی تھی، اُس نے جراح کے نشتر کی طرح لوگوں کے دل پر اثر کیا۔ وہ اُن کی ذہنیت کو خوب سمجھتا تھا۔

ایشیا میں اُس نے یونانی اور شامی جوانوں کو ایک خاص انداز کی تربیت دے دی تھی۔ لیکن مقدونویوں پر وہ قابو نہ پا سکا۔ اُس کے نقطۂ نگاہ میں بہت کم تبدیلی ہوئی۔ ہندوستانی مہم کے بہادر ویسے ہی رہے جیسے کائیرونیا سے پیشتر تھے۔ خود رائے، دہقان، ضدی، سونے کے حریص، اچھی زمینوں، گاڑیوں اور مویشی کے متمنی۔ علاوہ بریں اُنھیں اپنی شاندار خدمات پر فخر تھا۔ وہ مطمئن تھے کہ اپنے سے زیادہ عقلمند ایشیائیوں پر تسلط حاصل کیا اور سکندر اُن کا رفیق

ہے جس کی وہ پوجا کرتے تھے۔

سکندر نے اُن کی ان خصوصیتوں سے پورا فائدہ اُٹھایا۔ اُنھیں فاتح قرار دیا۔ اپنے لیے صرف اُن سرزمینوں کی تسخیر کا اعزاز مخصوص رکھا جو جنگ کے بغیر فتح ہوئی تھیں۔ جنگوں کی مصیبتوں میں بھی وہ اُن کے ساتھ رہا تھا۔ یہ دعوے بالکل سچے تھے۔ وہ اپنے بہادروں کی وفاداری کا سچا قدردان تھا۔ آخری دو سال میں مقدونوی سپاہی ہی اُس کے لیے اضطراب کا بڑا باعث رہے تھے بعض بڑے بڑے افسروں نے مشرقی طور طریقے اختیار کر لیے تھے اور وہ سکندر کے نئے نقطۂ نگاہ سے متفق ہو گئے تھے، مثلاً ہفا اسٹش اور پیوسس ٹاس۔ ممکن ہے ہزاروں سپاہیوں نے بھی یہی کیا ہو اور ایشیائی عورتوں سے شادی کر کے آبادکاروں کی طرح نئی دنیا میں رہنے کے لیے تیار ہو گئے ہوں۔ لیکن سکندر اور اُن مقدونیوں کے درمیان اختلاف رفع نہ ہو سکا جو گھر جانے کے لیے ترس رہے تھے۔

چنانچہ یہ معاملہ سپاہیوں اور جمعیتوں پر چھوڑ دیا گیا۔ دس ہزار نے واپس جانے کا فیصلہ کر لیا۔ انھیں تنخواہیں دے دی گئیں۔ واپسی کے سفر کی مدت بھی ملازمت میں شامل کر لی گئی۔ ہر ایک آدمی کو ایک ایک ٹیلنٹ انعام دیا گیا (یہ رقم عام حساب کے مطابق ایک ہزار ڈالر کے مساوی سمجھی گئی، لیکن حقیقتہً پندرہ ہزار ڈالر کے مساوی تھی) جو سپاہی ادائے خدمت میں جاں بحق ہو گئے تھے اُن کے کنبوں کو تمام ٹیکسوں سے آزاد کر دیا گیا تھا اور ایسے حقوق دے دیے گئے کہ وہ اپنا گزارہ بخوبی کر سکیں۔ سکندر نے صرف ایک شرط پیش کی اور وہ یہ کہ فوجی خدمت سے الگ ہونے والے سپاہیوں کے جو بچے ایشیائی عورتوں کے بطن سے تھے انھیں ساتھ نہ لے جائیں اور اپنی طرف سے وعدہ کر لیا کہ اُن سب کو مغربی پیمانے پر تعلیم دی جائے گی۔ جو سپاہی واپس گئے اُن کی قیادت کریٹیرس کے حوالے کی گئی۔ ساتھ ہی پرانی پیادہ فوج اور پرانے رسالے کے جیش ختم ہو گئے۔

سکندر کی زندگی کا ایک عجیب و غریب واقعہ یہ ہے کہ جو فوج اُس کے باپ نے تیار کی تھی، اور جو سکندر کی کامیابی کا سب سے پہلا وسیلہ تھی، اُسے اُس نے برباد کر دیا۔ دریائے دجلہ کے کنارے سے رخصت ہونے کے بعد پھر مقدونوی فوج کسی میدانِ جنگ میں نہ اتری۔ جو مقدونوی جنگجو باقی رہ گئے تھے وہ اپنی سابقہ عظمت کا محض ایک سایہ تھے۔

فیلقوس نے تھسلی اگریانا اور مقدونیہ کے آدمیوں سے ایک شہری فوج تیار کی تھی۔ جو بڑی بلند حوصلہ تھی۔ یہ قومی فوج یوروایشیائی اسکیم میں کام کرنے کے لیے موزوں نہ رہی تھی۔ جو فوج سکندر کے پاس باقی رہ گئی۔ وہ قوم کی نہیں بلکہ اقوام کی فوج تھی۔ سکندر نے مقدونوی جنگجوؤں کو اپنی دولت میں شریک کرنے کا ایسا کارنامہ انجام دیا جس کی کوئی مثال موجود نہ تھی۔ سچ یہ ہے کہ اُس نے ہر ایک کو اپنے کارناموں میں حقیقتہً حصے دار بنالیا تھا۔

اپنی نئی مسلح فوج کو وہ صرف اپنی شخصیت کے بَل پر رکھ رہا تھا۔ رضا کار یا بھرتی کیے ہوئے آدمی جن میں ترکستان کے پہاڑی علاقوں کے سرکش باشندے اور شمالی ہند کے لوگ شریک تھے، صرف اُس کی بے پناہ شخصیت کے سامنے جھک گئے تھے۔ وہ صرف اپنے سپہ سالار کا حکم مانتے تھے جس طرح بعد میں ہینی بال کی ملی جُلی افریقی فوجیں صرف اپنے سپہ سالار کا حکم مانتی تھیں ہینی بال کی فوجوں کے برعکس اس ایشیائی فوج میں تنخواہ دار کوئی نہ تھے۔ سکندر اُن سب کو رخصت کر چکا تھا۔ دراصل اس نئی فوج کی حیثیت پولیس کی تھی۔ دریائے نیل سے دریائے سندھ تک جنگ یا کشمکش کا کوئی نشان باقی نہ رہا تھا۔

بائیسواں باب

بابل کے پانی

سکندر کے زیرِ نگیں بہت سی قومیں آچکی تھیں عجیب امر یہ ہے کہ ان میں سے جس قوم کا کنٹرول اس کے لیے سب سے بڑھ کر مشکل ہو گیا۔ وہ خود مقدونوی قوم تھی۔ مشرق میں قریباً امن تھا اپنی واپسی کے وقت سکندر نے قیام امن میں کوئی دقیقہ سعی اٹھا نہ رکھا تھا مصر حسب معمول نئے فرعون کے ماتحت بالکل سکون کی حالت میں تھا مجوسیوں نے سکندر کو سابق ایرانی شہنشاہوں کا سچا وارث تسلیم کر لیا تھا ہیکل یروشلم کے سب سے بڑے مذہبی پیشوا نے سکندر کو کوروش کی طرح اپنا محافظ بنانے کے لیے التجا کی تھی۔ بابل کے پروہت اپنے دیوتا مردوخ کے مندر از سرِ نو بنا رہے تھے اور سکندر کی مراجعت کا انتظار کر رہے تھے۔

یونانی شہروں سے بھی قاصد اور سفیر چلے آ رہے تھے وہ سکندر کے پاس آتے ہی اسے ہار پہناتے اور دیوتا کی طرح اُس کا احترام کرتے (وہ عموماً اپنا ہاتھ آگے بڑھا دیتا) اور یونانی شہروں سے گئے ہوئے جتنے بت اور مجسمے اُسے ملے تھے وہ یونانیوں کے حوالے کر دیتا۔ ایتھنز میں دکاتھنیز کے ساتھیوں کو اگر سکندر کے دوست نہ سمجھا جائے تو کم از کم وہ غیر جانبدار ضرور بن چکے تھے۔ سپارٹا سکندر اور اس کے باپ کی مخالفت میں بڑی سرگرمی دکھا چکا تھا لیکن تسخیر ایشیا کے بعد اُس نے بھی چپ سادھ لی تھی۔ بحیرہ ریجہ اور بحیرۂ قلزم میں حلیفوں کے بیڑے گردش کر رہے تھے۔

لیکن مقدونیہ کے بھی خاندان ہر بیڑے سے بے پروا تھے۔ پیلا کے پہاڑی باشندے اہلِ قرطاجنہ کی طرح تجارتی کاروبار نہ کر سکتے تھے۔ بے شک ایشیا سے انھیں غلام بھی مل گئے تھے اور سونا بھی۔ مگر ایشیا پر انھیں حکمرانی کا موقع نہ ملا۔ پھر بھر کی تسخیر اُن کے نزدیک کیا حقیقت رکھتی تھی۔ سکندر نے انھیں دوسرے انعامات تو بہت دیے لیکن حکمرانی کا اختیار دینے کے لیے

وہ تیار نہ ہوا۔ آریاں لکھتا ہے کہ وہ خود تو کسی بھی چیز کا خواہاں نہ تھا لیکن جو لوگ اس سے وابستہ تھے۔ انھیں بے اندازہ دولت دے دی۔ اس سال کی علیحدگی نے سکندر اور اس کے ہم قوموں کے درمیان اجنبیت پیدا کر دی تھی۔ سکندر کے لیے اولمپیاس کی جذباتیت اینٹی پیٹر کی سخت گیر حکومت، کلو پیٹرا کی سازشیں اور ہارپالوس کی چوری کے واقعات بہت کم حیثیت اور دور افتادہ واقعات بن چلے تھے۔ اس نے ارسطو سے خط و کتابت بھی ترک کر دی تھی۔ اور ارسطو مشائی فلسفیوں کے استاد کی حیثیت میں کتابوں کے انباروں کے اندر بیٹھا رہتا تھا۔ مشائیوں کی تعلیم یہ تھی کہ سکندر خوش بختی سے کامیاب ہوا لیکن وہ اپنے تجاوزات ہی کے باعث مصائب میں مبتلا ہو جائے گا۔ سکندر نے یہ سنا تو کہا: جو لوگ میرے خلاف سازش کرنے والوں کو پناہ دیتے ہیں۔ انہیں ضرور سزا دی جائے گی۔

یونانی اور مقدونوی دنیا کے اکابر کے نزدیک ایشیا کے فاتح کی حیثیت ایک دیوانے کی سی تھی۔ وہ بطورِ خود مشرقی سمت میں غائب ہو گیا تھا۔ وطن کے نوجوانوں کو بھی کھینچ کر باہر لے گیا تھا انسانی زندگی کی قدر و قیمت کا اُسے کوئی احساس نہ تھا۔ دیوانگی کا حملہ اس پر ہوا۔ دیوتاؤں کی بلند حیثیت سے اس نے انکار کر دیا۔ وہ اجنبی معبودوں کے سامنے جھکتا رہا۔ اس نے بربریوں کے درمیان سنہری پلنگ پر استراحت پسند کی۔ خوشبوئیں اس کے سامنے جلتی رہتی تھیں۔ اسے قوت کے نشے نے مدہوش کر دیا تھا۔ ۳۲۳ء ق، م کے موسم بہار میں کیسنڈر اور ہارپالوس وطن لوٹے تو انھوں نے ایسی ہی باتیں پھیلائیں۔

وہ بابل میں دربار منعقد کرتے ہوئے گھبراتا تھا۔ اُسے یہ پسند نہ تھا کہ شہر کے اہرام نما برجوں پر افسروں اور درخواست گزاروں کی قطاریں اس کے انتظار میں بیٹھی رہیں۔ جن پہاڑوں سے اسے محبت تھی، بابل کے معلق باغ ان کا اچھا بدل نہ تھے۔ اس کے برعکس وہ قزوین کے زمین بند سمندر (بحیرہ قزوین) کی چھان بین کے لیے سکیمیں تیار کرنے میں لگ گیا۔ اس نے کہا کہ اس سمندر کے کنارے لکڑی کی کمی نہیں۔ اس سے بیڑا تیار کیا جا سکتا ہے ـــــ ملکہ فونیقی اور کریٹی فن کاروں کو حکم دیا کہ جہاز سازی کا کارخانہ قائم کرنے کے لیے فوراً روانہ ہو جائیں ـــــ پھر سمندر کا چکر لگا کر معلوم کیا جا سکتا ہے کہ آیا یہ بحیرۂ اسود سے ملتا ہے یا اس کا اتصال شمالی سمندر سے ہے

اگر آخری بات درست ثابت ہو گئی تو پھر ہمارے جہاز رُبع مسکون کے شمالی کنارے پر بھی جب پہنچیں گے۔ یہ بھی معلوم ہو سکے گا کہ آیا دریائے بحرادر دریائے رنگ دونوں بحیرۂ قزوین ہی میں گرتے ہیں؟ اس طرح سِتھیوں کے وطن تک بہ آسانی پہنچنا ممکن ہو جائے گا۔

سکندر کو پرنا سسس کے ملنے کی کوئی امید نہ رہی تھی۔ اس نے ہمالیہ کی برف پوش چوٹیاں دیکھ لی تھیں جو زمین کی آخری بڑی فصیل تھا۔ وہ عقابوں کی پرواز دیکھ چکا تھا۔ اس کے قدم مکران کے ایک ریگ زار کی پیمائش کر چکے تھے اور اسے بیرونی سمندر کے مدوجزر کا تجربہ بھی ہو چکا تھا وہ دارا کے تخت پر نہیں بلکہ اپنے تخیل کی شان و شکوہ کے تخت پر بیٹھ کر اپنی اس دنیا یعنی طبعیات کی دنیا میں سیر و گردش کرتا رہتا تھا۔ زمین کے متعلق اس کے تصوّرات واضح ہو چکے تھے۔ اس اثنا میں ہفاسشن کے انتقال کی خبر ملی۔ اس سے سکندر کو سخت صدمہ پہنچا۔ ہفاسشن صرف سات روز بخار میں مبتلا رہا تھا۔ طبیب اُس کا علاج نہ کر سکے تھے۔ کلائٹس کو سکندر خود مار چکا تھا۔ اب ہفاسشن بھی بچھڑ گیا تو سکندر نے سمجھا کہ اس کی ذاتی چیز چھن گئی ہے۔ ماتم کے جوش میں اُس نے حکم بھیجا کہ ہفاسشن کے اعزاز میں اکبتانا کے اندر کھیلیں جاری رہنی چاہئیں اور جتنے لوگ اُن میں حصہ لیں وہ مرنے والے عزیز دوست کی یاد میں قربانیاں کریں۔

جو یونانی نقل وطن کر کے آئے تھے اُن میں سے سکندر کو ایک خوش فکر فن کار مل گیا جس کا نام سٹاسی کریٹیز[1] تھا۔ وہ ہفاسشن کی قبر کا بڑا اچھا نقشہ بنا سکتا تھا۔ فیصلہ ہوا کہ صندل اور دیودار کی لکڑی استعمال کی جائے جسے ایلوے اور دوسری خوشبوؤں میں بسا دیا جائے۔ اس کی وضع قطع مندر کی سی ہو اور اکبتانا کے خزانے سے دس ہزار ٹیلنٹ کی رقم اس پر صرف کی جائے سکندر نہیں چاہتا تھا کہ یہ یادگار نذرِ آتش ہونے پائے، مگر یہ نذرِ آتش ہوئی۔ سکندر کی تجاویز کی عظمت کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے سٹاسی کریٹیز نے خود اس کی خوشنودی حاصل کرنی چاہی اور اس کی یادگار کا ایک عجیب نقشہ بنا رکھا تھا جس کے سامنے مصر کے اہرام بھی بے حقیقت رہ جاتے اس نے کہا کہ میں کو اتھوس[2] کی چٹان کو کاٹ کر سکندر کا مجسمہ تیار کروں گا۔ دس ہزار باشندوں کا شہر

---

[1] STASICRATES

[2] ATHOS یونان کا ایک پہاڑ جو سالونیکا سے کوئی دس میل کے فاصلے پر بحیرۂ ایجیہ کے نزدیک واقع ہے۔ اس کی بلندی چھ ہزار فٹ سے کم نہیں۔ اتھوس اس خطۂ زمین کا نام بھی ہے جس میں یہ پہاڑ واقع ہے۔ سالونیکا کے سامنے خشکی کی تین تکونا نما زمینیں سمندر میں تین بانوں کی طرح بڑھی ہوئی ہیں۔ ان میں سے دائیں جانب کی تکونا کے آخری حصے میں کوہ اتھوس واقع ہے

اس کے بائیں جانب ہوگا اور دریا اس کے دائیں جانب سے بہتا ہوا سمندر میں گرے گا۔ یہ مجسمہ رہتی دنیا تک باقی رہے گا۔ سٹاسی کریٹیز نے قسم کھا کر کہا کہ ایسی قسم کا مجسمہ سکندر کے شایانِ شان ہو سکتا ہے۔

لیکن سکندر ایسی باتیں سننے کے لیے بھی تیار نہ تھا۔ وہ اکبتانا سے یہ کہہ کر نکلا کہ کیتوں کے خلاف ایک مہم پر جا رہا ہوں۔ بطلیموس کو ساتھ لے لیا۔ وہی اس کے پرانے دوستوں میں سے باقی رہ گیا تھا اور جنوب کی طرف روانہ ہوا۔ اس نے نہایت کٹھن پہاڑی راستہ اختیار کیا جسے لوگ چھوڑ چکے تھے بعض اوقات برف پوش چوٹیوں کے قریب پہنچ جاتا۔ اشوری بادشاہوں نے پہریداری کے لیے جا بجا برج بنا رکھے تھے۔ جب اسے خبر ملی کہ نیارکس بابل پہنچ گیا ہے تو وہ بھی پہاڑوں کو چھوڑ کر میدان میں اتر پڑا۔ جہاں ہرکاروں کی سڑک واقع تھی۔ لوگ اس کے سلام کے لیے ہجوم کی شکل میں جا بجا جمع تھے۔ چند سال پیشتر وہ گاگامیلہ کی جنگ کے لیے اسی سڑک سے گزرا تھا۔ بربری قبیلوں کے قاصد دُور دُور سے اس کے پاس پہنچے ہوئے تھے۔ وہ افریقہ کے ببیری سے علاوہ اٹرسکنوں کی طرف سے بھی تحائف اور پیغاماتِ خیر مقدم لائے جو یونان کے مغربی حصے میں رہتے تھے۔

راستے میں اسے مردوج کے پروہتوں کا ایک گروہ ملا جس نے کہا: "خداوندا باب بابل سے اندر نہ جائیے۔ اگر آپ دوبارہ اندر جائیں گے تو آپ پر آفت نازل ہوگی۔"

سکندر: پیشگوئی ایک قیاس کے سوا کچھ نہیں ہوتی۔

ساتھیوں نے کہا کہ اس انتباہ کو نظر انداز نہ کرنا چاہیئے اس لیے کلازید کے سمیتہ دانوں کو یونانیوں کے مقابلے میں انسانوں کی تقدیر کے متعلق بہتر علم حاصل ہے۔ جن لوگوں کو اس قسم کی باتوں پر اعتقاد نہ تھا۔ وہ بولے کہ یہ پروہت مردوج کے مندر دوبارہ بن جانے کے باعث بے حد دولت مند ہو گئے ہیں اور نہیں چاہتے کہ سکندر شہر میں پہنچے اور ان کے حسابات کی جانچ پڑتال کرے۔ سکندر کو یاد آیا کہ اریسٹانڈر نے جو مر چکا تھا، اسے متنبہ کیا تھا کہ مندر دوبارہ تعمیر کرنے کی اجازت نہ دینی چاہیئے سکندر نے انتباہ کا کچھ خیال نہ کیا۔ وہ تو بابل کو اپنی وسیع مملکت کا مرکزِ حکومت بنانا چاہتا تھا اور نیارکس وہاں اس کا منتظر تھا۔

وہ شاہی محل کی چھت پر چلا گیا۔ جہاں رات کے وقت ٹھنڈی ہوا چلتی تھی اور نیچے بازاروں میں مشعلوں کی روشنی ایسی نظر آتی تھی جیسے جگنو چمک رہے ہوں۔ وہاں نیارکس کے ساتھ عرب میں

مہم بھیجنے کی سکیم پر بحث و غور کیا کرتا تھا۔ جہاں سے خوشبوئیں آتی تھیں۔ سکندر نے کہا کہ آرکیاس بھی واپس آگیا ہے۔ اُس نے مغربی ساحل ایک جزیرے تک دیکھ لیا اور جیسا کہ تمہارا (نیارکس کا) خیال تھا سمندر نے وہاں خلیج کی سی صورت اختیار کر لی ہے۔ میں نے اس جزیرے کا نام اکاروس[1] رکھا ہے۔

نیارکس کو ان باتوں کا علم تھا لیکن اسے یہ علم بھی تھا کہ سکندر انکشافات کے متعلق اس طرح گفتگو کیا کرتا ہے جیسے وہ خود موقع پر موجود تھا اور خود احکام جاری کر رہا تھا۔ امیر بحر (نیارکس) نے بتایا کہ ہیرون[2] ساحل کے ساتھ خلیج کے اندر تک چلا گیا۔ پھر لوٹا اور کنارے سے جہاز لگا تو اُس نے دیکھا کہ ہر طرف صحرا ہی صحرا ہے۔

سکندر: وہ لوٹ کیوں آیا؟

نیارکس: آگے جاتے ہوئے ڈرتا تھا۔

سکندر نے قہقہہ لگایا۔ اسے یہ بات بڑی عجیب معلوم ہوئی کہ کوئی شخص صرف ڈر کے مارے لوٹ آئے۔ نیارکس نے بتایا کہ ہیرون کے اندازے کے مطابق عرب کی سرزمین ہندوستان جتنی بڑی تو ضرور ہوگی۔ سکندر یہ سُن کر بہت خوش ہوا اور فیصلہ کر لیا کہ عرب کے اردگرد جہازوں کا چکر ضرور لگے گا۔ میں خود ایک مہم خشکی کے راستے لے جاؤں گا۔ نیارکس ساحل کے ساتھ ساتھ جہاز لے کر چلے گا اس طرح ہم دونوں سرزمینِ نیل میں پہنچ جائیں گے اور صحراؤں کے جنوب میں جن اسرار سے اب تک پردہ نہیں ہٹا۔ انھیں بے پردہ کر کے رہیں گے۔

بابل میں جہاز سازی شروع ہو گئی۔ دس دس اور تیس تیس چپوؤں والے جہاز بننے لگے سکندر ایک نئے جہاز پر سوار ہو کر امتحان کی غرض سے دریا کی جنوبی سمت میں گیا۔ اس طرح وہ نہروں کا نظام بھی دیکھنا چاہتا تھا۔ پھر اُسی راستے ہی سے دوبارہ بابل میں داخل ہوا۔ پرسٹاس نئی فوج لے کر ایران سے آگیا تھا۔ سلیوکس اپنے ساتھ ہاتھیوں کی ایک قطار لایا۔ اس رات سکندر صبح تک شراب پیتا رہا۔ بے چینی میں اُسے نیند نہ آتی تھی۔

جب اسے نیند نہ آتی تو طریقہ یہ تھا کہ صبح کی قربانی کے بعد وہ دریا پر پہنچ جاتا، تیرتا اور

---

1. ICARUS
2. HEIRON

اس پار سے اُس پار چلا جاتا۔ دوسرے کنارے پر حوض کے پاس شامیانہ لگا ہوا تھا وہاں لیٹ جاتا اور دن کی گرمی سے محفوظ ہو جاتا۔ یکایک اُسے محسوس ہوا کہ بخار آ رہا ہے۔ اُس نے دوبارہ چشمے میں غسل کیا اور سونے کی کوشش کی۔ افسروں کو حکم دیا کہ سورج نکلنے پر حاضر ہوں۔ آریان لکھتا ہے :-

"رات کے وقت بخار تیز ہو گیا۔ اس نے معمول کے مطابق قربانی کی اور نیارکس کو حکم دیا کہ جہاز تیسرے دن روانہ ہو جانا چاہئیں۔ اگلے دن قربانی کے وقت وہ بخار کی شدت کے باعث خاموش نہ رہ سکا۔ افسروں سے برابر باتیں کرتا رہا کہ بیڑے کی روانگی کے لیے انھیں ہر چیز تیار رکھنی چاہیے۔

تیسرے دن وہ اتنا کمزور ہو چکا تھا کہ قربانی کے لیے پالکی میں بٹھا کر لائے۔ اسی حالت میں اسے واپس لے گئے۔ جرنیل اور دیوانی کے افسر محل کے دروازے پر اس کا انتظار کر رہے تھے۔ جب وہ لوگ اس کے کمرے میں داخل ہوئے تو انھیں پہچان تو رہا تھا لیکن بول نہ سکتا تھا۔ دو دن اور دو رات بخار تیز سے تیز تر ہوتا رہا۔

سپاہیوں کو یہ خبر ملی تو انھیں خیال پیدا ہوا کہ سکندر کہیں مر نہ گیا ہو اور راز دار افسر اس حقیقت کو چھپا رہے ہوں۔ ان میں سے بعض محل میں پہنچے۔ وہ رو رہے تھے اور زبردستی اس کے کمرے میں گھس گئے۔ ایک ایک کر کے اس کے سامنے سے گزرے۔ وہ اب بھی بول نہ سکتا تھا۔ البتہ اپنے دائیں ہاتھ سے ان کے سلام کا جواب دیتا تھا اور بہ مشکل اپنا سر اٹھاتا تھا۔

کچھ دیر بعد وہ عالمِ بقا کو سدھارا۔ صرف بتیس سال اور آٹھ مہینے کی عمر پائی۔

بائیسواں باب

سکندر کے بعد

سکندرِ مقدونیہ کی وفات بخت نصر کے محل میں اچانک ہوئی جو دریائے دجلہ کے کنارے واقع تھا۔ غالباً وہ ملیریا کا شکار ہوا۔ اُس کی فوج کا ہر معمولی سپاہی بیماری کے اِس حملے سے جانبر ہو سکتا تھا لیکن سکندر نے محنت و مشقت سے اپنے جسم کو گھلا دیا تھا اور آخری سنین میں اُس کے قلب و روح بھی تھک کر چُور ہو گئے تھے۔ غالباً اُس کی موت زیادہ تر بخار سے نہیں بلکہ جسمانی تکان اور زخموں کے باعث ہوئی۔

وہ جوانی ہی میں چل بسا اور سلطنت کا جو خواب اُس نے دیکھا تھا اُس کی تعبیر ادھوری رہ گئی۔ طبعاً سوال پیدا ہوتا ہے کہ آیا یہ تعبیر پوری ہو سکتی تھی؟ دورِ حاضر کے بعض مصنفوں کا خیال ہے کہ جو کام اُس نے اپنے ذمے لیا تھا وہ انسانی طاقت سے باہر تھا۔ سکندر کو خوش نصیب سمجھنا چاہیئے کہ وہ اس نظام کی برہمی کا رنج اُٹھانے سے پیشتر ہی دنیا سے اُٹھ گیا۔ حقیقتِ حال کے معلوم کرنے کا ہمارے پاس کوئی ذریعہ نہیں۔

جو کچھ اُس نے کیا وہ ہمیں معلوم ہے اور فارؔ[1] ٹھیک کہتا ہے کہ یہ اتنا اہم نہیں جتنا اہم وہ ہے جس کے لیے اُس نے کوشش کی۔ اِس بارے میں بھی ہمارے سامنے کوئی واضح شہادت موجود نہیں۔ جو حالات اُسے پیش آئے، اُن سے عہدہ برآ ہونے کا بندوبست کر لیا گیا۔ جن مشکلات سے سابقہ پڑتا رہا اُنھیں راستے سے ہٹاتا گیا۔ وہ مشکلات پر اتنا مضطرب نہ تھا جتنا اپنے ساتھیوں کی بے یقینی پر مضطرب تھا۔ آخری سنین میں اُس نے تمام قوموں کو تہذیب کے نئے راستے پر اتنی قوت سے آگے بڑھا دیا تھا کہ وہ پرانے طور طریقوں پر واپس نہ جا سکتے تھے۔ اُس نے انسانیت سے بالا قوت و طاقت استعمال کر کے اپنے زمانے کے تمام معیار درہم برہم کر ڈالے تھے اور اس طرح

---

[1] FAURE

اُن قوتوں کو حرکت میں لے آیا تھا جنھیں آگے بڑھنے سے روکا نہ جا سکتا تھا۔ سکندر کے احوال و ظروف میں جو عجائبات پیش آئے اُن میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اُس کی زندگی کے اثرات موت سے پیشتر ٹھیک ٹھیک نمایاں نہ ہو سکے۔ جن قوتوں کے پاؤں سے اُس نے زنجیریں اتار دی تھیں وہ مدت تک انسانی تاریخ پر گہرا اثر ڈالتی رہیں۔ یہ اثر ہم اب بھی واضح طور پر دیکھ سکتے ہیں۔

مقدونیہ

سکندر کی عالمگیر سلطنت کے خلاف جو جنین کی حالت میں تھی پہلا ردِ عمل اُس کے وطن مقدونیہ میں ہوا۔ جو اس کی توجہ سے زیادہ تر محروم رہا۔ وہ کوئی قطعی لقب اختیار کرنے سے پیشتر مر گیا۔ اُس کے وطن کے اکثر سپاہی لوگ سمجھے بیٹھے تھے کہ سکندر ایشیا پہنچ کر یا تو دیوانہ ہو چکا ہے یا اُس نے مطلق العنان فرمانروائی کی حیثیت اختیار کر لی ہے۔ کریٹیرس اس وقت تک یونان نہ پہنچا تھا۔ اختیارات کی باگ اینٹی پیٹر کے ہاتھ میں تھی۔ اُس نے فوجی قوت سے کام لے کر پورے یونان پر قبضہ کر لیا، حالانکہ سکندر نے اپنی زندگی میں ایسے اقدام کی اجازت نہ دی تھی۔

ڈیماستھنیز نے یونان کی آزادی کو بچانے کے لیے آخری کوشش کی۔ وہ کامیاب نہ ہو سکا۔ تو جان بچا کر ایجینا[1] بھاگ گیا۔ مقدونیہ کے طلایہ گردوستے اُس کی تلاش میں ایجینا پہنچے تو ڈیماستھنیز نے ایک مندر میں پناہ لے لی اور قید ہونے کے بجائے خودکشی کر لی۔ ارسطو پر لامذہبی کا الزام لگا اور وہ وطن چھوڑ کر چیلسس[2] چلا گیا جہاں ایک سال بعد وفات پائی۔ اس طرح اُس دور کی تین زبردست ہستیاں ختم ہو گئیں یعنی سکندر، ڈیماستھنیز اور ارسطو۔ تینوں اپنے اپنے دائروں میں اتنی بلند حیثیت کے مالک تھے کہ بعد کی نسلوں میں سے کوئی ان کے برابر نہ پہنچ سکا۔

خود یونان میں سکندر کو دیوتا سمجھا جاتا تھا اور آخری دور کے ہرقل یا اپالو کی حیثیت میں اُس کی پوجا کی جاتی تھی۔ اس کے لیے قربانیاں کی جاتیں، مورتیاں بنائی جاتیں اور لوگ اُن کے سامنے جھکتے۔ سکندر پرستی کا یہ آغاز تھا۔ یہ سب کچھ رسمی حیثیت رکھتا تھا لیکن اس سے اُس

---

[1] AEGINA کارنتھ کے قریب ایک جزیرہ ہے۔ جہاں ڈیماستھنیز چلا گیا تھا اور وہیں فوت ہوا۔

[2] CHALCIS یونان کے ایک صوبے یوبیا (EUBOEA) کا ایک مقام ہے جہاں ارسطو نے وفات پائی۔

تبدیلی کی شہادت ضرور ملتی ہے جو پیش آچکی تھی۔ ایتھینز والوں کے نزدیک سکندر مقدونیہ کا بادشاہ نہ رہا تھا۔ ایک خاص مدت کے لیے اُس نے ایتھینز کے ہاتھ سے فکر و نظر کی قیادت چھین لی تھی اور غور و خوض کے ایسے نئے میدان کھول دیے تھے جو اہلِ علم کے لیے تحیر کا باعث تھے یونانیوں نے اِس مسئلے کو یوں طے کیا کہ سکندر کو دیوتا مان لیا اور درس گاہوں میں حسبِ معمولی اپنی بحثوں پر متوجہ ہو گئے۔

مقدونیہ کی تقریباً نصف آبادی مشرق کی طرف جا چکی تھی یا فنا ہو چکی تھی۔ جاگیردار امرا کی تعداد خاصی گھٹ گئی تھی۔ کسانوں میں شعور پیدا ہو چکا تھا اور انھوں نے شاہی خاندان یا اولمپیاس کی غلامی قبول کرنے سے انکار کر دیا۔ ان داخلی جھگڑوں کے علاوہ ایشیائے کوچک میں مسلسل کشمکشیں شروع ہو گئیں۔ جہاں یک چشم اینٹی گونس مالک و مختار بن گیا تھا۔ یونانیوں نے فن کار مزدوروں کے کام سنبھال لیے اور فوج کی حیثیت پرانے زمانے کے پیشہ وروں کی سی رہ گئی۔ ان میں سے کوئی بھی چیز بعد ازاں بربری گالوں کے حملوں کو روک نہ سکتی تھی اور سکندر کے بعد دو صدی سے بھی کم مدت میں بربری رومی لشکر سیل کی طرح اٹھے تو ان کو بھی پیچھے نہ ہٹایا جا سکا۔

جانشین جب سکندر نے بابل کے محل میں وفات پائی تو بطلیموس، سلیوکس، پرڈکاس، پیوسس ٹاس اور نیارکس اُس کے پاس موجود تھے۔ یہ طاقتور رفیق جو کچھ ضروری سمجھتے تھے وہ غور و فکر کا محتاج نہ تھا۔ اُن کا فیصلہ یہ تھا کہ یورو ایشیائی سلطنت کو فیلقوس اور سکندر کے وارثوں کے لیے محفوظ رکھنا چاہیے۔ وارث دو تھے۔ ایک فاتر العقل روہی ڈائیس جو اب سنِ کہولت کو پہنچ چکا تھا۔ دوسرا روشنک کا بیٹا جو چند ہی مہینے کا تھا۔ موقع پر پرڈکاس کو نائب السلطنت منتخب کر لیا گیا۔ وہ صاحبِ عزم سپاہی تھا اور شاہی خاندان سے اُس کی رشتہ داری بھی تھی۔ موقع شناس بطلیموس نے یہ پسند کیا کہ اُسے مصر کا گورنر بنا دیا جائے۔ وہ ہمیشہ مصر کا آرزومند رہتا تھا سلیوکس نے اُن تمام علاقوں کا انتظام سنبھال لیا جو بابل کے مشرق میں تھے اور انھیں کو دراصل مشرقی علاقے سمجھنا چاہیے۔

مناسب یہ تھا کہ سکندر کا تابوت مقدونیہ بھیجا جاتا، لیکن بطلیموس نے یہ تابوت مصر لے جانے کا بندوبست کر لیا۔ اِس طرح اپنا اقتدار بہت بڑھا لیا۔ آگے چل کر اُس نے تھائیس سے شادی

کر لی فیمفس اور سکندریہ میں بطلیموس نے ایک نئے حکمران خاندان کی بنیاد رکھ دی۔ جیسا کہ امید کی جا سکتی تھی، مشقت پسند سلیوکس کے مقابلے میں بطلیموس نے بادشاہی کے لطف زیادہ اٹھائے سلیوکس اپنے آپ کو پوری سلطنت کا محافظ سمجھتا تھا۔ انھیں دونوں کے متعلق دانیال ہی کی پیش گوئی میں ذکر آیا ہے:۔

"جنوب کا بادشاہ بہت طاقتور ہوگا لیکن اُس کا ایک سپہ سالار طاقت میں اور بھی بڑھ جائے گا اور وہ سلطنت کا مالک بن جائے گا۔"

بطلیموس نے سکندریہ میں ایک کتب خانہ تعمیر کرایا جہاں اُس کا سوتیلا بھائی نظر بند تھا۔ تھائیس ممفس میں ملکہ کے فرائض انجام دیتی رہی اور اُس سے تین بچے ہوئے۔

سکندر جو تاج اور شہنشاہی ایرانی لباس پہنتا تھا اُسے پہننے کی جانشینوں میں سے کسی کو جرأت نہ ہوئی یا کہ یہ سمجھیے کہ انھوں نے اس بارے میں کوئی توجہ نہ کی۔ انھوں نے دوسرے ہی شاہی لباس پر قناعت کی یعنی مرصع سربند، ارغوانی لبادہ، سُرخ رنگ کے بوٹ اور مقدونی لباس جیسے ایشیائی وضع دے دی گئی تھی۔ اِس لباس کو بعد ازاں بیزنطینی شہنشاہوں نے استعمال کیا (سکندر داڑھی مونچھ دونوں منڈواتا تھا۔ جانشینوں نے بھی آقا کی پیروی کی۔ یہاں تک کہ یونانیوں میں داڑھی کا رواج نہ رہا اور غالباً انھیں کی یہ رسم روم پہنچی)

سکندر نے اِن جانشینوں کے لیے حکومت کا واضح نقشہ نہ چھوڑا تھا۔ وہ صرف سکندر کی مثال اور اُس کا مقصد سامنے رکھ سکتے تھے۔ یہ کام اُن سے نہ ہو سکا۔ انھوں نے بہت کچھ کیا لیکن جیسا کہ اولمپیاس بار بار شکایت کر چکی تھی، وہ بادشاہوں کی برابری حاصل کر چکے تھے فوجی اختیارات اور ملکی نظم و نسق کے صیغوں کو وہ الگ الگ نہ رکھ سکے۔ اور انجام کار پُرانے زمانے کی طرح ٹیکس جمع کرنے والوں پر اُن کا انحصار رہ گیا۔ سلیوکس اِن علاقوں کو جو انتہائے مشرق میں واقع تھے یکجا نہ رکھ سکا۔ جو یونانی بیرونی باختر یا سُغد میں آباد ہو گئے تھے سکندر کی موت کی خبر سُن کر انھوں نے بغاوت کر دی اور وطن کا راستہ لیا۔ ہندوستان کے مفتوحہ علاقے سلیوکس نے چندرگپت کو دے کر ہاتھیوں کی قطار لے لی۔

جانشینوں نے مقدونوی بولی کی جگہ یونانی کو سرکاری زبان بنا لیا۔ تجارت میں ملی جلی

استعمال ہوتی تھی۔ رفتہ رفتہ یہ جانشین الگ الگ ریاستوں کے بادشاہ بن گئے۔ صرف یونانی ثقافت انھیں ایک دوسرے سے وابستہ کیے ہوئے تھی، جسے ایشیائیوں پر مسلط کر دیا گیا تھا۔ سکندر نے مقدونیہ اور ایران کی تہذیب کو ملانے کی کوشش کی تھی۔ اس سلسلے نے غیر محسوس طریق پر یونانی و ایشیائی معاشرے کی حیثیت اختیار کر لی۔ یہی معاشرہ پھر یونانی دنیا کے نام سے مشہور ہوا۔ جن اُمرا کو مقدونیہ کے شاہی دربار میں مصاحبوں کا درجہ حاصل تھا وہ نئی سلطنت میں بکھرے ہوئے تھے۔ آہستہ آہستہ وہ قوی ہوتے گئے اور اپنے آپ کو بادشاہ کے حلیف کہنے لگے۔ انھوں نے سپہ گری کو پیشہ بنا لیا۔ چاندی کی ڈھالیں استعمال کرتے اور جو سپہ سالار اُنھیں زیادہ تنخواہ دینے پر آمادہ ہوتا۔ اُس کی خدمت گزاری کے لیے تیار رہتے۔

جو آدمی سکندر کی یاد قائم رکھنے کے دل سے خواہاں تھے۔ اُن میں یہ تغیرات بالکل ناگزیر تھے۔ اصل تفرقہ اُس خانہ جنگی سے پیدا ہوا۔ جو مقدونیہ میں شروع ہوئی۔ اس کی ذمہ دار خود پرست اولمپیاس تھی جس نے سکندر کی وفات سے چھ سال بعد اریڈائس کو زہر دلا کر مروا دیا۔ اِس طرح روشنک کا بیٹا پوری سلطنت کا وارث رہ گیا (بظاہر یہ معلوم ہوتا ہے کہ اولمپیاس نے سکندر کے اُن جانشینوں کو جو مشرق میں بیٹھے تھے اس امر پر آمادہ کر لیا تھا کہ باختری شاہزادی اور اُس کے بیٹے کو پیلا بھیج دیا جائے) . . . . پرڈکاس اور اینٹی پیٹر دونوں مر گئے۔ جب ایشیائے کوچک اور مقدونیہ کے درمیان کھلم کھلا جنگ شروع ہو گئی تو کیسنڈر نے جو سکندر کا مجسمہ دیکھ کر کانپ اُٹھتا تھا، مقدونیہ کے شاہی خاندان کے خلاف اینٹی گونس کے خاندان کا ساتھ دیا۔ اس طرح اینٹی پیٹر کے بیٹے کیسنڈر نے جو سکندر کا دشمن تھا مقدونی شاہی خاندان کی تباہی کا کام شروع کیا۔

۳۱۰ ق م میں کیسنڈر نے اولمپیاس، روشنک اور سکندر کے دوازدہ سالہ بیٹے کو گرفتار کر لیا۔ اُس نے ہر چند کوشش کی لیکن سپاہیوں میں سے کوئی بھی اولمپیاس یا روشنک یا سکندر کے بیٹے پر تلوار اٹھانے کے لیے تیار نہ ہوا۔ وہ خاصی بوڑھی ہو چکی تھی۔ انھوں نے کہا کہ ہم اُس شخص کی ماں، بیوی اور بیٹے کو قتل نہیں کر سکتے جسے دیوتا سمجھ رہے ہیں۔ کیسنڈر نے خود اولمپیاس، روشنک اور سکندر کے بیٹے کے ہاتھ پاؤں باندھے اور انھیں ڈبو کر مار ڈالا۔ اِس طرح فیلقوس

اور سکندر کا آخری انسانی رشتہ ختم ہو گیا اور مقدونیہ کے سپہ سالار اپنے کاموں میں آزاد ہو گئے یورایشیا کی سلطنت کا والی وارث کوئی نہ تھا۔ چار سال بعد انٹی گونیٹس نے اپنے آپ کو سلطنت کا تنہا وارث قرار دیا۔ یہ وراثت اُسی صورت میں عمل پذیر ہو سکتی تھی کہ مقدونوی فوج اس پر راضی ہو جاتی۔ رفتہ رفتہ خانہ جنگی کے باعث سکندر کی عالمگیر سلطنت چار حصوں میں بٹ گئی۔ مقدونیہ اور ایشیائے کوچک انٹی گونس نے سنبھال لیے۔ مصر پر بطلیموسی قابض ہو گئے۔ شام سے ہندوکش تک کا علاقہ سلیوکس کے قبضے میں آ گیا، سرحدی علاقوں کے متعلق یہ آپس میں لڑتے رہتے تھے۔ آرمینیا نے آزادی حاصل کر لی۔ یہودیوں نے فلسطین میں ایک آزاد حکومت کی طرح ڈال دی۔ ان سب کے درمیان اشتراکی رشتہ صرف ثقافت کا تھا لیکن یہ سیاسی تفرقہ یا ہنگامی جنگیں اُس تنظیم و ترکیب کو نہ روک سکیں جو درباروں سے باہر معرضِ عمل میں آ چکی تھیں۔

محرک قوتیں

حقیقت یہ ہے کہ یونانی دنیا میں وہ تحریکیں بروئے کار آ چکی تھیں جنھیں نئے شاہی قانون یا فوجی قوتیں قابو میں نہ رکھ سکتی تھیں۔ یونانی شہر آزاد رہے تھے۔ اگرچہ کمزور تھے۔ اُن میں بیرونی دنیا کے ساتھ تعلق کی خواہش ترقی پانے لگی۔ پرانی داخلی جنگوں کے بارے میں دلوں پر ہراس پیدا ہو گیا تھا۔ فلسفیوں نے اپنے تصورات کو چھوٹے چھوٹے شہروں سے اٹھا کر انسانوں کی وسیع دنیا پر پہنچا دیا۔ لذتیوں[1] کی محدود نفاست و شائستگی یا منتخب افراد کی مختاری جس کی تلقین افلاطون اور ارسطو کے پیرو کر رہے تھے۔ اب سب سے بڑی نیکی معلوم نہ ہوتی تھی۔ افلاطون یا ارسطو میں سے کسی نے بھی اپنے منتخب گروہوں سے باہر رہنے والے انسانوں کا خیال نہ کیا تھا۔ اُن کے تصورات کچھ اس قسم کے تھے کہ تہذیب و شائستگی کے اس دائرے سے جو لوگ باہر رہ جائیں انھیں یا تو غلام سمجھنا چاہیے یا دشمن۔ جو لوگ نئے خیالات سے متاثر ہو کر بروئے کار آئے وہ رواقوں میں تعلیم دیتے تھے اس وجہ سے رواقی[2] کہلائے۔

ان لوگوں کے نزدیک چھوٹے چھوٹے شہر یا قدیم یونان کے مندر اور گھر بار اُتنے

---

[1] EPICUREANS فلسفیوں کا وہ گروہ جو اپی کیورس کا معتقد تھا۔

[2] STOICS اسٹوئک یہ لوگ اسٹوا (STOA) یعنی رواقوں میں تعلیم دیتے تھے۔ اسی لیے رواقی کہلائے۔ زینو (ZENO) اس طبقہ فلاسفہ کا بانی تھا۔

اہم نہ تھے، جتنا کہ تصورات کا عالمگیر مرکز رہا تھا۔ رواقیوں خصوصاً اُن کے لیڈر زینو جو اصول الفاظ میں پیش کرتے تھے، سکندر کی علاقائی توسیع اور مزعومہ یوریشیائی سلطنت کے بعد تمام یونانیوں کے افکار و خیالات میں رچ چکے تھے۔ پرانی قومیں درہم برہم ہو گئیں۔ مختلف قوموں میں امتزاج پیدا ہوا۔ عالمگیر زبان پیدا ہوئی اور انسانوں میں نئی رفاقت کا جذبہ اُبھر آیا۔ مخلوط انسانیت کی راہوں میں نئے عالمگیر مذہب کے پیشوا نمودار ہونے والے تھے۔ یہ عالمگیر مذہب مسیحیت تھا۔

مشرق کی طرف نقلِ وطن کی جو تحریک سکندر نے پیدا کر دی تھی وہ اتنی شدت اختیار کر چکی تھی کہ اُسے روکا نہ جا سکتا تھا۔ مشرق میں نئے انکشافات نے طالع آزماؤں کے مختلف گروہوں کو بحیرۂ روم کے جزیروں اور کناروں سے اُٹھا کر ایشیا کے زر و مال اور وسیع مرغزاروں پر پہنچا دیا تھا، ٹھیک اُسی طرح جس طرح کولمبس کے ہاتھوں نئی دنیا کی دریافت کے بعد سولھویں اور سترھویں صدی میں یورپ سے ہمتورہ غیر مطمئن اور مذہبی اختلافات کے مارے ہوئے لوگ امریکہ پہنچ گئے

سکندر نے جو نیا سکہ جاری کیا تھا اُس پر اُس کے سر کا نقش تھا، ساتھ شیر کی یال بنی ہوئی تھی۔ یہ نقشہ لسی پس نے بنایا تھا۔ یہی سکہ یونانی دنیا میں تبادلے کا معیار بن گیا۔ سکندر کی وفات کے وقت اکبتانا کے خزانے میں صرف پچاس ہزار ٹیلنٹ رہ گئے تھے۔ اس کے پیشرو ایرانی شہنشاہوں نے سونے کے جن انباروں کو اپنے خزانوں میں بند کر رکھا تھا سکندر نے انھیں باہر نکال کر رواجِ عام دے دیا اور سونے کا سیل ہر طرف بہہ نکلا۔ تاجروں اور سپاہیوں کے ذریعے سے یہ سونا دور افتادہ حدود کی نو آبادیوں تک عام لوگوں کے ہاتھ میں پہنچ گیا۔ ساتھ ہی ایشیائی اپنے نسلی تعصبات سے آزاد ہونے لگے اور نئے مرکزوں میں مغربی دنیا کے جو لوگ آباد ہو گئے تھے اُن کے ساتھ میل جول شروع ہوا۔

غیر محسوس طریق پر ثقافت اور سرگرمیوں کے مرکز بھی مشرق کی طرف حرکت کرنے لگے۔ نئے سکے کے رواج نے ایتھنز کے درہم کی قیمت نصف کر دی۔ لہٰذا ایتھنز کو بحیرۂ روم کی تجارتی ملکہ

۱؎ مصنف نے اپنے مذہب کو جو عالمگیری درجہ دینے کی کوشش کی اُس میں علم و فضل کے بجائے ذاتی رجحانات کو مقدم رکھا۔

ہونے کا جو منصب حاصل تھا وہ بھی چھن گیا۔ ایشیائی ساحل کے قریب جزیرہ روڈز نے ایتھنیز سے زیادہ اہمیت حاصل کر لی۔ ایشیائی ساحل پر نئے نئے شہر بنتے گئے۔ جن میں جدید افکار و اوضاع نمایاں تھے۔ مثلاً پرگیمم کی گلیاں پختہ تھیں۔ درس گاہوں کے رُو کار سنگِ مرمر کے ستونوں سے آراستہ تھے۔ عوام کے اجتماع کے لیے بڑے بڑے ہال موجود تھے۔ تیرنے کے لیے حوض اور چھت کے بغیر تھیئٹر تھے۔ پرگیمم کے جنوب میں انطاکیہ[1] نے عظیم الشان حیثیت حاصل کر لی یہ شہر ایسی وادی میں واقع تھا جہاں دوآبۂ دجلہ و فرات سے تین تجارتی شاہراہیں آکر ملتی تھیں۔ یہاں مشہور سرکس اور باغات تھے، بعد میں انطاکیہ کھلے ہوئے رومی تاجروں کی آسائش گاہ رہا اور نصرانیوں کے ابتدائی مرکزوں میں سے ایک مرکز تھا۔

یہ نئے شہر دریائے نیل کے مشہور شہر سکندریہ کی طرح پرانے یوروپی شہروں کے اوضاع سے بالکل مختلف تھے۔ پرانے یوروپی شہروں کی گلیاں تنگ ہوتی تھیں اور وہ حصار اور مندر کے اردگرد بنائے جاتے تھے۔ ایتھنیز بھی اسی طرح اپنے بالا حصار کے گرد آباد ہوا تھا۔ رومہ بھی اپنے فورم یعنی منڈی اور مریخ کے مندر کے اردگرد سات پہاڑیوں پر آباد ہوا تھا۔ گویا پرگیمم در انطاکیہ کے یونانی مرکزوں کے برعکس رومہ بھی زیادہ جدید وضع کا شہر نہ تھا۔ نئے شہروں نے پوری ایشیائی کے لیے نمونے کا کام دیا۔ وہاں کوشک بھی بنے، حمام بھی، اور تفریح کے باغات بھی۔ ان شہروں کے وسط میں تفریحی پارک ہوتے تھے۔ نیز کالج، بین الاقوامی ایوان، تھیئٹر اور شفا خانے۔ ان کے اردگرد نئے معاشرتی نظام نے فروغ پایا۔ یہ رومی حکومت کے زمانے میں بھی بدستور قائم رہے اور ان میں معیشت کا پیمانہ بہت بلند تھا۔ اس تہذیب یافتہ مشرق ادنیٰ یا یوریشیا میں مغرب سے لوگ کھنچے چلے آتے تھے۔ تاکہ زرخیز خطوں میں زندگی بسر کریں جہاں سورج کی روشنی خوب ہوتی تھی۔ فرصت کے اوقات میں گانے سُنے جاتے تھے اور دور تک پھیلی ہوئی کاروانی شاہراہیں آباد کاروں کو سیاحی کی دعوت دیتی تھیں۔

یونانی ثقافت یونانیوں سے نکلی تھی لیکن یوریشیا کے دروازے سکندر نے کھولے اور اس کے روابط ایشیا تک پہنچا دیے۔ سکندر سے پیشتر مغربی لوگ پناہ گیروں یا تنخواہ داروں

---

[1] ANTIOCH اس شہر کی بنیاد انٹیوکس نے رکھی تھی۔ یہ شام کا مشہور مقام ہے۔

کی حیثیت میں ایشیا آتے اور اس دنیا کے تنگ ساحلی خطے سے آگے بڑھتے۔ سکندر کے بعد مغرب کے لوگ شہریوں کی حیثیت میں آنے لگے۔ انھیں زمینوں کی تلاش ہوتی یا مشغولیت کے مواقع ڈھونڈتے لوگ جہازوں میں سوار ہوتے اور بحیرۂ ایجیہ کے نیلے پانی سے گزر کر مشرق کی طرف آتے جن بندرگاہوں پر اُترتے وہاں سے انھیں جانوروں کی سواریاں مل جاتیں مثلاً گدھے، گھوڑے، اونٹ اور وہ منزل بہ منزل مرکنڈ یا بابل یا سکندر کے نام پر آباد شدہ شہروں میں سے کسی ایک میں پہنچ جاتے یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ سکندر نے سلطنت مشرق تک پھیلائی تھی۔ یہ کہنا چاہیئے کہ انسانوں کے لیے مشرقی سمت کا راستہ کھول دیا تھا۔ سکندر جو کسی بھی کام کو غیر ممکن نہ سمجھتا تھا، مغرب کو جسماً مشرق میں لے گیا اور وہاں ٹھہرا دیا۔ مقدونوی آبادکاروں کے خلاف ہندکوہ کے سفید کافروں کے درمیان اپنی جسمانی خصوصیتیں چھوڑ گئے اور حال ہی کا واقعہ ہے کہ سمرقند میں لال جھنڈے کو مقامی لوگ سکندرِ اعظم کا جھنڈا سمجھتے تھے۔

کاروانی شہر

سکندر نے یا اُس کے جانشینوں نے جو تجارتی شہر یا بندرگاہیں یا علم کے مرکز قائم کیے۔ وہ کسی ترنگ یا ضبط کا نتیجہ نہ تھے۔ انطاکیہ نے اِس لیے فروغ پایا کہ وہ تین تجارتی شاہراہوں کے اتصال پر واقع تھا۔ سلوکیہ سمندر کے قریب تھا۔ اسے سلوکی خاندان کی تفریح گاہ نہ سمجھنا چاہیئے بلکہ یہ انطاکیہ کی بڑھتی ہوئی تجارت کے لیے بندرگاہ کی حیثیت میں ضروری تھا۔ (میں سکندر کے طے کردہ راستے پر شو کر چکا ہوں۔ میرا خیال ہے کہ ہر مبصر کو ایک واقعہ خاص طور پر نمایاں نظر آئے گا اور وہ یہ کہ سکندر کے عہد میں یا اُس کے فوراً بعد جو تعمیریں ہوئیں اُن کا نشان تک باقی نہیں رہا۔ حالانکہ اس سے پیشتر کے شہروں مثلاً بابل اور ایتھنز کے بہت سے آثار باقی ہیں۔ یا کم از کم یہ آثار کھود کر نکال لیے گئے ہیں۔ اغلب یہ ہے کہ مقدونیوں کی تعمیرات کچی اینٹوں اور لکڑی کی ہوتی تھیں، جو مرورِ زمانہ کا مقابلہ نہ کر سکیں یا یہ سمجھنا چاہیئے کہ مقدونوی سلطنت جاتی رہی تو وہ مرکز ترک کر دیے گئے۔ بعض مقامات پر مثلاً طارس کے سلسلۂ کوہ یا افغانستان کی پہاڑیوں میں پتھر اب بھی پائے جاتے ہیں اور پہلے بھی پائے جاتے ہوں گے۔ لہٰذا یہ خیال ہو سکتا تھا کہ پرانی تعمیرات کے کچھ نہ کچھ نشانات باقی رہ گئے ہوں لیکن دریائے نیل کے دہانے پر سکندریہ میں روشنی کا جو مینار تھا وہ بالکل غائب ہو چکا ہے اور

اُس کا کوئی نشان باقی نہیں رہا۔ برطانیہ کے ماہرینِ آثارِ قدیمہ اُن بارہ یادگاری ستونوں سے مقام کا قطعی تعین نہ کر سکے جو سکندر نے واپس ہوتے وقت دریائے بیاس کے کنارے تعمیر کرائے تھے۔ عمارتی باقیات کے اِس طرح محو ہو جانے کی صرف ایک وجہ ہو سکتی ہے ـــــ ممکن ہے اُسے غیر معمولی سمجھا جائے لیکن ہے بالکل طبعی ـــــ اور وہ یہ کہ جو شہر فروغ پا گئے[1] دو ہزار سال میں اُن پر بار بار تعمیرات کا سلسلہ جاری رہا اور ابتدائی تعمیرات کے تمام نشانات نئی عمارتوں کے نیچے دب گئے۔ سکندر کا نام نہاد تابوت بھی غالباً بعد کے زمانے سے تعلق رکھتا ہے دنیائے قدیم کے عظیم الشان شہنشاہوں میں سے تنہا سکندر ہی ہے جس نے اپنی محسوس یادگار کوئی نہ چھوڑی۔ البتہ فن کاری نئے مشاغل یا نئے افکار ہی اُس کی میراث رہ گئے)

یہ نہ سمجھنا چاہیئے کہ یونانی حکمرانوں نے بڑے پیمانے پر عمارتیں نہ بنوائیں۔ ان کے سامنے ایک خاص مقصد ہوتا تھا سکندریہ میں روشنی کا جو مینار بنا تھا وہ بندرگاہ کے دروازے کا نشان تھا۔ اُس سے آگے حدِ افق تک جہاز نظر آتے تھے۔ روڈز کی فروغ پذیر بندرگاہ میں کلوسس کے نام سے جو عمارت بنائی گئی تھی۔ وہ بھی اسی مقصد کے لیے تھی۔ اُس زمانے میں سیر و سیاحت بہت ترقی کر چکی تھی، اور انسانوں نے بڑی بڑی عمارتوں کو دنیا کے سات عجائبات میں شمار کر لیا تھا۔ یونانی عہد سے پیشتر جو عمارتیں بنیں وہ یا تو انفرادی یادگاریں تھیں یا مقبرے مثلاً یونان میں زیوس کا بت یا مسوس کا مقبرہ یا افی سوس میں آرٹیمس کا مندر یا دریائے نیل کے کنارے اہرام جو فرعونوں کے مقبرے تھے یا بابل کے معلق باغ جو کمی الیس نے اپنے آرام کے لیے بنائے یا نہ بنائے۔

جہاز رانی عام ہو چکی تھی تاکہ آمد و رفت کی نئی ضرورتوں کو پورا کیا جا سکے خصوصاً زیادہ مشرقی نقاط میں جیسے روڈز، سکندریہ، بیروت ـــــ بحیرہ ایجیہ میں سے گزرنے والے بعض جہاز اتنے بڑے ہوتے تھے کہ اُن میں ایک ایک ہزار مسافر بیٹھ جاتے۔ سکندر جن سمندری راستوں کی چھان بین کا خواہاں تھا ان میں سے ایک کا افتتاح بطلیموسیوں نے کر دیا۔ انھوں نے عرب کے ارد گرد جہاز رانی کا سلسلہ قائم کر دیا اور یمن میں اپنا مال اسباب ہندوستانی جہازوں کے حوالے

---

[1] سکندر کے بنائے ہوئے شہروں میں سے جو باقی رہ گئے۔ مورخین ان کے نام یہ بتاتے ہیں۔ سکندریہ (مصر) ہرات، کابل، قندھار غزنی (افغانستان) خجند (ترکستان)، پٹالہ (ہندستان) یقیناً دو مقامات بھی ہوں گے۔ آئی گانی اور پیلا کی بنیادوں کے صرف چند پتھر باقی رہ گئے ہیں حالانکہ وہ قدیم مقدونیہ کے دار الحکومت تھے۔

کر دیتے تھے۔ انھوں نے دریائے نیل سے ایک نہر نکال کر بحیرۂ قلزم میں پہنچا دی تھی اور وہاں بندرگاہیں قائم کر دی تھیں۔ جن میں سے ایک کا نام بطلیموس کی ماں کے نام پر آرسی نوئی رکھا گیا (مقدونوی عورتیں اپنے مردوں کی زندگیوں میں پوری شریک رہتی تھیں۔ سکندر کے جانشینوں کی بیویوں نے بھی یہ سلسلہ جاری رکھا خصوصاً مصر میں جہاں کلوپٹرا کا نام حکمران خاندان میں عام ہو گیا۔ یہ خاندان مصری رسم کی پیروی میں شاہی کنبے کے بھائیوں کی شادیاں بہنوں سے کر دیتا تھا۔ نئے یوریشیا کی عورتیں قدیم یونانی گھروں کی علیحدگی سے آزادی حاصل کر چکی تھیں۔ قدیم یونان میں بیویوں کا وظیفہ صرف اتنا تھا کہ وہ بچے پیدا کرتی رہیں)

سکندر کی تجویز کے مطابق یہ کوشش بھی کی گئی تھی کہ افریقہ کا چکر لگا کر مغربی سمندر تک پہنچا جائے۔ سکندر کے جانشینوں نے بھی سکندر کی طرح معلوم کر لیا کہ آباد یوریشیائی حلقے سے اِدھر اُدھر جہاں بھی پیش قدمی کی جائے گی غیر مہذب لوگوں سے سابقہ پڑے گا۔ سکندر کے سائنس دانوں کا قیاس تھا اور اُس کے جانشینوں نے معلوم کر لیا کہ جہازران دنیا کے کناروں کے قریب پہنچ چکے ہیں (حقیقت یہ ہے کہ سکندر کی مہم نے ربع مسکوں کا بڑا حصہ طے نہ کیا تھا اور خیال یہی ہے کہ اپنی زندگی کے آخری دور میں اُس پر بھی یہ حقیقت آشکارا ہو چکی ہو گی۔ لیکن اس میں شبہ نہیں کہ جن ملکوں میں کسی نہ کسی درجے کی ثقافت موجود تھی۔ اُن ملکوں میں سے زیادہ تر میں وہ پھر چکا تھا۔ البتہ چین باہر رہ گیا تھا۔ نیز وہ وادیٔ گنگا یا عرب کے لوگوں تک نہ پہنچ سکا مغربی بحیرۂ روم کے بکھرے ہوئے شہروں تک بھی اُس کی رسائی نہ ہوئی مثلاً قرطاجنہ، سارکیوز قادس — فوج کی بغاوت اور اُس کی موت نے اُسے مزید کوششوں سے باز رکھا۔ شاید دور افتادہ آبادیوں کے متعلق وہ خاصی معلومات حاصل کر چکا تھا جن کا ہمیں اندازہ نہیں۔ اُس کی خواہش یہ نہ تھی کہ زمین کی آخری حد پر پہنچے بلکہ وہ اُن حصوں میں جانا چاہتا تھا جہاں عقیل و فہیم انسان آباد تھے۔ جو لاطینی جزیرہ نمائے اٹلی میں بند تھے اُن کے متعلق سکندر کے خیالات کا ہمیں علم نہیں)

نئے بحری راستوں اور تجارتی شاہراہوں کے ذریعے سے مشرق کی قیمتی چیزیں آتی تھیں مثلاً مسالے، شیشے کے برتن، ریشم، ہاتھی دانت، کھانڈ، موتی، تیل اور سونا۔ جو لوگ یورپ سے آ کر

ایشیا میں آباد ہوئے تھے وہ ان چیزوں سے فائدہ اٹھانے اور نئے شہروں کی تجارت فروغ پاتی۔ یہ قیمتی چیزیں عام شہریوں کے ہاتھوں تک پہنچنے لگیں خصوصاً عورتوں میں ہمیشہ ان کی مانگ رہتی۔ رومیوں کے عہد اور قرونِ وسطیٰ کی دنیا میں مسالوں اور مشرق کی راحت بخش چیزوں کی طلب بدستور قائم رہی۔ یہی طلب تھی جس نے ایک ہزار سال بعد بحری انکشافات کو مسالوں کے جزیروں اور ختا[1] تک پہنچا دیا۔ ان حالات میں سکندریہ نے اپنے موقع اور محل سے بڑا فائدہ اٹھایا۔ بحیرۂ قلزم کی تجارت اسی مقام پر بحیرۂ روم کے جہازوں کے حوالے ہوتی تھی چنانچہ یہ مقام یونانی سرگرمیوں کا نقطہ ماسکہ بن گیا۔ یہاں سنگِ مرمر کے جنیزیم بن گئے۔ سنگ سلیمانی اور یشب کے برتن نیز نفیس مٹی کے برتن تیار ہونے لگے جن سے مغربیوں کو عشرتِ نو کا مزا ملا۔ مصر کا بطلیموس اوّل مصنف تھا یا کہیے کہ سکندر کے حکم کے مطابق اُس نے اپنا روزنامچہ لکھنا شروع کیا تھا۔ اُس نے سکندریہ میں جو کتب خانہ بنایا وہ نئے علمی انکشافات کا مرکز بن گیا۔ ارسطو کی تاریخ طبعیات سامنے رکھ کر جغرافیہ دانوں نے نئی معلومات کا ذخیرہ مرتب کیا۔ ریاضی دانوں نے نئے آلے تیار کیے ان میں سے ارشمیدس نے بڑی ناموری حاصل کی۔ زمین کی پیمائش اور ستاروں کی گردش کے نقشے تیار ہوئے ارسطو تھنیز نے زمین کی پیمائش کا زیادہ سے زیادہ صحیح اندازہ پیش کیا۔ اقلیدس نے علم مساحت کو ایک نظریے کے طور پر نہیں بلکہ ایک مفید علم کے طور پر پیش کیا۔ قریباً ایک سو سال تک پرانے یونانیوں کے نظریات انسانی ضرورتیں پوری کرنے کے لیے استعمال ہوتے رہے۔ گویا یہ وسیع تجربات کا دور تھا۔

سکندریہ میں محض یونانی ہی نہ رہتے تھے۔ روڈز، پیر قطیم یا بابل سے طالب علم اور لائبریرین بھی آجاتے تھے۔ فن کار اِس غرض سے وہاں فراہم ہو گئے کہ بڑے صناعوں کے لیے کام کریں مثلاً عمارتوں کی آرائش، شراب کے خوبصورت برتن بنانا۔ عوام کو مطالعے کا شوق پیدا ہوا تو نقل و کتابت کا سلسلہ شروع ہوا۔ فن کم از کم تھوڑی دیر کے لیے عوام کی ملکیت بن گیا۔ تہذیب یا مشرقیوں کا اثر مغرب میں دور تک چلا گیا۔ ارسطو کی تصانیف عربی میں ترجمہ ہو کر محفوظ رہیں۔

---

[1] cathoy پرانے زمانے میں یہ نام چین اور مشرقی تاتار کے لیے استعمال ہوتا تھا ہمارے ادب میں خطا کہتے ہیں۔

حالانکہ روما کے زوال کے بعد یورپ نے صدیوں تک ان تصانیف کو پس پشت ڈال رکھا تھا۔

یونانیوں نے ابتدائی دور میں جو تصورات قائم کیے تھے ایشیائی تصوف نے اُن میں تیزی اور حرارت پیدا کر دی۔ ایرانی فکر نے انسانوں کو دوام کی حقیقت پر غور و خوض کی طرف متوجہ کر دیا۔ مجوسیوں کے اثر نے یونانیوں کے تصورات سے کہیں زیادہ یہودیت اور عیسائیت کی تشکیل میں حصہ لیا۔ سکندر کے سفر نے لوگوں کو دوسرے مذاہب سے آشنا کر دیا تھا اور اُن کے خیالات کی تنگ حدیں ٹوٹ گئیں۔ بعد ازاں انسان تقدیر کو ناگزیر قبول کرنے کی طرف راغب نہ رہے اگرچہ اوہام بڑھتے گئے اور مختلف قسم کی اکسیروں مثلاً ستارہ شناسی کی طلب جاری رہی۔ مغرب کے تاریک ترین حصوں — سیلٹوں، ٹیوٹنوں اور گالوں — کے سوا یہ احساس پیدا ہو گیا کہ انسان کسی نہ کسی تدبیر سے کام لے کر دیوتاؤں کے غیظ و غضب سے بچ سکتے ہیں۔

اگرچہ یونانیت کے احیا میں یونانی زبان کو تقدم حاصل تھا اور یونانی خیال اس کا محرک تھا لیکن اُس کی روح ایرانی نہیں بلکہ یوریشیائی تھی۔ فن پارتھینان کی بُت تراشی سے نہیں بلکہ ایشیا کے نمونوں سے پیدا ہوا۔ حقیقت یہ ہے کہ پرسی پولس کی شان و شوکت سفر کر کے مغرب میں پہنچ گئی۔ اور انسانوں نے نئے معیاروں سے اُس کا اندازہ کیا۔ ایرانی ثقافت نے یونانی دنیا کی تشکیل کی اور یونانی ثقافت نے رومی دنیا کی شان و شوکت بڑھائی۔

اس میراث کو لے کر رومیوں نے فوجی فتوحات کا سلسلہ شروع کیا اور سکندر کی وفات سے دو سو سال بعد وہ جس طرف گئے پختہ سڑکیں بناتے گئے۔ اُن سے پہلے ایران پر ایک مقامی خاندان قابض ہو چکا تھا یعنی پارتھی۔ تمام کوششوں کے باوجود رومی دریائے فرات سے آگے نہ بڑھ سکے۔ یہی وہ حد تھی جو دارا نے سکندر کے سامنے پیش کی تھی۔ باقی ایشیا ایشیائیوں ہی کے قبضے میں رہا۔ رومیوں اور پارتھیوں کے درمیان جو حد قائم ہو چکی تھی وہ باقی رہی۔ مذاہب اور زبانوں کے بڑھتے ہوئے اختلاف نے اُس حد کو زیادہ پختہ کر دیا۔ جنگجو اور مادہ پرست روما یوریشیا کے درمیانی خطے کی روشنی سے مستنیر ہوتا رہا۔ جب داخلی خرابیوں کے باعث مغرب میں رومی قوت کا شیرازہ بکھر گیا۔ تو رومی عظمت مشرق میں ایک ہزار سال تک بزنطینی سلطنت کی شکل میں قائم رہی۔ لیکن یونان نے جو عالمی ثقافت پیدا کی تھی۔ وہ ابتدائی دور ہی میں تباہ ہو گئی۔ اُس وقت سے حال کے زمانے تک

مغرب و مشرق کے درمیان مفاہمت کا کوئی بندوبست نہ ہو سکا۔ صرف شمال میں جہاں مقدونی نہ پہنچ سکے تھے روس نے تدریجی اور مشقت خیز توسیع کے ذریعے سے ایک یوریشیائی مملکت قائم کی۔

شاہنشاہ اور اُس کے القاب

عجیب بات یہ ہے کہ جن کروڑوں انسانوں کے دل میں سکندر کی یاد تازہ تھی۔ وہ اُس کے لیے کوئی واضح لقب تجویز نہ کر سکے۔ ایک صدی کے قریب زمانہ گزر گیا تو اُسے سکندرِ اعظم کہا جانے لگا۔ ممکن ہے وہ تنہا نہ ہو جسے ایک قوم نہیں بلکہ بہت سی قوموں نے اس لقب سے نوازا لیکن غالباً یہ لقب حاصل کرنے والا پہلا بادشاہ ہے۔ بعد میں اُس کا نام مختلف خاندانوں نے اختیار کر لیا مثلاً بلقان کے بادشاہوں، سکاٹ لینڈ کے سرداروں اور رُوس کے زاروں میں سکندر نام کے کئی شخص گزرے ہیں۔ اور پاپانِ روم میں سے آٹھ کا نام سکندر تھا۔

سکندر نے ایک ایسا نقشہ پیش کر دیا تھا کہ طاقتور یورپیوں کے لیے اُسے نظر انداز کرنا مشکل تھا۔ اُن کا تصوّر یہ تھا کہ وہ چند سال تک عالمگیر سلطنت کا مختارِ مطلق رہا۔ وہ اُسے فاتح سمجھتے تھے۔ اُن کا خیال یہ تھا کہ سکندر نے دنیا کو ایک سلطنت میں شامل کرنے کی کوشش کی حالانکہ اُس نے ایسا کبھی نہ کیا تھا۔ غرض جس بادشاہ نے کبھی کوئی لقب اختیار نہ کیا تھا یا کم از کم اُسے ایک لقب کبھی حاصل نہ ہوا اُس نے اپنے بعد عظیم الشان بادشاہوں کے لیے ایک نمونہ قائم کر دیا۔ رومی شہنشاہ بھی دنیا کی حکومت کے مدعی تھے۔ سکندر کا عقیدہ یہ تھا کہ تمام قوموں کو متحد کر دینا ممکن ہے۔ لہٰذا رومی شہنشاہوں نے فرض کر لیا کہ یہ اتحاد اُن کے ماتحت پایۂ تکمیل کو پہنچ چکا ہے۔ شہنشاہی کا یہ تصوّر کہ ایک شخص خدا کے حکم سے دنیا کے تمام لوگوں پر حکمران ہے دورِ حاضر تک بھی کسی نہ کسی شکل میں قائم رہا۔ آخری دور میں اس حکمرانی کو "خدا کی مرضی کے مطابق" سمجھ لیا گیا۔

اگسٹس رومیوں کا پہلا شہنشاہ تھا۔ اُس نے سکندر کے لیے دیوتاؤں کے سے اعزازات تجویز کیے۔ بیزنطینی کے بادشاہوں میں سے جسٹینیئس بھی اپنے آپ کو انسانوں پر ظل اللہ سمجھتا تھا۔ شارلمین اور مقدس رومی سلطنت کے دوسرے بادشاہوں نے بھی مشرقی سیاسی اصول کی یہ روایت قائم

رکھی۔ ان کے ہاتھ میں ایک سنہری کیرہ رہتا تھا جو زمین کا بدل تھا اور اُس پر صلیب نصب ہوتی تھی۔ اُسے مختاری کا نشان سمجھا جاتا تھا حقیقت میں نہیں تو کم از کم لقب کے اعتبار سے یہ لوگ اپنے آپ کو حکمرانِ عرش کا جانشین سمجھتے تھے۔

عجیب واقعہ یہ ہے کہ حکومت عرش کے اِس تصوّر کے ساتھ افسانوی ایشیائی پرندے کا تصوّر بھی مشتبہ ذرائع سے یورپ پہنچ گیا یعنی مجوسیوں کا بڑے پروں والا عقاب جو آسمانوں میں بیٹھے ہوئے دیوتاؤں اور زمین پر بسنے والی مخلوق کے مابین ذریعۂ ربط و ضبط تھا۔ یہ واقع ہے کہ عقاب زیوس کا محبوب پرندہ تھا اور رومی لشکروں کے پرچموں پر اسی کی شکل بنائی گئی تھی۔ لیکن ایشیا کے افسانوی پرندے سیمرغ کی شکل اژدھے سے ملتی جلتی تھی۔ اسے ایرانیوں نے آسمانی قوت کا نشان بنا لیا تھا۔ بازنطینی بادشاہوں نے بھی اسی کو نشان مقرر کر لیا مقدس رومی سلطنت کے بادشاہوں کی ڈھالوں اور پرچموں پر بھی جو شکل بنائی جاتی تھی، وہ اژدھے سے ہی ملتی جلتی تھی اور یہی شکل جرمنی کے شہنشاہوں، پولینڈ کے بادشاہوں اور روس کے زاروں کے جنگی سامانوں پر بھی قائم رہی۔

غیر معروف ہندوستان پر سکندر کے سفر کا اثر بالکل مختلف پڑا۔ غیر معروف اِس لیے کہ ہندوستان کے متعلق قدیم ترین بیانات وہی ہیں جو سکندر کے محرروں یا سلیوکس کے سفیروں نے پیش کیے۔ سکندر کے بعد ہندوستان میں ایک متحدہ سلطنت ظہور پذیر ہوئی۔ ایک شخص چندر گپت کچھ مدت سکندر کے ساتھ گزار چکا تھا۔ مقدونیوں کے آنے کے بعد جو افراتفری پیدا ہوئی اُس سے فائدہ اٹھا کر چندر گپت نے شمالی ہند کے باشندوں کو پہلی مرتبہ متحد کر دیا۔ اس طرح مہاراجہ اشوک کی مشہور حکمرانی کا راستہ صاف ہوا۔ یہ عجیب سلطنت تھی جس پر بدھ مت کا پیرو اشوک فوجی قوت کے بل پر نہیں بلکہ انسانیت دوست تدابیر سے حکمرانی کرتا رہا۔ اُس زمانے کے مغربی رومیوں کو یہ طریقہ معلوم نہ تھا۔ اشوک نے خزانے لٹا دیے۔ آبیاری کے لیے نہریں تیار کرائیں۔ اُن پودوں کی کاشت کرائی جو دواؤں میں استعمال ہوتے تھے۔ اور عمومی حیثیت میں اپنے آپ کو اختیار کے مالک و مختار نہیں بلکہ کارندے کی حیثیت میں پیش کیا۔ لہٰذا سکندر کے بعد اگرچہ اُس کی وجہ سے نہیں۔ اشوک نے مشرق میں اور رواقی زینو نے مغرب میں اپنے تصورات پوری کائناتِ انسانیت

پر پھیلا دیے۔ ایک صلح کل تھا اور دوسرا بدھ، دونوں کا نصب العین ایک تھا۔ سکندر کے بعد اس قسم کے تصورات بدلے۔

افسانے اس بات پر تعجب نہ ہونا چاہیئے کہ ایشیائیوں نے مغربیوں سے بڑھ کر سکندر کی یاد تازہ رکھی۔ یہ بات یقیناً حیرت انگیز ہے کہ اس یاد نے افسانوں کی شکل اختیار کی اور وہ افسانے مختلف اقوام کی میراث کا جز ہیں۔ ہر خطے نے اس کی یاد مختلف طریقے پر تازہ رکھی اور ہر خطے نے اسے اپنا لیا۔ یہ ضرور بتا دینا چاہیئے کہ ان افسانوں کی بافت سے پیشتر وہ لوگ اپنے بیانات مکمل کر چکے تھے جو سکندر کے ساتھ آئے تھے۔

بہت سے عینی شاہدوں نے اس کے سفر کے حالات قلمبند کر دیئے کیلیستھنیز کی کہانی تو مسخ شدہ خوشامد کے سوا کچھ نہ تھی۔ لگوس کے بیٹے اور تھائیس کے شوہر بطلیموس نے سیاسی مصلحتوں کی بنا پر مدح و ستائش کی تھی۔ یہی کیفیت ارسٹوبولس[1] کی تحریرات کی تھی۔ نیارکس نے بحری سفروں کے صحیح حالات مرتب کر دیئے تھے۔ اُنیسی کریٹس نے جو کچھ لکھا تھا وہ دیو نیوں اور عجائبات کا مرقع تھا۔ بائیٹن[2] اور ڈائیجنیٹیز[3] جیسے سروئیروں نے جغرافیائی اور مقامی نقشے تیار کر لیے تھے۔ ان کے علاوہ بھی بہت سے لوگوں نے یہ کہانی ترتیب دی۔ بلاشبہ ہر بیان میں ذاتی ذوق کا رنگ موجود تھا۔ لیکن سب میں سکندر کے بجائے سفر کے حالات زیادہ پیش نظر رکھے گئے تھے۔ کہانیوں کے جو اجزا ہمارے ہاتھوں تک پہنچے ان سے یہ واضح نہیں ہوتا کہ سکندر کیا سوچتا تھا۔ اس نے کیا کچھ کہا اور کس قسم کے نقشے اُس کے پیش نظر تھے۔ ان دستاویزوں میں سے جو یونانی زبان میں لکھی گئی تھیں بہت سی ضائع ہو گئیں۔ البتہ رومی مصنفوں نے بعد میں جو کچھ لکھا وہ پورے کا پورا ہمیں مل گیا ہے۔ پہلی صدی عیسوی کے اواخر میں سکندر پر کتابیں لکھنا ایک فیشن بن گیا تھا۔ اس کا اصل سبب تو معلوم نہیں۔ ممکن ہے یہ وجہ ہو کہ رومی قوت مشرق کی طرف حرکت کرتی ہوئی سرزمین خاور کی دہلیز پر پہنچ چکی تھی۔ سٹریبو پہلا تاریخی جغرافیہ دان ہے اور وہ خود مشرق کا باشندہ تھا۔ اس نے سکندر

---

[1] ARISTOBILUS
[2] BAETON
[3] DIOGNETES

کے متعلق سفرناموں سے بہت استفادہ کیا۔ نیز اُس نے ارسطو اور سکندر کے طریقے کی پیروی کرتے ہوئے دریاؤں کے بہاؤ اور پہاڑوں کے سلسلوں کو پیشِ نظر رکھتے ہوئے زمین کی ہیئت کا نقشہ تیار کیا۔ وہ کہتا تھا کہ زمینوں کا جغرافیہ تیار کرنے کی یہی صورت ہے۔ سٹریبو کچھ مدت تک سکندریہ میں مصروفِ کار رہا۔ اِس طرح پولیبئس[1] اور سکندر کے سفرناموں کا حال بیان کرنے والے دوسرے لوگوں سے مشورے کرتا رہا۔ سٹریبو سے کچھ مدت بعد مشہور جغرافیہ دان بطلیموس[2] نے دنیا اور اُس کی مختلف خطوں کی آب و ہوا کے حالات بیان کیے۔ لیکن سٹریبو اور بطلیموس کو ایشیا کے حالات مشرقی سمت میں صرف دریائے ریگ (سر دریا یا سیحوں) تک معلوم تھے۔ جہاں سے سکندر یہ لوٹ پڑا تھا۔ بایں ہمہ واضح رہنا چاہیئے کہ پولیبئس، سٹریبو اور بطلیموس کے جغرافیے اُس وقت تک علم کا معیار بنے رہے جب تک پرتگیزوں اور ہسپانویوں نے انکشافات کا نیا دور شروع نہ کر دیا۔

خود سکندر کے متعلق کوئنٹس[3] کرٹیس نے ضروری حالات لکھ دیے اور یونانی سوانح نگار پلوٹارک[4] نے بھی اپنی سوانح کی کتاب میں سکندر کو شامل کر لیا۔ آغاز میں کہا:

> "مَیں نے تاریخ نہیں سوانح لکھنے کا قصد کیا ہے۔ انسان جو کارنامے انجام دیتا ہے اُن سے ہمیشہ اُس کی نیکی یا بدی واضح نہیں ہوتی بعض اوقات ایک معمولی جملہ یا ایک مذاقیہ کلمہ نہایت مشہور واقعات کے مقابلے میں انسان کی سیرت بڑے بہتر طریقے سے واضح کر دیتا ہے۔ میرا مدعا یہی ہے کہ انسانی قلوب کے ان مظاہر پر خاص توجہ مبذول رکھوں۔"

---

[1] Poly bius

[2] سکندریہ کا مشہور جغرافیہ دان اور ہیئت دان جو بطلیموسی خاندان میں سے تھا اور اُس نے خاصی مدت سکندریہ میں گزاری۔ اُس کی تمام تصانیف تیرہ جلدوں میں مرتب ہوئی تھیں۔ اِس مجموعۂ علوم کا نام عربوں نے المجسطی رکھا تھا۔ اس کا مرتبہ نظام بڑی مدت تک مختلف قوموں میں رائج رہا۔ یہ کہتا تھا کہ زمین ایک جگہ ٹھہری ہوئی ہے۔ سورج، چاند اور ثوابت و سیارا اس کے گرد مشرق سے مغرب کی طرف گھومتے ہیں۔

[3]

[4]

سکندر کے سوانح نگاروں میں سے آخری آریان ہے۔ وہ بھی نسلاً یونانی تھا اور ایشیائے کوچک میں گورنری کے فرائض انجام دے چکا تھا۔ اُس کی کتاب سکندر کے سفروں کی مکمل سرگزشت ہے اور اُس نے بطلیموس، لگوس اور ارسٹو بولس کے مہیا کردہ مواد سے استفادہ کیا۔ آریان فکر و نظر کے اعتبار سے سپاہی تھا۔ اُس نے سکندر کو ایک مثالی لیڈر قرار دیا، جس میں بہت کم فروگذاشتیں تھیں اور جتنے مآخذ اُسے مل سکے اُن میں سے حقائق کے بجائے مدح و ستائش چننے کا خیال رکھا، لیکن اُسے معلوم تھا کہ سکندر کے متعلق رائیں بہت مختلف ہیں بعض اُسے دیوتا قرار دیتے ہیں اور بعض دیوانہ۔

"جتنا کچھ سکندر کے لیے لکھا گیا اتنا کسی دوسرے آدمی کے لیے نہیں
لکھا گیا لیکن بیانات میں اختلاف بہت ہے۔"

اِس سے قبل ایشیا کی زبان بھی کھل چکی تھی۔ سکندر نے ایشیا کی تاریخ پر نہیں لیکن ایشیائیوں کے خیالات و افکار پر ہمیشہ کے لیے ایک چھاپ لگا دی تھی۔ مصریوں نے اُسے اپنایا اور یہ کہا کہ وہ آخری فرعون کا ناجائز بیٹا تھا۔

انسانی فطرت کی حالت بڑی عجیب ہے۔ مصری افسانے نے بہت جلد سکندر کے حیات نامے کی شکل اختیار کر لی اور اہلِ یورپ نے اسے رومی مؤرخوں کے واقعات و حقائق سے زیادہ پسندیدہ سمجھا۔ بعد کے مصنفوں نے اِس افسانے میں عجائبات کی آمیزش کر دی اور کہانی کی شکل یہ بن گئی کہ آخری فرعون جس کا نام نکٹانی بوس[1] تھا، حکمران ہونے کے علاوہ اونچے درجے کا ساحر بھی تھا۔ وہ ستارہ شناس کے بھیس میں سکندر کی والدہ اولمپیاس کے پاس پہنچا اور اُسے اس بات پر آمادہ کر لیا کہ خود زیوس ایک اژدھا کی شکل اختیار کر کے اُس سے متمتع حاصل کرے گا۔ اولمپیاس کی رضامندی کے بعد نکٹانی بوس نے دوسرا بھیس بدلا اور اژدھا بن گیا۔ اِس طرح سکندر پیدا ہوا۔ اگرچہ اُس کا قد چھوٹا تھا اور کسی حد تک لنگڑاتا بھی تھا لیکن اُس کی شجاعت و مردانگی اور فہم و ذکاوت کی کوئی حد نہ تھی۔ اِس بچے کو بھی نکٹانی بوس کی ساحری سے حصہ ملا تھا

۱؎ Nectanedus یہ ۳۶۹ ق۔م میں تخت پر بیٹھا تھا۔ ایرانیوں سے اُس کی لڑائیاں ہوتی رہیں۔ یہ آخری فرعون نہ تھا۔ البتہ بڑے فرعونوں میں سے یقیناً آخری تھا۔

اُس نے اپنے باپ کو مارا۔ یونیوں کے ساتھ میل جول پیدا کیا چین تک کے علاقے چھان ڈالے اور عجائبات کے چہرے سے پردہ اٹھایا۔

ایرانیوں نے بھی سکندر کے متعلق ایک افسانہ تیار کر لیا اور اُسے ایرانی ظاہر کیا۔ اُس افسانے کا خلاصہ یہ ہے کہ ہخامنشی کوروش کے شاہی خاندان کا جو آخری فرد تھا سکندر اُس کا جائز بیٹا تھا نہ کہ فلیقوس کا۔ اُس نے ایرانیوں کی بہت سی مقدس کتابیں چرالیں اور اُن کے ترجمے کیے لیکن موبدوں کی شہادت یہ تھی کہ شاہی عظمت اُسی کے لیے مخصوص ہوئی۔ یہ اِس کہانی میں آہستہ آہستہ اضافہ ہوتا گیا۔ یہاں تک کہا گیا سکندر نے معجزے دکھلائے مثلاً وہ سرزمین ظلمات میں داخل ہوا اور فغفورِ چین سے مقابلے کے لیے نکلا۔ ایرانیوں نے اِس افسانے کا نام سکندر نامہ رکھا اور اسے وقت آنے پر فردوسی[1] کے شاہنامے میں بھی جگہ مل گئی۔ بہر حال سمجھا یہ گیا کہ سکندر بہت بڑا بہادر تھا۔ اُس نے دیووں اور دوسرے خطرات پر قابو پایا تاکہ اپنے لوگوں کے لیے روشنی کا بندوبست کرے۔ یہ کہانی آج قریباً ایک ہزار صفحات پر پھیلی ہوئی ہے اور ایرانی بوڑھے اور بچے اسے شوق سے بیان کرتے اور سنتے ہیں۔ انھیں حقیقی سکندر کے متعلق اس کے سوا کچھ معلوم نہیں کہ اُس نے پرسی پولس کو جلایا تھا۔

غالباً ایرانی افسانہ ہی نہایت عجیب و غریب طریقے سے اسرائیلیوں کی ابتدائی روایت میں شامل ہو گیا۔ اس کا خلاصہ یہ ہے کہ کوروش اہورا یا مزدوخ کا نہیں بلکہ اسرائیلیوں کے خدا یہواہ کا خدمت گزار تھا۔ یہواہ نے اُس سے کہا کہ تو میرا گڈریا ہے۔ اِس طرح سکندر نے حکمران یسوع مسیح کی حیثیت اختیار کر لی جس کا تعلق حضرت داؤد علیہ السلام کے گھرانے سے تھا۔

سکندر صحراؤں میں رہنے والے عرب قبیلوں کے افکار و خیالات پر بھی چھایا رہا۔ انھوں نے اسے سکندر ذوالقرنین قرار دیا یعنی دو سینگوں والا سکندر۔ اور اُسے اسلام کا ہیرو اور ولی[2]

[1] بلا شبہ فردوسی کے شاہنامے میں سکندر کی داستان خاص تفصیل سے بیان ہوئی ہے لیکن اُس کے حالات میں سکندر نامہ زیادہ مفصل کتاب مولانا نظامی گنجوی نے لکھی جس نے بڑی شہرت پائی اور وہ صدیوں تک سرزمینِ مشرق کے فارسی نصاب میں شامل رہی۔

[2] اب ثابت ہو چکا ہے جن ذوالقرنین کا ذکر قرآن مجید میں آیا ہے وہ مقدونیہ کا سکندر نہیں بلکہ کوروش یا سائرس تھا۔

تسلیم کیا گیا جس نے کافر قوموں کے عجیب و غریب اور مخالف دیوتاؤں کی مورتیاں توڑیں۔ حبش والوں نے بحیرۂ قلزم کی دوسری جانب اس پُراسرار شخصیت کو معجزے کا لباس پہنا دیا۔ ان کے افسانے کا خلاصہ یہ ہے کہ سکندر شہید فلیقوس کا بیٹا اور مسیحی رسول تھا۔ وہ سفر پر روانہ ہوا اور بیماروں کو حیرت انگیز طریق پر تندرست کر دیتا تھا۔ ارمنوں اور شامیوں نے بھی اس افسانے سے کچھ اجزا لے لیے جو عالمگیر روایت کی حیثیت اختیار کر گئے تھے۔ بزنطینیوں نے سکندر کو ایک جواں مرد بادشاہ کی حیثیت میں اپنا لیا جس نے چین سے ریشم لانے کا راستہ کھولا تھا (ریشم کے کیڑے کے متعلق مغرب میں پہلی تحریر ارسطو کی ہے جسے غالباً سکندر کی رپورٹوں سے اس کا علم ہوا لیکن یہ تحریر زیادہ واضح نہیں)

صلیبی جنگجو مشرقِ ادنیٰ میں پہنچے تو انھوں نے ایوانوں میں یہ افسانے مطربوں سے بازاروں میں داستان گوؤں سے سُنے اور وہ واپس گئے تو یہی افسانہ اپنے ساتھ لے گئے۔ اس وقت تک سکندر زمان و مکان کے قیود سے آزاد ہو چکا تھا۔ انھوں نے افسانے کو یہ شکل دے دی کہ سکندر ایک بہادر مسیحی سردار تھا جو صلیبیوں سے بیشتر ابتدائی دور میں مشرق پہنچا اور بہت دُور آگے بڑھ گیا تھا جہاں تک صلیبی نہ پہنچ سکے۔ اُس نے زمین بند سمندر کو عبور کرنے کے لیے جہاز بنائے اور یاجوج و ماجوج کا داخلہ بند کرنے کے لیے پیتل یا لوہے کا دروازہ بنوایا تاکہ یہ وحشی قبیلے شمال مشرقی سمت ہی میں بند رہیں۔ اسی موقعے پر اُس تصولونیوں کی حسین مگر تباہ کار ملکہ سے بھی تمتع حاصل کیا جو دائمی ظلمات میں رہتی تھی۔ اُسے آبِ حیات بھی مل گیا تھا (بہت سے سیاح جنھوں نے یہ کہانی سُن رکھی تھی اپنے ساتھ نمک لگا کر خشک کی ہوئی مچھلی لے جاتے اور اُسے راستے میں ندیوں اور چشموں کے پانی میں دھوتے۔ اُن کا عقیدہ یہ تھا کہ جو پانی اِس مچھلی کو زندہ کر دے گا وہی آبِ حیات ہوگا۔ شاید اِن صلیبیوں نے ایران کے شاعر فردوسی کے یہ الفاظ کسی سے سُن لیے تھے کہ سکندر نے اُن چیزوں کی تلاش کی جن کی تلاش کبھی کسی نے نہ کی تھی)۔ اس کی کہانی اب تک افق بر افق پھیلی ہوئی ہے۔

قرونِ وسطیٰ کے یورپ کا تخیل کارفرما ہوا تو سکندر کو ایک رومانی کہانی کا بہادر بنا دیا جو زمین کے خزانے بے پروایانہ لٹاتا رہتا تھا۔ کسی نے کہا کہ سکندر بہشت کا راستہ تلاش کر رہا تھا۔ کسی نے کہا کہ سکندرِ اعظم نے روم کو زوال کی منزل میں پہنچایا اور وہ تمام قوموں کو فتح کرتا ہوا

مکمل گیا۔ ایک روایت میں ہے کہ اُس نے سکاٹ لینڈ کو انگلینڈ کے حوالے کر دیا۔ سمندر کے پار اُن خطوں میں جو سکندر کے پامال کیے ہوئے علاقوں سے زیادہ پُراسرار تھے اس بہادر کے متعلق مشہور ہُوا کہ وہ آدم خوروں اور ایسے لوگوں کے ساتھ رہا جن کے سر کتوں جیسے تھے۔ اُسے راستے میں ایسے درخت ملے جن کی شاخیں سونے کی تھیں اور میوے کے بجائے اُن میں جواہرات لگے ہوئے تھے چنانچہ اُس نے جواہرات چن لیے۔ پھر وہ وسیع صحراؤں سے گزرتا ہوا ایشیا کے پریسٹر جان[1] کے دربار میں پہنچا بعد ازاں وہ ایک پنجرے میں بیٹھا جسے اُڑنے والے اژدھا اٹھائے پھرتے تھے۔ چنانچہ اُس نے آسمانوں کی سیر کی اور تمام پرندوں نے اُس کی اطاعت کر لی۔ وہ اِس پر مطمئن نہ ہُوا۔ بلور کا ایک گنبد بنا کر سمندروں میں چلا گیا۔ اور ہر قسم کی مچھلیوں کو اپنی رعایا بنایا۔ جب کتابیں چھپنے لگیں تو معلوم ہُوا کہ سکندر کا رومان تمام قوموں میں سب سے زیادہ بکا۔

سترہ صدیاں گزر چکنے کے بعد دنیا کے افکار میں سکندر کی شکل یہ بن گئی کہ اُس کا کوئی وطن نہ تھا۔ اُس نے بڑے زبردست سفر کیے اور اُن خطرات کا مقابلہ کیا جن کے متعلق عام طور پر کسی کو علم نہ تھا۔ اُس نے مشرق کے آخری راز معلوم کر لیے۔ وہی انسانوں کی اُمید گاہ ہے۔ اُس کے گرد و پیش خیالی دنیا آباد ہو گئی۔

آئندہ نسلوں کی رائے

تئیس صدیوں کی مدت بہت لمبی ہے اور ہم سکندر کی دنیا سے حد درجہ دُور چلے گئے ہیں۔ اگرچہ زیادہ ترقی نہیں کی۔ جو معیار آج کل رائج ہیں وہ اچھے ہوں یا بُرے سکندر کے زمانے میں رائج نہ تھے۔ لہٰذا دورِ حاضر کے تصوّرات کے مطابق سکندر کے کردار کا اندازہ کرنا خطرناک ہو گا اور غالباً بے سود بھی۔ سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ بہت بڑا فاتح تھا؟ فنونِ جنگ کا ماہر، مدبر، مکتشف یا سائنسدان فلسفی — حقیقت یہ ہے کہ یہ اصطلاحات سکندر کے لیے موزوں نظر نہیں آتیں۔ کیا ہم فاتحیت میں اس کا مقابلہ چنگیز خاں سے کر سکتے ہیں؟ دونوں کے محرکات و نصب العین بالکل مختلف تھے۔ چنگیز خاں کا نصب العین واضح ہے سکندر کا مبہم۔ پلوٹارک مدبری میں اُس کا مقابلہ جولیئس سیزر سے کرتا ہے۔ اور سوانح کے ہمہ گیر

---

[1] PRESTOR GOHN یہ بارھویں صدی کی ایک افسانوی شخصیت ہے جسے مشرقِ بعید کی ایک مملکت کا حکمران بتایا گیا تھا۔ پریسٹر کے معنی پادری کے ہیں۔ قرونِ وسطیٰ کے سفرناموں میں اس کا ذکر آیا ہے۔

مصنف کو یہ بہترین مثال مِل سکی۔ کیا ہم یہ سمجھیں کہ سکندر کو ارسطو کے فلسفے سے حصہ ملا تھا؟ جواب یہ ہے کہ ارسطو کا شاگرد اپنی تھوڑی سی عمر کے درمیانی حصّے میں فکر و نظر کے نئے دائروں کی طرف مڑ گیا۔

حقیقت یہ ہے کہ وہ ہمارے کرۂ ارض کے بہت بڑے مکتشفوں میں سے ایک تھا۔ اُس کا یہی وصف اکثر نظر انداز ہوتا رہا۔ دوسرے اعتبار سے آئندہ نسلوں کی رائے سکندر کے متعلق انصاف پر مبنی نہیں۔ مدت تک سمجھا جاتا رہا کہ اُسے فیلقوس سی انتظامی حیثیت حاصل نہ تھی۔ فیلقوس اُس کے لیے مقدونیہ اور یونان کی جو منظم میراث چھوڑ گیا تھا اُسے ترک کر کے تسخیر ایشیا کی مجنونانہ کوشش میں لگ گیا۔ غور سے دیکھا جائے تو ظاہر ہوتا ہے کہ فیلقوس کی قومی مملکت کچھ حیثیت نہ رکھتی تھی۔ فیلقوس کا عہدِ جوانی تھیبیز میں گذرا تھا، لیکن وہ اُس شہر کو نہ راضی کر سکا اور نہ اُس پر قبضہ جما سکا۔ یہ کام سکندر نے انجام دیا۔ فیلقوس کی موت پر خزانہ خالی ہو چکا تھا اور اُس نے متحدہ یونان کا سپہ سالار بننے کی جو حیثیت حاصل کی تھی وہ حد درجہ متزلزل تھی۔ ارسطو کو فیلقوس کی مملکت سازی کی کمزوریوں کا علم تھا اور اُس نے سکندر کو اس حقیقت سے خبردار کر دیا تھا۔ فیلقوس فتوحات تو کرتا رہا لیکن حکومت کا ڈھنگ اُسے نہ آیا۔ سکندر نے جن اجنبی ایشیائی اقوام کو فتح کیا، اُن پر حکمرانی کی نہایت بلند قابلیت کا اظہار کر دیا۔ اُس نے ایسا طریقہ اختیار کیا جس سے ظاہر ہوتا تھا کہ وہ سب کو اپنے ساتھ وابستہ کر لینے کا خواہاں ہے۔ ڈیوڈ ہوگارتھ[1] کے قول کے مطابق اُن لوگوں کے درمیان اِس طرح زندگی بسر کرتا رہا۔ گویا طفلی کا عہد انھیں میں گزرا تھا۔

باقی رہا ایشیا میں پھر نکلنے کا مسئلہ تو یاد رکھنا چاہیئے کہ اُسے جو تعلیم دی گئی تھی اُس میں رُبع مسکون بہت چھوٹی دکھائی گئی تھی۔ جب دریائے ڈینیوب کو عبور کر کے سلٹوں سے اور سطح مرتفع میں سیتھیوں سے یا جنوبی صحراؤں میں حبشیوں اور عربوں سے ملا تو یونانی تصورات کے مطابق وہ ربع مسکون کی شمالی اور جنوبی حدوں پر پہنچ چکا تھا اور مشرقی سمت میں دریائے سندھ سے تھوڑی دور آگے مشرقی حد رہ گئی تھی۔

شاید بعد کے دور کی تاریخوں میں سکندر کے متعلق اِس لیے غلط فہمی پیدا ہوئی کہ یونانی

---

[1] DAVID GOGARTH

اور رومی مورخوں نے جو صرف معلوم واقعات سے آگاہ تھے۔ اپنی داستانوں میں سکندر کے صرف ابتدائی دور پر زیادہ توجہ کی جو اُس نے مقدونیہ اور ایران میں گزارا تھا اور جہاں اُس نے صرف ڈیڑھ سال کی حکومت کی تھی۔ اس اثنا میں وہ زیادہ کام انجام نہ دے سکا۔ ایشیا میں بارہ سال کے اندر اُس نے جو حد درجہ عظیم الشان کارنامے انجام دیے یونانیوں اور رومیوں کو اُن کے پورے حالات معلوم نہ تھے اور ان پر توجہ بھی نہ کی گئی۔ پلوٹارک نے اُس کے متعلق میں جو کہانیاں سنائیں ہیں۔ وہ بھی قریباً سب کی سب عہدِ طفلی سے تعلق رکھتی ہیں یا اُس دورِ حکومت سے جب وہ مصر سے مشرق کی جانب روانہ ہوا۔ مصر سے روانگی کے ساتھ ہی سکندر اُس فضا سے نکل گیا جس کا علم یونانیوں کو تھا۔ بعد میں جو واقعات پیش آئے وہ زیادہ تر پردے ہی میں رہے۔ البتہ آریان اور کوئنٹس کرٹیئس نے اجنبی ناموں اور مقاموں کے دھندلکے میں تفصیل کی کچھ کرنیں نمایاں ہیں۔

مقابلہ کرنا چاہیں تو مشرق کے دو بادشاہ مختلف اعتبارات سے سکندر کے ساتھ مشابہ ہیں۔ ایک اشوربنی پال یعنی وہ عظیم الشان اشوری بادشاہ جس نے نینوی میں ایک کتب خانہ تعمیر کیا اور مادّی سلطنت کو اٹھا کر زیادہ انسانیت دوست بنانے کی کوشش کی۔ دوسرا کروش (سائرس اعظم) جس نے پہلی عالمگیر سلطنت کی بنیاد رکھی۔ لیکن اشوربنی پال ایک تاریخی دور کے اواخر میں ظہور پذیر ہوا اور کوروش نے اسی تہذیب پر نئے معیار قائم کر دیے۔ سکندر نے خود ایک دور پیدا کرنے کی کوشش کی۔ موجودہ زمانوں کے معیاروں کے مطابق دو لحاظ سے سکندر کا اندازہ کیا جا سکتا ہے۔ اوّل فنونِ جنگ پر عبور دوم صحتِ دماغ،

سوال پیدا ہوتا ہے کہ کیا وہ یگانہ فوجی کماندار تھا؟ یا وہ جنگ مقدونوی فوج اور اس کے سالاروں کے درمیان محض ایک نمائشی حیثیت رکھتا تھا؟ آخری خیال کے رد کے لیے یہی کہہ دینا کافی ہے کہ اکبتانا سے مشرق کی طرف جاتے ہوئے وہ تمام پرانے مقدونوی سالاروں کو پیچھے چھوڑ چکا تھا (پارمینو، اینٹی گونس، اینٹی پیٹر، فلوٹس وغیرہ) اس کے باوجود اس کے کاروبار پر کوئی بُرا اثر نہ پڑا۔ پھر اُس نے فوج کو از سرِ نو منظم کیا۔ سوار تیر انداز اُس میں شامل کیے لمبے لمبے نیزوں کی جگہ چھوٹے چھوٹے نیزے پھینکنے والے آدمی ملازم رکھے اور زیادہ بھاری اسلحہ والے عناصر شامل کر لیے۔ عملاً پیادوں سے سواروں تک فوج بالکل بدل چکی تھی۔ ترکستان میں

اُسے سواروں کی نئی نقل و حرکت سے سابقہ پڑا اور اس کے موثر مقابلے کا اُس نے فوراً بندوبست کر لیا۔ بعد ازاں اِسی کام کے سرانجام میں پانچ رومی شہنشاہ اور بے شمار رومی سپاہی مر گئے یا گرفتار ہو گئے۔ افغانستان کے پہاڑوں میں مقدونیوں کو سب سے بڑھ کر مشکلات پیش آئیں۔ اس موقع پر سکندر نے جنگ کا نیا طریقہ وضع کر لیا۔ یونانی اور رومی مورخوں کو ایشیا کے مشرقی حصوں کی ان مہموں کے متعلق پورا اندازہ نہیں کہ اُس کے متعلق معلومات کم تھیں۔ گرینی کس کی خوں ریز جنگ اور راسوّس کی حیرت انگیز فتح سے وہ بخوبی واقف تھے۔

اَریاں نے سکندر کے متعلق کہا کہ اُس نے جس فوجی مہم کا بیڑا اٹھایا اُس میں کامیاب ہوا۔ تاریخ جن بڑے بڑے سپہ سالاروں سے آگاہ ہے اُن میں سے کسی کے متعلق بھی لفظ نہیں کہے جا سکتے۔

ڈبلیو۔ ڈبلیو۔ ٹارن ہمیں یاد دلاتا ہے :-

"مقدونیوں نے فنونِ جنگ میں انقلاب پیدا کر دیا۔ اصل تبدیلی یہ نہ تھی کہ اُس کے ہتھیار یا چالوں میں خاص تغیر پیدا ہو گیا۔ یہ بھی نہیں کہا جا سکتا کہ انھیں اعلیٰ قیادت حاصل تھی۔ انقلاب یہ تھا کہ اُن میں نئی روح پیدا کر دی۔ گاگامیلہ کی جنگ کے بعد سکندر نے جب مدِ مقابل کی قوت کو معطل کر دینے کے لیے تدبیریں اختیار کیں تو یہ وہی اقدام تھا جو نپلین کے پیشِ نظر تھا، جب اُس نے کہا تھا کہ فتح اُس وقت تک مکمل نہیں ہو سکتی جب تک دشمن کا ایک بھی جنگی جہاز تباہی سے بچ جائے گا۔ اِس نئی روح کا مطلب یہ نہیں کہ غیر پیشہ ور، پیشہ ور بن گئے تھے، مطلب یہ ہے کہ ہم محسوس کرتے ہیں گویا قدیم دنیا اپنی جگہ چھوڑ کر نئی دنیا میں پہنچ گئی۔

مقدونیوں کا خاص کارنامہ یہ ہے کہ انھوں نے انتہائی جوش اور ہمہ گیری پیدا کر دی۔ اُن کے سامنے کوئی مثال نہ تھی، لیکن وہ اصول کو سمجھتے تھے۔ اگر تمھیں جنگ کی ضرورت پیش آتی ہے تو تم ہر طرف سے بے پروا ہو کر

لڑتے ہو اور ہر ہتھیار استعمال کرتے ہو۔ مقدونوی ظلم و جور کے عادی تھے موازنہ کیا جائے تو یونانیوں یا رومیوں کے مقابلے میں اُن کا طریقۂ جنگ زیادہ انسانیت دوست تھا۔ . . . اگر تمھیں یہ اندازہ ہو جائے کہ غیر معمولی طریقوں سے کام لینا زیادہ مفید ہوگا کسی جگہ انقلاب پیدا کر دینے سے فوجی کارروائیوں کو تقویت پہنچے گی۔ یا پروپگنڈا ایک ایسا اتحاد پیدا کرنے میں معاون ہوگا جو ایپرس سے ہندوستان تک پھیلا ہوا ہو تو یقیناً یہ سب کام تم معمول کے مطابق انجام دو گے۔ اینٹی گونس گوناٹس سے جب کسی نے سوال کیا تم دشمن پر حملہ کیونکر کرو گے تو اُس نے جواب دیا جو طریق مجھے زیادہ کارآمد نظر آئے گا۔[۱]"

مقدونویوں سے پہلے فوجوں کا دستور یہ تھا کہ موسمِ سرما میں اور اکثر فصلیں پک جانے کے زمانے میں اپنا کاروبار ترک کر دیتے۔ مقدونوی موسمِ سرما میں کام کاج کو پسند کرتے تھے۔ پُرانے یونانیوں کے نزدیک محاصروں کی حیثیت یہ تھی کہ دو فریق ایک دوسرے کے مقابلے میں بیٹھ جاتے اور ہر ایک کی کوشش یہ ہوتی کہ دوسرے کو تھکا کر زچ کر دے۔ فیلقوس خصوصاً سکندر نے مستحکم مقامات کو توڑ کر جلد فتح کر لینے کے طریقے ایجاد کیے۔ رہا یہ سوال کہ سکندر نے اِن نئے سائنٹفک فنونِ جنگ میں کیا اضافہ کیا تو ہم اس کا جواب مختلف حالات کو سامنے رکھ کر حاصل کر سکتے ہیں۔ اُس نے مقدونویوں کو بحر پیمائی پر لگایا۔ وہ سکندر سے پیشتر بھی تیز اقدامات کے عادی تھے۔ سکندر کے ماتحت انھوں نے فاصلوں اور طبعی مشکلوں کو ختم کر کے رکھ دیا۔ وہ پہلا سپہ سالار تھا جو لڑائی کے بعد اپنی فوجوں کو دشمن کے تعاقب میں لے کر گیا۔ گاگامیلہ کی جنگ کے بعد وہ کئی روز تک دارا کا تعاقب کرتا رہا۔ اُس میں یہ صلاحیت بھی تھی کہ لڑائی میں انقلابی موقع کا بروقت اندازہ کر لیتا تھا اور اُسی موقع پر آخری فیصلہ کن حملہ کرتا۔ فنونِ جنگ ماہر کی حیثیت میں بعض خصوصیتوں سے سکندر محروم تھا۔ بعض اوقات مقابلے کے جوش میں مصلحتوں کا خیال نہ رکھتا

---

۱ HELLENISTIC MILITARY & DEVELOPMENT

(یونان کی فوجی اور بحری ترقیات)

مثلاً تھیبز میں یا دریائے گرینی کس پر یا اورنوش کی پہاڑی پر یا دریائے جہلم کے عبور میں اُس نے بار ہا اپنے تمام وسائل قمار باز کی حیثیت میں لگا دیے لیکن ہر مرتبہ کامیاب ہوا۔ اُس نے خبر رسانی کا بڑا اچھا انتظام کر لیا تھا اور وہ زیادہ بڑے مقاصد کے لیے زیادہ بڑے خطرناک اقدامات کرتا رہا۔ ہم تصور نہیں کر سکتے کہ ہنی بال ویسے بڑے کارنامے کا حوصلہ کر سکتا جیسے سکندر نے انجام دیے۔ حالانکہ وہ بھی سکندر کی فوج جیسی ملی جلی فوج کا سپہ سالار تھا جو صرف اُس کی شخصیت سے وابستہ تھی۔

یہ بھی سمجھ لینا چاہیے کہ پیلا اور تھیبز سے صور تک کاروبار میں سبقت کا درجہ مقدونوی سپہ سالاروں کو حاصل رہا۔ بلکہ مصر سے واپسی تک بھی معاملات کی باگ ڈور انھیں کے ہاتھ میں تھی۔ اِس دَور میں سکندر کے آدمیوں نے دو مرتبہ اس کی جان بچائی۔ اگر ہم دیادس کا یہ قول نظرانداز نہ کر دیں کہ صور کو اُس کی ہنرمندی نے سکندر کی مدد سے فتح کیا تو ہمیں یہ حقیقت بھولنا نہ چاہیے کہ محاصرے کے دوران میں سکندر زیادہ وقت اردگرد کے علاقے کی دیکھ بھال میں صرف کرتا رہا۔ اور ایک موقع پر اُس کی جان بھی خطرے میں پڑ گئی تھی۔ (کرٹیئس لکھتا ہے کہ سکندر مقدونوی سنگ تراشوں اور لکڑی لانے والوں کو عرب قبیلے کے حملے سے محفوظ رکھنے کے لیے ملک کے اندر گیا تھا لیکن ظاہر ہے کہ سپہ سالارِ اعظم مختلف ضمنی کام انجام دینے والے گروہوں کی حفاظت کا فرض عموماً انجام نہیں دیا کرتے)

پھر ایک معاملہ یہ بھی ہے کہ سکندر نے فوجی معاملات کے متعلق غیر معمولی خاموشی جاری رکھی اُس نے نہ کسی جنگ پر تبصرہ کیا، نہ کسی لڑائی سے پہلے اُس کے نقشے کا کوئی سراغ ملتا ہے۔ ہمیں امید ہو سکتی تھی کہ اُس رومی مورخ (خصوصاً آریاں) اس غیر معمولی فوجی قائد کی کوئی رائے یا کوئی اصول بتائیں گے۔ فیلقوس نے کائی رونیا کی جنگ کے بعد ہجو آمیز باتیں کہی تھیں اور پارمینیو نے گرینی کس کی جنگ میں سکندر کی غلطیوں کو بڑی سختی سے واضح کیا تھا۔ ساحلی علاقے میں ملیٹس کے مقام پر پارمینیو ہی نے بیڑے کے جنگی فوائد بتائے تھے اور گاگامیلہ کی لڑائی سے پیشتر پارمینیو اور دوسرے افسروں نے یہ تجویز پیش کی تھی کہ یا شبخون مارا جائے یا دفاعی جنگ کے لیے

لہ یعنی وہ مقام جو روشنک کا وطن تھا۔

استحکامات کر لیے جائیں۔ سکندر یہ سب کچھ سُن کر اطمینان سے سو گیا اور اس لڑائی سے ایک رات پہلے وہ معمول سے زیادہ سویا۔

اُس کے جو احکام ہمارے پاس پہنچے ہیں وہ یا تو راستوں سے تعلق رکھتے ہیں یا پُلوں کی تعمیر سے یا فوجوں کی نقل و حرکت اور طبی امداد سے یا متصرفہ علاقوں میں افسروں کے طرزِ عمل سے یا سپاہیوں یا قیدیوں کے معاملات سے۔

عام طور پر یہ مسئلے زیرِ بحث رہتے تھے کہ ہاتھیوں کی خصوصیات کیا ہیں۔ دریاؤں کی بہاؤ کی رفتار کا کیا حال ہے۔ جہازوں کے لیے بادبان کیسے ہونے چاہئیں۔ لڑائی سے پہلے وہ اپنے آدمیوں سے گفتگو کے دوران میں کچھ ایسے کلمے کہہ جاتا تھا جس سے ظاہر ہوتا کہ فوجی نقطۂ نگاہ سے اسے موقع اور محل کا پورا اندازہ ہے۔ مثلاً اسوّس سے پیشتر اُس نے بتا دیا کہ ایرانیوں کی پوری قوت مقابلے پر آگئی ہے اور گاگامیلہ سے پیشتر اُس نے واضح کر دیا کہ جو لوگ اسوس میں ہمارے مقابلے میں آئے تھے وہ اس میدان میں نہیں لیکن ایسی باتیں فوجیوں کا حوصلہ بڑھانے کے لیے کہی جاتی تھیں۔

لڑائیوں میں کامیابی حاصل کرنے کے بعد اُس نے جو جشن منائے یا جو یادگاریں قائم کیں۔ اُن کا مدعا یہ تھا کہ مقتولوں کا اعزاز پورا ہو۔ وہ مقدونیوں کو فاتح کی حیثیت میں سربلند دیکھنا چاہتا تھا۔ ان یادگاروں میں سے وہ ستون مستثنیٰ ہیں جو دریائے بیاس کے کنارے تعمیر ہوئے۔ وہاں کوئی لڑائی نہ ہوئی تھی۔

غیر مشتبہ طور پر ظاہر ہوتا ہے کہ سکندر فوجی معاملات کے متعلق بات چیت پسند نہ کرتا تھا کامیابی کی تدبیریں اُسے لڑائی میں سوجھتی تھیں۔ کوچ کے دوران میں اُس نے قیادت کے ہنر سیکھے اور کوچ ہی کے دوران میں اُس نے بحر پیمائی کے علاوہ دوسرے علوم میں کمال حاصل کیا۔ اکثر تفصیلات وہ اپنے فہم کی تیزی سے موقع پر طے کر لیتا تھا۔ مثلاً ضرورت کے مطابق رستے بنانا، گھوڑوں کا علاج کرنا، سانپوں کے کاٹے کا علاج کرنا، جنگ سے تنگ آئے ہوئے سپاہیوں کا حوصلہ بڑھانا۔ تمام مہمات میں اُسے صرف دو مرتبہ رسد کی مشکلات پیش آئیں اوّل موسم سرما میں ہندوکوہ کو عبور کرتے وقت دوم مکران کے صحرا میں۔ صرف ایک مرتبہ اُسے

دشمن کی نقل و حرکت کے متعلق آگاہی حاصل نہ ہو سکی۔ یہ واقعہ اسّوس میں ساحل پر پیش آیا۔

چنگیز خان کی طرح سکندر بھی دشمن کو مارنے یا اُس کی قوت مزاحمت کو توڑنے میں بے پناہ تھا لیکن وہ منگولوں کی طرح فتوحات پر خوشیاں منانے کا عادی نہ تھا۔ فطرتاً اُسے فنونِ جنگ میں مہارت حاصل نہ تھی لیکن جب چاہتا اپنے فوجیوں کے ذریعے سے معجزے دکھا دیتا۔

مقدونوی فوج سے اُس نے انکشاف اور آبادکاری کا کام لیا اس فوج کے ذریعے سے وہ اپنی خیالی دنیا کے متعلق مختلف مقاصد پورے کر سکا۔ اُس کے ماتحت فوج نے ایک متحرک قوم کی حیثیت حاصل کر لی۔ اُس نے قومیں پیدا کیں جو فصل کاٹنے والی مشین کی طرح مختلف کام انجام دیتی رہیں۔ یقیناً اُس نے جنگجوؤں سے وہ کام لیا جو انسانی تحمل سے باہر تھا اور خود بھی اس میں شریک رہا لیکن تعجب اس امر پر ہے اس کے باوجود فوج کی فداکاری میں کوئی فرق نہ آیا۔ یقیناً قائد کی حیثیت میں اب تک کوئی اُس کا ثانی پیدا نہ ہوا اور دوسرے معاملات میں اُسے جینئس (نابغہ) کی حیثیت حاصل تھی۔

سکندر کے جانشین اپنے آقا کے طریقوں سے خوب آگاہ تھے اور اُن طریقوں سے انھوں نے کام لیا لیکن جو نتیجے سکندر نے پیدا کیے تھے وہ جانشین پیدا نہ کر سکے۔ اُن کے پاس سونے کی افراط تھی لہٰذا تنخواہ دار فوجی ملازم رکھ سکتے تھے اور انھوں نے شتر سواروں اور بکتر بند ہاتھیوں پر بھی بہت بھروسا کیا۔ مغربی دنیا میں مختلف بادشاہ نئی جنگی مشینوں پر بڑی رقمیں خرچ کرتے تھے سکندریہ کے سائنس والوں نے یونانی آگ یا بحری آگ کے تجربات بھی کیے جو گندھک اور رال ملا کر بنائی جاتی تھی اور پانی میں بھی جلتی رہتی تھی۔ سکندریہ میں بھاپ کے انجن جیسی ایک چیز بھی بنی تھی۔ اور محاصرے کے لیے بھی نئی منجنیقیں تیار ہوئیں۔ آرشمیدس نے ایک پیچ دار پمپ بنا لیا۔ جس سے جنگی جہازوں کو اُٹھا لیتے۔ اور ایک بہت بڑا محدب شیشہ بنایا جس میں سورج کی کرنوں سے حرارت یکجائی جا سکتی تھی۔ نیز آرشمیدس نے اپنے آقا ہیرو دوالی سائیراکیوز کے لیے ایک ایسی مشین بنائی جو بہت بڑا بوجھ اُٹھا لیتی تھی۔ اُس نے کہا کہ اگر مجھے پاؤں رکھنے کے لیے جگہ مل جائے تو زمین کو بھی اٹھا لوں۔

ایسی تباہ کار جنگی مشینوں کے ذریعے سے مغرب کے مطلق العنان بادشاہ اپنی رعایا اور

اپنے پڑوسیوں پر اقتدار بڑھاتے رہے لیکن ان تدبیروں سے کوئی قابلِ ذکر نتیجہ نہ نکلا۔ قرطاجنہ مشرقی تجارتوں کا مرکز بن گیا تھا اور اُس کے لیے بڑی فوج ملازم رکھ لینا مشکل نہ تھا۔ ہینی بال کی فوج ایسے ہی تنخواہ داروں پر مشتمل تھی جس میں نیومیڈیا کے سوار تیر انداز بھی تھے اور ہاتھیوں کی قطاریں بھی۔ رومی جمہوریت کی فوجیں بڑی مشکل سے ہینی بال کو شکست دے سکیں پھر انھوں نے سائیرا کی جنگی مشینوں اور انیٹاکس کے ہاتھیوں سے نجات حاصل کی لیکن اس وقت تک فوجوں کی حیثیت بالکل بدل چکی تھی اور رومی نئے یونانی توپ خانے اور جنگی بیڑے کے مالک بن چکے تھے۔ لیکن وہ ایشیا کی روح پر کبھی اُس طرح قابو نہ پا سکے جس طرح سکندر نے قابو پا لیا تھا۔ مؤرخوں نے لکھا ہے کہ رومیوں کی تمام تعمیرات اُن بنیادوں پر اٹھائی گئی تھیں جو سکندر نے مشرق میں رکھی تھیں لیکن رومی اُس کے مقصد کو پورا نہ کر سکے۔

دیوانگی کے مراحل

بلاشبہ سکندر نے آخری چند سال میں اپنے جسم اور رُوح کو بالکل تھکا دیا تھا۔ پارمینیو کے قتل کے بعد وہ جن دیوانگی آمیز مراحل سے گزرا اُن کا سراغ بخوبی لگایا جا سکتا ہے۔ کیسنڈر کی شہادت یہ ہے کہ آخری دَور میں سکندر کو دیوتاؤں کی حفاظت پر کوئی عقیدہ نہ رہا تھا اور اپنے پرانے دوستوں کے متعلق اُس کے دل میں شبہات پیدا ہو چکے تھے۔ گویا اُس کی رُوح گمراہی کی نذر ہو گئی تھی۔ ترکستان میں جلاوطن یونانیوں کا قتل، قیدیوں کا کشت و خون، ہندوستان کے آخری دَور میں مفروروں کی تباہی، نیز اپنی زندگی کو مسلسل خطرے میں ڈالے رکھنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ اُس کے دماغ پر اثر پڑ چکا تھا۔ اُس زمانے میں وہ رات کے وقت زیادہ شراب پینے لگا جو اُس کی عادتِ ثانیہ بن گئی۔ کلائٹیس اور ہفاسٹن کی موت کے بعد اُس پر مالیخولیے کے دَورے پڑے۔ اس مرحلے پر معلوم ہوتا تھا کہ کوئی بے پناہ قوت اُسے سفر پر آمادہ کر رہی ہے اور وہ متعارف مناظر یا شہروں میں جانے سے ہراساں ہے اور معمولی کاروبار بھی اُسے پسند نہ تھا۔ ممکن ہے اُس نے فوج کو مکران میں سے گزارنے پر اس لیے اصرار کیا ہو کہ اُسے بغاوت کی سزا دے۔[1]

رومی بادشاہوں میں سے کیلگولا یا نیرو کی طرح سکندر میں بڑائی کے خبط کا بھی کوئی سراغ

---

[1] عجیب بات ہے کہ مصنف ابتدا میں خود معقول وجوہ کی بنا پر اس شبہ کی تردید کر چکا ہے۔

نہیں ملتا۔ جو وقائع نگار اُس کے ساتھ تھے۔ وہ بتاتے ہیں کہ دجلہ پر پہنچ جانے کے بعد جو غیر معمولی واقعات اور ناساز گار شگون پیش آئے اُن سے وہ پریشان ہوگیا تھا۔ لیکن جب اُس سے کوئی التجا کی جاتی تو بڑے معقول انداز میں اُس پر غور کرتا۔ نیسا میں مقدونیوں کو عشق پیچاں کا پودا ملا۔ جسے وہ بہت مبارک سمجھتے تھے۔ سکندر نے اُس شہر کے لوگوں سے مطالبہ کیا کہ اپنے دانش مند اور معزز آدمیوں میں سے ایک سو حوالے کرو جو مقدونیوں کے ساتھ جائیں نیسا کے سردار نے یہ سنتے ہی قہقہہ لگایا۔ سکندر نے پوچھا کہ تمھیں ہنسی کس بات پر آئی۔ جواب ملا: اگر آپ ایک سو بہترین آدمیوں کو اپنے ساتھ لے جائیں گے تو شہر کے انتظام کے لیے ہمارے پاس رہ کون جائیں گے۔ کیا یہ مناسب نہ ہوگا کہ آپ دو سو بدترین آدمی کو لے جائیں۔ سکندر نے سردار کی رائے سے اتفاق کیا اور ایک سو ممتاز شہریوں کو لے جانے کی بجائے وہ سردار کے خاندان سے دو آدمیوں کو بطور یرغمال ساتھ لے گیا۔

اُس نے فوج کو کھیلوں یا گھڑ دوڑ یا پیریڈوں کے جو حکم دیے ان کا مدعا یہ تھا کہ فوجی تکان اتار لیں اور خوش ہو جائیں۔ سکندر نے روما کے پیشہ ور تیغ زنوں کی طرح اپنے آدمیوں کو وحشی جانوروں سے لڑانے کا حکم کبھی نہ دیا۔ شوش میں شادیوں کے موقع پر جو جشن منایا گیا اُس کا مقصد یہ تھا کہ ایرانیوں کے ساتھ شادیاں زیادہ ہر دلعزیزی اختیار کرلیں۔ ایرانی مصنف کہتے ہیں کہ وہ شان و شکوہ اور عظمت کے چکر میں پڑ گیا تھا۔ یہ صحیح نہیں۔ اُس نے اپنے سامنے جھکنے کی رسم ترک کرا دی۔ دریائے دجلہ پر باغی فوجیوں سے مصالحت کرلی۔ ڈاسی کریٹیز نے اُس کی یادگار میں کوہِ ایتھوس پر جو بُت بنانے کی تجویز کی تھی سکندر سے اُسے منظور نہ کیا۔ زیوس ایسی تجویز پر خوش ہوتا۔ نئے سکّے پر بھی اپنی تصویر نہ بننے دی۔ اُس کی جگہ زیوس کی تصویر بنوائی۔ (السی لُس استعمال کی) دریائے فرات پر آخری دَور میں وہ یہ کوشش کرتا رہتا تھا کہ جہاز رانی میں جو رکاوٹیں پیش آرہی ہیں۔ اُنھیں دور کردے۔ یا ساحلِ عرب کے گرد چکر لگانے کے لیے جو نئے جہاز تیار ہوئے تھے اُن کی دیکھ بھال میں لگا رہتا تھا۔

آریاں لکھتا ہے کہ وہ کسیوں کے خلاف پہاڑیوں میں جو مہم لے گیا تھا اُس کا مدعا یہ تھا کہ ہفا اسشن کی یاد میں سوختنی قربانی کرے لیکن اُس موسم بہار میں سکندر اکبتانا میں تھا

وہاں درختوں میں تازہ پتّے موجود تھے اور وہاں خنکی تھی۔ وہ ہمیشہ نئے راستوں کی دریافت میں لگا رہتا تھا اور دریائے دجلہ کے میدانوں کی گرمی سے وہ بہت خوفزدہ تھا اور اُن فرمانروایوں سے بھی گھبرا گیا تھا جو بابل میں اُس کا انتظار کر رہی تھیں۔

وہ مردوخ کے پروہتوں کے انتباہ اور اپنی خواہش کے خلاف بابل گیا۔ نیارکس اور اُس کے سالار وہاں انتظار کر رہے تھے۔ یہ طبعی امر تھا کہ جس حد تک ممکن ہو تا وہ پہاڑی علاقوں میں رہتا۔ بہانہ یہ بنایا کہ وہ قبائلیوں کو سزا دے رہا ہے۔ اس کی کوشش میں بھی خبط کا کوئی نشان نہیں ملتا۔ بلکہ اِس امر کی واضح شہادت ہے کہ جو کچھ ضروری تھا اُسے پورا کرنے کے لیے وہ عزمِ مصمّم پر قائم تھا۔ البتّہ یہ درست ہے کہ آدمی کی شکستگی اُسے مجبور کر کے شاہی محل کی طرف لے گئی۔ بابل پہنچ کر بھی اُس نے جہازوں کے ساتھ روانگی کی سرگرم کوشش کی۔ اگر سکندر اِس سے پیشتر اکتبانا سے نئی سرزمینوں اور اجنبی لوگوں کے درمیان پہنچ جاتا تو ممکن تھا کہ وہ زندہ رہتا۔

ضروری گزارش

کتاب کا بڑا حصہ ایشیا میں مرتب ہوا تھا جب جنگ جاری تھی۔ ہوا یہ کہ میں دو سال تک سکندر کے نقشِ قدم پر سفر کرتا رہا۔ صرف شمالی ہندوستان میں نہ جا سکا۔ مقدونیہ، یونان اور بحیرہ ایجیئن کے زیادہ تر جزیرے گزشتہ جنگ کے بعد دیکھ لیے تھے۔ پس جس حد تک سفر کا تعلق ہے، میں نے تمام سرزمینیں دیکھ لی تھیں جن میں سے مقدونیوں کا گزر ہوا۔

یونانی ناموں یا شخصیتوں یا واقعات کے باب میں اگر کوئی غلطی سرزد ہوئی تو اس کے لیے میں عذرخواہ ہوں۔ مثلاً "برسین" کا تشخص غیر یقینی ہے۔ یہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ مقدونوی فوج میں دو سے زیادہ بطلیموس تھے نیز کوئنٹس نام کے دو افسر تھے۔ ممکن ہے واقعات کے سلسلے میں یہ نام خلط ملط ہو گئے ہوں۔

آریاں کی مفصل و طویل سرگزشت کا انگریزی ترجمہ میں نے ساتھ لے لیا تھا۔ کوئنٹس کرٹیئس کا لاطینی نسخہ دورانِ سفر میں مل گیا تھا۔ سٹریبو کا فرانسیسی ترجمہ اور پلوٹارک کے سوانح طہران کے عجائب خانہ آثارِ قدیمہ میں مل گئے تھے۔ ارسطو کی تصانیف کے انگریزی اور عربی ترجمے میں نے بغداد سے لیے تھے۔ ایک یونانی سفیر نے ڈیماستھینز کے خطبات کا فرانسیسی ترجمہ مستعار دے دیا۔ امریکہ کے ایک ماہرِ آثارِ قدیمہ ڈاکٹر جوزف اُپٹن نے، جو اس وقت طہران میں تھا، مجھے سر آرل سٹائن کی وہ کتاب دیکھنے کے لیے دی جس میں سکندر کے مکرانی راستے پر تبصرہ کیا گیا تھا۔

بیروت میں امریکن یونیورسٹی کا نہایت عمدہ کتب خانہ ہے، مزید امداد اس سے لی گئی دورانِ سفر میں علمائے مشرق نے ایشیائی اقوام اور اُس زمانے کی ثقافت کے متعلق بھی معلومات بہم پہنچائیں۔ اور مختلف شہروں کی وہ کیفیت بھی بیان کی جو سکندر کے وقت میں ہو سکتی تھی۔ مقدونیوں نے مشرق میں جو کچھ دیکھا ہو گا۔ اُس کا نقشہ میں نے آثارِ قدیمہ کی تفصیلات کے مختلف ٹکڑے جوڑ جوڑ تیار کیا۔ گویا مقدونیوں نے سکندر کی قیادت میں جو سفر کیا تھا اِس کتاب میں اس کی ہو بہو تصویر

از سرِ نو پیش کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ یہ تخلیق تو صرف اس حد تک تخیّل کا کرشمہ ہے کہ مختلف ماخذ سے حاصل کی ہوئی تفصیلات کو اصل منظر پر جوڑ دیا گیا ہے۔ اِس طرح ایک "کل" کی تشکیل کا بندوبست کیا گیا ہے۔ سکندر کو اِسی طرح دکھانے کی سعی کی گئی ہے جب کہ وہ اپنے وقت میں تھا۔ طویل سفر میں اس نے جو کچھ دیکھا ہو گا۔ جن لوگوں اور جن مسائل سے اسے سابقہ پڑا ہو گا انھیں اصل صورت میں پیش کیا گیا ہے۔

دو ہزار دو سو سال کی مدت گزر چکی ہے۔ اتنے فصل پر تمام تفصیلات کی تصدیق آسان نہ تھی لیکن اِن معلومات کو درجۂ یقین پر پہنچانا ممکن ہے۔ جو اِس زمانے میں یونانیوں، مصریوں، ایرانیوں اور شامیوں کو حاصل تھیں۔ اِن معلومات میں سکندر بھی حصّہ دار ہو گا۔ جو نظریات سکندر کے بعد وجود پذیر ہوئے، وہ اِس کتاب میں جگہ نہیں پا سکے ؛

کتبہ محمد شریف عباسی۔ ۷ ، اگست ۱۹۶۲ء

تاریخِ تہذیب

تالیف : برنٹن ۔ کرسٹوفر ۔ ولف   ترجمہ و تحشیہ : مولانا غلام رسول مہر

تاریخ کے وہ عظیم واقعات جو انسانی تہذیب و تمدن پر اثرانداز ہوئے پہلی جلد ۱۷۱۵ء سے پہلے کے واقعات پر مشتمل ہے اور دوسری جلد زمانۂ حال تک کی جھلکیاں دکھاتی ہے ۔

جلد اول ۔ صفحات ۸۱۴   قیمت : پچیس روپے

جلد دوم صفحات ۹۱۲   قیمت : پچیس روپے

غازیانِ تہذیب

(طبع دوم)

تصنیف : جوزف کاٹلر و ہائیم جیف   ترجمہ : سید ہاشمی فریدآبادی

اُن لوگوں کی داستان جنھوں نے عظیم‌الشان خواب دیکھے اور انھیں عوام کی تضحیک اور شدید مخالفتوں کے باوجود حقیقت کر دکھایا ۔ اُن کی کارکردگی انسانی دلچسپی کے پانچ شعبوں پر مشتمل ہے ۔ تفتیش ، خالص سائنس ، ایجاد ، حیاتیات اور طب ۔

صفحات : ۶۰۰   قیمت : دس روپے

قسطنطنیہ

تصنیف : هیرلڈ لیم   ترجمہ : مولانا غلام رسول مہر

اس کتاب میں قسطنطنیہ کے تاریخی شہر کی دل آویز تصویر کے علاوہ زوالِ رومہ سے عہد جسٹینین تک کی تاریخ بھی ہے ۔ کتاب کا تیسرا حصہ (استنبول اور گرد و پیش کے مناظر) جو پچاس صفحوں پر پھیلا ہؤا ہے ، فاضل مترجم نے خود لکھا ہے ۔

صفحات : ۲۵۶   قیمت : آٹھ روپے

سلطان صلاح الدین ایوبی

(طبع دوم)

تصنیف : ہیرلڈ لیم　　　　ترجمہ : یوسف عباسی

اسلام کے بطل عظیم سلطان صلاح الدین ایوبی کے مجاہدانہ کارناموں، درویشیانہ زندگی اور بارھویں صدی میں مسلمانوں اور عیسائیوں کی آویزشوں کا جامع اور ولولہ انگیز مرقع۔

صفحات : ٦٨٠　　　　قیمت : سترہ روپے پچاس پیسے

اسلام : صراطِ مستقیم

تالیف : کینتھ مورگن　　　　ترجمہ : مولانا غلام رسول مہر

مختلف اسلامی ممالک کے گیارہ علما کے مقالات۔ ان میں قرآن، سنت، شریعت، تصوف، تاریخ اور ثقافت کے علاوہ مسلمانوں کے موجودہ انفرادی و اجتماعی مسائل پر عالمانہ تبصرے کیے گئے ھیں۔

صفحات : ٥٩٤　　　　قیمت : تیرہ روپے پچاس پیسے

جزیہ اور اسلام

تصنیف : ڈینیئل سی ڈینیٹ　　　　ترجمہ : مولانا غلام رسول مہر

یہ اپنی نوعیت کی پہلی کتاب ھے جس میں مستند تاریخی دستاویزوں کے حوالوں سے ابتدائی دورِ اسلام کے صحت مند اقتصادی نظام اور مفتوحین سے مسلمانوں کے منصفانہ برتاؤ پر روشنی ڈالی گئی ھے۔ مضبوط جلد، خوبصورت ٹائپ کی طباعت۔

صفحات : ٢٠٧　　　　قیمت : دس روپے

مؤسسۂ مطبوعات فرینکلن، پوسٹ بکس ٣٦٩ - لاھور

لبنان : سر زمین اور باشندے

تصنیف : وائلا ایچ ۔ وائینڈر ترجمہ : ڈاکٹر عبدالسلام خورشید

لبنان پر یہ کتاب شہرۂ آفاق لبنانی مورخ ڈاکٹر حتی کی صاحبزادی کی ہے ، اس لیے ظاہر ہے کہ ملک کے حالات پر اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں ہو سکتی ۔

صفحات : ۱۱۶ قیمت : پانچ روپے

عرب اور اہل عرب

(طبع دوم)

تصنیف : رچرڈ ایچ ۔ سینگر ترجمہ : مولانا غلام رسول مہر

فاضل مصنف نے خود مختلف علاقوں کا سفر کیا اور جو کچھ لکھا ، ذاتی مشاہدات کی بنا پر لکھا ۔ اس میں دولتِ سعودیہ عربیہ ، بحرین ، کویت ، عمان کی ساحلی امارتوں ، مسقط ، عدن کی زیر حمایت امارتوں اور یمن کے متعلق تمام ضروری حالات جمع کر دیے گئے ہیں ۔

صفحات : ۳۸۴ قیمت : پانچ روپے

پاکستان کی پہلی کتاب

تصنیف : جین بوتھویل ترجمہ : سید ہاشمی فریدآبادی

اس کتاب میں پاکستان کے مختلف علاقوں میں شہری اور دیہاتی زندگی پر فاضل مصنفہ نے روشنی ڈالی ہے ۔ آفسٹ کی چھپائی اور تصاویر سے مزین ۔

صفحات : ۷۸ قیمت : تین روپے پچھتر پیسے

مؤسسۂ مطبوعات فرینکلن ، پوسٹ بکس ۳۶۹ ۔ لاہور

تاریخ لبنان

تصنیف : فلپ کے حتی ترجمہ : مولانا غلام رسول مہر

لبنان چھوٹا سا خطہ ہے اور اس کی تاریخ سے وسیع دلچسپی کا بظاہر کوئی امکان نہ تھا مگر دنیائے قدیم و جدید کی متعدد عظیم الشان سلطنتوں اور شہرۂ آفاق فاتحوں سے اسے کسی نہ کسی نوع کا تعلق رہا ۔ مصنف کے الفاظ میں اس ملک کی سرگزشت چھوٹے پیمانے پر مہذب دنیا کے بڑے حصے کی کہانی ہے ۔

صفحات : ۴۹۹ قیمت : پندرہ روپے

مصر : سرزمین اور باشندے

تصنیف : ذکی نجیب محمود ترجمہ : سید ہاشمی فریدآبادی

اس کتاب میں مصر کی گوناگوں ثقافتوں ، تاریخ و جغرافیہ ، معاشرتی ، اقتصادی اور سیاسی کیفیات کے بارے میں دلچسپ معلومات درج ہیں ۔

صفحات : ۱۳۴ قیمت : چار روپے

عراق : سرزمین اور باشندے

تصنیف : بہیجہ لوجائے ترجمہ : محمد ہادی حسین

قومیں آئیں اور گئیں ، سلطنتیں بنیں اور بگڑیں لیکن یہ سرزمین جوں کی توں قائم ہے ۔ آج بھی ہم عراق کی سیر کریں تو قدم قدم پر ہمیں یہ احساس ہوتا ہے کہ ماضی کی دہلیز پر کھڑے ہیں :

صفحات ۱۲۷ قیمت : چار روپے

قدیم علوم اور جدید تہذیب

(طبع دوم)

تصنیف : جارج سارٹن ترجمہ : سید ہاشمی فریدآبادی

قدیم علوم کے کون کون سے کلیے یونان ، روما ، عیسائیت قرون وسطی اور اسلامی تہذیب سے نسل در نسل منتقل ہوتے ہوئے جدید تہذیب تک پہنچے اور زمانے کی سیاسی یا معاشی آندھی کیوں ان علمی چراغوں کو نہ بجھا سکی ؟

صفحات : ۲۰۰ قیمت : تین روپے پچاس پیسے

آدمی کی انسانیت

(طبع دوم)

تصنیف : رالف بارٹن پیری ترجمہ : مولانا محمد بخش مسلم

امریکا کے مشہور فلسفی نے اس کتاب میں فلسفۂ انسانیت کے مفہوم اور اہمیت پر بڑی عمدگی سے روشنی ڈالی ہے ۔ عمدہ کاغذ اور ٹائپ میں طباعت ۔

صفحات : ۲۲۸ قیمت : سات روپے پچاس پیسے

مؤسسۂ مطبوعات فرینکلن ، پوسٹ بکس ۳۶۹ - لاہور